

قرآن وحدیث اورتاریخ اسلام کی روشنی میں

سیدنا امیر مومنین
رضی اللہ عنہ

کے حالات زندگی

حکیم محمود احمد ظفر



قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے حالات زندگی



حکیم محمود احمد ظفر

کتب خانہ یوسفی پشاور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب _____ سیدنا امیر معاویہؓ کے حالات زندگی

تالیف _____ حکیم محمود احمد

صفحات _____ ۸۸۴

قیمت _____ ۲۰۰

ناشر _____ کتب خانہ یوسفی پشاور

پاکستان کے ہر دینی کتب خانے
سے طلب فرمائیں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	عرض احوال (طبع ثانی)	۱۱
۲	تعارف از مولانا امین احسن اصلاحی	۱۳
۳	رائے گرامی از علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ	۱۷
۴	رائے گرامی از مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ	۱۸
۵	رائے گرامی از علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ	۱۹
۶	رائے گرامی از شیخ الحدیث مولانا محمد الحق سندیلوی	۲۲
۷	رائے گرامی از مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	۲۴
۸	تقریظ از مولانا سید حامد میاں صاحب	۳۰
۹	رائے گرامی از شیخ مولانا عبدالکبیر (ڈھاکہ)	۳۳
۱۰	تبصرہ از ماہنامہ الحق اکوڑہ خشک	۳۴
۱۱	قطعہ تاریخیہ عربیہ از مولانا نذیر احمد انوری (چٹاگانگ)	۳۶
۱۲	نذر عقیدت از مولانا قاضی عبدالکریم صابر کلاچوی (ڈیرہ اسماعیل خان)	۳۷
۱۳	پیش آہنگ	۳۸
۱۴	اسلامی تاریخ کے مآخذ	۴۲
۱۵	حدیث و تاریخ کا تقابل	۶۰
۱۶	تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول	۶۶

۶۸	تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر	۱۷
۸۶	کیا کتب تاریخ ناقابل اعتماد ہیں؟	۱۸
۸۶	خاندان قریش	۱۹
۸۷	قریش کی شاخیں	۲۰
۸۹	بنو امیہ اور تجارت	۲۱
۸۹	بنو امیہ مخالفت اور موافقت کے روپ میں	۲۲
۹۲	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو امیہ	۲۳
۹۶	بنو ہاشم کا قبول اسلام	۲۴
۹۸	بنو امیہ کا قبول اسلام	۲۵
۱۰۶	دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ	۲۶
۱۰۶	سیاسی نظام میں بنو امیہ کا مقام	۲۷
۱۱۲	عہد صدیقی اور بنو امیہ	۲۸
۱۱۵	عہد فاروقی اور بنو امیہ	۲۹
۱۱۹	نسب نامہ	۳۰
۱۲۰	ولادت اور صورت و سیرت	۳۱
۱۲۶	بارگاہ رسالت میں مقام	۳۲
۱۲۹	ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۳
۱۳۳	قبول اسلام	۳۴
۱۳۳	عہد رسالت اور سیدنا معاویہؓ	۳۵
۱۵۳	کتبت وحی اور سیدنا معاویہؓ	۳۶
۱۶۰	عہد صدیقی اور سیدنا معاویہؓ	۳۷
۱۶۳	عہد فاروقی اور سیدنا معاویہؓ	۳۸

۱۸۲	عہد عثمانی اور سیدنا معاویہؓ	۳۹
۱۸۹	فتنہ عظیمہ اور سانحہ عظیمہ	۴۰
۱۹۲	مخالفت کا پس منظر	۴۱
۱۹۷	یہود کی خیر سے جلا وطنی	۴۲
۱۹۸	سیدنا عمرؓ کی مخالفت کے اسباب	۴۳
۲۰۶	سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات	۴۴
۲۰۸	سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں فتنہ کے برگ و بار	۴۵
۲۱۱	بصرہ میں فتنہ کیا ابتداء	۴۶
۲۱۳	عبداللہ بن سباء کی حکمت عملی	۴۷
۲۱۷	سیدنا ابوذر غفاریؓ کا نظریہ معیشت	۴۸
۲۲۱	گورنروں کی مجلس شوریٰ کا انعقاد	۴۹
۲۲۵	کوفہ میں انقلاب کی لہریں	۵۰
۲۲۷	مدینہ طیبہ کے حالات اور تحقیقاتی کمیشن	۵۱
۲۲۹	ایک گشتی مراسلہ	۵۲
۲۳۰	موسم حج میں گورنروں کا اجتماع	۵۳
۲۳۲	سیدنا معاویہؓ کا امیر المومنینؓ کو مشورہ	۵۴
۲۳۳	مدینہ منورہ پر باغیوں کی پہلی یورش	۵۵
۲۳۴	مدینہ منورہ پر باغیوں کی دوسری یورش	۵۶
۲۳۶	مدینہ منورہ پر باغیوں کی تیسری یورش	۵۷
۲۳۹	معزولی پر اصرار اور قتل کا منصوبہ	۵۸
۲۴۵	شہادت کے بعد	۵۹
۲۴۷	فتنہ کے مختلف زاویے اور سیدنا علیؓ کی بیعت	۶۰

۲۵۲	جنگ جمل اور اس کے اسباب و نتائج	۶۱
۲۵۸	معرکہ صفین کا پس منظر	۶۲
۲۶۰	ملکی انتظامیہ میں تبدیلی	۶۳
۲۶۵	سیدنا معاویہؓ اور مطالبہ قصاص	۶۴
۲۶۷	سیدنا معاویہؓ کی معزولی اور اس کا ردِ عمل	۶۵
۲۷۰	حضرت معاویہؓ سے مصالحت	۶۶
۲۷۲	سیدنا معاویہؓ کی جوابی کارروائی	۶۷
۲۷۳	اکابر صحابہؓ کا سیدنا علیؓ سے اختلاف	۶۸
۲۷۶	مصالحت کی ایک اور کوشش	۶۹
۲۸۰	گشتی مراسلہ	۷۰
۲۸۱	سیدنا علیؓ کی شام کو روانگی	۷۱
۲۸۳	ایک من گھڑت روایت	۷۲
۲۸۶	میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش	۷۳
۲۹۰	جنگ کی ابتداء	۷۴
۲۹۲	جنگ کا دوبارہ آغاز	۷۵
۲۹۴	تاریخ اسلام میں غلط روایات	۷۶
۲۹۵	ابو مخنف کا حدودِ اربعہ	۷۷
۲۹۶	سیدنا علیؓ کے لشکر میں انتشار	۷۸
۳۰۴	خالصوں کا اجمالی تعارف	۷۹
۳۱۰	معاہدہِ حکیم	۸۰
۳۱۳	فیصلہ سنانے کا مقام	۸۱
۳۱۵	فیصلہ کے متعلق مشہور روایات	۸۲

۳۲۲	روایات پر اجمالی بحث	۸۳
۳۲۷	ثالثوں کا اصل فیصلہ	۸۴
۳۳۳	عدالت صحابہ کی بحث	۸۵
۳۳۷	عدالت صحابہ کا مطلب	۸۶
۳۴۱	فتنہ کے اصل بانی	۸۷
۳۴۴	اہل عراق اور سب و شتم	۸۸
۳۴۷	ابن خلدون کا نظریہ	۸۹
۳۵۲	سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کی ابتداء	۹۰
۳۶۳	سیدنا معاویہؓ کا مصر پر قبضہ	۹۱
۳۶۸	محمد بن ابی حذیفہ کا انجام	۹۲
۳۷۰	نقد و نظر	۹۳
۳۷۳	فیصلہ تحکیم کے بعد خوارج کی سرکشی	۹۴
۳۸۰	سبائیوں کی مختلف علاقوں پر شورش پسندی	۹۵
۳۸۰	سیدنا معاویہؓ کا بعض علاقوں پر قبضہ	۹۶
۳۸۲	سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا استعفاء	۹۷
۳۸۴	تاریخ کا نیا دھارا (شہادت امیر المومنینؓ)	۹۸
۳۹۲	خلافت سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ	۹۹
۳۹۵	شیعان حسنؓ کی مخالفت	۱۰۰
۳۹۷	سیدنا حسنؓ کے ساتھیوں کی مخالفت	۱۰۱
۳۹۸	سیدنا حسنؓ کی صلح پر آمادگی	۱۰۲
۴۰۲	سیدنا حسنؓ کا احباب سے مشورہ	۱۰۳
۴۰۳	سیدنا حسینؓ سے مشورہ	۱۰۴

۴۰۵	سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش	۱۰۵
۴۰۹	صلح کی شرائط	۱۰۶
۴۱۶	سیدنا حسنؓ کا خلافت سے دستبرداری کا اعلان	۱۰۷
۴۲۰	مخالفت کا طوفان	۱۰۸
۴۲۴	اعتراضات کا جواب	۱۰۹
۴۲۵	سیدنا حسینؓ کا آپ کی مخالفت کرنا	۱۱۰
۴۳۰	سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ کی حیثیت سے	۱۱۱
۴۳۶	خوارج کی شورش اور اس کا قلع قمع	۱۱۲
۴۳۹	بصرہ کی شورش	۱۱۳
۴۴۴	اصلاحات	۱۱۴
۴۴۶	رفاہ عامہ کے کام	۱۱۵
۴۴۷	مساجد کی تعمیر	۱۱۶
۴۴۸	غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ	۱۱۷
۴۴۹	زراعت اور اس کے وسائل کی ترقی	۱۱۸
۴۵۰	زراعت کے لئے پانی کی فراہمی	۱۱۹
۴۵۱	نئے شہروں کی تعمیر	۱۲۰
۴۵۳	نقل و حمل کا انتظام	۱۲۱
۴۵۳	رعایا سے سلوک	۱۲۲
۴۵۵	قضاء و عدالت	۱۲۳
۴۵۷	عسکری نظام	۱۲۴
۴۶۱	تنظیم مملکت	۱۲۵

۳۶۳ تا ۳۶۲	محکمہ جات (صیغہ پولیس، ڈیفنس رولز، صیغہ عدالت، نکسال)	۱۲۶
۳۶۳	تحریر و تقریر کی آزادی	۱۲۷
۳۷۰ تا ۳۶۶	مالیات (خراج، جزیہ، زکوٰۃ، صدقات، خمس، غرائب، محصول، فتنے، عشر، کراملا ارض)	۱۲۸
۳۷۱	صوبوں کی آمدنی	۱۲۹
۳۹۱ تا ۳۷۲	فتوحات شمالی افریقہ پر لشکر کشی، ہندو کی فتح، قسطنطنیہ پر لشکر کشی، مدوڑس کی فتح، مارواڑ کی فتح	۱۳۰
۳۹۲	بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک	۱۳۱
۵۱۰	آثارِ حرم و آثارِ نبوی کا تحفظ	۱۳۲
۵۱۵	علمی سرگرمیاں	۱۳۳
۵۱۸	یزید کی ولیعہدی	۱۳۴
۵۲۲	وفات	۱۳۵
۵۲۶	ازواج و اولاد	۱۳۶
۵۲۸	اخلاق و عادات	۱۳۷
۵۲۹	حلم و بردباری	۱۳۸
۵۶۰	تدبیر و سیاست	۱۳۹
۵۶۲	شجاعت و بساعت	۱۴۰
۵۶۳	سپہ گری	۱۴۱
۵۶۳	خطابت	۱۴۲
۵۶۵	فضل و کمال	۱۴۳
۵۶۷	ظرافت اور جو دو سخا	۱۴۴
۵۷۵ تا ۵۶۹	قیام عدل اور اتباع سنت	۱۴۵
۵۷۶	کرامات	۱۴۶
۵۷۹	سیدنا معاویہؓ مستشرقین کی نظر میں	۱۴۷

اعتراضات کے جوابات

۵۸۶	سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کے جوابات	۱۳۸
۶۰۱	گورنروں کی بالادستی	۱۳۹
۶۲۲	ویت کے معاملہ میں سنت کی تبدیلی	۱۵۰
۶۳۳	بیت المال کے اموال میں بے ضابطگی	۱۵۱
۶۳۷	سیدنا معاویہؓ کا مطالبہ قصاص	۱۵۲
۶۳۹	بسر بن ارطاة کے مظالم کا تذکرہ	۱۵۳
۶۴۵	مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟	۱۵۴
۶۵۲	اہل بیت نبوی سے برتاؤ	۱۵۵
۶۵۸	سید حسن گوز ہر دلوانا	۱۵۶
۶۶۳	استلحاق زیاد	۱۵۷
۶۷۳	حجر بن عدی کا قتل	۱۵۸
۷۰۱	سیدنا علیؓ پر سب و شتم	۱۵۹
۷۲۳	حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت	۱۶۰
۷۵۵	یزید کی ولی عہدی	۱۶۱
۸۰۹	خلافت راشدہ	۱۶۲
۸۴۴	ایک حدیث اور اس کا جواب	۱۶۳

عرضِ احوال

طبع ثانی

جولائی ۱۹۶۷ء میں جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اہل علم کے ہاں اس کتاب کی اس قدر پذیرائی ہوگی، کیونکہ اس موضوع پر اس زمانہ میں جو کتابیں شائع ہوئیں اگرچہ انہوں نے بہت سے ذہنوں کو متاثر کیا لیکن ان میں بہت کچھ مسلک اہلسنت سے ہٹ کر لکھا گیا جس کی وجہ سے اہل علم حضرات نے ان کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں اور اپنی تقاریر اور عام گفتگو میں بھی ان کی تردید کی، چنانچہ اس خوف سے کہ کہیں میری کتاب میں بھی ایسا مواد موجود نہ ہو، میں نے کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی تین جید اہل علم

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ شندوالہ یار

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۳) حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

کو کتاب کی ایک ایک کاپی اس غرض سے بھیجی تاکہ وہ اس کو پڑھ کر یہ بتائیں کہ اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں کہی گئی جو مسلک اہلسنت کے خلاف ہو۔

الحمد للہ! ان تینوں بزرگوں نے اپنی جو آراء اس کتاب کے بارہ میں ارسال فرمائیں ان کی بناء پر میں اس کتاب کو اپنے لئے سرمایہ آخرت سمجھتا ہوں۔

کیونکہ اس کتاب کے ذریعہ میں نے ایک مظلوم ترین صحابی رسول سیدنا امیر معاویہؓ کا کامیاب دفاع کیا ہے۔ ان آراء کو کتاب کے شروع میں درج کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کرام بھی ان سے آشنا ہوں۔

کتاب کے اس جدید ایڈیشن میں کچھ حک و اضافہ کیا گیا ہے جس نے کتاب کی افادیت میں پہلے سے زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ دوسرے صحابہؓ کے بارے میں بھی مجھ ایسے ناتواں کو ایسی کتابیں لکھنے کی توفیق عطا فرماوے۔

آمین یا اللہ العلمین !

نیاز آگین

حکیم محمود احمد ظفر

۱۰ دسمبر ۱۹۷۷ء



بسم الله الرحمن الرحيم

تعارف

حضرت مولانا امین حسن صاحب اصلاحی، لکھنؤ

مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی اس قیمتی تصنیف پر ایک سرسری نظر ڈالنے کا موقع مجھے ملا ہے اور میں اس رائے کے اظہار میں دلی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ موصوف نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف ہماری تاریخی کتابوں میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے بلکہ اس سے دین کی بھی نہایت اہم خدمت انجام دی ہے۔

ہماری تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی مسلمانوں کے اندر منافقین و مفسدین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ایک طرف تو ملت کے اجتماعی و سیاسی نظام کی پھولیں ہلا کر رکھ دیں، دوسری طرف اپنی تبلیغات اور دروغ بافیوں سے ہمارے تاریخی لطیفہ میں ایسا زہر آلود مواد بھر دیا جس کے مہلک اثرات سے آج تک ملت اسلامیہ کو نجات نہ مل سکی۔ ہر دور کے مفسدین و اشرار اس زہریلے مواد کو ابھار اُبھار کر کوئی نہ کوئی فتنہ ایسا اٹھاتے رہے ہیں جس سے پوری ملت برابر ایک انتشار و اضطراب میں مبتلا رہے۔

ہمارے اصحاب علم و نظر پر یہ ایک بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ پر ایک گہری ناقدانہ نظر ڈال کر اس قسم کی تبلیغات و تبلیغات سے اس کو پاک کریں۔ اس کے بغیر افکار و جذبات کی وہ ہم آہنگی و وجود میں نہیں آسکتی جو تنظیم ملت کی حقیقی بنیاد ہے، خاص طور پر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

کا معاملہ نہایت اہم معاملہ ہے، ان کے باب میں کوئی اختلاف صرف تاریخ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ عقائد و ایمانیات اور ارواح و قلوب کا اختلاف ہے اور اس کی زد بالواسطہ اصل دین پر پڑتی ہے۔ اگرچہ ہر دور میں ہمارے بیدار مغز علماء نے اس فرض کا احسا کیا اور انہوں نے بہت سی تبلیغات کا پردہ چاک کرنے کی پوری کوشش کی ہے لیکن اس فتنے کی جڑیں ہمارے ادب اور ہماری تاریخ کے اندر اتنی گہری اتری ہوئی ہیں کہ جب تک تنقید کے جدید آلات جراحی سے کام لے کر اس سرطان کے ہر اثر کا کٹاؤ استیصال نہ کر دیا جائے گا مفسدین اور منافقین اپنے مشنوم اغراض کے لیے اس کو غذا بہم پہنچاتے رہیں گے اور کمزور طبائع پر اس کا حملہ ہوتا رہے گا۔

ہر کام کے لیے قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے شاید یہ دور اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ ہمارا چہستانِ تاریخ اس تمام بھاڑ و تھنکار سے پاک و صاف ہو جائے جس کی تخم ریزی مفسدین نے کی اور جو چین کے مالیوں کی غفلت کے سبب سے جڑ پکڑ گیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے اور ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ادھر تھوڑے سے عرصے میں ہماری تاریخ کے اس خاص پہلو پر متعدد ایسی بلند پایہ کتابیں نکل رہی ہیں جو ذہنوں کے صاف کرنے اور طرز فکر کے بدلتے میں نہایت مؤثر اور مفید ثابت ہوئی ہیں۔

جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب بھی اسی زمرے کی ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ ہم نے اس کے جن مباحث پر نظر ڈالی ہے ان سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حکیم صاحب نے اپنے موضوع کا گہرائی اور وسعت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سچے ہوئے انداز میں دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ موصوف کے پیش کردہ دلائل کے بعض اجزاء سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن کتاب کی ہر فصل کا مدعا بحیثیت مجموعی اس قدر واضح ہے کہ اس سے مشکل ہی سے کوئی

انصاف پسند آدمی اختلاف کر سکے گا۔

اس کتاب کے مباحث پر نظر ڈالتے ہوئے بار بار ہمیں خیال آیا کہ جب سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا امیر معاویہؓ اور اکابر بنی امیہ سے متعلق تاریخ کی کتابوں میں یہ پاکیزہ مواد بھی موجود ہے جو اس کتاب میں مستند حوالوں سے نقل ہوا ہے تو آخر اس کو نظر انداز کر کے بعض لوگوں نے صرف اُس مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں فرمائی جس سے ان جلیل القدر صحابیوں کی تنقیص ہو سکے۔ آخر یہ مطالعہ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاظت پسند مکھی کی طرح صرف انہی گندے پھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مفتری نے ہمارے پاکیزہ خصائل اسلام کے دامن پر اڑائے ہوں۔ اس معاملے میں جو کوتاہی، ہمارے مؤرخین سے ہوئی ہے اگرچہ وہ بھی قابل افسوس ہے لیکن ان کی طرف سے یہ عُذر کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے صرف روایات و اقوال کے جمع کر دینے پر اکتفا کیا ہے، تحقیق و تنقید کا کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی طرف سے آخر کیا عُذر پیش کیا جاسکتا ہے جو تحقیق و تنقید کے دعوے کے ساتھ اٹھتے ہیں اور سبائیوں اور روافض کی روایات کو بنیاد بنا کر جلیل القدر صحابہ کو مطعون کر ڈالتے ہیں۔ اگر کسی جامع اقوال مؤرخ کی کتاب میں کوئی روایت درج ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت اُس مؤرخ کا مذہب و مسلک ہے لیکن اگر اس روایت کو کوئی شخص اپنی تحقیق کی حیثیت سے اختیار کر لیتا ہے تو اس کے صاف معنی ہیں کہ یہی اس کا مذہب و عقیدہ ہے۔ پھر یہ بات بھی اپنی جگہ پر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مؤرخین نے خواہ کتنی ہی ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہوں لیکن ان کی رطب و یابس روایات کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بناء پر صحابہؓ کو مجروح قرار دیا جائے، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کو خیر بڑی چیز ہیں ایک ادنیٰ صحابی کا بھی یہ درجہ ہے کہ اس کی ثقاہت و عدالت کو ہزاروں طہری و جزری اور لاکھوں کلبی و واقدی بھی مجروح نہیں کر سکتے۔

ہماری دُعا ہے کہ اس کتاب کو تحسین قبول حاصل ہو اور ان فتنوں کے
استیصال میں یہ ایک مؤثر قوت ثابت ہو جو اس وقت بعض سیاسی طالع آزمائوں
نے اٹھا دیئے ہیں۔

ایمن احسن اصلاحی
۱۰ جولائی ۱۹۶۷ء

رائے گرامی

شیخ الاسلام زبدۃ المحدثین حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ ٹیڈ والہ یار

میں نے آپ کی کتاب "سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار" مختلف مقامات سے دیکھی۔ ماشاء اللہ آپ نے خوب تحقیق سے کام لیا ہے، افسوس ہے کہ بعض نام نہاد علماء جیسے ڈاکٹر طاہر حسین اور سید قطب وغیرہ نے اس حقیقت سے صرف نظر کر لی ہے کہ تاریخ میں بھی موضوعات اور مکذوبات موجود ہیں۔ جب فتنہ پردازوں نے حدیث رسول میں بھی موضوعات و مکذوبات شامل کر دی ہیں تو تاریخ بیچاری کیا چیز؟ پھر جیسے محدثین نے حدیثوں میں سے موضوعات و مکذوبات کو الگ کر دیا ہے اسی طرح مبصرین کو تاریخ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ آجکل بعض مؤرخین آنکھوں کے بھی اندھے اور دل کے بھی اندھے اور بعض آنکھوں سے بینا ہیں لیکن دل کے نابینا ہیں۔ آپ نے ماشاء اللہ دونوں سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آجکل اس قسم کی تصنیفات کی بہت ضرورت ہے کیونکہ یہودی اور عیسائی مبلغوں کا بڑا حربہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو حضرات صحابہ کی طرف سے بدظن کر دیا جائے تو پھر دین کی بنیاد کمزور ہو کر دین منہدم ہو جائے گا۔ یہی حربہ انکار حدیث کے سلسلہ میں کارفرما ہے کیونکہ جب حدیث محنت نہ رہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کی تشریح تھی تو اب ہر شخص آزاد ہو گا کہ قرآن کی جو چاہے تشریح کرے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام اور نافع بنائیں۔ (رأینے)

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۵۔ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ

رائے گرامی

فخر الامثال حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

کتاب ”سیدنا معاویہؓ“ مصنفہ عالی قدر مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی، اختر نے
اول سے آخر تک پوری پڑھی اور اس کی دلچسپ تعبیر، بلاغت بیانی اور تسلسل واقعات
کے سبب پورا پڑھے بغیر چارہ کار بھی نہ تھا۔

کتاب مسئلہ مشاجرات صحابہؓ اور سیرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں
تاریخ، تفسیر اور حدیث کی روایات کا نچوڑ اور صحت فکر کا مرقع ہے۔ سیدنا امیر معاویہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی عظمت، جلالت اور شرف صحابیت کی وجہ سے بلند ٹی مقام
کو جن غلط تاریخی روایات کے نیچے دبائے رکھنے اور اصل حقیقت کو تعقبات کے
غلیظ پردوں میں چھپائے رکھنے کی جو کوششیں ایک خاص نقطہ نظر کے ماتحت کی
جاتی رہی ہیں اس کتاب نے اُن غلیظ پردوں کو چاک کر کے حضرت معاویہؓ کی حقیقی
عظمت و شان نکھار کر سامنے رکھ دی ہے، خصوصیت سے کتاب کا مقدمہ تاریخ
اور تاریخی روایات کے رد و قبول کے اصولوں کا ایک بہت ہی قابل قدر اور کارآمد مجموعہ
ہے جس سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارہ میں تاریخی روایات
کے غوث و ثمین کو باسانی پرکھا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم نے اگر کسی طبقہ کو من حیث الطبقة
پورے کے پورے طبقہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے، اس لیے صحابہؓ
کے بارے میں ہر تاریخی روایت کے رد و قبول کا سیدھا اور صاف معیار قرآن حکیم
ہے جس سے مصنف نے جگہ جگہ کام لے کر واضح کر دیا ہے کہ اسلامی ذہن اس سلسلہ
میں کسی ایسی روایت پر مطمئن نہیں ہو سکتا جو اس قطعی اور سچے معیار پر پوری نہ اترتی
ہو۔ نیز اس باب کی ایسی روایات کے وضع کرنے میں جو حضرات صحابہؓ کی عظمت و جلال

میں شکوک و شبہات و ادراک پیدا کر سکتی تھیں، جن چابکدستیوں سے کام لیا گیا ہے مصنف دام فیض نے ان سب کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ساتھ ہی اس بارہ میں مستند مؤرخین کی معیاری شہادتوں اور ان سے بھی بالاتر احادیث نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ مستند حوالوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں سارے شکوک و شبہات کا قرار واقعی جواب و استیصال ہے۔ مصنف ممدوح نے محنت شاقہ اٹھا کر اور سینکڑوں کتابوں کی چھان بین کر کے مشاہیر اصحاب و بالخصوص فیصلہ حکیم کے بنیادی نقاط سامنے رکھ دیئے ہیں جنہیں سامنے رکھنے سے امت مرحومہ تمام ایسی جعلی اور فرضی کاروائیوں کے دام فریب سے بچ سکتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن بنائے اور اس امت میں تفریق ڈالنے کے لیے منافقوں کی طرف سے انجام دی گئیں۔

کتاب ماشاء اللہ محققانہ، بنجیدہ اور اپنے موضوع میں کامیاب اور قابل قدر ہے۔ حق تعالیٰ مصنف کو ہم سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اس سعی کو قبول فرما کر مقبول عام بنائے۔ (آمین)

محمد طیب

(مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۱۶ شعبان ۱۳۸۶ھ)

رائے کرامی

حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

یہ کتاب ایک ایسے نازک اور پیچیدہ موضوع پر لکھی گئی ہے کہ جس کی پیچیدگی کے چند اسباب حسب ذیل ہیں :-

(۱) حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مقبولانِ بارگاہِ خداوندی میں سے ہیں اور دونوں میں اس کے باوجود صفین کے موقع پر تصادم کی نوبت بھی آئی ہے۔ اب مؤرخانہ انداز میں تاریخی حقائق کو اس انداز میں پیش کرنا کہ دونوں میں سے کسی کی شخصیت بھی مجروح نہ ہو اور کتاب و سنت کے آئینے میں دونوں کی جو قطعی شخصیت ہے اس سے بھی ٹکراؤ نہ ہو یہ بہت نازک اور محتاط کام ہے۔

(۲) دوم یہ کہ ارباب تاریخ نے ارباب غرض و سیاست رواۃ کی تقلید میں ان دونوں حضرات کی تاریخ کچھ ایسی مسخ کی ہے کہ دونوں حضرات کی زندگی کے اصلی خدخال نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں اب ان بناوٹی پردوں کو ہٹا کر اصل حقیقت تک پہنچنا آسان کام نہیں۔

(۳) تاریخ میں قاتلانِ عثمانؓ پر اسلامی قانون نافذ کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اور بارہ صوبوں کے گورنروں کی یک قلم اور بلا وجہ تبدیلی اور فتوحات اسلامیہ اور تبلیغ اسلام کی رکاوٹ سب کچھ مذکور ہیں لیکن حضرت علیؓ کی طرف سے ان فروگذاشتوں کے سلسلے میں معذرت اور مجبوریاں واضح نہیں کی گئی ہیں۔ اسی طرح فیصلہ حکیم جس سے جانبین کی جنگ رک گئی اس کی تحریری شکل کو نظر انداز کر کے اس کو افسانے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس سے جانبین کے متعلق بدگمانی ہوتی ہے۔

علیٰ لہذا القیاس مؤرخین نے سیدنا امیر معاویہؓ کے فرضی عیوب کو اچھالا ہے لیکن ان کے

علم، ہود و سخاوت، شجاعت، جہاد، فتوحات اسلامیہ اور مملکت کے تعمیری کاموں کو نظر انداز کر دیا ہے اور اگر کچھ کیا بھی ہے تو واضح اور مفصل بیان نہیں کیا۔
مصنف کتاب دَامِ فِیض نے ان سب مشکلات کو حل کیا ہے اور اس نازک موضوع کو ایسا نبھایا ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے علماء، طلباء و دونوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وہ بھی اس جہادِ دفاع عن الصحابہ میں شریک ہو سکیں۔

احقر شمس الحق افغانی

شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور
سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند
وزیر معارف شرعیہ یا سٹہائے متحدہ بلوچستان

رائے گرامی

استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق صاحب سند بلوچی سابق شیخ الحدیث وۃ العلماء مکتبہ

جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی کتاب ”سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار“ کی جلد اول کا میں نے مطالعہ کیا، مطالعہ کر کے چنانچہ مصنف کیلئے دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم خدمت کو قبول فرما کر اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین۔ صحابہ کرامؓ کی جانب سے دفاع درحقیقت دلائل نبوت کی جانب سے دفاع ہے، کیونکہ ہر صحابی اپنی اعلیٰ شخصیت اور اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحیہ وسلم کی شانِ تعلیم و تربیت کا آئینہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک مستقل دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ دین کے ایک گروہ نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا وقار ناواقف مسلمانوں کی نگاہ سے گمراہیوں تاکہ ہدایت کا یہ دروازہ بند ہو جائے۔ خصوصاً سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنا اور ان محترم پر بہتان باندھ کر چاند پر خاک ڈالنے کی کوششیں کرنا تو ابنِ سبأ اور اس کے متبعین کا خاص شعار ہے۔ کچھ سبائی تو نقابِ لقیہ ڈال کر اور بظاہر سستی بن کر اس جلیل القدر صحابی رسول پر افتراء پر دازی کرتے ہیں تاکہ ناواقف اہل سنت قریب میں آکر ان محترم کے متعلق سوءظن میں مبتلا ہو جائیں اور اپنی عاقبت خراب کر لیں۔

ان حالات میں جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب تحفظِ دین اور ہدایتِ مسلمین کا ذریعہ اور بہت اہم خدمتِ اسلام ہے جس کے لیے وہ سب مسلمانوں کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کتاب میں ہر بات مدلل و مبہن

اور ہر دلیل الہیمان بخش اور مسکت ہے۔ تاریخی واقعات کی تحقیقات بحوالہ کتب کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب حق اور منصف مزاج کے لیے یہ کتاب نسخہ تریاق اور رقص کے زہر سے نجات کی ضامن ہے، البتہ معاند کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔ (امین ص)

محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ

ناظم شعبہ تصنیف و تالیف

مدسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی

۴ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

رائے گرامی

حضرت مولانا محمد سر فراز خان صاحب صفیہ شیخ الحدیث مدرسہ نصرتہ العلوم جہانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ - آمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں جو درجہ، شان اور مرتبہ امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ نہ عرش و کرسی کو، نہ لوح و قلم کو، نہ حور و ملک کو اور نہ کعبہ کو اور نہ کسی بشر کو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بلند مقام کے لیے صرف آپ ہی کو چنا اور اختیار فرمایا، جو کتاب آپ کو مرحمت فرمائی وہ سب کتابوں سے اعلیٰ، جو قبلہ آپ کو عطا کیا وہ سب قبلوں سے عمدہ، جو دین آپ کو عنایت فرمایا وہ سب ادیان سے اکمل اور جو صحابہ کرام آپ کو دیئے وہ اپنی شان و اخلاص میں سب سے یکتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پوری نوع انسانی میں ان کی نظیر اور مثال ناممکن ہے جن کے ایمانی کارنامے رہتی دنیا تک ساری اُمت کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ وہی حضرات قرآن و حدیث کے اولین راوی اور توحید و سنت کے پہلے گواہ ہیں۔ اگر معاذ اللہ ان کا ایمان ثابت نہیں تو یقین چلیئے کہ قرآن و حدیث اور توحید و سنت کچھ بھی ثابت نہیں۔ اس لیے کہ وہی حضرات تو ان کی حقانیت کے گواہ ہیں، اگر وہی غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہوں تو قرآن و حدیث پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ توحید و رسالت پر کیا یقین ہو سکتا ہے؟ جنت و دوزخ اور شتر و نشتر کا کیا یقین ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب گواہ ہی قابل اعتماد نہ ہوں تو جس امر کی وہ گواہی دے رہے ہیں اس کا بھلا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ

کا ان کے بارے میں جو منصفانہ اور عادلانہ نظریہ ہے وہ یہی ہے کہ: الصحابۃ کلہم عدول: ان کی عدالت پر اعتراض کرنے والا ظالم اور فاسق ہے اور وہ آفتاب و ماہتاب پر پھونکنے کی ناپاک اور سعی لاحاصل کے درپے ہے۔
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ ذٰلِكَ الْفٰسِقِ

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرات صحابہ کرامؓ کو مغفرت اور رضا کی ہوسند عطا فرمائی ہے اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے شاہی انعام سے جس طرح ان کو نوازا ہے وہ کس مسلمان سے مخفی ہے؟ اور کون مسلمان ان کے مناقب و فضائل اور شمائل و خصائل کی عمدہ صفات سے ناواقف ہے؟ اس مقام پر ہم قرآن کریم کا ایک مضمون عرض کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے:-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَانصَرَوْا وَلَيْكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَهَاجَرُوْا
وَجَاهِدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ - (الانفال: ۱۰)

(ترجمہ) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی تو وہ لوگ یقینی بات ہے کہ مومن ہیں، ان کیلئے بخشش ہے اور عزت کی روزی، اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہیں میں سے ہیں:-

اس مضمون میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تین طبقوں کا ذکر فرمایا ہے:-

۱۔ وہ حضرات جو ایمان لائے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت اور جہاد کیا یعنی مہاجرین! مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور

حضرت علیؓ وغیرہم۔

- ۲۔ وہ حضرات جو ایمان لائے اور مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح سے انکی نصرت کی، یعنی انصار، جیسے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت ابو ابوبکرؓ وغیرہم۔
- ۳۔ وہ حضرات جو اُس زمانہ میں ایمان لائے جب نصرت اور امداد کی چنداں ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ مثال کے طور پر حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہم۔

اور اسلام کو بفضلہ تعالیٰ خوب تائید و تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ (الآیت) میں انہی حضرات کا ذکر ہے جو مثلاً صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے، ان سب کو اللہ تعالیٰ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا سے تعبیر فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضرات یقینی طور پر مومن ہیں اور ان سے مغفرت کے علاوہ جنت میں عزت کی روزی کا وعدہ بھی ہے۔ جن کو پروردگار یقینی طور پر مومن فرمائے اور جن کو بخشش کا پروانہ دے اور جن کو رزق کریم کی بشارت سنائے اُن کے مومن ہمتی، عادل اور جنتی ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ قرآن حکیم میں اگر کوئی اور مضمون یا فقرہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں نہ بھی ہوتا تو ان کی مقبولیت اور مرتبت کے لیے یہ ارشاد کیا کم ہے؟ مگر یہ سب کچھ مومنوں کے لیے ہے۔

(۲) حضرت عویم بن ساعدہ الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :-

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِخْتَارَنِىْ وَاِخْتَارَنِىْ اَصْحَابًا وَجَعَلَ لِيْ مِنْهُمْ دُرَرًا وَاَنْصَارًا وَاَصْحَابًا فَمِنْ سَبَّهْمُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَدَقَ وَاَعَدَّ لـ

(ترجمہ) بلاشبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے (اپنی ساری مخلوق میں) مجھے چنا اور خود اسی نے میرے لیے

میرے صحابہ چُنے اور اس نے میرے لیے ان میں سے وزیر، مددگار اور کسرا بنائے، سو جس شخص نے ان کو بُرا کہا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، ایسے شخص کی قیامت کے دن نہ تو نفلی عبادت قبول ہوگی اور نہ فرضی؟

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۲ - قال الحاکم والذہبی صحیح)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لیے پروردگار نے منتخب فرمایا ہے اس میں کسی انسان کے انتخاب کا دخل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ پر تنقید (معاف اللہ) رب العزت پر تنقید کو مستلزم ہے اور ان پر تنقید کرنے والا اور ان کو ہدایتِ ملامت بنانے والا اللہ تعالیٰ اور تمام انسانوں اور معصوم فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہے، کیونکہ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے آپؐ کے وزراء ہیں اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے حضرات آپؐ کے انصار اور مددگار ہیں اور حضرت ابوسفیانؓ جیسے آپؐ کے خسر اور حضرت امیر معاویہؓ جیسے آپؐ کے برادرِ بستی اور مومنوں کے ماموں ہیں۔ لہذا حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو بھی بُرا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کی اعلیٰ مخلوق کی لعنت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(۳) حضرات صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنا اور عامۃ الناس میں ان نفوسِ قدسیہ کو مطعون ٹھہرانا دینِ قوم کی مضبوط دیواروں کو کھوکھلا کرنا ہے، اس شیعہ حرکت کا ارتکاب کوئی دانتہ طور پر کرے یا نادانتہ، اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے اور باطل پرست اور علی الخصوص سبائی پارٹی اور اُن کے کاسہ لیس اسی طریق سے اسلام کی عمارت کو گرانا چاہتے تھے اور اب بھی اس کے درپے ہیں، حالانکہ یہی حضرات عملی طور پر اسلام کا بہترین سرمایہ

ہیں، مگر افسوس کہ

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے

پیدا کیے فلک نے سچے جو خاک چھان کر

علامہ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) مشہور زندقہ شاکر

کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابو داؤد سجستانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

لما جاء الرشيد بشاكر رأس الزنادقة ليضرب عنقه قال

اخبرني لم تعلمون المتعلم منكم اقل ما تعلمونه الرقص

والقدرة؟ قال ما قولنا بالرفض فانا نريد الطعن على

الناقلة فاذا بطلت الناقله اوشك ان يبطل المنقول

واما قولنا بالقدرة فانا نريد ان نجوز ان يخرج بعض

افعال العبادة ثبات قدر الله فاذا اجاز ان يخرج

البعض جاز ان يخرج الكل۔ (تاريخ بغداد جلد ۳ ص ۳۸ طبع مصر)

ترجمہ: جب ہارون رشید کے سامنے زندقوں کا پیشوا شاکر درافضی پیش

کیا گیا تاکہ اس کی گردن اڑادی جائے، تو ہارون رشید نے اس سے

پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ کہ تم سب سے پہلے رفض اور انکار تقدیر کا سبق منقول

کو کیوں سکھلاتے ہو؟ شاکر نے جواب دیا کہ ہم رفض (جس میں

حضرات صحابہ کرام کی تکفیر اور ان پر طعن ہے) تو اس لیے سکھلاتے

ہیں کہ ہمارا مطلب ناقلین (مذہب صحابہ کرام) پر طعن کرنا ہے،

جب ناقلین مذہب غیر معتد قرار پائیں تو دین خود بخود باطل ہو جائے

گا، اور ہم تقدیر کا انکار اس لیے سکھلاتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ

بندوں کے بعض افعال اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے خارج ہیں تو اس سے

مکمل افعال کے خارج ہونے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے۔

اس حوالہ سے آفتاب نیروز کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب ایسے

رافضیوں اور باطل پرستوں نے قرآن و حدیث کے اولین راویوں (صحابہ کرامؓ) پر محض اس لیے طعن شروع کیا ہے کہ اس طرح کرنے سے دین اسلام کی بنیاد ہل جاتی ہے اور یہی ان کا ناپاک مقصد ہے۔ اور حضرات اہلبیت کی محبت کے پردہ میں حضرات اصحاب ثلاثہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ حضرات پر جس بیباکی سے انہوں نے طعن کیا ہے اور ان کو بدنام کرنے کے لیے گہرے منصوبے کے تحت جو جو باتیں گھڑ گھڑ کر ان کے گلے مڑھی گئیں اور ان کے سر مٹھو پی گئی ہیں ان سے ہر شریف آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۴۷) اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے محترم دوست حضرت مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کو جنہوں نے تاریخ کے صد ہا اوراق اُلٹنے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے مذہبی اور سیاسی کارناموں کو اُجاگر کیا اور ان پر کیے گئے مطاعن کا خوب جائزہ لیا اور سیالپور کی خود ساختہ تاریخ کے دبیز پردوں کے نیچے دبی ہوئی شخصیت کو عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیا۔ کتاب ”سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار“ راقم الحروف نے اول سے آخر تک بغور دیکھی ہے، جس نرالے اور انوکھے طرز سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے دل کی تہہ سے ان کے حق میں دُعائیں نکلتی ہیں۔ کتاب صوری اور معنوی حیثیت سے بلند پایہ کتاب ہے۔ چند دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات سے عموماً اور حضرت امیر معاویہؓ کے حالات سے خصوصاً واقف ہونے والے حضرات سے پُر زور التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابہ کرامؓ کے دامن سے وابستہ رکھے، اسی پر جنہیں اور اسی پر مریں۔ (آمین)

احقر ابوالزہاد محمد سرفراز صد مدرس مدرسہ نضر العلوم کوثر ناولہ

۶ شوال ۱۳۸۷ھ / ۷ جنوری ۱۹۶۸ء

تقریظ

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب ریشہ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ؑ أَمَّا بَعْدُ !

میں نے جناب مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی تصنیف ”سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار“ کی جلد اول کو مسلسل دیکھا، مولانا موصوف نے نہایت کاوش و کوشش سے مفید و عظیم خزانہ یکجا کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا صحیح مقام ہی تھا اور جس نظر سے انہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اس نظر محبت سے دیکھنا عین ایمان ہے۔ افراط و تفریط سے جو مفاسد پیدا ہوئے انہوں نے مستقل فرقوں کی شکل اختیار کر لی ہے حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابن مبارک نقل فرماتے ہیں :-

سُئِلَ أَبُو عَصَمَةَ ابَا حَنِيفَةَ فَمِنْ تَأْمُرِي ان اَسْمَعَ الْاَثَارَ قَالَ
مَنْ كُلِّ عَدْلٍ فِي هَوَاةِ الْاَلَا الشَّيْعَةِ فَاِنْ اَصْلَ عَقِيدَتِهِمْ تَضْلِيلُ
اصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ اَتَى السُّلْطَانَ طَائِعًا
اَمَا فِي كَلَامِي اَقُولُ اَنَّهُمْ يَكْذِبُونَ اَوْ يَأْمُرُونَ بِمَا لَا يَنْبَغِي
وَلَكِنْ وَطَاوَالَهُمْ حَتَّى انْقَادَتِ الْعَامَّةُ بِهِمْ فَهَذَا اِنْ لَا يَنْبَغِي
اِنْ يَكُونَا مِنْ اُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ ۔

”یعنی ابو عصمہ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے کس سے احادیث سننے کا حکم دیں گے؟ فرمایا ہر اس شخص سے حدیث سنو جو اپنی خواہشات نفس میں اعتدال پر رہتا ہو سوائے شیعوں کے کہ ان کا

اصل اعتقاد یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ ثابت کیا جائے (معاذ اللہ) اور اس شخص سے بھی روایات نہ لو جو بادشاہ کے پاس اطاعت کرتا ہو اپنی جگہ ہو، میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے لوگ بادشاہوں سے جھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں یا انہیں ایسے کام کرنے کو کہتے ہیں جو مناسب نہ ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ ایسے لوگ عوام کی اطاعت کیلئے زمین ہموار دیتے ہیں تو یہ دونوں طبقے مسلمانوں کے رہبر نہ ہوتے چاہئیں۔

یہ روایت خطیب بغدادی نے اپنی کتاب کفایہ ص ۱۲۱ پر درج کی ہے اور اپنی سند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک بتوسط ابن مبارک نقل کی ہے۔ حقیقت یہ ہے جو ابو زرہ رازی نے بیان فرمائی ہے۔

اذا دلت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه زنديق وذلك ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادعى اليانا هذا القرآن والسنة اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا يطلوا الكتاب والسنة والجرح بهما اولي واهم زنادقة۔ (کفایہ ص ۲۹)

”جب کسی کو صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندقہ ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی پہنچایا ہے۔ جو لوگ صحابہ پر معترض ہوتے ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور زندقہ ہیں۔“

سلف سے مسلمانوں کا یہی اعتقاد چلا آ رہا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت

کا مذہب ہے۔

اس کتاب میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا گیا ہے اور ان پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی مدلل دیئے گئے ہیں، لہذا ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے، ہم سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خدمت لے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہمیں محشور فرمائے۔ (آمین)

حامد میاں

۶ رزیع الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۶۷ء

رائے گرامی

استاذ الحدیث حضرت مولانا عبدالکبیر صاحب مدظلہ محدث جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ ڈھاکہ

سیدنا امیر معاویہؓ کے بارے میں بعض بددین اور فتنہ انگیز لوگوں کی بعض تحریروں کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد میں کچھ رخنہ پیدا ہونے لگا تھا، اچھے اچھے لوگوں کو بھی غلط فہمی ہونے لگی تھی۔

آپ کا اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے سیدنا امیر معاویہؓ کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب تصنیف فرما کر متزلزلہ عقائد والوں کو ٹھکانے لگایا اور فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کے لیے فتنہ انگیزی کا دروازہ بند کر دیا۔

خداوند کریم آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے، میں آپ کو مبارک باد پیشے کرتا ہوں

احقر عبدالکبیر
محدث جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ ڈھاکہ
۲۶ رجب ۱۳۸۷ھ

ماہنامہ الحق اکوڑہ ٹھک

کاتبصرہ

ماہنامہ الحق ملک کا ایک معیاری پرچہ ہے جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹھک کے زیر اہتمام اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی زیر اہارت چار سال سے جاری ہے۔ اس پرچہ کے دسمبر کے شمارہ میں کتاب "سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار" پرتین صفحات میں شاندار تبصرہ کیا گیا ہے۔ مکمل تبصرہ کو تو نقل کرنا مشکل ہے البتہ اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں:-

”صحابہ کرام“ میں حضرت معاویہؓ کی ذات بڑی مظلوم ہے، اس کا تپ وحی ہادی اور مہدی شخصیت کے آئینہ مصفا پر بعض مؤرخین نے منوں گرد ڈال دی ہے جس سے موصوف کا جمال جہاں آرام ابھی تک ایسا مستور رہا ہے جس طرح چاند کی طلعت ابرا لود ہو جائے۔

آگے تاریخ کی تدوین میں جو کچھ عیاریاں کی گئیں اور شیعہ حضرات نے کس طرح اپنی تفتیہ کی فیکٹری میں ان روایات کو ڈھالا اور سیدنا عثمانؓ غنی اور سیدنا علیؓ کے بعد بعض لوگوں کو بدنام کرنے کی جو مہم شروع کی گئی تبصرہ نگار نے ان کی نشاہدی کی ہے، اس کے بعد فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں:-

”خدا تعالیٰ مصنف "سیدنا معاویہؓ" کو جزائے خیر دے کہ اس نے شبانہ روز محنت، جگر کاوی اور عرق ریزی سے اس گرد کو بھاڑنے کی مستحسن کوشش کی ہے جو اولوالعزم اور جلیل القدر صحابیؓ کے دامن اور آئینہ مصفا پر پڑی تھی۔ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں اکابر صحابہؓ حتیٰ کہ اہل بیتؑ تک کے افراد عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن حنفیہؓ،

عبداللہ بن عمرؓ اور عقیل بن ابی طالبؓ کے اقوال بیان کر کے حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرنے کی سعی کی ہے، اور تاریخ کا تانا بانا جس رطب و یابس مواد سے تیار کیا گیا ہے اُسے بھی خوب بے نقاب کیا گیا ہے اور اس پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ خرابیاں کس راستے سے آئی ہیں۔ کتاب کیا ہے؛ اس روشنی کا بینا رہے جو تاریخ کے اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے طالب علموں کو صحیح راستہ دکھا سکتی ہے، ایک صیقل ہے جس نے تاریخ کے چہروں کو مصفا اور مجلا کر دیا ہے، غلط روایات کا پوش مارا ہے اور ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر صحیح اور غلط واقعات کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ ہم اپنے جملہ قارئین اور خصوصاً اہلسنت حضرات سے اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں اور مصنف کی اس نحو اصابۃ عرق ریزی کی داد دیتے ہیں مصنف کا سب سے بڑا کمال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرتے کرتے اپنے دامن کو بھی خارجیت سے بچا گئے ہیں ورنہ اس سلسلہ میں پہلے عینی کوششیں ہوئیں ان میں ایک گرہ کھولی گئی تو دس گرہیں اور نمودار ہو گئیں، حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کیا اور یوں خارجیت کی پرورش کی، لیکن مصنف کتاب ہذا نے اہلسنت والجماعت کے مسلک کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔

ماہنامہ الحق اکوڑہ تحک

دسمبر ۱۹۶۷ء

قطعة تاريخية عربية

(١٦)

تتالفا نذير احمد صاحب النوري شيخ الادب السعدي معين السلام باثري
چنگا گنگ

كتاباً الف جيب عجباً
اديباً شاعراً علام دهر
ذكيّاً حاذقاً مقداً علم
شهيراً في جميع العلم فرداً
ففي التحرير سياق زمان
وفي النظم هو كبر خضم
لجبت الشرق والغرب جميعاً
هو المشيخان في كل الامور
وفي التاريخ قد جمع كتاباً
وكل لفظه دهر ثمين
جزاة الله في الدارين خيراً
وقد كلّ النذير عن ثناء
ولا تلقى كمثله لبيباً
بليغاً ماهراً فقام عصر
نقيباً فائقاً سباق حلم
ولا تلقى له في الفضل نداً
وفي التقرير منطق بيان
وكل ناقص وهو متمم
فاني نلته فضلاً رفيعاً
فقيد المثل في كل الدهور
وقد سهل ما كان صعباً
على ما قال والله امين
وقاه الله في الكونين ضيراً
على ما كان فيه من سناء

وفي التاريخ قولوا من سرور

كتاب السيرة جاء بنور

١٣٨٤ هـ

ت و ق ت في سن طبع من سرور

نذر عقیدت

نتیجہ فکر مولانا الحاج محمد عبدالکریم صنا صابر ڈیرہ اسماعیل خان



کیا بہترین، کتنی انوکھی کتاب ہے
عنوان میں اچھوتے تو خربرد لپیڈیر
ہے دل نشین بیان امیر معاویہؓ
جو وقت کا مدبر اعظم تھا بے مثال
وہ کاتبان وحی میں جس کا شمار تھا
وہ کہ جو تھا صحابی محبوب کردگار
حاصل تھی جس کو دنیا میں فوقیت عظیم
جس کے ہے کارناموں پر تاریخ کو بھی ناز
کردار میں اسی کے لکھی گئی یہ کتاب
اس فور میں یہ واقعی تصنیف ہے عجیب
محمود کی ظفر کی ہے احمد کی یادگار

اور یہ کتاب آپ ہی اپنا جواب ہے
کیا بحث کیا دلائل پختہ ہیں بے نظیر
ظاہر ہے جس سے شان امیر معاویہؓ
لاریب اک مفکر اعظم تھا بے مثال
جو شاہکار قدرت پروردگار تھا
گنجینہ رسولؐ کا اک درتاب دار
وہ فاتح دنیا کا شخصیت عظیم
اسلام جس کے عہد میں کتنا تھا سرفراز
پھر کیوں نہ یہ کتاب ہو دنیا میں للجواب
اور اپنے رنگ خاص کی مالیف ہے عجیب
اس عہد کا یہ ایک نرالا ہے شاہکار

کاوش ظفر کی دہر میں یہ بے مثیل ہے
صابر قبول اس کی یہ سعی جمیل ہے



پیش آہنگ

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے نابغہ اسلام، کاتب وحی، خال المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی ہے، اس میں آپ کے واقعات زندگی، واقعات کے نشیب و فراز اور ان کی مختلف کروٹوں پر کتاب و سنت اور تاریخ اسلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

سیدنا معاویہؓ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو اپنی سیادت اور قیادت کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھا اور ہر موقع پر اس خاندان نے سیاسی و اقتصادی مسائل میں قریش کی قیادت کے فرائض انجام دیے ہیں۔ دور جاہلیت میں اس خاندان نے اہل اسلام کی نہایت شدت سے مخالفت کی لیکن جو نہی اس خاندان کے لوگوں نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالا اور نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا تو وہی لوگ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کے مصداق بن گئے اور ان کی شدت نفرت شدت محبت میں بدل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہی لوگ جس طرح دور جاہلیت میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کے قائد و سرور رہتے اسی طرح اسلام قبول کرتے ہی مخالفین اسلام کا سرکھننے والوں کی قیادت کے فرائض سر انجام دینے لگے اور ان کے حسن اسلام کی وجہ سے ان کی سیادت میں اور بھی حسن پیدا ہو گیا۔

ان کی سیادت کا سب سے بڑا اظہار سیدنا عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا جب تمام مملکت اسلامیہ ایک ایسے خلیفۃ المسلمین اور چند ایسے گورنروں کے تحت آگئی جن کا تعلق خاندان بنو امیہ سے تھا وہ گورنر اگرچہ سیدنا عثمان غنیؓ کے مقرر کردہ نہ تھے بلکہ ان کے تقرر کا تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے تھا،

لیکن بعض بنو ہاشم کو جو شروع ہی سے اپنے کو خلافت کا سب سے بڑا مستحق سمجھتے تھے بنو امیہ کی شان و شوکت اور یہ عروج بالکل نہ بھاتا تھا۔ اس کے ساتھ اہل ایران اور یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلافت عثمانی کے خلاف ایک فتنہ بپا کر دیا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا موجب بنا، پھر بعد میں علوی خلافت میں بھی انہی شورش پسندوں کی وجہ سے ہنگامہ میں اور زیادہ اضافہ ہوا اور جنگ جبل اور جنگ صفین میں کئی ہزار جانوں کو خاک و خون میں لیٹنا پڑا، جس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

ان ہنگاموں میں جو کچھ بھی ہوا وہ کسی خاندانی رقابت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بعض سیاسی حالات ان واقعات کا پیش خیمہ تھے، مگر بعد کے تاریخ نگاروں نے ان واقعات کو ایک تو باہمی خاندانی رقابت کا رنگ دے دیا اور دوسرے ان میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیا کہ حقیقت غلط روایات کی نذر ہو گئی۔ تاریخ کو اس طرح مسخ کرنے میں سب سے زیادہ دخل بنو عباس کو ہے کیونکہ ایک تو وہ خود خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے دوسرے خاندان بنو امیہ سے انہوں نے زمانہ خلافت چھینی تھی اور وہ اپنے اس پردہ پیگنڈے سے بنو امیہ کو خلافت کا واقعی غیر مستحق اور اپنے کو اس کا سب سے بڑا مستحق سمجھنا چاہتے تھے۔ پھر تاریخ نویسی کا آغاز بھی چونکہ انہی کے زمانہ میں ہوا اس لیے انہوں نے ایک خاص سیاسی مصلحت کے پیش نظر تاریخ میں ایسی غلط روایات داخل کر وادیں جن کا حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ ندوہ کے ایک فاضل مورخ مولانا شاہ معین الدین ندوی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

”بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی یہ سب بنو امیہ کے سخت دشمن تھے اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آ رہی تھیں تاریخوں میں داخل ہو گئیں کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا روایات کی

انہی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے مشکل تھی
گو بہت سی بے سرو پا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عجیب تھا تنقید سے مسترد
ہو گئیں لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے
حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط دیا
سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد
کے لیے تراشے گئے تھے ان میں داخل ہو گئے تاہم زمانہ مابعد میں جب
تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی روایتیں ناقابل اعتبار قرار
پائیں، چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے،
(سیر الصحابة جلد ۶ ص ۹۳)

مصر کے فاضل مصنف علامہ محب الدین الخطیب نے اس حقیقت کو ان

الفاظ کا جامہ پہنایا ہے :-

ان التاريخ الاسلامي لم يبداء تدوينه الا بعد زوال
بنی امیة و قیام دولة لا یسر رجالها التحدث بمفاخر ذلك
الماضي ومحاسن اهلہ فتولى تدوين تاريخ الاسلام
ثلاث طوائف طائفة كانت تنشر العیش والجدّة من
التقرب الى بغضی بنی أمیة بما تکتبه وتؤلفه وطائفة
ظنت ان التدوين لا يتم ولا یكون التقرب الى الله الا
بتشویة سمعة ابي بكر وعمر وعثمان وبنی عبد شمس
جميعاً وطائفة ثالثة من اهل الانصاف والدين -

(العواصم من القواصم ص ۱۷۱ تعلیقہ)

(ترجمہ) ”تاریخ اسلام کی تدوین بنو امیہ کے زوال اور اس سلطنت کے قیام
کے وقت شروع ہوئی جس کے لوگوں کو بنو امیہ کے مفاخر اور محاسن کا
تذکرہ یک قلم نہیں بھاتا تھا چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں

نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو امیہ کی مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر ان کے دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ آدمی کا تہن اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا اور اس کو قرب خداوندی اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور تمام بنو عبد شمس (بنو امیہ) کے دامن شہرت کو داغدار نہ کیا جائے، اور تیسرا گروہ اہل انصاف اور اہل دین کا تھا۔

گیارہویں صدی ہجری کے مشہور محدث ملا علی قاریؒ ایک سلسلہ گفتگو میں تاریخ اسلام کے پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ومن ذلك الاحادیث في ذم معاوية و ذم عمرو بن العاص و ذم بنی امیہ و مدح المتصور و السفاح و کذا ذم یزید و الولید و مروان بن الحکم۔ (الموضوعات البکیر ط ۱۲۹/۱ ص ۱۷۰ المطالع کراچی)

(ترجمہ) انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی موضوع ہیں جو حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور بنو امیہ کی مذمت میں ہیں اور اس کے مقابلے میں منصور عباسی اور سفاح عباسی کی مدح و تعریف میں ہیں اور اسی طرح یزید بن معاویہؓ اور ولید اور مروان بن الحکمؓ کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔ (کیونکہ وہ بنو عباس کے زمانہ میں شخص ان لوگوں کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں)۔

ہر سہ اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ بنو امیہ ایسے نہیں تھے جیسے تاریخی روایات بتاتی ہیں بلکہ وہ اسلام کے نہایت مخلص خدمت گزار تھے اور اسلام کی خدمت میں وہ کسی قبیلے سے پیچھے نہیں تھے بلکہ سب سے پیش پیش تھے۔ اور یہ روایات جن سے ابن جریر طبری، ابن الاثیر اور ابن عساکر کی تواریخ انی پڑی ہیں، سیاسی اغراض کی تکمیل اور خاص سیاسی جذبات کی تسکین کے لیے اپنے سیاسی حریفوں کیلئے حاصل کر کے

لوگوں سے وضع کرائی گئیں اور بعد میں ان روایات کو کچھ اس طرح سے ہوا دی گئی کہ بے خبر لوگوں نے ان غلط روایات کو حدیث کے ہم پلہ اور ان افسانوں کو تاریخ کی مستحکم اور ثقہ روایات سمجھ لیا۔

اسلامی تاریخ کے مآخذ

اسلامی تاریخ کے مآخذ صرف کتب تواریخ ہی نہیں بلکہ اس تاریخ کے مآخذ تین ہیں:-

① **قرآن حکیم** اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا مآخذ قرآن حکیم ہے جس نے اپنے خاص مشن کے تحت صحابہؓ کی ایک جماعت تیار کی پھر اس جماعت کی صفات، ذہنی رجحانات، قلبی کوائف کو بیان کیا اور ان کی خصوصیات کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے بطور اتباع اور حجت پیش کیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے ذہنی رجحانات، قلبی کوائف اور فکری ارتقاء کا تذکرہ کئی سو آیات میں بیان کیا گیا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کی سیرت سے متعلق بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔

② **احادیث** قرآن حکیم کے بعد احادیث رسول کا درجہ ہے جو نہ صرف قرآن کی تشریح و تفسیر ہیں بلکہ صاحب قرآن اور حاملان قرآن کی سیرت اور واقعات زندگی پر بھی کافی حد تک روشنی ڈالتی ہیں۔ حدیث کی متعدد کتب میں ارشادات نبویہ کے ماسوا صحابہؓ اور تابعین کے اقوال و اعمال کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ان سے تبع تابعین تک کے احوال و وقائع پر روشنی پڑتی ہے۔

صحت کے لحاظ سے کتب احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں:-

پہلا طبقہ **کتب احادیث کا پہلا طبقہ تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ مؤطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔** مؤطا کے رجال کی عدالت اور ضبط پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ فقہائے امصار کی بنیاد بھی اسی پر ہے، متعدد اہل علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ صحیحین بخاری اور مسلم، اگرچہ احادیث کی کثرت اور پھیلاؤ میں

موطا سے دس گنا ہوں گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم رحمہ اللہ متوفی ۲۶۱ھ نے احادیث کی روایت کرنے کا طریقہ، راویوں کی تمیز کا سلیقہ تتبع طرق حدیث اور استنباط مسائل کا ڈھنگ موطا ہی سے معلوم کیا ہے۔ صحیحین کے جامعین نے بڑی محنت اور رجال روایت پر بڑی کڑی شرطیں لگا کر احادیث کا استخراج کیا ہے لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ صحیحین کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں صحیح حدیث نہ ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

ان قولنا رواہ البخاری ومسلم علامة لنا على صحته لانه
صان صحيحًا مجرد رواية البخاری ومسلم رواها
غيرهما من العلماء والمحدثين من لا يصح عددهم
الا الله ولع ينقرد واحد منهم بعد حديث يل ما من حديث
الا قد رواه قبل زمانه وفي زمانه وبعد زمانه طوائف
ولو لم يخلق البخاری ومسلم لع ينقص من الدين شيء و
كانت تلك الاحاديث موجودة باسانيد يحصل بها
المقصود وفوق المقصود۔

ہمارا یہ کہنا کہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے ہمارے
مزدیک اس کی صحت کی علامت ہوتی ہے لیکن محض اس لیے نہیں کہ اس کو
امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے بلکہ ان کی احادیث کے علاوہ ان
حدیثوں کو علماء اور محدثین کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے، ان
احادیث میں ایک بھی ایسی نہیں جس کو کافی لوگوں نے ان کے زمانے سے
قبل اور خود ان کے زمانے میں اور ان کے زمانے کے بعد روایت نہ کیا ہو
اگر بخاری اور مسلم پیدا نہ ہوتے تو پھر بھی دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی اور
یہ احادیث اپنی اسناد کے ساتھ اسی طرح موجود ہوتیں اور ان سے یہی
مقصود حاصل ہوتا بلکہ مقصود سے بھی کچھ زیادہ حاصل ہوتا۔

وَأَنَا قَوْلَنَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ كَقَوْلِنَا فِي الْقُرْآنِ رَوَاهُ الْقُرْآنُ
السَّبْعَةُ وَالْقُرْآنُ مَنْقُولٌ بِالتَّوَاتُرِ لَمْ يَخْتَصْ هُوَ لِلسَّبْعَةِ
يَنْقُلُ شَيْءٌ مِنْهُ وَكَذَلِكَ التَّصْحِيحُ لَمْ يَقْلِدْ أُمَّةَ الْحَدِيثِ
فِيهِ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمًا بَلْ جَمْعُهُمَا مَا صَحَّحَا كَانَ قَبْلَهُمَا
عِنْدَ أُمَّةٍ الْحَدِيثِ صَحِيحًا مُلْتَقًى بِالْقَبُولِ وَكَذَلِكَ فِي
عَصَرِهَا وَكَذَلِكَ بَعْدَ هُمَا قَدْ نَظَرْنَا أُمَّةَ هَذَا الْقَرْنِ
فِي كِتَابَيْهِمَا وَافَقُوهُمَا عَلَى صَحَّةِ مَا صَحَّحَا أَلَا مَوْضِعٌ
يَسِيرَةٌ نَحْوَ عَشْرِينَ حَدِيثًا غَالِبًا فِي مُسْلِمٍ أُنْتَقَدَ هَا
عَلَيْهَا طَائِفَةٌ مِنَ الْحَفَاطِ -

ہمارا یہ کہنا کہ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، یہ بالکل ایسا ہی
ہے جیسے ہم قرآن کی بابت کہتے ہیں کہ اسے قراء سبعہ نے روایت کیا
ہے حالانکہ قرآن تو اتر سے منقول ہے اور اس کی کسی شے کے بارہ میں
قراء سبعہ کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اسی طرح حدیثوں کی تصحیح کا معاملہ ہے
اس میں بھی محدثین بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کرتے بلکہ جن احادیث کو
انہوں نے صحیح کہا ہے محدثین کے نزدیک وہ ان سے پہلے زمانہ میں بھی
صحیح اور ملتی بالقبول ہی تھیں، اسی طرح ان کے زمانہ میں بھی اور ان
کے بعد بھی۔ اس فن کے ائمہ (محدثین کرام) نے ان دونوں کتابوں کا
بغور مطالعہ کیا اور ان روایات کی صحت پر ان کے ساتھ اتفاق کیا جن کو
ان دونوں امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح کہا ہے سوائے جس احادیث
کے قریب جن میں اکثر مسلم میں ہیں اور بعض حفاظ حدیث نے ان دونوں
کتابوں کی ان احادیث پر تنقید کی ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۵۹/۵۸ بولاق مصر)

دوسرا طبقہ | کتب احادیث کا دوسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ کتابیں ہیں جو ان
دونوں کتابوں کے درجہ تک تو نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں

جیسے جامع ترمذی (م ۲۴۹ھ) سنن ابی داؤد (م ۲۴۵ھ) سنن نسائی (م ۳۰۳ھ) جن کے مؤلفین وثوق، عدالت، حفظ اور ضبط میں مشہور تھے اور فنون حدیث میں تبحر ان حضرات نے اپنی ان کتابوں میں ان شروط میں کوتاہی اور چشم پوشی کرنے کو پسند نہیں کیا ہے جن کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور احادیث کے احوال و علل کے بیان کرنے میں کم کوشش نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور ائمہ حدیث نے ان چھ کتابوں کو "صحاح ستہ" کے نام سے موسوم کیا ہے لیکن سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی سب روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع بھی قسم کی روایات شامل ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں :-

ليس كل ما في هذه الكتب وامثالها صحيحاً وحسناً
بل هي مشتملة على الاخبار الصحيحة والحسنة
والضعيفة والموضوعة۔

”ان کتابوں اور ان جیسی دوسری کتابوں میں صرف صحیح اور حسن روایات ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات ہیں“ (الاجوبة الفاضلة ص ۶۶)

ایسا ہی علامہ نووی نے لکھا ہے کہ :-

ات في السنن الصحيح والحسن والضعيف
والمنكر۔

”سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی روایات

ہیں“ (التقريب ص ۹۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک مسند امام احمد (م ۲۴۱ھ) بھی اسی طبقہ ثانیہ

س سے ہے، وہ اصل ہے جس سے صحیح اور تقیم کا علم ہوتا ہے اور اس سے اس حدیث جس کی کوئی اصل ہے اس حدیث سے جس کی کوئی اصل نہیں ہے تمیز کیا جاتا ہے۔

بایں ہمہ اس مسند میں بہت سی ضعیف احادیث بھی ہیں جن کا احوال بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسند احمد کی ضعیف احادیث بھی اُن ضعیف احادیث سے کہیں بہتر ہیں جن کی متاخرین تصحیح کرتے ہیں کیونکہ مسند احمد کی ضعیف حدیث بھی حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ بہر حال مسند امام احمدؒ سے بڑا صحیح احادیث کا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے بلکہ علامہ حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے ”غایۃ المقصد فی زوائد المسند“ میں تصریح کی ہے کہ:-

مسند احمد اصح صحیحاً من غیرہ۔

”صحیح ہونے کے لحاظ سے مسند احمد اوروں کی نسبت زیادہ

صحیح ہے۔“ (تدریب الراوی ص ۵۷)

لیکن محدثین کی یہ تصحیح استاد کے لحاظ سے ہے، درایت کے اصولوں پر اگر ان احادیث کو پرکھا جائے تو کئی احادیث ایسی ملیں گی جو کہ حد درجہ کی ضعیف ہیں اور ان کے راویوں نے اپنی مرویات میں نادانستہ یا دانستہ دروغ گوئی سے اور کذب بیانی سے کام لیا ہے۔

علمائے حدیث وفقہ نے مسند احمد کو اپنا راہ نما بنایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ فن حدیث میں اس کی حیثیت رکن اعظم کی ہے۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ (م ۲۷۳) بھی طبقہ ثانیہ میں شمار کی جاتی ہے اگرچہ اس کی بعض احادیث انتہا درجہ کی ضعیف ہیں۔ حدیث کی کوئی کتاب بھی ہو، خواہ وہ بخاری مسلم ہی کیوں نہ ہوں تنقید اور چھان بین سے بالاتر نہیں اور محدثین نے اپنی کتابوں میں ان سب کتابوں کی روایات پر بحث اور تنقید کی ہے اور ان کی احادیث کے بارہ میں استدراکات لکھے جیسا کہ امام دارقطنیؒ نے بخاری کی دو سو احادیث پر ”الاستدراکات“ نامی کتاب لکھی۔ (عمدۃ القاری جلد ۱) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ان کا جواب دینے کی بھی سعی کی ہے لیکن جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ مضمحل نظر آتے ہیں۔

(ہدی الساری مفید فتح الباری ص ۳۸۶ تا ۳۸۸)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ایک تقسیم کے لحاظ سے احادیث کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) وہ احادیث جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو فضائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن میں واقعات، تنازعات، مشاہرات اور سیر و معازی کا ذکر ہے۔

ان میں سے پہلی قسم کی احادیث پر ائمہ اربعہ اور ان کے متعلقین فقہاء نے اسناد و روایت کے لحاظ سے سیر حاصل بحثیں کر کے ان کی چھان بھٹک کر دی ہے اور اب ان پر زیادہ تنقید اور تحقیق کی چننا ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم کی احادیث پر علمائے کرام نے کچھ بحث کی ہے لیکن اس قسم کی احادیث پر ان کا معیار تنقید احکامی احادیث سے الگ ہے۔ ان احادیث کے بارہ میں علماء نے نہایت تساہل سے کام لیا ہے، اگر کسی ضعیف حدیث سے بھی کسی عمل کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو اس ضعیف حدیث پر عمل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے ائمہ حدیث فرماتے ہیں :-

اذا روينا في المحلل والحرام شذذنا واذاروينا في الفضائل ونحوها تساهلنا۔

جب ہم حلال و حرام (یعنی احکام) کے بارہ میں احادیث روایت کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں لیکن جب فضائل کی احادیث روایت کرتے ہیں تو روان پر جرح اور تنقید کے بارہ میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ رکفایہ ص ۱۳۴

اس مضمون کو ان کتابوں میں بھی مختلف الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے :-

(۱) عیون الاثر فی فنون مغازی والسير لابن سید الناس جلد ۱ ص ۱۵

(۲) المحظ الاوفیٰ الحج الاکبر ص ۶۔ (۳) الموضوعات لعلی القاری ص ۷۳

(۳) شرح الفیۃ الحدیث جلد ۲۔ (۵) الفتح المبین شرح اربعین نووی لابن حجر مکی ص ۳۲

تیسری قسم کی احادیث جن کا تعلق مغازی و سیر اور مشاہیرات و واقعات صحابہ سے ہے ان کی تنقیح و تنقید پر بہت ہی کم لوگوں نے توجہ کی ہے اور جن لوگوں نے ان احادیث کے بارہ میں کچھ لکھا ہے انہوں نے بھی صرف اسنادی لحاظ سے ان پر توجہ و نقد کیا ہے، اصول درایت کے لحاظ سے ان کے بارہ میں کوئی بحث نہیں کی۔ لہذا سیر و مغازی اور مشاہیرات صحابہ کے بارہ میں ہر قسم کی احادیث کو بڑے بڑے محدثین نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ اور عام لوگ ہر موضوع اور ضعیف حدیث کو بھی صرف اس وجہ سے کہ فلاں عالم نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اپنے معتقدات کی بنیاد ان پر رکھنے لگے۔

علاوہ ازیں سیر و مغازی اور مشاہیرات کا تعلق تاریخ سے بھی ہے اور تاریخ کی اکثر روایات محمد بن اسحاق، واقدی اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں جن کے کذب پر بڑے بڑے ائمہ حدیث کا اتفاق اور اجماع ہے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق کے بارہ میں امام نسائی، امام ابویوسف، امام دارقطنی، سلیمان تیمی، یحییٰ بن سعید القطان، وہیب بن خالد، امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، حافظ ابن القیم، امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور دیگر ائمہ حدیث نے کذاب ضعیف، لیسن بحتہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضعیف و صغیر ص ۵۲، کتاب الطل جلد ۳ ص ۴۳، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۶، توجیہ النظر ص ۲۸، زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۲۳، نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۳۹، دلیل الطالب ص ۲۳۹ وغیرہم۔

بلکہ امام مالکؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ محمد بن اسحاق ”رجالوں میں سے ایک نے جال تھا“

تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۱، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۱

اسی طرح واقدی کے بارہ میں ائمہ حدیث نے کذاب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶، لسان المیزان جلد ۶ ص ۸۲۵،

میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱، المغنی جلد ۲ ص ۶۱۹

اسی طرح ابو مخنف لوط بن یحییٰ بھی اہل علم کے نزدیک دروغ گو، اخباری، غیر ثقہ اور

جلالینا شیعہ ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶، لسان المیزان جلد ۴ ص ۲۹۲)
یہی حال ہشام بن محمد بن سائب الکلبی کا ہے۔ علمائے جرح و تعدیل نے اس کا
چہرہ بھی گھناؤنا پیش کیا ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔
ان راویوں کی مرویات آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسی ہوں گی! کذب اور
دروغ باقی کا مرقع، صحابہ کرام پر افتراء پر دازی اور بہتان تراشی کا مجموعہ، دین اسلام
کے خلاف ایک سازش، جس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے۔

ہمارے محدثین نے تاریخ اور حدیث کی بعض روایات میں جب ہم آہنگی دیکھی
تو بعض ضعیف بلکہ موضوع احادیث کو بھی جن کا تعلق سیر و معازی اور مشاہرات سے تھا
بغیر استاد پر بحث کئے اور درایت کے اصولوں کو نگاہ میں رکھے بیک جنبش قلم ان کو صحیح
لکھ دیا اور متاخرین نے متقدمین پر اعتماد کی بنیاد استوار کرتے ہوئے بغیر جرح و تنقید
کے ان کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی اور انے والے لوگوں کے راستہ میں مشکلات
کی دیوار کھڑی کر دی۔ مثال کے طور پر حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَقِلِي مَوْلَاكَ"
اس حدیث کو اگرچہ طبقہ اعلیٰ کی کتابوں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم،
سنن ابی داؤد وغیرہ میں روایت نہیں کیا گیا، لیکن یہ درست ہے کہ یہ حدیث کثرت
روایت اور تعدد طرق سے مروی ہے لیکن اس کے باوجود غیر صحیح اور ضعیف ہے، چنانچہ
حافظ جمال دین زبلی نے لکھا ہے کہ:-

کم من حدیث کثرت رواۃ و تعددت طرقہ و هو
حدیث ضعیف۔

”کئی احادیث کثرت رواۃ اور تعدد طرق کے باوجود ضعیف ہیں۔“
ان ہی احادیث میں حافظ زبلی نے حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَقِلِي مَوْلَاكَ"
کو بھی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الصلیب جلد ۱ ص ۳۵۹، ۳۶۰)

اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہ نے علامہ ابن حزم ظاہری کا قول نقل کیا ہے:-
وَأَمَّا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَقِلِي مَوْلَاكَ فَلَا يَصَحُّ مِنْ طَرَقِ

الثقات اصلاً -

اور حدیث من کنت مولاهُ فعلی مولاهُ ثقہ اور معتبر طریقوں سے
ہرگز ثابت نہیں۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۸۶ بولاق)
خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ثقات کے نزدیک بالکل ضعیف ہے لیکن کثرتِ روایات
اور تعددِ طرق کی بناء پر بعض محدثین نے اسے صحیح لکھ دیا ہے جو کہ اصولِ روایت
اور اصولِ درایت کی رُو سے سراسر غلط ہے۔

ساری بحث کا حاصل یہ کہ سیر و معاذی اور مشاہرات و واقعات صحابہ کے
بلکہ میں احادیث پر علمائے متقدمین اور متاخرین نے اصولِ روایت و درایت کے
لحاظ سے وہ جرح و تنقید اور بحث و تحقیق نہیں کی ہے جو احکامی احادیث پر کی ہے
اور اگر کچھ جرح و نقد کی بھی ہے تو نہایت تساہل سے۔

دوسری چیز یہ کہ حدیث صحیح اور خبر صحیح وہی ہے جو اصولِ روایت و درایت
پر پوری اُترتی ہو محض یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے اور یہ خبر فلاں
مؤرخ نے نقل کی ہے ایک بے وزن بات ہے۔

ایسی احادیث اور اخبار سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات کو بخروج نہیں کیا جاسکتا
جن کی پاکدامنی اور رضاۃ الہی کی سند غیر متواتر یعنی قرآن حکیم سے دی جا چکی ہے۔

تیسرا طبقہ | کتب احادیث کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ مسانید، جوامع اور
مصنفات شامل ہیں جو بخاری اور مسلم کے زمانے سے قبل یا ان کے زمانے

میں یا ان کے بعد تصنیف ہوئیں اور وہ صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ،
منکر، خطا و صواب اور ثابت و منقول ہر نوع کی احادیث پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ ان
سے اجنبیت مطلقہ زائل ہو گئی ہے تاہم علماء میں ان کی شہرت و مقبولیت ویسی نہ ہو
سکی جیسی طبقہ اولی و ثانیہ کی کتابوں کی ہوئی۔

ان میں مختلف معیار کی کتابیں ہیں بعض کتابیں بعض سے زیادہ قوی ہیں ان
کتابوں کے کچھ نام یہ ہیں :-

مسند امام شافعی (دم ۲۰۴) سنن ابن ماجہ (دم ۲۰۳) مسند دارمی (دم ۲۵۵)
 مسند ابو یعلیٰ موصلی (دم ۲۰۳) مصنف عبدالرزاق (دم ۲۱۱) مصنف ابن ابی شیبہ
 (دم ۲۳۵) مسند عبد بن حمید (دم ۲۲۹) مسند ابو داؤد و طبرانی (دم ۲۰۳) سنن دارقطنی
 (دم ۲۸۵) صحیح ابن حبان (دم ۲۵۴) مستدرک حاکم (دم ۲۰۵) کتب بیہقی،
 (دم ۲۵۸) کتب طحاوی (دم ۲۱۱) اور مصنفات طبرانی (دم ۳۶)

چوتھا طبقہ | کتب حدیث کے چوتھے طبقے میں وہ کتابیں شامل ہیں جن کے مصنفین
 نے زمانہ دراز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو گزشتہ
 زمانوں (طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں) میں نہیں تھیں، لہذا ان کی احادیث و ثقیول
 سے خالی نہ ہوں گی۔ ایک شق یہ ہے کہ سلف نے ان سے کافی بحث کی لیکن انہیں ان
 کی اصل نہ ملی کہ ان کی روایت میں مشغول و مصروف ہوتے، دوسری شق یہ ہے کہ
 انہیں اصل تو ملی لیکن ان میں قدر و علت تھی جس کی وجہ سے وہ ان کی روایت ترک
 کرنے پر مجبور ہوئے۔ غرض ان دونوں ثقیول کی بناء پر ان کتابوں پر کوئی ایسا
 اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ ان کتابوں سے کوئی عقیدہ ثابت کیا جاسکے یا ان سے
 کسی عمل کے ارتکاب پر کوئی دلیل قائم کی جاسکے۔

اس قسم کی کتابیں بکثرت موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

کتاب الضعفاء لابن حبان (دم ۲۵۴) ، مسند الفردوس للعلیمی (دم ۵۰۹)
 مصنفات حاکم (دم ۲۰۵) بلکہ ان کی ساری تصانیف۔

کتاب الضعفاء للعقیلی (دم ۳۲۳) مصنفات ابی نعیم (دم ۴۳۰)
 کتاب الاسکال لابن عدی (دم ۳۶۵) مصنفات جوزقانی (دم ۵۲۳)
 مصنفات ابن مردوبہ (دم ۴۱۶) مصنفات ابن عساکر (دم ۵۷۱)
 کتب خطیب (دم ۴۶۳) مصنفات ابی الشیخ (دم ۳۶۹)

تصانیف ابن شاہین (دم ۳۸۵)

تفسیر ابن جریر (دم ۳۸۵) مصنفات ابن النجار (دم ۴۶۳)

علامہ ابن جوزیؒ (رم ۵۹۶ھ) نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں ان کتابوں کی اکثر موضوع روایات کی خوب خبر لی ہے، چنانچہ ان کو انہوں نے مجروح اور مطعون ثابت کیا ہے اور ان کے دلائل وضع و کذب کو خوب واضح کیا ہے، نیز کتاب ”تنزیہہ الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة الموضوعة“ للشیخ ابی الحسن علی بن محمد بن عراق الکنتانی (رم ۹۶۳ھ) اس قسم کی فریب دہ چیزوں کو دور کرنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ دوسری کتابوں کی حاجت ہی نہیں رہتی، اکثر عجیب و غریب مسائل مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسلمان ہونا اور ابن عباس سے مسح رجلین کی روایات اور اس طرح کے بہت سے عجیب و غریب مسائل اسی طبقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ (رم ۹۱۱ھ) کی تصانیف کا سارا سرمایہ ہی کتابیں ہیں کیونکہ وہ زیادہ انہی کتابوں میں مشغول رہتے اور ان سے ایسے ایسے احکام استنباط کرتے کہ جن کی کوئی حد نہیں۔

اگر کسی کو ان کتابوں سے کوئی دلچسپی ہو تو وہ علامہ شمس الدین فہمیؒ کی کتاب ”میزان الضعفا“ اور ابن حجر عسقلانیؒ کی ”لسان المیزان“ کو اپنے زیر مطالعہ رکھے کیونکہ یہ دونوں کتابیں ان کتابوں کی روایات کی تحقیق کے بارہ میں از حد مفید ہیں۔ (ماخوذ از عجالة نافعہ از شاہ عبدالعزیز عیثی دہلوی ص ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱،

جن سے بنو امیہ کی تنقیص مقصود تھی اور اس کے محاسن کو بھی معائب و مثالب کے رنگ میں پیش کیا گیا تھا اور اس مقصد کے لیے کرائے کے ٹو بھی خریدے گئے۔
 (۲) بعد کے زمانہ میں شیعہ راویوں اور شیعہ مؤرخین نے اپنے کو سنی ظاہر کر کے تاریخ کی ایسی کتابیں تالیف کیں جن میں بنو امیہ کے خلاف اپنے دلی بغض کا کھل کر اظہار کیا گیا اور سنی کتب تواریخ میں تحریف کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جن کا تفصیلی ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”تحفہ اثنا عشریہ“ میں فرمایا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:-

(۱) شیعہ علماء اکثر یہ کیا کرتے ہیں کہ تفسیر و سیر کی ان کتابوں میں جن کا استعمال سنی علماء و طلباء کے ہاں کم رہتا ہے یا حدیث کی ان کتابوں میں جو زیادہ مشہور نہیں ہوتیں اپنی طرف سے موضوع اور جھوٹی باتیں جو کہ مذہب شیعہ کی مؤید ہوتی ہیں ملحق کر دیتے ہیں اور پھر اس سے سنی ناواقف علماء کو بھی بعد میں ہو کا لگ جاتا ہے۔
 پھر اس کی ایک مثال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”محمد شاہ کے زمانہ میں دہلی میں دو شیعہ بھائی طبقہ امراء میں سے ایسے تھے جو کہ صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور اہلسنت کی دوسری کئی ایک تفاسیر کو بہترین کاغذ پر خوش خط کتابوں سے لکھواتے اور جگہ جگہ اپنے مذہب کی تائید کی حدیثیں ملا دیتے، پھر ان نسخوں کی جلدوں کو مطلقاً اور مذہب کر کے بہت معمولی قیمت پر فروخت کرتے کیلئے بازار میں پیش کرتے، معمولی قیمت پر بہترین خط و کاغذ کی اعلیٰ کتابوں کو دیکھ کر ناواقف لوگ شوق سے خرید لیتے اور اس طرح ان کتابوں کی اشاعت ہو جاتی۔

اسی طرح اصفہان میں خاندان صفویہ کے امراء میں سے ابراہیم بن علی شاہ شیعہ وہاں پر اسی طرح کام کرتے رہے لیکن ان مکاریوں اور دھوکہ بازیوں سے بھی ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا کیونکہ اہلسنت کی مشہور کتابیں کمال شہرت کی وجہ سے ناقابل تحریف تھیں اور کتب غیر مشہورہ کا کوئی اعتبار نہیں“ — (تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۵)

(ب) کبھی شیعہ علماء فضائل خلفاء اربعہ میں کوئی کتاب تصنیف کر دیتے ہیں اور اس میں

اہل سنت کی صحیح کتابوں سے صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں لیکن جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ذکر کرنے کی نوبت آتی ہے تو اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں جو کہ خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہؓ کے حق میں موجب قدح ہوتی ہیں، وضع کر جاتے ہیں یا حضراتِ شیعہ کی کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت کی حقیقت کے بارے میں چند نصوص صریحہ اور یہ کہ سیدنا علیؓ کے ہوتے ہوئے جو کوئی خلیفہ بن جائے تو وہ ”یہ اور وہ“ ہے درج کر جاتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ سکر پڑھنے اور سننے والے شبہ میں پڑ جاویں اور خلفائے راشدین کے بارے میں ان کے دل میں بدظنی پیدا ہو جاوے۔
(تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۶)

اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کی مثالیں بھی نقل فرمائی ہیں۔
(ج ۱) کبھی یہ لوگ اہلسنت کے مؤرخوں کے ساتھ یوں بھی کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتاب لکھ لیتے ہیں اور اس میں کوئی ایسی بات جس سے یہ وہم پیدا ہو سکے کہ مؤلف اہلسنت سے خارج ہے، درج نہیں کرتے، لیکن سیرِ خلفاء، احوالِ صحابہؓ اور ان کے باہمی محاربات کے بیان میں کچھ حصہ تھوڑا سا اپنے مذہب کا ملا لیتے ہیں، بعض اہلسنت مؤرخین اس خیال سے کہ مصنف سنی اور محقق ہے اس سے نقل کرتے اور غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہی بے تحقیق عبارت قارئین کی گھراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

پھر ایک مثال دے کر فرماتے ہیں کہ محققین اہلسنت ایسی تاریخوں کے مطالعہ سے احتراز ضروری قرار دیتے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۱۱)

(د ۱) کبھی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اہلسنت کے معتبر اور مستند علماء کے اسماء و القاب اور ان کی کینتوں پر غور کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی بڑا شخص اپنے کسی عالم کا ہم نام یا ہم لقب پالیتے ہیں تو اپنے اس شیعہ عالم کی حدیث و روایت اس سنی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، نام و لقب کے اتحاد کی وجہ سے دونوں میں امتیاز بہت مشکل ہوتا ہے لہذا ناواقف سنی اس کو اپنے ائمہ میں سے ایک امام سمجھ کر اس کی روایت کو قابل اعتبار سمجھ لیتے ہیں، جبے ”سری“ اس نام کے دو شخص ہوئے ہیں، ایک سری کبیر

اور دوسرا سدی صغیر۔ کبیر اہلسنت کے معتبر علماء میں سے ہیں اور صغیر و ضاعین و کذابین میں سے ہے اور غالی و متشد و رافضی ہے۔ اور اسی طرح ابن قتیبہ نام کے بھی دو شخص ہیں۔ ایک ابراہیم بن قتیبہ غالی رافضی ہے اور دوسرا عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ اہلسنت میں سے ہے۔ ”کتاب المعارف“ اصل میں سنی ابن قتیبہ کی ہے لیکن شیعہ ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب کا نام معارف رکھا تاکہ لوگوں کو نام سے اشتباہ ہو جائے۔
(تحفہ اثنا عشریہ ص ۶۷)

(۳) کتب تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا تیسرا سبب اکثر تاریخی روایات کا بے سند ہونا ہے۔ مسلمانوں نے جب اقوال رسول کے لیے سند کا ہونا ضروری قرار دیا ہے تو تاریخ کے لیے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ بغیر سند کے ہر کوئی جو کچھ چاہے کسی کے متعلق کہہ سکتا ہے اسی لیے امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت عبد اللہ بن مبارک کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ:-

لَوْلَا الْأُسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ۔ (مقدمہ صحیح مسلم جلد اول)

اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔

چنانچہ کتب تاریخ میں اکثر روایات بے سند ہیں کسی کو ذکر و ”یا“ اور کسی کو ”قیل“ یا ”یقال“ یا ”روی عن اصحابنا“ یا اسی طرح کے اور مبہم سے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اب ایسی روایات کی حقیقت قرآن اور حدیث کی صحیح روایات کے مقابلہ میں کچھ نہیں، چنانچہ شیخ العرب و العجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی فرماتے ہیں:-

”یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ انفصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و ثنیں سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۶)

(۴) تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا چوتھا سبب یہ ہے کہ تاریخی کتابیں پریس نہ ہونے کے سبب سے کافی عرصہ سے قریباً ناپید ہو چکی تھیں، اس زمانہ میں یورپ کے مستشرقین نے ان کو چھاپا ہے، اب معلوم نہیں انہوں نے ان میں کیا کیا تحریفات کی ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلام کے خلاف ایک گہری سازش کیے ہوئے ہیں اور اسلامی کتابوں کے انگریزی ترجمے اور اسلامی تالیفات کی طباعت ان کی بُری نیت کی غمازی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ کی دو عظیم الشان کتب ”طبری“ اور ”طبقات ابن سعد“ ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مصنف ایک بہت بڑے عالم اور محدث تھے، واقفی کے شاگرد اور فتوح البلدان کے مصنف بلاذری کے استاد تھے، طبقات ۲ جلدوں میں مرتب فرمائی جن میں دو حصے صرف جناب ختمی مرتبت کے حالات کے بارہ ہیں اور باقی دس حصے صحابہ تابعین کے حالات زندگی پر مشتمل ہیں، لیکن یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ جرمن کے شہنشاہ کو اس کی طباعت و اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ اس نے لاکھ روپے اپنی جیب خالص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ کے مختلف کتب خانوں سے اس کے تمام اجزاء فراہم کیے اور یورپ کے بارہ پروفیسروں نے جن میں اکثر پادری تھے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ ست ۱۹۱۹ء میں لیڈن (ہالینڈ) سے اس کو طبع کر کے شائع کیا گیا۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۷۱)

آج یہی کتاب تمام دنیا میں ملتی ہے اگرچہ بعد میں یہ کتاب مصر میں بھی شائع ہوئی لیکن انہوں نے اسی لیڈن کے نسخہ کی نقل کر کے شائع کی ہے۔ اب ایک ایسی کتاب جو ایک عرصہ تک ناپید رہی ہو اور اہل علم میں اس کے علمی تعارف کا واسطہ ملے متقطع ہو کر رہ گیا ہو اور اس کو دوبارہ مرتب کرنے والے غیر عرب، غیر مسلم اور متعصب عیسائی پادری ہوں جو تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ قائم کیے ہوئے ہوں اور پیغمبر علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ان کی امت کے ساتھ

ان کا تعصب اظہر من الشمس ہو اُس کی اعتمادی حیثیت کس پایہ کی رہ جاتی ہے اور اس کی روایات کو بلا تنقیح و تنقید کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے؟

یہی حال طبری کی "تاریخ الامم والملوک" کا ہے، یہ بھی یورپ ہی کے طفیل زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے اور اسی طرح غیروں بلکہ دشمنوں کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے، اسی طرح اور کئی کتابیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ ان کتابوں کی طباعت سے علمی دنیا کو بہت فائدہ پہنچا، لیکن اسلامی دنیا کو اس سے اتنا ہی نقصان بھی ہوا اور ان لوگوں نے ان میں بہت سی تحریفات کر دیں۔

۱۵) تاریخ کے غیر معتد ہونے کا پانچواں سبب یہ ہے کہ دورِ ماضی عباس میں جب اس کی تدوین ہوئی تو اُس وقت جو کتابیں مرقون ہوئیں وہ تاریخ نہیں تھیں بلکہ موادِ تاریخ پر مشتمل تھیں۔ ان کتابوں میں مؤرخین نے صحیح اور غلط، مستند اور غیر مستند، قوی اور ضعیف ہر قسم کی روایات جمع کر دیں اور جمع کرنی چاہیے بھی تھیں تاکہ بعد کے مؤرخین ان روایات کی چھان بھٹک کر کے صحیح تاریخ مرتب کر لیں۔ لیکن بعد کے مؤرخین نے بجائے اس بات کے کہ ان روایات کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنی کتابوں میں جگہ دیتے اُسی طرح اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور وہ ضعیف و قوی اور صحیح و غلط روایات متعدی امراض کی طرح ایک کتاب سے دوسری کتاب میں پھیلتی چلی گئیں، اور اگر کسی مؤرخ نے ان روایات پر تنقید کی بھی اور ان کو اصولِ روایت و درایت کے لحاظ سے غلط بھی پایا پھر بھی محض تقلیدی ذہنیت کے تحت ان کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور بعض معتد مؤرخین نے ایسا کیا اور کچھ تنبیہ بھی کر دی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ "طبری" کی بعض روایات پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"وفي بعض ما وردنا من نظر ولولا ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكره ما سقته" (البدایة والنہایة جلد ۸ ص ۲)

”اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس میں سے بعض حصہ محل نظر ہے اور اگر
ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ حفاظ نے ان روایات کو نقل نہ کیا ہوتا
تو ہم بھی ترک کر دیتے۔“

مؤرخین کی یہ روش ان کی کتابوں کی اعتمادی حیثیت کو مخدوش کر دیتی ہے، تاریخ
کی اسی غیر اعتمادی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-
المؤرخون الذين يكثر الكذب فيما يروونه وقل ان يسلم
لهم نقلهم من الزيادة والنقصان - (منهاج السنة ج ۳ ص ۱۹۶)
”مؤرخین اپنی روایات میں اکثر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور یہ
بہت کم ہوتا ہے کہ ان کی روایات زیادتی و نقصان اور افراط و تفریط
سے محفوظ رہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر امام ابن تیمیہ اسی شے کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:-
وانما هو من جنس نقلة التواريخ التي لا يعتمد عليها اولوا
الابصار - (منهاج السنة ج ۳ ص ۲۴۲)
”اور یہ تاریخی منقولات کی نوع میں سے ہے جن پر اہل بصیرت حضرات
بالکل اعتماد نہیں کرتے۔“

(۲۶) تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تاریخ چونکہ بنو عباس کے
دور میں مرتب ہوئی اس وجہ سے تاریخ ایسے لوگوں نے مرتب کی جو دیاری و مکاری
لوگ تھے، ان لوگوں نے حکومت وقت سے انعام و اکرام حاصل کرنے کیلئے عام
صحابہ کرامؓ اور خصوصی طور پر بنو امیہ کے خلاف غلط روایات وضع کر کے تاریخ میں گھسیڑ
دیں۔ بنو عباس نے حکومت چونکہ بنو امیہ سے پھینسی تھی اس وجہ سے انہوں نے ہر اس
مؤرخ اور راوی کو انعام و اکرام سے نوازا جس نے بنو امیہ کے خلاف روایات وضع
کر کے تاریخ کو ہتیا کیں۔ چنانچہ کچھ لوگ جو اندر سے شیعوں تھے انہوں نے تسنیت کا لبادہ
اوڑھ کر تاریخ کو ان گنت ایسی روایات ہتیا کیں جو نہ صرف خلاف عقل و دانش تھیں بلکہ

روایت سکھانے والوں کے بھی سراسر متضاد تھیں۔ چنانچہ الواقدی، ابو مخنف، لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی جیسے شیعہ حضرات نے ہماری تاریخ کو اتنا غلط اور خلاف واقعہ مواد فراہم کیا جس کو پڑھ کر حیا و دیانت بھی متہ چھپا لیتی ہے۔ چنانچہ الواقدی نے ایک روایت کی جس کو طبری نے نقل کیا کہ سیدنا معاویہؓ نے حکم دیا کہ منبر رسولؐ کو مدینہ طیبہ سے اٹھا کر شام یعنی دمشق لے جایا جائے، لیکن جب منبر نبویؐ کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوری طور پر آفتاب بے نور ہو گیا حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے، چنانچہ یہ حالت دیکھ کر سیدنا معاویہؓ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور اسے عامہ کو اپنے خلاف دیکھ کر بہانہ یہ تراشا کہ میں منبر نبویؐ کو اٹھا کر لے جاتا نہیں چاہتا تھا بلکہ میں نے اس کو اپنی جگہ سے صرف اس لیے اٹھایا تاکہ دیکھوں کہ کہیں اس کے نیچے دیمک تو نہیں لگ گئی، چنانچہ آپ نے منبر وہیں رکھ دیا بلکہ اس پر غلاف چڑھا دیا۔

اب الواقدی کا یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ نہ آفتاب بے نور ہوا، نہ دن کو ستارے نظر آئے اور نہ سیدنا معاویہؓ نے منبر نبویؐ کو اٹھا کر شام لے جانے کی کوشش کی، لیکن باقی نے کہی اہلہ نے مانی، الواقدی نے روایت گھڑی اور طبری نے اس کو اپنی تاریخ میں جگہ دی۔ الواقدی بھی شیعہ اور طبری بھی شیعہ، لیکن سنیوں نے ان دونوں شیعوں کی روایت پر یقین کرتے ہوئے کاتب وحی، خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کے خلاف وہی تباہی کہنی شروع کر دی۔ اسی طرح ابن شہاب الزہری اندر سے شیعہ تھا لیکن بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کا بڑا معتبر راوی، اُس نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ روایت نقل کی کہ معاویہؓ امت میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ حالانکہ سیدنا معاویہؓ اس میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ سیدنا معاویہؓ بن جبلؓ کا مسلک بھی یہی ہے اور انہوں نے یمن میں خود بھی ایک ایسا فیصلہ کیا۔ (ملاحظہ ہو المستدرک امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۶، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۷۷، البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۱۳۱) لیکن نام انہوں نے سیدنا معاویہؓ کا لیا تاکہ بنو عباس خوش ہو جائیں کسی طرح یمن میں مع الشاہد کے مسئلہ میں بھی انہوں نے سیدنا معاویہؓ کا نام لیا، حالانکہ اس بابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے اور سیدنا علیؑ کا مسلک بھی یہی تھا۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۱۴۲)
(المبسوط جلد ۱ ص ۲۴۲)

اسی طرح لوط بن یحییٰ بھی اسی قسم کا راوی تھا، کٹر تبعہ لیکن تاریخ اسلام کا، اور اپنے خبیث باطن کا اپنی روایات میں اس نے پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔

حدیث و تاریخ کا تقابل

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ تاریخ کی روایات کی اکثریت غیر مستند روایات پر مبنی ہے، لہذا جب تاریخ کا تقابل حدیث کی روایات صحیحہ سے ہوگا تو تاریخ کی غیر مستند روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے گا یا ان کی مناسب تاویل کی جائے گی۔ صحابہ کرامؓ جن کی عظمت شان اور جلالِ قدر قرآن و حدیث و اجماع امت اور منقولات متواترہ حقہ سے ثابت ہے، ان کے مقابلہ میں طبری، ابن اثیر، ابن سعد، ابن کثیر کی مقطوع اور بے سند روایات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ چنانچہ شیخ العرب العجم سندی و مولائی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسناد اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے سچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے“ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

”صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوں تو مردود یا ماول قرار دی جائیں چہ جائیکہ روایات تاریخ، اب آپ اصول تنقید

کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۶)
 شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ایک جگہ فلاسفر و متکلمین کے متعلق بحث کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں:-

”اور فلاسفہ کے یہ اقوال، تاریخ و سیرت وغیرہ کی مُرسل اور مقطوع روایات
 کی قسم سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی، جب ایسا ہے تو صحابہ کرامؓ
 کے فضائل و محاسن جو قرآن و سنت اور روایات متواترہ سے ثابت ہیں
 ایسی روایات سے جن میں بعض منقطع بعض محرف اور بعض ایسی ہیں جن سے
 معلومات قطعہ پر جرح و قدح نہیں ہو سکتی۔ محاسن و فضائل صحابہؓ کی
 قطعی روایات کا رد جائز نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا اور ہمارا
 یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سلف کے اجماع
 سے ثابت ہیں اور ان منقولات متواترہ کی دلائل عقلیہ سے بھی تصدیق ہوتی
 ہے، وہ اس طرح کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں
 سب سے زیادہ افضل ہیں، لہذا ان کے بارہ میں مشکوک باتوں سے
 جرح و قدح نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ باطل روایات و خرافات سے۔“

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۹)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں ایک اصول بیان فرمایا کہ:-
 ”جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے
 معارض ہوں ان کے متعلق یقین کر لیں کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے
 راویوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جو روایت جس اور شاہد
 کے خلاف پائی جائے اور قرآن و سنت کی نصوص متواترہ کے متباہین اور
 اجماع قطعی کے برخلاف ہو وہ روایت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔“

(فتح المغیث جلد ۱ ص ۲۴۹)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی

اس سلسلہ میں یوں فرمایا ہے کہ :-

”فترد کل من روایات التاریخ ما یعود منها علی شین وعیب
فی بعض اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
وہ تاریخی روایات جن سے بعض صحابہ کرامؓ پر طعن اور عیب پیدا کیا
جاتا ہے وہ قابل رد ہیں“ (احکام القرآن عربی جلد ۲ ص ۲۴۷)

اسم اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ :-

”ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویۃ رضی اللہ

عنه..... وحل حدیث فی ذمہ کذب

ان موضوع اور جھوٹی احادیث میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جو

سیدنا معاویہؓ کی مذمت میں بنائی گئی ہیں کیونکہ ان کی مذمت کی ہر

حدیث کذب محض ہے“ (المنار المنیف ص ۱۱)

ایسا ہی ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے الموضوعات الکبیر میں

لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو الموضوعات الکبیر ص ۱۶۹-۱۷۰)

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ”العواصم من القواصم“ میں احادیث

تواریخ کے اس تقابل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

”قاضی ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں دیکھتے

اور اس کا حسد اور عداوت ان پر غالب ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے

کئی عیوب تراش لیتے ہیں۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ سوائے صحیح روایات

کے اور کسی طرف التفات بھی نہ کرو، اور جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے خصوصی

طور پر مؤرخین سے بچو، یہ سلف سے تھوڑی سی صحیح خبریں ذکر کرتے ہیں تاکہ

ان کے ذریعہ بہت سی باطل روایات نقل کر سکیں، یہ ایسے لوگ ہیں جو

اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بانیں ڈالتے ہیں تاکہ

سلف کی تحقیر اور دین کی توہین و تذلیل کر سکیں حالانکہ دین اس سے عزیز تر

اور سلف ہم سے زیادہ محترم ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوگا۔
 اور جو شخص صحابہ کے حالات و افعال پر فطر کرے گا اس پر وہ توہینِ امیرِ الزما
 واضح ہو جائیں گے جنہیں مؤرخین نے کمزور لوگوں کے قلوب کو گمراہ اور
 بے راہ بتاتے کیلئے تراشا ہے؛ والعوام من القوام ص ۲۴۵ و ۲۴۶
 پھر دو صفحات کے بعد غیر معتبر مفسرین کے بارے میں بھی لکھتے ہیں :-

انما ذكرت لكم هذا التحذروا من الخلق وخاصة من المفسرين
 "والمؤرخين واهل الادب بانهم اهل جهالة بحرمان الدين
 او على بدعة مصرين فلا تبالوا بما رواوا ولا تقبلوا روايته
 الا عن ائمة الحديث ولا تسمعوا المؤرخ كلاما الا للطبري
 وغير ذلك هو الموت الاحمر والاداء الاكبر فانهم ينشئون
 احاديث فيها استعقار القضاة والسلف والاستخفاف بهم
 واختراع الاسترسال في الاقوال والافعال عنهم وخروج
 مقاصد هم عن الدين الى الدنيا وعن الحق الى الهوى۔"

العوام من القوام ص ۲۴۶ ص ۲۴۷

یہ باتیں میں نے تم سے اس لیے ذکر کیں تاکہ تم لوگوں سے بچو خصوصاً
 مفسرین، مؤرخین اور اہل ادب سے، کیونکہ یہ لوگ دین کے احترام سے
 جاہل اور بدعت پر اصرار کرنے والے ہوتے ہیں ان کی روایات کی بھی
 مطلق پر واہ نہ کرو، اور محدثین اور ائمہ حدیث کے سوا کسی کی روایت
 قبول نہ کرو، اور سوائے طبری کے اور کسی مؤرخ کی بھی بات نہ سناؤ، کیونکہ
 وہ دین کے لیے موت کا پیغام ہیں اور بہت بڑا مرض، وجہ اس کی یہ
 ہے کہ وہ ایسی ایسی روایات تراشتے ہیں جن میں صحابہ اور سلف کی تحقیر اور

ان کا استخفاف پایا جاتا ہے۔

تاریخ تو پھر بھی تاریخ ہے محدثین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جتنے احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تاویل کرنا واجب ہے اور اگر کوئی تاویل نہ ہو سکے تو وہ روایت قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ کسی حدیث سے کسی صحابی کی تنقیص نہیں ہو سکتی، چنانچہ شارح مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :-

”قال العلماء الاحادیث الواردة التي ظاهرها دخل على صحابي يجب تاويلها قالوا ولا يقع في روايات الثقات الا ما يمكن تاويله۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۷۸)

علماء کہتے ہیں کہ وہ احادیث جن میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تاویل واجب ہے اور علماء میری بھی کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-

”والواجب ايضا على كل من سمع شيئاً من ذلك ان يثبت فيه فلا ينسبه الى احد منهم بمجرد ما يتيه في كتابه او سماعه من شخص بل لابد ان يبحث عنه حتى يصح نسبه لتسببه الى احدهم فحينئذ الواجب ان يلتمس لهم السنن والتاويلات واصوب المنارج اذ هم اهل لذلك كما هو مشهور في مناقبهم ومعدود من ما اثرهم۔ (الصواعق المعرقة ص ۱۲۹)

جو شخص صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی بات سنے اس کے لیے اندر قوی ہے کہ پہلے وہ اس کی پوری تحقیق کرے اور صرف کسی کتاب میں لپٹھ لیتے سے اور کسی شخص سے سن لینے کی بناء پر اس بات کی نسبت اُن کی طرف نہ کرے، اگر وہ بات ان کے خلاف پڑتی ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی کوئی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی بہتر محمل تلاش

کرے کیونکہ وہ اپنے مناقب و آثار کی بناء پر اس کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک مقام پر بڑے پتہ کی بات لکھی ہے، چاہتا ہوں کہ اس کو بھی قارئین کے گوش گزار کر دیا جائے تاکہ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں روایات پر تنقید کا ایک معیار ذہن میں آجائے، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:-

”وإذا كان كذلك لم يجز لأحد أن يحتج في مسألة فرعية بحديث حتى يبين ما به يثبت فكيف يحتج في مسائل الأصول التي يقدح فيها في خيار القرون وجماهير المسلمين وسادات أولياء الله المقربين بحيث لا يعلم المحتج به صدقه۔
جب کسی شخص کے لیے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اُس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اُسے دروایت و درایت کے اصول سے) صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ اس کے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اُن روایات سے جن کے صحیح ہونے کے بارہ میں اسے کوئی علم نہیں، اسلام کے اصولی مسائل کے بارہ میں جن سے خبر القرون جمہور مسلمان اور مقرب اولیاء اللہ کے سرداروں (صحابہ کرامؓ) کے بارہ میں استدلال کرے۔“ (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۸)

جب تاریخ کی حیثیت یہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے قرآن و سنت کی متواتر اور صحیح روایات کو غلط قرار دینا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبان طعن دراز کرنا بہلاء کا شیوہ تو ہو سکتا ہے، علماء کی شان کے یہ چیزیں سر خلافت ہے۔ اب اس زمانے میں اپنے کو مفکرین اسلام کہنے والے معلوم نہیں کس فکر میں پڑ کر صحابہؓ کے خلاف مسلسل مقالات کا سلسلہ جاری کیے ہوئے ہیں۔ اعاذنا اللہ من هذه الخرافات۔

تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول

اوپر کی بحث سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ تاریخ کی روایات میں اکثریت غلط اور منقطع روایات کی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کو پرکھنے کے چند مشہور اصول بھی لکھ دیئے جائیں جن کی روشنی میں ہر روایت کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جاسکے، وہ اصول حسب ذیل ہیں :-

(۱) روایت نص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

(۲) روایت سند متواترہ کے خلاف نہ ہو۔

(۳) روایت صحابہ کے اجماع قطعی کے خلاف نہ ہو۔

(۴) روایت میں کوئی ایسا محسوس و مشہور واقعہ بیان ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو اس کو روایت کرنے والے متعدد آدمی ہوتے لیکن اس کے خلاف ایک بارو راوی ہوں تو وہ روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

(۵) روایت مسلمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔

(۶) روایت صحیح اور مقبول حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(۷) روایت قواعد عربیہ کے خلاف نہ ہو۔

(۸) روایت ایسی نہ ہو جس میں راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہو کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

(۹) روایت ایسی نہ ہو کہ اس کے معنی رقیق یا شان نبوت یا شان صحابہ کے منافی ہوں۔

(۱۰) روایت عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

روایت کے اس دسویں اصول کو محدثین کی اصطلاح میں "اصول درایت" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بارہ میں محدثین نے بہت بحث کی ہے،

جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

یہ دس اصول تو متن روایت کو پرکھنے کے لیے ہیں باقی سند روایت کے پرکھنے کے لیے حسب ذیل اصول ہیں :-
(۱) راوی عادل، تام الضبط اور ثقہ ہو۔

(۲) روایت کتنے طریق سے مروی ہے اور راویوں کی تعداد کیا ہے۔
(۳) روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہے یا راستہ ہی میں رک جاتی ہے اگر روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہو گی تو وہ مرفوع کہلائے گی اور اگر راستہ میں رک جاتی ہے تو اسے منقطع کہتے ہیں۔

یہ وہ اصول ہیں جن پر تاریخ کی ہر روایت کے متن اور سند کو پرکھ کر دیکھا جاسکتا ہے کہ اس روایت کی اعتمادی حیثیت کیسی ہے، اور میرے خیال میں اگر ان اصولوں کو تاریخی روایات میں اپنا یا جائے تو غلط اور منقطع روایات کی کافی حد تک چھان پھٹک ہو سکتی ہے۔

اور اس وقت ایک قاری اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اچھے طریقے سے سمجھ جائے گا کہ غلط روایات کا کس قدر ذخیرہ تاریخ کے صفحات میں سمودیا گیا ہے۔
چنانچہ مودودی صاحب تاریخ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ :-

”تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کیلئے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ کا ہر فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حقہ دریا برد کر دینا ہو گا“ (خلافت و ملوکیت ص ۱۸۱)

لے یہ کوئی ضروری ہے کہ ہم نوے فیصد یا اس سے زیادہ غلط روایات کی موٹی موٹی تاریخی کتابوں کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھیں اور دشمنان اسلام ان کے ذریعہ صحابہ کرامؓ سے پاکیزہ دامنوں کو داغدار بناتے رہیں، پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صداقت پر قرآن و سنت شاہد و ناطق ہیں ان کی روایات تو اصول روایت و درایت پر پرکھ کر قبول کریں اور تاریخ کے کذاب اور دشمن اسلام رپورٹرز کی باتوں کو بغیر کسی تحقیق کے ہی مان لیں۔

تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر

فن تاریخ اور کتب تاریخ کی اعمتادی حیثیت پر ایک اجمالی تبصرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مشہور کتب تاریخ پر انفرادی طور پر بھی کچھ لکھ دیا جائے۔ جنہ کو مستشرقین اور اس زمانہ کے نام نہاد مفکرین اسلام صحابہؓ اور خصوصی طور پر بنو امیہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس سے ایک تو ان کتابوں اور ان کے مصنفین کی حیثیت اور دوسرے ان لوگوں کی دیانت کا پتہ چل جائے گا جو قرآن و حدیث کی روایات معتبرہ متواترہ و صحیحہ کے مقابلے میں ان کتابوں کی بے سند اور غیر معتبر راویوں کی روایات کو اپنی مطلب برآری کے لیے استعمال کرتے ہیں :-

(۱) تاریخ طبری | اس کا اصلی نام "تاریخ الامم والملوک" ہے اور اس کے مصنف محمد ابن جریر طبری ہیں، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ قریباً تمام محدثین ان کی وسعت علم اور فضل و کمال کے معترف ہیں، یہ نہ صرف مؤرخ ہیں بلکہ مفسر بھی ہیں اور ان کی تفسیر قریباً ام التفاسیر کہلاتی ہے، یہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کی تاریخ ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے اور زیادہ روایات ابو مخنف و طبرین یحییٰ کی نقل کی ہوئی ہیں، بقول مولانا شبلی نعمانی :-

"تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں، یہ کتاب بھی عرصہ سے ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی،" (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۷)

بعض مؤرخین ان کے بہت مداح ہیں، حتیٰ کہ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ :-
 "مَا عَلَّمَ عَلَى اَرْضِ اَدِيمٍ اَرْضًا اَعْلَمَ مِنْ ابْنِ جَرِيرٍ"

میں روئے زمین پر کسی کو ابن جریر سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔
(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۲)

اور قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں :-

”ولا تسمعوا المؤمن كلاماً الا الطبري — طبری کے سوا کسی
مؤرخ کی بات نہ سنو“ (العواصم من القواصم ص ۲۲۸)
لیکن اکثر محدثین کے نزدیک وہ شیعہ تھا اور خود ان کی روایات اور مسائل
میں اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا۔ چنانچہ محدث احمد بن علی سلیمانؒ
فرماتے ہیں کہ :-

”كان يضع للروافض — (لسان الميزان جلد ۵ ص ۱۰۲)
وہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے“

اگرچہ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام ذہبیؒ نے سلیمانؒ کے اس قول کو بدگمانی پر محمول
کیا ہے اور ان کو اسلام کے معتد اماموں میں سے ایک امام شمار کیا ہے لیکن ان کو
ان کے شیعہ ہونے کا اقرار کرتا ہی پڑا۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام ذہبیؒ دونوں
متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ :-

”ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا“ (لسان الميزان جلد ۵ ص ۱۰۲)
میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۵

ابن حجرؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :-

”ابو جعفر الطبري وهو امام من الائمة الامامية —

ابو جعفر محمد بن جریر طبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے“

(لسان الميزان جلد ۵ ص ۱۰۲)

انہوں نے خم غدیر جیسے خالص شیعہ قصہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کیں، وضو میں جواز
مسح رجليں (پاؤں پر مسح کرنے) کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے،
اپنی تاریخ الامم والملوک کی جلد ۳ کے ص ۲۲ کی سطر ۲ پر ”فی وسط خلافة معاوية

لعنه الله۔ اور ص ۲۹ سطر ۱ پر فی خلافة یزید بن معاویة لعنہما اللہ لکھا ہے جو کہ خالص شیعہ فکر کی غمازی کرتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ابن جریر کی زندگی ہی میں اکثر لوگ ان کے شیعہ فکر کی وجہ سے ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے وقت ان کی لاش کو ان کے رفض کی وجہ سے اہل اسلام کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا، چنانچہ ان کو اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۱۲۷)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فہم میں رہے کہ ابن جریر طبری نے جس قدر روایتیں اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں ان میں اکثر شیعہ راویوں کی ہیں جن میں ابو مخنف و طبرانی یحییٰ کی قریباً ۹۰ فیصد روایات ہیں، جس کے متعلق محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا، کذاب تھا، اس کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶، لسان المیزان جلد ۲ ص ۴۹۲، تاج العروس شرح قاموس مجز ۶ فصل ۵ ص ۱۰۵

دوسرے راوی محمد بن سائب الکلبی اور اس کا بیٹا ہشام بن محمد بن السائب ہیں یہ دونوں راوی بھی سبائی تھے اور ان کا تعلق بھی کذابین سے تھا۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶۲، ۲۵۶، لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۹۶، ص ۱۹۷)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ انہیں راویوں کے متعلق اہل علم کا فیصلہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”ابو مخنف و ہشام بن محمد بن السائب و امثالہما من المعروفین بالکذب عند اہل العلم۔ (متہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۲۷) راویوں کا اہل علم کے نزدیک دروغ گو اور کاذب ہونا مشہور و معروف ہے۔“

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ابن جریر اور ذہبی کے اس قول کے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا، کیا معنی ہیں؟ صحابہؓ پر لعنت کرنا ختم غدیر جیسے قصہ

پر دو ضخیم جلدیں مرتب کرنا، وضو میں پاؤں کے نہ دھونے کا قائل ہونا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ شیعہ راویوں کی روایات اپنی کتابوں میں لا کر صحابہؓ کے متعلق اُمت کے جذبات کو اکسانا، اگر یہ چیزیں مضر نہیں ہیں تو پھر معلوم نہیں کہ ان دونوں مضمرات کے نزدیک ”مضرت“ کی تعریف کیا ہے ؟

پھر شیعہ ہونا اور غیر مضر ہونا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں، شیعہ حضرات کا صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارنا اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنا ”ذاتہ اللہ اشاعت شریہ“ کے حوالے سے ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں۔

جب دلائل واضح سے یہ معلوم ہو گیا کہ طبری شیعہ تھا اور اس نے اپنی کتاب میں شیعہ راویوں کی روایات کثیر تعداد میں نقل کی ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کے خلاف ایسی ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی صحیح روایات کے مراسر خلاف ہیں۔ اب ایک شیعہ مؤرخ کی روایات کو قرآن و حدیث کی صحیح روایات کے مقابلہ میں کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے ؟

اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ طبری شیعہ نہیں تھا پھر بھی اس میں کسی کو انکار نہیں کہ تاریخ طبری میں ہر قسم کا رطب و یابس بھرا ہوا ہے اور وہ تاریخ نہیں بلکہ موذی تاریخ ہے، اس صورت میں اس کی روایات کو ان اصولوں پر پرکھا جائے گا جو محدثین اور

امام علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: ”ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتال کرنے پر اکسایا گیا تھا“ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۷)

ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

هذا کذب علی الصحابةؓ (یہ صحابہؓ پر افتراء ہے)

صحابہؓ پر یہ افتراء پردازی معلوم نہیں ابن حجرؒ اور ذہبیؒ کے نزدیک کس طرح غیر مضر ہے ؟

ابن خلدون جیسے مؤرخین نے قائم کیے ہیں، جو روایات ان کی روایت اور روایت کے اصولوں پر پوری اتریں گی وہ قبول کی جائیں گی اور دوسری کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ طبری کے اردو ترجمہ پر ”ترجمان القرآن“ کے تبصرہ نگار نے اپریل ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں لکھا تھا:-

”ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی معروف کتاب ”تاریخ الامم والملوک“ تاریخ کے پہلے حصے یعنی واقعات کے جمع کرنے میں اہمات الکتب کا درجہ رکھتی ہے..... انہوں نے روایات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح و تعدیل کا کام دوسرے اصحاب علم کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود قوی اور ضعیف یا غلط و صحیح کے درمیان امتیاز کریں، چونکہ یہ تاریخ کی کتاب احادیث کی کتاب نہیں اس لیے واقعات کی چھان بین اور جن حضرات سے واقعات منقول ہیں ان کے علمی اور اخلاقی مقام کو مشخص کرنے میں احتیاط نہیں برتنی گئی جو تدوین حدیث کے معاملے میں پیش نظر رکھی گئی ہے، اس لیے اس کتاب میں بہت سی غیر مستند چیزیں بھی جمع ہو گئی ہیں۔“

(ترجمان القرآن ص ۱۲۶، ۱۲۷ - اپریل ۱۹۷۷ء)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے نہایت محتاط انداز میں طبری اور ابن سعد کی کتابوں کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے، فرماتے ہیں:-

”ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایت اور غیر مستند ہیں۔“

(سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۵)

(۲) کتاب الامامة والسياسة | یہ کتاب ۱۳۲۲ھ میں مصر میں چھپی اور اس کے سرورق پر اس کے مصنف کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبة رالمستوفی ۲۷۶ھ لکھا ہے۔ جہاں تک ابن قتیبة کا تعلق ہے وہ واقعی بعض علماء کے نزدیک صاحب فضل و شرف آدمی تھے، لیکن قاضی ابوبکر ابن العربی نے ”کتاب الامامة والسياسة“ کی وجہ سے اسے ”جاہل“ کا خطاب دیا ہے۔

(العواصم من القواصم ص ۲۳۸)

امام حاکم نے کذاب کہا ہے۔ لسان المیزان جلد ۳ ص ۳۵، سید محمود لوسی ابن قتیبة، ابن احثم کوفی اور سمساطی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
”کانوا مشہورین بالکذب والافتراء۔ یہ سب دروغگوئی اور افتراء پر دازی میں مشہور تھے“ (تفسیر شرح المعانی جلد ۷، سورة احزاب ص ۱۲)
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ”تحفۃ الثنا عشریہ“ میں جگہ جگہ ابن قتیبة کا نام شیعہ مؤرخ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ لیکن آپ کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اہل تشیع سے کوئی تعلق نہیں تھا اور ”کتاب الامامة والسياسة“ آپ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے جس کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:-

(۱) علامہ ابن قتیبة کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا کہیں نام نہیں ملتا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ابن قتیبة جیسا مشہور و معروف آدمی ایک ایسی کتاب لکھے جس میں صریحاً صحابہ پر حملے کیے گئے ہوں اور صحابہ کی عدالت و ثقاہت کو مخبروح کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور ہمارے محدثین اور مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہ کریں۔

(۲) ابن قتیبة ایک ادیب اور فاضل شخص تھے اور فنون ادب میں ایک متاخصیت

لہ ابن قتیبة کی تصانیف کے لیے دیکھو ابن الخکان، لسان المیزان، تاریخ خطیب بغدادی، تنذرات الذہب اور بغیۃ الوعاة وغیرہ۔

کے حامل تھے، ادب میں ”ادب الکاتب“ آپ کی ایک ایسی کتاب ہے جو علامہ ابن خلدون کے شیوخ کی بناء پر علم و ادب کے اصول و ارکان میں سے ایک ہے۔ (مقدمہ ص ۲۸۶)

اسی وجہ سے آپ کی ہر کتاب میں ادبی چاشنی، عبارت کی حلاوت و دلکشی اور وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو ایک ادیب اور ماہر علم کی کتاب میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ غریب القرآن، غریب الحدیث، تاویل مختلف الحدیث وغیرہ کی عبارتیں آپ کے ادبی ذوق کی بین مثال ہیں اور ”ادب الکاتب“ کی عبارت آپ کی ادبی ذہنیت کی غمازی کرتی ہے۔ ”کتاب الامامۃ والیاستہ“ کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف علم و ادب میں کوئی ممتاز درجہ نہیں رکھتا، اگر ہم اس کے غلط واقعات اور فضول روایات سے قطع نظر کر کے صرف اس کے ادبی معیار ہی کو دیکھیں تو ذوق سلیم صاف فیصلہ کرے گا کہ یہ کتاب ابن قتیبہ جیسے قادر الکلام شخص کی نہیں ہو سکتی۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ یہی واقعات جو ”کتاب الامامۃ والیاستہ“ میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان کا اجمالی تذکرہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ”معارف“ میں کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مصنف کے تفصیل و اجمال میں نفس اور روح واقعہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا اور مفصل تذکرہ میں جو جو چیزیں اہم اور واقعہ کی جان ہوتی ہیں خلاصہ بیان کرتے وقت یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کا کوئی جزو رہ نہ جائے تاکہ حقیقت حال سمجھنے میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو۔ مگر ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ایک معمولی قاری بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ”کتاب الامامۃ والیاستہ“ میں جن مباحث مثلاً مشاجرات صحابہ اور بنو امیہ کے مظالم و مطالب کو خاص اہمیت دی گئی ہے ”معارف“ میں اس کے متعلق کچھ ذکر ہی نہیں۔ مثال کے طور پر ”کتاب الامامۃ والیاستہ“ میں سیدنا علیؑ کی سیدنا ابوبکرؓ سے بیعت جبری اور ظالمانہ رنگ میں پیش کی گئی ہے اور کتاب کی جلد ۱ کے صفحہ ۱۱ سے لیکر ۱۵۱ تک صفحات میں ان بیعت

۱۔ کو جبری ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب قسم کی روایات نقل کی ہیں اور کچھ روایات ایسی بھی نقل کی ہیں جن کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا اور حضرات صحابہؓ کے متعلق بدلتی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اسی بیعت کا تذکرہ جب وہ کتاب "معارف" میں کرتے ہیں تو اس انداز میں کرتے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا۔ (معارف ص ۵۵) اسی طرح "کتاب الامامة والیاستہ" جلد ۱ ص ۳۳، ۳۴ میں واقعات کو جس طرز و انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی طرز و انداز کے بالکل مغائر "معارف ص ۵۶" میں پیش کیا گیا ہے، ایسے ہی اور بہت سے مقامات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔

(۴) چونکہ دلیل یہ ہے کہ کتاب الامامة والیاستہ میں اکثر روایات شیعہ مذہب کی تائید میں ہیں اور ایک عام آدمی بھی اس کتاب کے سرسری مطالعہ سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتاب کسی ایسے مصنف کی ہے جو شیعہ فکر کا حامل ہے حالانکہ ابن قتیبہ اہل تشیع کے سخت مخالف ہیں اور ان کو باطل فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو "ماوہل مختلف الاحادیث ص ۸۶، ۸۷، ۹۷")

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسا شخص جس کی پوری زندگی رد و وافض میں گزری اور جنہوں نے "منہاج السنہ" جیسی لاجواب کتاب رد و افض کے رد میں لکھی ابن قتیبہؒ کو اہلسنت میں سے شمار کرتا ہے اور ان کی فضیلت علم کو بیان کرتے ہوئے اہل مغرب کا ایک عام مقولہ ذکر کرتا ہے کہ :-

"کل بیت یس ذیہ شی من تصنیفہ لا خیر۔ (تفسیر سورۃ اخلاص ص ۸۶) جس گھر میں ابن قتیبہؒ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ گھر خیر و برکت سے خالی ہے۔"

پھر اپنی طرف سے لکھتے ہیں :-

"ابن قتیبہؒ اہل سنت کے لیے ایسے ہیں جس طرح معتزلہ کے لیے جاحظ

کیونکہ وہ خطیب اہل السنۃ ہیں جس طرح جاحظ خطیب المعتزلہ تھا،

(تفسیر سورۃ اخلاص ص ۸۶)

(۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ اس کتاب میں علماء مصر کی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں حالانکہ ابن قتیبہ مصر میں نہ ہی گئے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ان علماء سے کوئی روایت کی ہے۔

ان دلائل سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ الامامۃ والسیاستہ ابن قتیبہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، اسی لیے اکثر محدثین اور مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا اور جن چند لوگوں نے کیا بھی ہے انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف نہیں کی، چنانچہ ابوبکر بن العربیؒ اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ان صح عندہ جمیع ما فیہ۔ (العواصم ص ۲۴۸) اگرچہ کچھ کتاب (الامامۃ

والسیاستہ) میں اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف صحیح ہے۔“

اسی طرح حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ”حیات مالک“ میں فرماتے ہیں:-

”وبقول ابن قتیبہ المتوفی ۲۴۸ھ، اگر وہ کتاب الامامۃ کا مصنف ہے“

(حیات امام مالک ص ۵۸)

بلکہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ حیدرآباد دکن کے مقالہ نویس نے تو صاف فطوں میں لکھ دیا:-

”و کتاب الامامۃ والسیاستہ طبع بالقاہرہ ۱۳۲۲ھ - ۱۳۲۴ھ، و هذا

ینسب الی ابن قتیبہ بیدان دہ غوی فی..... جلد ۱۵، ص ۲۲۲

یرجح ان هذا المصنف کتبہ فی حیاة ابن قتیبہ رجل مصری

او مغربی۔ ردائۃ المعارف الاسلامیۃ ج ۱ حصہ ۳ ص ۲۶۲

کتاب الامامۃ والسیاستہ جو ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۴ھ میں قاہرہ میں طبع ہوئی، ابن قتیبہ

کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن دہ غوی نے..... جلد ۱۵، ص ۲۲۲ میں

اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ کتاب کسی مصری یا مغربی نے ان کی زندگی

میں لکھی ہے اور بعد میں ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔
 اور کسی آدمی نے اگر اس کو ابن قتیبہ کی کتاب مانا بھی ہے تو اس نے بھی اس
 بات کو ضرور تسلیم کیا ہے کہ اس میں اکثر روایات الحاقی ہیں اور ان لوگوں نے صاف
 لکھا ہے کہ: ”اس میں بعض روایات ایسی ہیں جو ابن قتیبہ کے علم اور اس کی دوسری
 تصنیفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔“

(۳) طبقات ابن سعد | اس کے مصنف محمد بن سعد ہیں جو واقدی کے شاگرد
 اور بلاذری کے استاد ہیں۔ اگرچہ خطیب بغدادی

ابن خلکان اور دوسرے کئی محدثین نے ان کو صدوق، ثقہ، اہل العلم والفضل میں
 سے شمار کیا ہے لیکن یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر محدث نے ان کی توثیق نہیں کی۔
 ان کی کتاب طبقات ۱۲ جلدوں میں ہے اور بالکل ناپید ہو گئی تھی اب اہل یورپ
 کی بدولت پھپ کر شائع ہوئی ہے۔

ان کے استاد واقدی، ہشام بن محمد بن السائب اور ابو حشر ہیں۔ واقدی
 کے متعلق تو تمام محدثین متفق ہیں کہ وہ ایک افسانہ گو تھا۔ چنانچہ امام نسائی کا
 قول ہے:-

”وہ کذاب جو روایات تراشنے میں شہرہ آفاق ہیں چاہیں۔ (۱) مدینہ

میں ابن ابی یحییٰ (۲) بغداد میں واقدی (۳) خراسان میں مقاتل بن سلیمان

اور (۴) شام میں محمد بن سعید جنہیں سولی دی گئی“ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶)

اللائی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (۱)

امام بخاری ”متروک الحدیث“ کہتے ہیں، امام احمد بن حنبل ”کذاب“ کا خطاب دیتے

ہیں یقلب الاحادیث جو احادیث میں ہیر پھیر کرتا ہے۔ محدث مرہ فرماتے ہیں

لیس بشیء (۱) بالکل کچھ نہیں یعنی ناقابل اعتبار ہے (یحییٰ بن معین ضعیف کہتے ہیں،

تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶) محدث ابن المذنبی فرماتے ہیں کہ: ”عند

عندہ عشرون الف حدیث یعنی مائے مائے اصل (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶)

اس کے پاس بیس ہزار ایسی حدیثیں تھیں جن کی کوئی اصل نہیں تھی۔
ایک اور مقام پر بھی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن یحییٰ کذاب ہے لیکن وہ
واقعی سے بہتر ہے یعنی واقعی اس سے زیادہ کذاب ہے۔

اور امام ذہبیؒ ”میزان الاعتدال“ میں فرماتے ہیں :-
”استنقروا لاجماع علیٰ وهن الواقدی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹، میزان الاعتدال جلد ۳) ص ۱۱

واقعی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے۔“

امام ذہبیؒ نے ”مغنی“ میں لکھا ہے :-

”مجمع علیٰ ترکہ وقال النسائی کان یضع الحدیث۔ اس کے
متروک ہونے پر اجماع ہے اور امام نسائی نے فرمایا کہ وہ حدیث وضع
کیا کرتا تھا۔“ (المغنی جلد ۲ ص ۶۱۹)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۴، ص ۳۶۶،

لسان المیزان جلد ۶ ص ۸۵۲، کتاب البحر وحین لابن حبان جلد ۲ ص ۲۸۴،

میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱۱

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ”واقعی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں“

کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں۔“

ایک ظریف محذرت نے خوب کہا ہے کہ: ”اگر واقعی سچا ہے تو دنیا میں کوئی

اس کا ثانی نہیں ہے اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔“

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۸)

یہی حال ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ابو معشر کلبی سے۔ ہشام کو حافظ بن

اور حافظ ابن حجرؒ نے کذاب کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳، لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۹۶، ص ۱۹۷)

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھا ہے کہ ہشام بن محمد بن السائب

اہل علم کے نزدیک دسویں گواہ اور کاذب مشہور و معروف۔ (منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۱۳)

جب محمد بن سعد کے اساتذہ اس طرح کے غیر ثقہ اور کذاب ہیں تو اس کا اثر ان کی

کتاب پر کیوں نہ پڑا ہو گا؟ یقیناً پڑا ہے، اس لیے کہ ان کی کتاب میں اکثر روایات واقدی وغیرہ کی ہیں، چنانچہ مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں :-

”اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے“ ریسرٹ النبی جلد ۲۶
اس سے معلوم ہوا کہ باوجود محمد بن سعد کے ثقہ ہونے کے ان کی کتاب ”طبقات“ اتنی ثقہ نہیں ہے بلکہ واقدی، ہشام بن محمد بن السائب وغیرہ کذاب راویوں کی وجہ سے ان کی کتاب کی اعتمادی حیثیت پر بہت برا اثر پڑا ہے اور اب اس کی روایات اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو نقد و جرح کے بغیر قبول کیا جاسکے۔
چنانچہ محدثین کرام نے ان کی کتاب ”طبقات“ کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :-

”ھو فی نفسہ ثقہ ولكن کمزوری فی کتابہ المذکور عن اناس
ضعفاء منهم شیخہ الواقدی مقتدر اکثر اعلیٰ اسمہ واسم
ابیہ من غیر تمیز بنسبتہ ولا غیرھا ومنہم ہشام بن محمد
بن السائب فالترعنہما ومنہم نصر بن ابی سہل الخراسانی۔
ان سعد بنات خود تو ثقہ ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتاب ”طبقات“ میں
بہت سی روایات کمزور اور ضعیف لوگوں سے روایت کی ہیں جن میں
ایک تو ان کے شیخ واقدی ہیں جو روایت میں اقتصار سے کام لیتے
ہے یعنی سلسلہ سند پورا ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف اپنا نام اور اپنے
باپ کا نام ذکر کرتا ہے اور اسناد کی نسبت اور ان کے درمیان تمیز
کا بھی علم اسے نہیں ہوتا۔ ان کمزور اور ضعیف راویوں میں سے دوسرا
ہشام بن محمد بن السائب ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب میں ان
دونوں روایتی اور ہشام بن محمد سے بہت زیادہ روایات کی ہیں اور
ان میں ایک اور راوی نصر بن ابی سہل الخراسانی ہے“

(تذیب الراوی شرح تقریب النوادی ص ۵۲۹)

(۴) **ابن الاثیر** تاریخ پر آپ کی دو مشہور تصانیف ”الکامل“ اور ”اسد الغابہ“ بہترین کتابیں ہیں، آپ قدیم و جدید تاریخ کے حافظ اور

حدیث اور اس کے متعلقات کے امام تھے لیکن تاریخ میں ان کا ماخذ وہی ”طبری“ کی تاریخ تھی جس کی اکثر روایات ابو مخنف لوط بن یحییٰ، محمد بن السائب الکلبی وغیرہ غیر معتبر حضرات کی ہیں اور باوجود امام حدیث ہونے کے تاریخ میں وہی رطب و یابس سے کام لیا ہے جو اکثر مؤرخین کا شیوہ ہے۔ چنانچہ مصر کے فاضل علامہ محب الدین الخطیب مؤرخین کے تین گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”وطائفة ثلاثة من اهل الانصاف والدين كالطبري وابن عساكر وابن الاثير وابن كثير مرات ان من الانصاف ان تجتمع اخبار الاخباريين من كل المذاهب والمشارب كلوط بن يحيى الشيعي محرق وسيف بن عمر العراقي معتدل -

اور تیسرا گروہ اہل انصاف اور اہل دین کا ہے جیسے طبری، ابن عساكر، ابن الاثير، ابن كثير، ان کے فکر میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب کے اہل اخبار مثلاً لوط بن یحییٰ کٹر شیعوں اور اہل اعتدال میں سے سیف بن عمر عراقی کی خبریں جمع کر دی جائیں۔“ (العوام من القوام ص ۱۷۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الاثیر اگرچہ خود ثقہ اور حافظ تاریخ ہیں لیکن ان کی تاریخ اس قابل نہیں کہ بغیر کسی جرح و نقد کے اس کی ہر روایت کو صرف اس اعتماد پر کہ ابن الاثیر نے نقل کیا ہے قبول کر لیا جائے۔

(۵) **ابن کثیر** تفسیر، حدیث اور تاریخ کے حافظ اور امام ہیں، ان کی تفسیر کتب تفسیر میں ایک خاص مقام کی حامل ہے، آپ کی تاریخ ”الدرایہ والنہایہ“ چودہ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں ابتداءً آفرینش سے لے کر وفات امام تک کے واقعات درج ہیں۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ صحیح و ناقص روایات میں تمیز کرتا ہے کتاب میں کئی شیعوں کی روایات کی تردید کی گئی ہے، لیکن ان

سب باتوں کے باوجود وہ بھی اپنی تاریخ میں بعض ایسی باتیں درج کر گئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صرف طبری کے اعتماد پر ابو مخنف لوط بن یحییٰ وغیرہ شیعوں کی روایات سے اپنی کتاب کو تہہ بچا سکے بلکہ ایک جگہ تو صاف کھل کر لکھ گئے ہیں کہ :-

”وللشيعة والرافضة في صفة مصرع الحسين كذب كثير
واخبار باطلة وقيما ذكرناه كفاية وفي بعض اوردناه نظر ولولا
ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكره لما
سقطه واكثره من رواية ابى مخنف لوط بن يحيى وقد
كان شيعيا وهو ضعيف الحديث عند الامم
(البدایة والنهاية ج ۸ ص ۲۰۲)

سیدنا حسینؑ کی شہادت کے بارے میں شیعہ اور افضیوں میں بہت کچھ جھوٹی اور باطل خبریں ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہیں اور ان میں سے بعض حصہ محل نظر ہے، اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ و حفاظ اس کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے، ان میں اکثر روایات تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعوں تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔“

یہ ہے تاریخ کی مشہور ترین کتابوں پر اجمالی تبصرہ! باقی رہیں یعقوبی، مسعودی، فخری اور خضریٰ کی کتب تاریخ! تو یہ وہ لوگ ہیں جن میں کوئی معتزلہ اور کوئی کٹر شیعہ تھا، پھر نہ ان کو روایت سے کوئی مقصد اور نہ درایت سے کوئی سروکار، جو دل میں آیا لکھ دیا اور جس کے خلاف چاہا لکھ دیا۔ ان لوگوں کا مقصد زندگی ہی امت میں غلط روایات پھیلا کر تشقت و افتراق پیدا کرنا تھا جس کے لیے انہوں نے بہت محنت کی اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔

کیا کتب تاریخ ناقابل اعتماد ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کتب تاریخ کی یہ حالت ہے تو پھر ان کی اعتمادی حیثیت کیا رہی؟ پھر تو ان کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں؟ یہ چیز غلط ہے اور نہ ہی کتب تاریخ پر اس تنقیدی نظر سے ہمارا یہ مقصد ہے۔ بتایا صرف یہ گیا ہے کہ کتب تاریخ نہ تو اس قدر قابل اعتماد ہیں کہ ان کی ہر روایت اور ہر واقعہ کو بغیر کسی جرح و قدح کے من و عن تسلیم کر لیا جائے اور نہ ہی ان کی ہر روایت ایسی ہے کہ اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے، بلکہ جس طرح حدیث کی روایت کو جرح و تعدیل کے اصول پر پرکھا جاتا ہے اسی طرح تاریخ کی روایات کو بھی نقد و جرح کے اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور صحیح و سقیم کے درمیان امتیاز پیدا کر کے صحیح کو لے لیا جائے اور سقیم کو رد کر دیا جائے گا۔ ان اصولوں کو کام میں لا کر امت کی صحیح تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے لیکن اگر ان اصولوں کے استعمال کے بغیر صرف مؤرخین کے نام کی شہرت کی وجہ سے ان کی کتابوں کو ایک اعتمادی حیثیت دے دی جائے تو یہ چیز صرف حق و باطل اور غلط و صحیح کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کر سکے گی بلکہ امت کے لیے ایک انتہائی نقصان کا باعث ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی تاریخ پر ایک تنقیدی بحث کرنے کے بعد اپنی کتاب کے بالکل آخری صفحہ پر فرماتے ہیں :-

”وقد بینت لکھانکھلا تقبلون علی انفسکم فی دینار
بل فی درھم الا عدلاً بریئاً من التھم سلماً من الشھوة
فکیف تقبلون فی احوال السلف وما جرى بین الاول
ممن لیس لہ مرتبة فی الدین فکیف فی العداۃ۔“

میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف ایک دینار تو
کیا ایک درہم کا دعویٰ بھی اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ

مدعی عادل اور تہمتوں سے بری اور خواہشات نفسانی سے پاک نہ ہوئیں
تم احوال سلف اور مشاہیرات صحابہؓ کے بارہ میں ایسے آدمی کی بات کو
کس طرح تسلیم کر لیتے ہو جن کا عادل ہونا تو کجا خود دین ہی میں کوئی مقام
نہیں۔ (العواصم من القواصم ص ۲۵۲)

بتایا یہ جارہا ہے کہ سلف کے احوال اور مشاہیرات صحابہؓ کے بارہ میں بات چیت
کرنا اور ان کو زیر بحث لانا نہایت نازک مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ قرآن و حدیث
بلکہ پورے دین کے اولین راوی ہیں، ان کے بارہ میں اگر ذرہ برابر غلط روایت
قبول کر لی جائے جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو تو نہ صرف ان کی ذات مجروح ہو
گی بلکہ پورے دین کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ
جو صحابہ کی شان میں تنقیص سے کام لیتا ہے وہ زندق اور بے دین ہے۔

(الکفایہ ص ۴۶، ۴۹)

دوسرے اگر ان کتابوں کی روایات قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف ہوں گی
تو وہ نقل کرنے والوں کے منہ پر ماری جائیں گی کیونکہ دین کی روح ایک لمحہ
کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ قرآن و حدیث کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف
کوئی روایت قبول کی جائے، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اس حقیقت کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

”بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے جو مجہول راویوں سے
صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف ہو روایات نقل کی ہیں
وہ ناقلین کے منہ پر ماری جائیں گی۔“

صحابہؓ سے حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کو افضل و غنی الذہن
قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف،
منسقیم اور مستقیم اور کمزور و مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۲۷)

دیے بھی یہ کس قدر ثمر کی بات ہے کہ غیر قومیں تو اپنے بزرگوں کے غیر اہم کاموں کو کارہائے نمایاں ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھیں اور ہم اپنے اکابر کے محاسن و مفاتر کو قبیح اور بد شکل صورت میں پیش کریں اور ان راویوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں نمایاں جگہ دیں جو صحابہ کرامؓ کے حسن و جمال کو قبیح بنائیں، اسی بات کا رونا موجودہ دنیا کے بہترین فاضل علامہ محب الدین الخطیب ان الفاظ میں روتے ہیں :-

أُمَّا عَظْمَةُ اسْلَافِنَا نَحْنُ قَدْ سَلَطَ الشَّيْطَانُ عَلَيْهَا قُلُوبًا
فَاسِدَةً تَفِيقُ بِالسُّوءِ وَصَدَقَ اكَاذِبُهَا الْاَكْثَرُونَ
مِنَا كَالْاُمَّةِ الَّتِي لَا مَجْدَ لَهَا يَبْتَغَاهِي نَائِمَةٌ عَلَى تَرَاتُ
مِنَ الْمَجْدِ لَا تَحْلُمُ لَا نَسَانِيَةَ بِمِثْلِهِ -

والعواصم من القواصم تعلیفہ ص ۸۵

اور ہمارے اسلاف کی عظمت اسو شیطان نے ایسے لوگ مسلط کر دیئے جن کے قلوب بدترین تھے اور ان سے برائی ہی ٹپکتی تھی، انہوں نے ان کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ کو صحیح سمجھ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک ایسی اُمت ہو کر رہ گئے جن کی کوئی عظمت اور بزرگی نہ ہو اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ جب مجد و عظمت بٹ رہی تھی اُس وقت یہ اُمت سوئی ہوئی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انسانیت ایسی گہری نیند کبھی نہیں سوئی۔“

ایک اور مقام پر اس نشے پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کرتے ہیں :-
”تعجب ہے اس اُمت پر کہ یہ اپنے ابطالِ جلیلہ کی برائی بیان کرتی ہے اور اپنی تاریخ کے خوب صورت ترین دور کو بدترین انداز میں پیش کرتی ہے اور اپنی بزرگیوں اور کارہائے نمایاں کو مٹاتی ہے جیسا کہ ہم میں سے

اشرار اور سازشی ذہن رکھنے والے لوگ کرتے ہیں، پھر ان اشرار کا
 پروپیگنڈہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو بھی گمان ہو جاتا ہے
 کہ شاید یہ باتیں سچی ہوں۔“ (العواصم من القواصم ص ۹۹ تعلیقہ)
 یہ عقائد تاریخ اسلام کا مختصر تذکرہ جس کو مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے
 پیش کر دیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ مؤرخین پر اس معمولی سی تنقید پر کچھ حضرات
 غم و غصہ کا اظہار کریں، لیکن میں مجبور ہوں، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ تمام بزرگوں
 سے بڑے بزرگ تھے اور ہر بزرگ پر تنقید برداشت کی جاسکتی ہے لیکن صحابہؓ
 پر کسی قلم سے تنقید کا ایک حرف بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا، اور ہر کتاب کی اُس
 روایت کو رد کرنا واجب ہے جس سے صحابہؓ کے متعلق ذرا سا بھی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔

نیا آگیں

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی عفی عنہ

خاندان قریش

خاندان قریش عرب کا ایک معزز ترین خاندان تھا اور اپنی طاقت اور قوت میں اپنی مثال آپ۔ اس خاندان کا نام بھی اس کی شجاعت، بہادری اور عزت و احترام کی خاطر ہی قریش رکھا گیا تھا، کیونکہ قریش ایک سمندری جانور کو کہتے ہیں جو اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے سمندر کے دوسرے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے اور ہر جانور پر اس کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے، جس کو چاہتا ہے قتل کے گھاٹ اتار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنا دل بہلانے کے لیے رکھ چھوڑتا ہے، وہ سب پر غالب و حاکم ہوتا ہے لیکن اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی وہاں موجود تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ اپنے علم و فضل اور کمالات و محاسن کی وجہ سے ایک خاص مقام کے حامل تھے باتوں باتوں میں انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم سے بڑا کوئی عالم نہیں، بھلا قریش کی وجہ تسمیہ بیان کرو، اس پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے قریش کی وجہ تسمیہ یہی بیان فرمائی جو اوپر بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی مندرجہ ذیل شعر بطور دلیل پڑھے، فرمایا کہ شمر بن عمرو حمیری کہتا ہے۔

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ
بِهَاسِمِيَّتٍ قُرَيْشٌ قُرَيْشًا
تَأْكُلُ الْفَتَّ وَالسَّمِينَ وَلَا تَذَرُكَ
لِذِي الْجَنَاحِ حَيْثُ رِيثًا
هَكَذَا فِي الْبِلَادِ دَحَى قُرَيْشٍ
يَا كَلُوكَ اِبِلَادَا كَلَا مَيْثًا

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶)

”یعنی قریش دراصل ایک جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کے نام پر قریش کا نام قریش رکھا گیا ہے۔ وہ جانور دُلے پتلے، طاقتور اور موٹے جانوروں کو اس طرح چسٹ کر جاتا ہے کہ ان کے پرتک نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح یہ قبیلہ قریش مختلف شہروں کو نہایت تیزی سے کھا جاتا ہے۔“

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ قریش ایک بحری جانور ہے میں نے اس کو خود دیکھا ہے، اس کا بدن باہم ایک دوسرے کے ساتھ گھٹا ہوا ہوتا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے اپنی اجتماعی زندگی کو تنظیم کی تھی وہ سمٹ کر ایک نکتہ اور اکائی پر مرکوز تھی، اسی وجہ سے اس اجتماعی تنظیم کا نام قریش رکھا گیا۔

(فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۱۵۸)

قریش کی شاخیں

اس خاندان کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں لیکن بنو ہاشم اور بنو امیہ ان سب میں سے دنیوی عظمت اور وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ ہاشم بہت سخی اور بامروت انسان تھے، سارے عرب میں ان کی سخاوت اور داد و ہش زبان زرد عوام تھی۔ ان کا اصلی نام تو عمرو تھا لیکن ایک دفعہ مکہ میں قحط کے دوران انہوں نے ثوبہ میں روٹیاں چورہ کر کے قحط زدہ لوگوں کو کھلائیں جس کی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، کیونکہ ہاشم ہاشم سے آہم فاعل ہے جس کے معنی ہیں چورہ کرنے والا۔

ہاشم ہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے قریش میں سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ موسم سرما میں مین کی طرف اور موسم گرما میں شام کی طرف۔ نجاشی شاہ حبشہ اور قیصر روم ہاشم کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ عرب کے دوسرے قبائل کی نگاہ میں بھی ہاشم کی خاص توقیر تھی اس وجہ سے ان دوسفروں کے راستوں پر جو قبائل آباد تھے ہاشم نے ان قبائل سے

سے بھی یہ معاہدہ کیا کہ ہم تمہاری تمام ضرورتیں پوری کیا کریں گے اور تم ہمارے قافلے کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۴۵) ہاشم کی اس تدبیر سے قریش کے قافلوں کے تمام راستے مامون و مصئون ہو گئے۔

اس کے علاوہ ہاشم نے اپنے لیے یہ دستور وضع کر رکھا تھا کہ حج کے ایام میں تمام حجاج کی گوشت، روٹی، سٹو، کھجوروں اور دیگر اشیائے خورد و نوش سے تواضع کرتے اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام فرماتے جس سے اُن کی چار دانگ عالم میں شہرت پھیل گئی۔

بنو اُمیہ

قریش کے دوسرے ممتاز بزرگ اُمیہ بن عبد شمس تھے جن سے خاندان بنو اُمیہ کی شاخ چلی، یہ قریش کے سپہ سالار تھے، اگرچہ ابتداء میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنو مخزوم میں تھا لیکن عبد شمس کے زمانہ سے یہ عہدہ اور منصب بنو اُمیہ میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ عکاظ، فجار اول اور فجار دوم وغیرہ سب بڑائیوں میں جو زبائے جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں میں ہوئیں سپہ سالاری کے فرائض عبد شمس کے پوتے، ابوسفیان کے والد حرب بن اُمیہ نے سرانجام دیئے۔

(العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۱)

حرب بن اُمیہ کی موت کے بعد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے تک قریش کی سپہ سالاری انہی کے ہاتھوں میں رہی۔ جنگ بدر میں جو کہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ تھا ابوسفیان قریش کے قافلہ کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے سر غلبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے، اس کے بعد ان کے اسلام لانے تک جتنے معرکے بھی کفر اور اسلام کے درمیان ہوئے ان سب میں قریش کی قیادت ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں رہی۔ (تاریخ اسلام ایساوی جلد ۱ ص ۳۹۵)

بنو امیہ اور تجارت

بنو امیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے خاندانوں کی طرح صاحب مال اور تجارت پیشہ بھی تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر قریش کا جو قافلہ شام گیا ہوا تھا اُس کی قیادت بھی ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں تھی اور ہرقل کے نام چب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا خط بھیجا اُس زمانے میں بھی ابوسفیانؓ اپنے تجارتی قافلہ کو وہاں لے کر گئے ہوئے تھے، آپ اس سارے قافلہ کے قائد اور سربراہ تھے، چنانچہ ہرقل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق حال کے لیے انہی کو بلایا اور مختلف سوالات کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حالات سے آشنائی حاصل کی۔ یہ واقعہ بخاری کے متعلق ابواب میں تفصیلاً مذکور ہے (تجارت کی وجہ سے بنو امیہ کی مالی پوزیشن بھی بہت مضبوط تھی اور مکہ کے مالداروں میں اکثریت انہی کی تھی حضرت عثمانؓ جن کی ساری دولت اسلام کے دورِ غسرت میں اس خدمت کے لیے وقف تھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

بنو امیہ مخالف اور موافقت کے روپ میں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد بنو ہاشم کی طرح بنو امیہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، لیکن بنو ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کے بناء پر آپؐ کی زیادہ حمایت کی تھی، چنانچہ آپؐ کے قتل کی سازش میں بنو ہاشم میں سے کوئی بھی شریک محفل نہ تھا۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۱۷۱)

بنو امیہ چونکہ قریش کی قیادتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھے لہذا انہوں نے اس

عہدے کے عظیم فرائض منصبی کا احساس کرتے ہوئے اہل اسلام کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور ان کا یہ مقابلہ اہل اسلام سے خاندانی پشتک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور جماعت سے اگر ان کا مقابلہ ہوتا تو اس کے ساتھ بھی بنو اُمیہ ہی سرگرمی دکھاتے۔ اس دشمنی کو خاندانی پشتک کا نتیجہ بنانا تاریخ سے جہالت اور بنو اُمیہ کے اصلی حالات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، تاہم تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ حبشہ کی ہجرت اور بنو اُمیہ ہی کے لوگ تھے بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب تھے۔ (ابن ہشام جلد ۳ ص ۳۹۹) چنانچہ علامہ احمد بن یحییٰ البلاذریؒ نے بھی لکھا ہے کہ بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا حضرت جعفر بن ابی طالبؒ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(انساب الاشراف جلد ۱ ص ۱۹۸)

اور بنو اُمیہ اور ان کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی تھی ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔
- ۲۔ خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہؓ۔
- ۳۔ عمرو بن سعیدؓ۔
- ۴۔ ابو حذیفہ بن عتیبہ بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سہیلہ بنت سہیل۔
- ۵۔ عبد اللہ کنیت ابو محمد حلیف بنو اُمیہ
- ۶۔ عبد اللہ کنیت ابو احمد
- ۷۔ عبید اللہ کنیت ابو جحش
- ۸۔ شجاع بن وہب بن ربیعہ
- ۹۔ قیس بن عبد اللہ

۱۰۔ معیقہ بن ابی فاطمہ الدوسی حلیف آل سعید بن العاص

۱۱۔ ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس بن سلیم بن خضار حلیف آل عتبہ بن ربیعہ

والنساب الاشراف جلد ۱۶۹، ۲۰۰ م

ہجرت اولیٰ بجانب حبشہ کے مہاجرین کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو۔
دعویٰ الاثر ابن سید الناس جلد ۱۵۱، فتح الباری جلد ۷ ص ۱۳۸ م

اس کے علاوہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے پیٹھے پانی کے اُس رومہ کنوئیں کو جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا غریب مسلمانوں کی تکلیف کی خاطر آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۸۸ م، فتح الباری باب مناقب عثمان جلد ۷ ص ۲۳ م)

پھر انہی سیدنا عثمانؓ نے غزوہ تبوک میں تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور نقد ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کیے، اس سے آپؐ اس قدر خوش ہوئے کہ آپؐ ان اشرافیوں کو بار بار اچھالتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل نقصان نہ پہنچا سکے گا، اور فرماتے اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳ م، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۳۱، زرقانی جلد ۳ ص ۶۴ م، ترمذی باب مناقب عثمان جلد ۲ ص ۳۱۱ م)

بنو امیہ کی اسلام دشمنی جو کچھ کہ تھی اس کو زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے، یہ درست ہے کہ حالت کفر میں ان لوگوں نے اسلام اور اہل اسلام کی سر توڑ مخالفت کی، لیکن جب یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلام کی محبت اور دوستی میں بھی انہوں نے وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیئے کہ اسلام کی تاریخ میں وہ واقعات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، خود ابوسفیانؓ جنہوں نے اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی محض اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی بڑائیوں میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش اس قدر گوم جوشی سے حصہ لیتے رہے کہ خود ان کی جاہلیت کی تاریخ اس کے سامنے گرد محض غزوہ حنین میں شرکت شرمائی، پھر محاصرہ طائف میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے یہاں تک

اس غزوہ میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ راستیاب جلد ۲ ص ۱۶۷
 اور یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ (راستغاب جلد ۲ ص ۱۶۷)
 الصدیق للہیکل ص ۲۰۶

اسی لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:-
 ”النَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ هُوَ
 فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ هُوَ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فُقِهُوا۔
 (بخاری جلد ۱ ص ۹۲۶، مسلم جلد ۲ ص ۳۳۱، مستدرک جلد ۳ ص ۲۴۳)
 لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت
 میں بہتر تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی بہتر ہیں مگر انہیں دین کی
 سمجھ حاصل ہو جائے۔“

نبی اکرم صلی تمعا علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور بنو امیہ

یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بنو امیہ کو بھوں بھوں وہ اسلام
 لاتے رہے اپنی خاص نوازشات سے نوازتے رہے کیونکہ آپ ان کے اندونی مخفی گوہر سے
 آشنا تھے اور سمجھتے تھے کہ جس طرح ان لوگوں نے حالت کفر میں کفر کے لیے سر دھڑ کی
 بازی لگا دی تھی اسی طرح اب یہ اسلام کے لیے بھی اپنا سب سرمایہ حیات قربان کرنے
 سے دریغ نہیں کریں گے جیسا کہ بنو امیہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے، چنانچہ آپ
 نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیوں زینب، رقیہ، ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہن، کا
 نکاح بنو امیہ میں کیا، اپنی سب سے بڑی صاحبزادی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کا نکاح
 ابوالعاص ابن ربیع ابن عبد العزیٰ اموی سے کیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۷۶)

سیدنا عثمان غنیؓ سے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور

سیدہ ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہا کو بیاہا۔ ^{۳۳۳} حیات القلوب جلد ۲،
اور فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کی زوجیت

لے بعض حضرات اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہؓ سے چار صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم، سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہن تھیں، اور اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ رقیہؓ کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ یہ مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں خواہ مخواہ اگر کوئی اس میں اختلاف کرے تو یہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی معتبر کتابیں سیدنا عثمانؓ کے داماد رسولؐ ہونے کو تسلیم کرتی ہیں۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب نہج البلاغہ میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ کو مخاطب فرماتے ہوئے آپؐ کے شرف اور بزرگی کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:-

”فما این ابی تحافۃ ولا ین الخطاب اولیٰ بعمل الحق منک وانت اقرب
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشیعۃ رحمہما وقد نلت
من صہرہ مالہ یناکا۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۲۲)

اور ابو بکرؓ و عمرؓ حق پر عمل کرنے میں آپؐ سے زیادہ مستحق نہ تھے آپؐ ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی قرابت میں زیادہ قریب ہیں اور آپؐ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بھی حاصل کیا جو وہ دونوں حاصل نہیں کر سکے۔“

اسی مسئلہ کو تحفۃ العوام ص ۱۱۲، اصول کافی ص ۲۷۸، استبصار جلد ۱ ص ۲۴۵، تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۱۵۲، مرآۃ العقول

ص ۳۵۲، حیات القلوب جلد ۲ ص ۳۳۳، ص ۱۸، ص ۷۹، ص ۷۲، تفسیر مجمع البیان جلد ۳ ص ۲۳۳، مجالس المؤمنین مجلس ۳

ص ۸، مسالک الافہام الی تنقیح شرائع الاسلام ص ۵۳۲ وغیرہ شیعہ کتابوں میں نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا

گیا ہے اور اہل سنت کی بھی تقریباً تمام کتابوں مثلاً تاریخ الخلفاء ص ۱۴۷، ۱۴۸، اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۷،

ابدایہ و النہایہ جلد ۱ ص ۱۹۹، استیعاب ذکر عثمان بن عفان ص ۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۹۵،

وغیرہ میں اس بات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

میں دیتا ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۱۷

دوسری طرف بنو امیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی بیٹی سیدہ اُم جحبہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے نکاح کر کے بنو امیہ سے اپنی نہایت قریبی رشتہ داری کے تعلقات قائم فرمائے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۲، اصابہ جلد ۲ ص ۳۵۵، صفۃ الصفوة جلد ۲ ص ۲۲)

فتح مکہ کے روز اپنے ابوسفیانؓ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دیدیا اور فرمایا: ”مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُفْيَانَ فَهُوَ اَمِنٌ“ مسلم باب فتح مکہ جلد ۲ ص ۳۵۱
مسند احمد ۱۰۹۶۱ حدیث ۹۰۹، تہذیب التہذیب جلد ۲، تاریخ ابن خلدون جلد ۳
جو ابی سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔

۱۔ ایک روایت میں آتا ہے:-

”وَلَوْ كَانَ لِي ثَلَاثَةُ لَزَوْجَتِهِ وَهَازِ وَجْتَهُ الْإِبِلُ الْوَحْيُ مِنَ اللَّهِ

تَعَالَى۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲)

اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ سے بیاہ دیتا اور میں از خود

نہ بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے حکم سے بیاہتا۔

ایک روایت میں چالیس بیٹیوں کا ذکر آتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲) اور ایک روایت

میں تسو کا لفظ بھی آتا ہے۔

۲۔ یہ گھر بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا اور جب مسجد حرام کی توسیع کی گئی اُس وقت اس گھر کو حرم

شریف میں داخل کر دیا گیا۔ علامہ محب الدین الخطیب صاحب تعلیقات العواصم من القواہم والمنتهی

من منہاج الاعتدال فی نقص کلام اہل الفسق والا اعتزال فرماتے ہیں کہ:-

”میں نے حرم شریف کے اس حصے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو پہلے دار ابی سفیانؓ تھا،

وہاں ایک پتھر نصب تھا جس پر نہایت خوبصورت خط میں لکھا ہوا تھا مَنْ دَخَلَ دَارَ

ابْنِ سُفْيَانَ فَهُوَ اَمِنٌ۔ جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن سے

ہے۔ (المنتهی از محمد ابن عثمان النبی تعلیقہ ص ۲۵۳)

جمادی الاول ۱۰ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا اس مہم میں جب آپ تشریف لے گئے تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔

(طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱ ثالث ص ۳۹)

پھر ۱۰ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت رضوان منعقد فرمائی اور انہیں اپنے ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔ (بخاری شریف)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۰۸، ۲۰۶)

اس بیعت میں اللہ جل شانہ نے صرف سیدنا عثمانؓ کی طفیل ۴۰۰ اور بعض روایات کے مطابق ۵۰۰ مسلمانوں کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا جس کا ذکر سورۃ فتح میں فرمایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲ ص ۱۸)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (الفتح آیت ۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنوں سے جبکہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس اللہ نے ان کے دلوں کے اخلاص اور محبت کو جان لیا، چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی (خاص) سکینت اور طمانیت نازل فرمائی اور (اس کے علاوہ) اور بھی وہ بہت سی غنیمتیں حاصل کریں گے اور اللہ جل شانہ غالب اور حکمت والا ہے۔

انہی سیدنا عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کو آپ نے کتابت وحی کے ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔ چنانچہ سید عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ

رات کے وقت وحی نازل ہوئی، سیدنا عثمانؓ موجود تھے، آپؓ نے انہیں لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۷)

بنو ہاشم کا قبول اسلام

عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی شروع ہی سے چونکہ باہمی دشمنی چلی آرہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے رقیب و حریف تھے اس وجہ سے بنو امیہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی از حد مخالفت کی۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے اور اس پر تعمیر کردہ نتائج کی دنیا محض ایک باطل مفروضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لانے کی سعادت آپؐ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد سلام اللہ علیہا کے حصہ میں آئی تھی جو اگرچہ قبیلہ و خاندان کے لحاظ سے بنو اسد کی فرد تھیں لیکن شادی کے بعد عملی طور پر بنو ہاشم کی رکن بن چکی تھیں۔ عربوں کی قبائلی روایات کے مطابق بیویاں اپنے خاوندوں کے خاندان کی رکن سمجھی جاتی تھیں، اسی طرح موالی اور حلیف بھی اپنے سرپرستوں یا آقاؤں کے خاندان ہی کے افراد سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن حارثہؓ کلبی کے علاوہ ابورافعؓ، صالحؓ، شقرانؓ، ابوکبشہ اور انسہ اور غالبؓ کچھ اور موالی بھی بنو ہاشم اور اہل بیت رسول کے مکی مسلمان تھے۔ اہل بیت کرام میں آپؐ کی چار صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ بھی ابتدائی مکی دور کی مسلمان تھیں۔ خاندان رسول کے موالی میں سیدنا زید بن حارثہؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام ایمنؓ بھی قدیم ترین اسلام لانے والوں میں سے تھیں، پھر سیدنا زیدؓ کے فرزند سیدنا اسامہ بن زیدؓ کلبیؓ بھی پیدا ہوئے مسلمان تھے۔

ابوطالب قدیم و جدید مؤرخین کی روایت کے مطابق دولتِ اسلام سے محروم رہے لیکن ان کے دو بیٹے سیدنا علیؓ اور سیدنا جعفرؓ اور ان کی اہلیہ سہار بنت عیسٰیؓ بھی

قدیم مکی مسلمان ہیں۔ سیدہ اسماءؓ نے تو اپنے شوہر سیدنا جعفرؓ کے ساتھ ہجرت حبشہ بھی فرمائی تھی۔ ابوطالب اگرچہ خود شرف اسلام سے محروم رہے لیکن ان کی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہؓ بنت اسد بن ہاشم نے مکہ ہی میں غالباً ابوطالب کی وفات کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا اور بعد میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی تھی، ان کے بیٹے عقیل کی اہلیہ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ اموی نے بھی غالباً صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانہ میں اپنے خاوند کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔

بنو ہاشم ہی کے ایک اہم فرد اور آپ کے چچا ابولہب بن عبدالمطلب ہاشمی نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور آپ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ رکھا، لیکن اس دشمن اسلام و رسول کے دو لڑکوں عذیرہؓ اور عتیبہؓ نے فتح مکہ کے بعد دعوتِ اسلام کو قبول کر لیا تھا اور غالباً ان کی تمام اولاد نے بھی۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ جس کا تعلق سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ سے تھا یہ بھی آپ کے چچا تھے، انہوں نے صلح حدیبیہ کے کچھ بعد یا فتح مکہ سے کچھ قبل اسلام قبول کیا تھا، اس زمانہ میں آپ کے صاحبزادے بہت چھوٹے تھے لیکن غالباً اپنے والد کے ساتھ وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں فضل، قثم، عبید اللہ اور عبد اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کا گھرانہ تھا، سیدنا حمزہؓ کا خاندان ابتدائی عہدِ کاسم تھا جبکہ آپ دارِ ارقم میں قیام پذیر تھے، سیدنا حمزہؓ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، ایک لڑکی امامہؓ تھی جو عمرہ القضاء میں بہت چھوٹی تھی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کی تولیت میں دیا تھا کیونکہ ان کی بیوی سیدہ امامہؓ کی خالہ تھیں، البتہ ان کے موالی بنو غنی ابتدائی مسکن مسلمان تھے جو ابو مرثدؓ اور مرثد غنویؓ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ حارث بن عبدالمطلبؓ ہاشم کا تھا، حارث تو بعثت نبوی

سے قبل ہی انتقال کر چکے تھے، لیکن ان کے بیٹے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مدینہ کو ہجرت جنگ خندق کے بعد سیدنا عباسؓ کے ساتھ کی تھی۔ نوفل کے باقی تین بھائیوں ربیعہ، عبد اللہ اور ابوسفیان کے بارہ میں تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سیدنا ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی کے بارہ میں روایات میں سے کہ اپنے وقت کے بہت اچھے شاعر تھے لیکن اسلام کے سخت دشمن تھے، وہ بینس برس تک اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی ہجو کرتے رہے لیکن فتح مکہ کے روز جان نثار رسول بن گئے۔ اس خاندان کے تین اور افراد جعفر بن ابی سفیانؓ، حارث بن نوفل بن حارث اور عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی اہلیہ جملہ بنت ابی طالب جو سیدنا علیؓ کی ہمیشہ رہ تھیں اپنے خاوند سے قبل مکہ میں اسلام میں داخل ہو کر ہجرت مدینہ کے شرف سے مشرف ہو چکی تھیں۔

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو ہاشم نے خاندان کی محبت میں اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایک ہاشمی فرد ہونے کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا بلکہ اسلام کو سچا سمجھتے ہوئے اسے قبول کیا تھا، دوسرے لفظوں میں بنو ہاشم نے اسلام کی شدید ترین مخالفت بھی کی اور شدید ترین حمایت بھی۔

بنو امیہ کا قبول اسلام

بنو عبد مناف کی دوسری شاخ بنو عبد شمس کی تھی، یہ قبیلہ دنیوی جاہ و شہرت، مال و دولت اور عسکری لحاظ سے بنو عبد مناف کا سب سے زیادہ طاقتور اور مال دار قبیلہ تھا، اس کی اہم ترین شاخ بنو امیہ اتنی اہمیت اختیار کر گئی تھی کہ بنو عبد شمس عملاً بنو امیہ ہی سمجھے جانے لگے تھے۔ ہمارے خیال میں بنو امیہ کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی

طور پر جو عروج اور بلند مقام حاصل ہوا وہ ہاشم اور ان کے فرزند عبد المطلب کی وفات کے بعد حاصل ہوا کیونکہ ہاشم ایک بڑے باوجاہت انسان تھے اور سرکاری دربار تک ان کی رسائی تھی، دوسرے بادشاہوں کے ہاں بھی انہیں باریابی حاصل تھی، وہ مدبر و عظیم بھی تھے، بڑے باہمت اور فرائض کی ادائیگی اور انجام دہی میں نہایت چابکدست تھے، اس وجہ سے ان کا سیاسی اور سماجی طور پر ایک خاص مقام تھا۔

ان کے صاحبزادے عبد المطلب کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہی صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا جن سے ان کے باپ ہاشم کو نوازا تھا، آپ سیرت و صورت دونوں میں یگانہ روزگار تھے۔ قد کمر ریز میں، بدن سڈول، چہرہ سے وجاہت و ہیبت، آنکھوں سے شرافت و نجابت، اور رخساروں سے جلالت و عظمت کی شعائیں صوافشاں تھیں، ایک اجنبی بھی جب دیکھ پاتا تو قدموں پر گرنے کے لیے بیتاب ہو جاتا، جو دوسرا میں شہرہ آفاق تھے، آپ کا دسترخوان نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہول کے پرندے بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔

ہاشم اور عبد المطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم میں اس پایہ کا ان کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ ابوطالب مالی طور پر نہایت مفلوک الحال تھے۔ خاندان کے سربراہ اور سردار کے لیے جو صفات اور خصوصیات ایک شخص میں پائی جانی چاہئیں جیسے شجاعت و بہادری، جو دونوں، بخشش و عطاء، مروت و بردباری اور دولت و ثروت وغیرہ، ابوطالب ان میں سے اکثر سے محروم تھے، پھر جسمانی طور پر بھی لنگڑے تھے۔ چنانچہ اس نقص کی وجہ سے نہ ہی حرب فجار میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ٹانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ عطر فروشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے تھے، چنانچہ سیدنا علیؑ فرماتے ہیں کہ:-

”ابن ساد فقیراً و ماساد فقیراً قبلہ
میر والد ابوطالب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے قبل کوئی فقیر کبھی قبلہ
کا سردار نہیں ہوا“ (تاریخ یعقوبی شیعہ جلد ۱ ص ۱۰۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو امیہ کو سیادت و قیادت کی یہ نہام گمار عبدالمطلب کی وفات کے بعد ہاتھ آئی۔ عبد شمس کو ہاشم کی طرح اپنے باپ کی زندگی ہی میں برابری کا مقام حاصل تھا اور باپ کے انتقال کے بعد اگر ہاشم کو سقایہ اور فادہ کے عہد سے ملے تھے تو عبد شمس کو فادہ کا عظیم منصب ملا تھا، اس طرح عبد مناف کے دونوں فرزند مکہ اشرا فیہ کے برابر کے رکن اور مکہ سماج و معاشرہ میں یکساں عزت و توقیر کے حق دار بن گئے تھے۔

ہاشم کی نوعمری میں وفات اور ان کے بیشتر بچوں کا بچپن میں انتقال وغیرہ کی وجہ سے ان کی نسل صرف بنو عبدالمطلب میں جاری رہی، جبکہ اس کے مقابلے میں عبد شمس کے متعدد لڑکوں سے ان کی نسل خوب چلی اور بعثت نبوی تک بنو عبد شمس کے اپنے متعدد بطون و چھوٹے چھوٹے قبیلے وجود میں چکے تھے، قبیلوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے جو اس زمانے میں ایک امتیازی خصوصیت تھی لہذا بنو عبد شمس کو ایک امتیازی، سیاسی اور سماجی عظمت و توقیر حاصل ہو گئی تھی۔ علاوہ انہیں ان کو ملکی اقتصادیات میں بھی نمایاں برتری حاصل تھی، عہد نبوی میں بھی بنو عبد شمس کو یہ قیادت و سیادت حاصل تھی، اس قیادت و سیادت کو قائم رکھنے میں بنو عبد شمس کی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے علاوہ کلے خاندان بنو عبد مناف کی تائید و تصدیق اور اتحاد کی دولت حاصل تھی۔ گویا بنو عبد شمس کی عظمت و ریاست بنو ہاشم کی عظمت و ریاست تھی، یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے دوست، حلیف اور بھائی تھے نہ کہ رقیب، حریف اور مد مقابل۔

بعثت نبوی تک بنو عبد شمس کے متعدد خاندان اور گھرانے بجائے خود ایک سماجی اکائی بن چکے تھے، ان میں سب سے بڑا اور اہم ترین گھرانہ بنو امیہ کا تھا جو متعدد گھرانوں پر مشتمل تھا، اس کی اہم شاخیں مندرجہ ذیل تھیں :-

۱۔ بنو ابی العاص بن امیہ اکبر۔ اس کی مزید دو ذیلی شاخیں تھیں،

(ا) بنو عفان : سیدنا عثمان بن عفان کا خاندان۔

(ب) بنو حکم : سیدنا مروان بن الحکم کا خاندان۔

۲۔ بنو حرب بن امیہ اکبر۔ اس کی حسب ذیل تین اہم ترین شاخیں تھیں،

۱۔ بنو ابوسفیان بن حرب (دب) بنو غنہ بن ابی سفیان (رح) بنو عقیبہ

بن ابی سفیان۔ ان کے علاوہ بھی بعض گھرانے ان میں شامل تھے۔

۳۔ بنو ابی العیص : سیدنا عتاب بن اُسَید کا گھرانہ۔

۴۔ بنو ابی عمرو بن اُمیہ : دشمن رسول عقیبہ بن ابی معیط کا خاندان۔

۵۔ بنو عاص بن اُمیہ : ابوالیحیٰ سعید بن عاص کا خاندان۔

علاوہ ازیں عبد شمس کے متعدد بیٹوں کے خاندان تھے، جیسے بنو حبیب بن عبد شمس، بنو عبد امیہ بن عبد شمس، بنو نوفل بن عبد شمس، بنو ربیعہ بن عبد شمس اور بنو عبد العزیٰ بن عبد شمس۔ پھر ان کے آگے کئی گھرانے ہو چکے تھے۔ بنو ربیعہ بن عبد شمس کے دو افراد عقیبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مکی اثرافیہ کے بعثت نبوی سے قبل اہم ترین ستون تھے، جب کہ مؤثر الذکر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بڑے داماد ابوالعاص بن ربیعہ کا گھرانہ تھا۔ مختصر سی تفصیل تھی بنو عبد شمس / بنو اُمیہ کے خاندان کی۔ اسلام کے بارہویں اس خاندان کا روتہ بنو ہاشم یا دوسرے کسی مکی خاندان سے مختلف نہ تھا، اگرچہ ان میں سے بعض نے اسلام کی پوری پوری مخالفت کی تھی لیکن اسی خاندان کے کئی افراد نے بھرپور حمایت بھی کی تھی، بنو ہاشم کے بعض گھرانوں کی طرح بعض اموی / عبد شمس گھرانوں نے بھی سبقت اسلام کی دولت سے حظ وافر پایا۔

خاندان بنو عاص بن اُمیہ اکبر میں ابوالیحیٰ سعید بن عاص کا گھرانہ اپنی دولت و ثروت، شرافت و نجابت اور سیادت و ریاست کے لیے تمام مکہ میں ممتاز ترین گھرانہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی خاندان سعیدی کے ایک فرد سیدنا خالد بن سعید امویؒ غالباً اولین اموی مسلمان تھے اور روایات کے مطابق ان کا سلسلہ سابقین اولین صحابہ میں ٹیسرا یا چوتھا نمبر تھا۔ ان میں سے ایک بھائی عمرو بن سعید نے غالباً ان کے اثر سے مکی عہد کے نصف اول کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، یہ دونوں بھائی اپنے والد دوسرے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔

ابن اسحاق کے قول کے مطابق اپنی دونوں بیویوں ایلنہ بنت خلف خزاعی اور فاطمہ

بنت صفوان المدیحی کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی۔ سیدنا خالد بن سعیدؓ کے دو بچے
 سیدنا سعیدؓ اور سیدہ امہ حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں، غالباً عمرو بن سعیدؓ کی اولاد میں بھی
 مکہ یا حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ سربراہ خاندان سعید بن عاص کا بدر کے بعد حالت کفر
 میں انتقال ہوا تھا جبکہ ان کے دو لڑکے ابان بن سعید اور حکم ر عبد اللہ بن سعیدؓ
 نے صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ حسن اتفاق سے
 یہ چاروں بھائی بے پناہ اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے اس لیے انہوں نے
 اسلامی ریاست کے چار مختلف صوبوں میں عہدہ نبوی ہی میں گورنری کے فرائض
 سرانجام دیئے تھے، اس خاندان کے ایک فرد سعید غزوہ طائف میں شہید ہو گئے تھے۔
 اس خاندان کے دوسرے کئی افراد نے بھی اسلام قبول کیا، اس خاندان کی بیٹیوں
 میں سے ایک فاخہ بنت سعیدؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد سیدنا
 ابوالعاص امویؓ کے جالہ عقد میں آئیں، انہی سے ان کی نسل چلی۔

خاندان بنو ابی العاص کے قدیم ترین مسلمان سیدنا عثمان بن عفانؓ امویؓ تھے
 جو سیدنا صدیق اکبرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے، یہ دارِ ارقم میں قیام نبوی سے
 قبل شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے اور بقول ابن اسحاق پہلے آٹھ مسلمانوں میں سے
 تھے، ان کے حقیقی چچا حکم بن ابی العاص نے اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑے
 ظلم توڑے تھے، آخر تنگ آکر یہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے ساتھ شہ نبوی میں جانبِ حبشہ ہجرت فرما گئے، سیدنا عثمانؓ کے دوسرے
 بھائی بہتوں کے قبولِ اسلام کے بارہ میں کتابوں میں کچھ نہیں ملتا البتہ ان کی والدہ ماجدہ
 سیدہ اروی بنت کعبہؓ ابتدائی مکی مسلمان تھیں، اور ان کی ایک اموی اہلیہ سیدہ رملہ بنت
 شبہ بن ربیعہ ابتدائی مکی مسلمان اور ہاجرہ مدینہ تھیں، ان کے چچا حکم بن ابی العاصؓ
 کے خاندان نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا تھا، سیدنا حکمؓ کے علاوہ ان کے
 بیٹے مروانؓ بھی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

بنو ربیعہ بن عبد شمس کی قسمت میں بسقتِ اسلام کا شرف حاصل کرنے والے

سیدنا ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ تھے، یہ تیسرے اہم اموی مکی مسلمان ہیں جو نہ صرف آغاز اسلام ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے بلکہ مکہ میں اپنوں ہی کے ہاتھوں ستائے جانے کی وجہ سے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ سہلہ بنت سہیل عامریؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئے تھے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے جس میں ان کے بھائی والد اور والدہ شریک ہوئے تھے، ان کے خاندان میں ان کی ایک عجم زاد بہن کے علاوہ اور کسی کے فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے کا ذکر نہیں ملتا، البتہ ان کے ایک مولیٰ سیدنا سالمؓ تھے جو بالکل آغاز اسلام میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور قدیم ہاجر اور بدری تھے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو حریب بن امیہ کے کسی فرد نے مکی عہد میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کی ایک خاتون سیدہ ام حبیبہؓ جو ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں ابتدائی مسلمان تھیں اس خاندان کے مردوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قوی اور معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ کے دو صاحبزادوں یزید اور معاویہؓ صلح حدیبیہ کے بعد غالباً عمرۃ القضا کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ غالباً ان کے اہل خانہ بھی مسلمان ہوئے ہوں گے۔ سیدنا ابوسفیانؓ اپنی زوجہ سیدہ ہند بنت عتبہؓ اپنے دوسرے صاحبزادوں عتبہؓ اور عتیبہؓ کے ساتھ فتح مکہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

یہ نہایت تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کے اکثر ارکان مکی عہد میں دائرہ اسلام سے خارج رہے لیکن ان کے بنو عثمن بن ودان کے تمام حلیف بن کی تعداد روایات کے مطابق چالیس بالغوں پر مشتمل تھی آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان کے قبول اسلام کا زمانہ مکی دور کا آخر ہے۔ بہر حال زمانہ کوئی ہوا ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے اور ان میں سے بعض ہجرت حبشہ میں بھی شریک تھے اور باقی ہاجرین مدینہ اور اصحاب بدر

میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے ان کے ۲۳ مردوں کے نام گنوائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

- (۱) عبداللہ بن جحش (۲) ان کے بھائی ابوالاحمد (۳) عبداللہ بن جحش کے فرزند محمد
 - (۴) عکاشہ بن محسن (۵) شجاع بن وہب (۶) ان کے بھائی عقبہ
 - (۷) اربد بن حمیرہ (۸) منقذ بن نباتہ (۹) سعید بن رقیش
 - (۱۰) یزید بن رقیش (۱۱) عبدالرحمن بن رقیش (۱۲) محرز بن نضلہ
 - (۱۳) قیس بن جابر (۱۴) عمرو بن محسن (۱۵) مالک بن عمرو (۱۶) صفوان بن عمرو
 - (۱۷) ثقف بن عمرو (۱۸) ربیعہ بن اکثم (۱۹) زبیر بن عبیدہ (۲۰) تمام بن عبیدہ
 - (۲۱) بنجرہ بن عبیدہ (۲۲) ابوسنان بن محسن (۲۳) سنان بن ابی سنان۔
- ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کی آٹھ خواتین کے نام معلوم ہوئے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:-

- (۱) زینب بنت جحش (۲) ان کی بہن اُم حبیب (۳) جذامہ بنت جندل
- (۴) اُم قیس بنت محسن (۵) اُم حبیب بنت ثمامہ (۶) آمنہ بنت رقیش
- (۷) صخرہ بنت تمیم (۸) حمہ بنت جحش۔

اس طرح بنو حرب بن امیہ کے حلیف بنو غنم بن دودان کے ابتدائی مسلمانوں کل تعداد ۳۱ ہوتی ہے۔ کتابوں میں مزید ۹ بالغوں کے نام بھی آئے ہیں ان کے بچوں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحش کی والدہ سیدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ہاشمی کا ذکر نہیں کیا گیا جو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دور کی مسلمان چھوٹی تھیں۔ اندازہ یہ ہے کہ حلفاء بنی حرب بن امیہ کے ابتدائی مسلمانوں کی تعداد اڑھائی تین سو کے درمیان تھی۔

بنو امیہ کے ایک اور حلیف سیدنا معقیب بن ابی فاطمہ دوسی تھے جو کہ قدیم مسلمان تھے۔ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئے، بعض روایات میں ہے کہ وہ مکہ سے

واپس اپنے قبیلہ دوس چلے گئے تھے اور وہاں تبلیغ اسلام کرنے رہے۔
 بنو عبد العزیٰ بن عبد شمس کے ایک اہم رکن سیدنا ابوالعاص بن ربیع تھے، وہ
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد اور سیدہ زینب بنت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے، اس کے علاوہ سیدہ خدیجہ ام المؤمنین سلام اللہ
 علیہا کی بہن کے بیٹے تھے، انہوں نے صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کیا، پھر
 مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، ان کی صاحبزادی امامہؓ پیداؤشی مسلمان تھی، باقی گھرانہ فتح مکہ
 کے زمانہ میں اسلام لایا تھا۔

بنو ابی العیص میں سیدنا عتاب بن اسید اموی فتح مکہ کے روز اپنے خاندان
 والوں کے ساتھ دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے، وہ قبولِ اسلام کے چند ہی روز
 کے بعد اسلامی ریاست کی طرف سے مکہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ زبیری نے ان کے
 ایک بھائی خالد بن اسید کا ذکر بھی کیا ہے جس کا کافی بڑا گھرانہ تھا۔

خاندان بنی عمرو بن امیہ کے سردار عتبہ بن ابی معیط نے نہ صرف اسلام قبول
 کرنے سے انکار کیا بلکہ وہ ابولہب ہاشمی اور ابوہل محزومی کی طرح اسلام اور پیغمبرِ اسلام
 کا تیسرا بڑا دشمن تھا، وہ اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے غزوہ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا،
 اسی دشمن خدا اور رسول کی جرأت مند اور دلیر صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ بنت عقیہ
 بعد ہجرت کسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا اور صلح حدیبیہ کے فوراً بعد دیرانہ ہجرت
 کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئی تھیں۔ عقبہ اموی کے تین لڑکوں سیدنا ولیدؓ، سیدنا خالدؓ
 اور سیدنا عمارؓ نے عام روایات کے مطابق فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔
 اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان کی وجہ سے دوسروں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہو۔
 بہر حال یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اموی کا گھرانہ ہجرت
 کر کے مدینہ طیبہ جا بسا تھا۔

بنو عبد شمس اور بنو امیہ کے باقی گھرانے اور افراد زیادہ تر فتح مکہ کے زمانے
 میں اسلام میں داخل ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات و خواتین کچھ عرصہ

پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں۔ پھر بھی ان میں سے ابوکیبہ حارث بن کریر،
عامر بن کریر، عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمن بن سمرہ وغیرہ عظیم صحابہ کا ذکر مل ہی جاتا ہے۔

دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ

اگر خاندان بنو ہاشم اور خاندان بنو امیہ کے قبول اسلام کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو اس میں بڑی حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ خاندان بنو عبد مناف کے ان دو برادر قبیلوں اور ان کے افراد نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ یکساں رویہ اپنایا تھا۔ اگرچہ ہاشمیوں نے سبقت اسلام اور حمایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا تھا تو بعینہ یہی شرف پندرہ امویوں نے بھی حاصل کیا تھا۔ اگرچہ ہاشمیوں نے مکہ میں اللہ کے راستہ میں تکالیف اٹھائیں اور مصائب برداشت کئے تھے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی تو ان سے زیادہ امویوں نے یہی قربانیاں دی تھیں۔ اگر ابوسفیان بن حرب اموی اور عقبہ بن ابی معیط اموی نے امویوں میں سے اسلام کی مخالفت کی تو عناد اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابولہب ہاشمی اور ابوسفیان بن حارث ہاشمی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ڈٹ کر اسلام اور رسول اسلام کی مخالفت کی۔ لہذا یہ کہنا کہ امویوں نے غیر معمولی طور پر یا بنو ہاشم سے پرانے عناد کی وجہ سے اسلام اور رسول خدا کی مخالفت کی تھی تو یہ بات سراسر غلط ہے، واقعات اس بات کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

سیاسی نظام میں بنو امیہ کا مقام

علاوہ ازیں بنو امیہ کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

خاص اہمیت دی، چنانچہ اکثر صوبوں کے گورنر اموی خاندان ہی سے مقرر فرمائے اور اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی، فتح مکہ کے بعد مکہ کا گورنر سیدنا ابوسفیانؓ کے چچا کے پوتے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی اور روزینہ کے طور پر ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا، اس پر عتابؓ نے یہ کہا :-

”اَيُّهَا النَّاسُ اَجَاعَ اللّٰهُ كَبَدَ مَوْتٍ جَاعَ عَلٰى دُرِّهِمْ
اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی
بھوکا رہے“

عتاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے سارے دور خلافت میں مکہ کے گورنر رہے۔ (روض الانف للسہلی جلد ۲ ص ۲۷۶، استیعاب جلد ۳ ص ۵۳ ترجمہ عتاب بن اسید، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۸، تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۷۹) بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عتابؓ کو ارشاد فرمایا :-

”عتاب! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ پر! اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ کوئی شخص موزوں نظر آتا تو اسے بناتا۔“ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۸)

آپ پہلے ہی سے ان سے بخوبی آشنا تھے اور فتح مکہ سے دو رات پہلے ایک مجلس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ :-

”قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تھے اور اس کی طرف راغب ہیں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو۔“ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۵)

پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف بھی آپؐ ہی کو حاصل ہوا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۸۹)

اسد الغابہ جلد ۳۵۸) اس لحاظ سے کتاب تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

سیدنا ابوسفیانؓ کو آپؐ نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا۔ (الاستیعاب جلد ۴ ص ۱۷۱،

تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۲۱، کتاب البحر لابن جعفر بغدادی، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۶۲)

اور قبیلہ بنی ثقیف کے مناة نامی بت کو توڑنے کے لیے بھی آپؐ کو اور سیدنا مغیرہ

بن شعبہؓ کو مقرر فرمایا چنانچہ ان دونوں نے اس بت کو توڑا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۲،

البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۳۳، سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۲)

ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قریش کو تقسیم کرنے

کے لیے کچھ مال بھیجا وہ مال سیدنا ابوسفیانؓ نے قریش میں تقسیم کیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ ص ۱۲۹)

سیدنا ابوسفیانؓ ایک امیر اور صاحب حیثیت شخص تھے اسلئے کئی دفعہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال کو غریب اور نادار لوگوں کی حاجتوں میں خرچ کیا۔

چنانچہ قبیلہ بنی ثقیف کے دو شخص عروہ اور الاسود مفروض تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے سیدنا ابوسفیانؓ کو ان کا قرض اتارنے کے لیے ارشاد فرمایا، اور آپؐ نے حسب

فرمان نبویؐ ان کا قرض ادا کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۲)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف اور اس کے ملحقات کا گورنر مقرر فرمایا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۲۸)

آپؐ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور دورِ فاروقی اور

صدیقی میں بصرہ، بحرین، عمان کے گورنر رہے، یمن میں سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو

گورنری کے عہدہ پر مقرر فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۶، زاد المعاد لابن الفیم جلد ۱ ص ۳۱)

آپؐ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چچا عاص کے پوتے تھے، جنگِ مرج میں شہید ہوئے۔

لے ان کی شہادت کی کیفیت بھی عجیب بیان کی گئی ہے، لکھا ہے کہ فحل کی مہم کے بعد اسلای فوج نے جب مرج صفر

کا رخ کیا تو اسی دوران میں حضرت خالدؓ نے ابو جہل کی بہو جو عکرمہ کی بیوہ تھی (سیدہ ام حکیم) سے شادی کر لی اور

اور مرج صفر میں جو دمشق کے قریب ہے بیوی سے ملنے کی تیاریاں شروع کیں، بیوی نے کہا کہ بہتر ہوتا اگر اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جہادِ شام کے لیے سب سے پہلے آپ نے ہی آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ (فتوح الشام از دی جلد ۲)
عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کو آپ نے خیبر کا گورنر مقرر فرمایا اور ان کے بھائی ابان
بن سعید رضی اللہ عنہ کو بحرین کی گورنری عطا فرمائی۔ (استیعاب جلد ۳۵)

سیدنا ابوسفیانؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ جو تاریخ اسلام
میں ”یزید الخیر“ کے نام سے مشہور ہیں، بڑی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے فتح مکہ
کے روز اسلام سے مشرف ہوئے اور غزوہ حنین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں
شریک ہوئے، جنگ کے اختتام پر آپؐ نے انہیں بہت سا مال مرحمت فرمایا۔
رطبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۱۲۴، البدایہ والنہایہ جلد ۱، ص ۹۵، آپ کا شمار بھی کاتبانِ وحی
میں سے ہے۔ (بحوالہ السیرت لابن حزم ص ۲۶۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کے منہال کے قبیلہ بنی فراس پر انہیں عامل صدقات مقرر فرمایا۔ (الاصاہ جلد ۳ ص ۶۱۹،
اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۱۲)

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمار کا گورنر بھی مقرر فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۶۳،
کتاب البحر ص ۱۲۶) چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
معرکہ کے بعد اطمینان سے ملتے، لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھے اس معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے لہذا
خواہش ہے کہ عروسِ مدینہ کے گلے ملنے سے قبل تم سے مل لوں، وہ راضی ہو گئیں، چنانچہ ایک پل کے پاس جواب
قنطرہ امّ کلثومؓ کہلاتا ہے بیوی کے پاس شبِ باش ہوئے اور صبح کو احباب کی دعوتِ ولیمہ کی۔ ابھی یہ
لوگ دعوتِ ولیمہ سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آگئے اور جنگ شروع ہو گئی، ایک دفعی
نے مبارزِ طلبی کی، خالدؓ مقابلہ کے لیے نکلے اور نکلے ہی شہید ہو گئے۔

ان کی بیوی امّ کلثومؓ اگرچہ جامہ عروسی میں تھیں لیکن رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا اسلئے شکستہ خاطر
اور غمزدہ ہونے کے بجائے اور زیادہ جوش میں آ گئیں، فوراً اٹھیں، پکڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اتار کر
کافروں پر حملہ کیا، تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس چوب سے انہوں نے ۷ کافروں کو جہنم واصل کیا۔
(الاصاہ جلد ۸ ص ۲۲۵، فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۵) - تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے۔

”وكان بنو أمية أكثر القبايل عمالاً للنبي صلى الله عليه وسلم
فانه لما فتح مكة استعمل عليها عتاب بن أسيد بن ابى العاص
بن أمية وخالد بن سعيد واخويه ابان وسعيداً على اعمال اخر واستعمل
ابا سفيان بن حرب وابنه يزيد ومات وهو عليها وصاهر
النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ببناته الثلاثة لبنى أمية .
(منهاج السنة جلد ۲ ص ۱۴۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنروں میں دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت
بنو امیہ کے لوگ اکثر و بیشتر تھے، چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے عتاب بن اسید
بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن ابی
العاص اور ان کے دونوں بھائیوں ابان اور سعید کو دوسرے علاقوں کا
گورنر بنایا، ابوسفیان اور ان کے صاحبزادے یزید کو بھی نجران اور تیماء کا
گورنر بنا کر بھیجا، حتیٰ کہ آپ کی وفات تک وہ اس منصبِ جلیل پر فائز تھے،
علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں زینب، رقیہ، ام کلثوم
صلوٰۃ اللہ علیہن کو بھی بنو امیہ ہی میں بیاہا۔
علامہ بلاذری نے بھی واقفی کی روایت سے لکھا ہے کہ:-

”توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم اربعة من بنى أمية
عماله عتاب بن أسيد على مكة، ابان بن سعيد بن العاص
على البحرين، خالد بن سعيد على صنعاء وابوسفیان بن حرب
على نجران . (النساب الاشراف جلد ۱ ص ۵۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے انتقال فرمایا تو آپ
کے بنو امیہ میں سے مختلف صوبوں پر چار گورنر تھے۔ (۱) عتاب بن اسید مکہ
پر (۲) ابان بن سعید بن العاص بحرین پر (۳) خالد بن سعید صنعاء پر اور
(۴) ابوسفیان بن حرب نجران پر۔

اس کے برعکس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبہ کی حکومت عطا فرمائی اور نہ ہی کسی بڑی فوج کا خود مختار سپہ سالار بنایا اپنی اس دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند روز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا لیکن اقتدارِ اعلیٰ اور افسری سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ کو عطا فرمائی۔ (رسل اللہ الاولیاء ابو نعیم اصفہانی جلد ۱ ص ۳۵۲، مدارج النبوة ۵۰۲، زرقانی جلد ۳ ص ۹۹، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی پوری تاریخ اسلام کی ورق گردانی فرما لیجئے آپ کو ایک گورنر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا تعلق کسی بنو ہاشم سے ہو بلکہ بنو ہاشم میں سے بعض لوگوں نے تقرر کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں جب آپ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے علیؓ! خدا کی قسم تین دن کے بعد تم پر کوئی اور حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں انتقال فرما جائیں گے لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے متعلق وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بارہ میں انکار فرما دیں تو ہم پھر ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جائیں گے، بخدا میں اس بارہ میں آپ سے ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔ (بخاری کتاب المغازی،

مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۵، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۴، ۲۵۱)

غرض کہ عہد رسالت میں اکثر و بیشتر بنو امیہ کو گورنری کے عہدوں پر فائز کیا گیا اور بنو ہاشم میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس کو حضور اکرمؐ نے کسی اور جگہ کا گورنر بنا کر بھیجا ہو حالانکہ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے چچا کے بیٹے

سیدنا عقیل اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر تمام عصبات موجود تھے، سرکاری
عہدہ تو ایک طرف رہا آپ نے غزوات کے سلسلہ میں ۲۸ مرتبہ مدینہ پاک چھوڑا لیکن
ایک مرتبہ بھی انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے آپ نے بنو ہاشم میں سے اپنے
نائبین کا تقرر نہیں فرمایا بلکہ کبھی کسی اموی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور کبھی کسی انصاری کو،
کبھی کسی مخزومی کو تو کبھی کسی کلبی اور غفاری کو۔ جنگ تبوک کے موقع پر آپ نے سیدنا علیؓ
کو مدینہ میں چھوڑا لیکن اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کر کے تہیں بلکہ صرف اہل و
عیال کی حفاظت اور خبر گیری کے واسطے اور اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی محمد بن مسلمہ
انصاری کو مقرر فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۹)

عہد صدیقی اور بنو امیہ

جس خاندان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوازشات سے نوازیں اور
اسٹیٹ میں ان کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز فرما دیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خلفائے
راشدین اپنے عہدِ راشدہ میں اس خاندان کی قابلیت اور تدبیر سے فائدہ نہ اٹھاویں،
چنانچہ تاریخ اسلام کے صفحات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ خلفائے راشدین
نے اس خاندان کے لوگوں کی قابلیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسٹیٹ میں گورنروں
اور سپہ سالاروں کی آسامیوں کے لیے اس خاندان کی خدمات حاصل کیں۔ سیدنا
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ روم میں اموی سرداروں کی خدمات سے پورا پورا
فائدہ اٹھایا اور ہر موقع پر اموی قائدین نے نہایت قابلیت، محنت اور جانفشانی سے
اپنے فرائض سرانجام دے کر خلافتِ اسلامیہ میں ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل
کی، شام کی فوج کشتی میں سیدنا ابوسفیانؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا یزیدؓ کو
اسلامی فوج کے ایک بڑے حصے کا سردار مقرر فرمایا۔ (محاضرات تاریخ الاسلام جلد ۱ ص ۱۱۹)
العوام من القواہم ص ۸۷، فتوح البلدان ص ۱۸ اور سیدنا معاویہؓ کو اس لشکر کا علمبردار مقرر کیا۔

(ہسٹری آف دی عربز) انگریزی ص ۱۲۸) روانگی کے وقت کچھ دور تک پیادہ پارخصت
 کرنے کے لیے نکلے (طبری جلد ۴ ص ۲) سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 نے خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبرؓ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا امیر المؤمنین! آپ بھی سوار ہو
 جائیں یا مجھے پیادہ پاچلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا
 ”نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے اور نہ تم کو اتارنے کی، میں جتنے قدم رکھتا ہوں اُن کو
 اللہ کی راہ میں شمار کرتا ہوں“ رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا ”اے یزید! شام میں
 تم کو بہت سے تارک الدنیا راہب ملیں گے اُن سے اور اُن کی رہبائیت سے تعرض
 نہ کرنا۔ پھر فرمایا تم کو جنگ میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو بیچ سے سرمنڈالتے
 ہیں اسی حصہ پر تلوار مارنا۔ پھر فرمایا میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں ان کا ہمیشہ خیال
 رکھنا، غورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارنا، پھلے پھولے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں
 ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے علاوہ ہیکار ذبح نہ کرنا، درخت نہ چلانا،
 پانی نہیں ڈبانا، خیانت اور بزدلی نہ کرنا“ (موطا امام مالکؒ، تاریخ الخلفاء ص ۷)
 ان ہدایات کو لے کر جب سیدنا یزید شام کی سرزمین میں پہنچے تو آپ نے سب سے
 پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصری پر حملہ کیا، بصری والوں نے صلح کر لی
 بصری کے بعد فلسطین کا رخ کیا اور اجنادین کے مقام پر دو میوں کو شکست فاش دی۔
 راسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۲) اردن کی فتح کے بعد ابو عبیدہ بن الجراح نے یزید کو ساحلی
 علاقہ کی طرف روانہ کیا، انہوں نے عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مل کر اس کو زیر نگین کیا۔
 (فتوح البلدان للبلاذری ص ۱۳) دمشق کے محاصرہ میں شہر نپاہ کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ
 علیحدہ افسر متعین تھے، چنانچہ باب صغیر سے باب کیسان تک کی نگرانی سیدنا یزید بن
 ابی سفیانؓ کے سپرد تھی، دمشق کی فتح کے بعد جب سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح نے حمص
 کا ارادہ کیا تو سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کو دمشق میں اپنے قائم مقام کی حیثیت سے چھوڑ دیا۔
 (فتوح البلدان ص ۱۳) جنگ یرموک میں بھی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اسلامی
 فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے اس جنگ میں آپ کے والد ماجد سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ

بھی شریک تھے، آپ نے اس جنگ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا یہاں تک کہ ان کی دوسری آنکھ بھی اس لڑائی میں جاتی رہی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، الصبیح ص ۲۰۶) سیدنا ابی سفیانؓ کی پہلی آنکھ طائف کے محاصرہ میں ضائع ہوئی تھی۔ (الاستیعاب لابن عبد البر جلد ۲ ص ۱۷۱) اور دوسری آنکھ جنگ یرموک میں ضائع ہوئی اس وجہ سے وہ جنگ یرموک کے بعد ظاہری بنیائی سے کلیتہً محروم ہو گئے۔ اس جنگ میں سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے پورے کنبے، باپ، ماں اور بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے اور ان کی والدہ سپاہیوں کو جنگ پر ابھارتی تھیں۔ (فتوح البلدان ص ۱۱۲) جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریل زیادہ ہوا تو سیدنا یزیدؓ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ لڑتے بھی جاتے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں فتح و نصرت کی دعا بھی فرماتے جاتے اور ساتھ ہی جان نثارانِ اسلام کو ابھارتے بھی جاتے کہ:-

”اللہ اللہ! تم لوگ عرب کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو

ہو اور تمہارے حریف سلطنتِ روم کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور مشرکین کے

دست و بازو ہیں، اے اللہ! آج کا دن تیرا دن ہے تو اپنے بندوں کی مدد فرما۔“

(المنتقى ص ۲۵۴، فتوح البلدان ص ۱۱۲، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۹۷)

مشہور تابعی سعید بن مسیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے

روز جبکہ مسلمان رومیوں سے نبرد آزما تھے ایک ہوکا عالم طاری ہوا اور جنگ کی شدت

کے باعث تمام لوگ چپ تھے لیکن ایک آدمی ایسا تھا کہ جو با واز بلند پکار رہا تھا:-

يَا نَصْرَ اللَّهِ اقْتَرِبْ، يَا نَصْرَ اللَّهِ اقْتَرِبْ

اے اللہ کی مدد جلد آ، اے اللہ کی مدد جلد آ

یہی نے سراٹھا کر دیکھا تو وہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزند ارجمند سیدنا

یزیدؓ کے جھنڈے تلے رومیوں سے لڑ رہے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۴۱۲،

اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، تاریخ اسلام للذہبی جلد ۱ ص ۱۷۱)

اسی جنگ یرموک میں مسلم خواتین کی قیادت ایک اموی خاتون سیدہ جویریہ

بنت ابی سفیانؓ نے فرمائی۔ (الصدیق ص ۲۰۶)

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن اموی قائدین کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں جو مقام دیا تھا خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اس مقام کو برقرار رکھا بلکہ جہاں تک ہو سکا اپنے مختصر دورِ خلافت میں ان کے مقام میں اور اضافہ کیا، چنانچہ عتاب بن اسیدؓ گورنر مکہ کو آپ نے مکہ کی گورنری پر برقرار رکھا۔ (استیعاب جلد ۳ ص ۱۵۳، تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۸۹)

عہدِ فاروقی اور بنو امیہ

عہدِ فاروقی میں سیدنا ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ۱۸ھ میں امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کی طرف سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فلسطین کے حاکم مقرر ہوئے اور قیساریہ کی مہم ان کے سپرد ہوئی، مسلمان اس وقت قیساریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، یزیدؓ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سترہ ہزار فوج لے کر ان کی امداد کو پہنچے اور اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے، سیدنا معاویہؓ نے اس مہم کو سر کر کے ان کے پاس اس کی اطلاع بھیجی اور انہوں نے مدینۃ الرسول میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع بھجوائی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۸)

عہدِ فاروقی میں جب عمرو اس کے تاریخی طاعون میں سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کو شام کے صوبے کا والی اور گورنر مقرر فرمایا۔ (ہسٹری آف عربز، فتح الباری جلد ۷ ص ۸۲) خود سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی آپ اسلامی فوج کے علمبردار تھے اور جس لشکر نے صیدا، عرقہ، بیروت وغیرہ علاقوں کو فتح کیا، اس کے ہرول دستہ کی قیادت سیدنا معاویہؓ ہی فرما رہے تھے۔ (ہسٹری آف عربز، ص ۱۴۸)

چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یزید بن ابی سفیانؓ کو لوگ ”یزید الخیر“ کے نام سے پکارتے تھے۔

”أَسْلَمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَحَسَنَ اسْلَامُهُ وَشَهِدَ مُحْيِيْنَا۔“

یہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن و خوبی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا اور جنگ حنین میں بھی انہوں نے شرکت کی۔“

ایک اور مقام پر علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں :-

”وكان جليل القدر شريفاً سيداً فاضلاً وهو احد الامراء الاخير

الاربعه الذين عقد لهم ابو بكر الصديق وسيرهم لغزو الشام۔“

سیدنا یزیدؓ شرافت، سیادت اور بزرگی کے لحاظ سے ایک جلیل القدر

انسان تھے اور یہ اُن چار نیک صفت امراء میں سے تھے جن کو سیدنا

ابو بکر صدیقؓ نے شام کی فتح کے وقت متعین فرمایا تھا۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۶۶)

ساحل شام پر واقع شہر قیساریہ کو فتح کرنے کے بعد ۱۹ھ میں ان کا انتقال

ہو گیا۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ :-

”فلما فتحت دمشق امره عمر بن الخطاب رضي الله عنه

موتہ اخاه معاوية۔“ (تاریخ اسلام للذہبی ج ۲ ص ۱۸)

دمشق جب فتح ہو گیا تو سیدنا عمرؓ نے انہیں ہاں کا گورنر مقرر فرما دیا اور

ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی معاویہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔“

یہ تھے اس خاندان کے اجمالی حالات جس خاندان کے نابغہ روزگار تین معاویہؓ

کی سیرت اور سیاسی زندگی آئندہ صفحات میں آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان

جس طرح جاہلیت میں ایک عظیم مقام کا حامل تھا اسی طرح جب یہ حلقہ بگوش اسلام

ہوا تو ان کی سیادت و قیادت میں ذرا بھی کمی نہ ہوئی بلکہ روز بروز اضافہ ہوا، کیونکہ

نَحْيَارَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فُتِحُوا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱)

مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱ اور ان کے کمالات، ہر موقع پر اسلام اور اہل اسلام کی معاونت کرتے

رہے لیکن جتنا یہ خاندان عظمت، بلندی اور رفعت کا مالک تھا اتنا ہی اس خاندان کو دشمنان اسلام نے اپنے غلط اعتراضات اور بے بنیاد الزامات کا نشانہ بنایا، کبھی کہہ دیا کہ یہ لوگ رمعاذ اللہ منافق تھے، یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے۔ کبھی یہ کہہ دیا کہ جس طرح جاہلیت میں اس خاندان نے اسلام کی مخالفت کی اسی طرح زمانہ اسلام میں بھی یہ لوگ اندرونی طور پر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ اپنے اس دعویٰ کو مضبوط بنانے کے لیے چند غلط اسط اور عجیب و غریب روایتیں بھی مشہور کر دیں جن سے ان کی اسلام دشمنی کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی، افسوس کہ اس سازش میں کچھ ایسے لوگ بھی شریک ہیں اور وہ باقاعدہ مضامین لکھ کر ان غلط واقعات کو اور نہرت دے رہے ہیں جو اپنے کو موجودہ وقت میں اسلام کا منکر اور مسلمانوں کی سیاسی کشتی کا ناخدا کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البرؒ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان کے متعلق اسی قسم کے واقعات کا ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

”لَهُ أَخْبَارٌ مِّنْ هَذِهِ مَرَدِّيَّةٌ“۔ (استیعاب ج ۲ ص ۷۱)

ان کے متعلق اس قسم کے واقعات جس قدر ہیں وہ سب ردی لغو

اور مہمل ہیں۔

اسی طرح ”اسد الغابہ“ میں علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”نُقِلَ عَنْهُ مِنْ هَذَا الْجَدِّشِ أَشْيَاءٌ كَثِيرَةٌ لَا تَحْتَمِلُ (اسد الغابہ

جلد ۵ ص ۵۱۶ - تذکرہ ابوسفیانؒ)

اُن کے متعلق اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے جاتے ہیں لیکن

ان میں سے کوئی بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

یہ روایات صحیح بھی کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ اس خاندان کی قربانیوں سے پوری

اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ خود سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن پر زیادہ

اتہامات لگائے جاتے ہیں اپنی دونوں آنکھوں تک کو اللہ رب العزت کے راستہ میں

قربان کر دیا۔ (الصديق ص ۲۰، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، استیعاب جلد ۲ ص ۱۷)
 ان کے دونوں صاحبزادوں سیدنا یزیدؑ اور سیدنا معاویہؓ نے اپنی ساری زندگی
 اللہ کے دین کی خدمت میں وقف کر دیں، اور اسلامی تاریخ کے صفحات اس بات کی
 شہادت پیش کرنے سے ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیتے کہ اس خاندان کے قریباً تمام
 افراد نے اسلام کے دستور العمل کو نہایت اعلیٰ طریقے سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔
 اور افریقہ، یورپ اور دوسرے بیشتر علاقوں کے لوگ قبول اسلام میں آج تک
 ان کے زیر بار احسان ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندان بنو امیہ کے
 ایک ایسے گویا بدار اور اسلام کے ایک ایسے بطل جلیل ہیں کہ اسلام کی تاریخ ان
 کے سنہری کارناموں سے بھری پڑی ہے اور ملت اسلامیہ ان کے کارناموں کو ہمیشہ یاد
 رکھے گی۔ آپ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں جو ساری عمر قریش
 کے سپہ سالار اور قائد رہے، اسی شرف نسب اور خاندانی علو مرتبہ کی وجہ سے شروع
 ہی سے اعلیٰ اخلاقی اقدار، شرف نسب اور اعلیٰ خاندانیت کی جملہ مقتضیات اور لوازمات
 پیدا ہو گئے۔ آپ بہادری، شجاعت، حلم و بردباری، سخاوت اور اصابت رائے میں
 اپنی مثال آپ تھے، ایک خاص خصوصیت آپ میں یہ تھی کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے
 تھے، اس خصوصیت سے اس زمانہ میں عوام کیا خواص بھی محروم تھے لیکن آپ کے والد ماجد
 نے آپ کی تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ دنیا
 کی کوئی خوبی ایسی نہ ہو جس سے ان کا بچہ محروم رہے۔ آپ کی تربیت میں آپ کے
 بڑے بھائی سیدنا یزیدؑ کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا کیونکہ عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد
 فاروقی میں جہاں جہاں بھی وہ گئے اپنے اس بھائی کو انہوں نے ساتھ رکھا اور بڑے
 بڑے تلخ تجربات میں ڈال کر ان کے ذہن میں ایک خاص قسم کی پختگی اور جلاوٹی
 جو مستقبل میں آپ کے کام آئی۔

زمانہ جاہلیت کوئی ایسا زمانہ نہ تھا جس کی تفصیلات لوگ ذہن میں رکھتے، دوسرے

زمانہ جاہلیت میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے حالات زندگی اس قابل ہی نہ تھے جن کو لوگ اپنے سینوں اور ذہنوں میں جگہ دیتے۔ یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے اپنے ماننے والوں کو جس طرح اگلی زندگی میں دوام بخشا اسی طرح اس زندگی میں بھی ان کے حالات و واقعات کو حیات جاودانی عطا کی، آپ کی پیدائش بھی چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہوئی اور بچپن بھی جہالت میں گزرا، اس لیے بچپن کے حالات مستند طریقے سے تاریخ کے صفحات میں نایاب ہیں، البتہ آپ کی اسلام کے بعد کی زندگی کے حالات تاریخ کے اوراق کے سینے پر ابھرے ہوئے ہیں لیکن جتنی ہی کسی میں خوبیاں زیادہ ہوں اتنے ہی اس کے حاسد اور دشمن بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دشمنان اسلام نے اسلام کے اس بطل جلیل کے بہترین اعمال پر تعصب اور نا فہمی کے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں اور کسی ایک بات سے آزرہ ہو کر ان کی بے مثال فراست، انتظامی صلاحیت اور علم و بردباری کو یک قلم نظر انداز کر دیا ہے، اس لحاظ سے اسلام کی پوری تاریخ میں شاید یہ سب سے زیادہ مظلوم شخصیت ہیں۔

نسب نامہ

آپ کا پدری اور مادری نسب نامہ حسب ذیل ہے:-

(ا) معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

(ب) ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

راہبہ جلد ۴ ص ۲۰۹، المعارف ص ۱۵، نسب قریش ص ۱۲۲، ۱۲۵

گویا کہ آپ کا نسب پوختی پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

جاملتا ہے۔

آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے، چونکہ آپ کی ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا ام المؤمنین تھیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبالہ عقد میں تھیں، اس وجہ سے نبوت سے اس رشتہ کے تعلق کی وجہ سے آپ کو احتراماً خال المؤمنین بھی

کہا جاتا ہے۔ (ابداً یہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱)

ولادت

سیدنا معاویہؓ ہوں یا کوئی اور صحابی، اسلام لانے سے قبل ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے ایک ایسی قوم کو جس پر حکومت کرنا لوگ اپنے لیے باعث عزت نہ سمجھتے تھے پوری دنیا کا حکمران بنا دیا، اس وجہ سے کسی بھی شخص کا سن ولادت حتمی نہیں کہا جاسکتا، لیکن سیدنا معاویہؓ کے سن ولادت کے بارہ میں اہل سیرت نے لکھا ہے کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۲ سال چھوٹے تھے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین الحلبی نے سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ :-

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۳۲ سال بعد سیدنا معاویہ

بن ابی سفیانؓ پیدا ہوئے۔“ (سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۴۰)

یہ بیان تو علامہ حلبیؒ کا ہے لیکن دیگر علماء نے ان سے اختلاف کیا ہے، بعض نے لکھا ہے کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سال قبل اور کسی نے سات سال قبل اور کسی نے تیرہ سال قبل آپ کی ولادت کا سال تحریر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قول کہ آپؐ کی ولادت بعثت نبویؐ سے ہوئی زیادہ مشہور ہے۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۱۲۱)

جب سال کا تعیین ظن و تخمین سے ہے تو دن اور مہینہ تو یقینی طور پر کہا نہیں جا سکتا، کیونکہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو کسی کو بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ یہ بڑا ہو کر کیا بنے گا لہذا اسکی ولادت کے سن و سال کو کون اس زمانے میں درج کرتا تھا۔

صورت و سیرت

جس طرح آپ سیرت و کردار میں اعلیٰ تھے اسی طرح آپ کی صورت میں بھی ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی، رنگ سُرخ و سفید کا امتزاج، مرقع و جیم و شیم، وضع و قطع

اور چال و ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت رنگ گورا چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی موٹی اور چتون شیر کی مانند۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۲۰۲) صورت وجہ، نظام نشان و شوکت اور تمکنت لیکن مزاج میں زہد و تواضع اور فروتنی، نہایت درجہ بردبار، حلیم اور وسیع القلب۔ (کتاب الزہد ص ۱۰۲) ہسٹری آوری عربی از پروفیسر ہٹی ص ۱۲۶) فقیر کی تمکنت اور امیر کی تمکنت کا بہترین امتزاج، داراھی گھنی، تہندی اور وسمہ کے خضاب سے رنگی ہوئی، لباس میں سادگی بلکہ اکثر دفعہ دیووں بیوند صرف قمیض کو لگے ہوئے ہوتے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ علی بن ابی حبلہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ:-

”رَأَيْتُ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْمَنْبَرِ يَدُ مِشْقٍ يَخْطُبُ النَّاسَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ مَرْقُوعٌ“ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

میں نے سیدنا معاویہؓ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور آپ نے بیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

یونس بن عیسٰی الحمیری الزاہری جو کہ امام اوزاعیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:-

”رَأَيْتُ مُعَاوِيَةَ فِي سَوْقٍ دِمَشْقٍ وَهُوَ مُرْدِفٌ وَرَأَاهُ وَهَيْفًا وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ مَرْقُوعٌ الْجَبِيْبُ يَسِيرُ فِي أَسْوَاقِ دِمَشْقٍ“ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۲)

میں نے معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیض زیب تن کئے ہوئے تھے جس کا گریبا دریدہ تھا اور آپ اسی حالت میں دمشق کے بازار میں پھر رہے تھے۔
حالانکہ آپ وہاں کے حکمران تھے۔

اس طرح کے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں ملتے ہیں جن سے اُن کی سادگی لباس کا پتہ چلتا ہے۔

مذہبی علوم میں آپ کا خاص مقام تھا، قرآن و سنت میں اس گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے صاحب فتویٰ صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۷۷)
اور بڑے بڑے صحابہؓ آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ چنانچہ نبی سیدنا
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سیدنا معاویہؓ کے ایک وتر پڑھنے کی بابت کہا گیا تو
انہوں نے فرمایا :-

”اصاباته فقیہ۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱)

اس نے صحیح کہا یقیناً وہ فقیہ ہے“

امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک وتر
کی بحث چل پڑی، بحث میں سیدنا معاویہؓ کا ذکر بھی آگیا، سیدنا معاویہؓ کا نام سنکر
سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-

”لیس احد منا اعلم من معاویۃ۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۷۸)

ہم میں معاویہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہیں“

مسند امام احمد بن حنبل میں زیر مستندات معاویہ بن ابی سفیان جلد ۲ ص ۹۵ پر بھی
سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کچھ اسی قسم کے الفاظ منقولہ
ہیں جن سے ان کی علمی ثقاہت کا پتہ چلتا ہے، بلکہ مسند احمد جلد ۲ ص ۹۷ پر سیدنا علیؓ
کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ سے سیدنا معاویہؓ سے روایت بھی منقول ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ایک علمی گھرانے میں پرورش پائی
تھی، اس زمانے میں حدیث و تفسیر سب سے بڑا علم تھا، چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے
بھی اس علم میں خاصی درک حاصل کی۔

کتب حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ احادیث نبوی کے راوی بھی ہیں
اور مروی عنہ بھی، یعنی آپ نے احادیث روایت بھی کی ہیں اور آپ سے دوسروں
نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں سے مندرجہ ذیل حضرات
نے آپ سے روایات نقل کی ہیں :-

”سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ،
 سیدنا عبداللہ بن جریرؓ، سیدنا سائب بن یزیدؓ، سیدنا معاویہ بن خدیجؓ،
 سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا نعان بن بشیرؓ اور سیدنا ابوامامہ بن سہلؓ۔“
 مندرجہ ذیل تابعین نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں۔
 ”سعید بن المسیبؓ، عبداللہ بن الحارث بن نوفلؓ، قیس بن ابی حازمؓ،
 ابودریس الخولانیؓ۔“

ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات ہیں جنہوں نے آپ سے احادیث نقل
 کی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ:-

”مندرجہ بالا حضرات اسلام کے ائمہ ہیں، انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے
 روایات نقل کیں ہیں، لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا معاویہؓ کتنے اعلیٰ درجہ
 کے مجتہد اور کتنے اعلیٰ درجہ کے فقیہ تھے۔“ (تطہیر الجنان ص ۲۶،
 اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۷)

سیدنا معاویہؓ احادیث کی روایت کرنے میں بہت محتاط تھے، اس معاملہ
 میں وہ سیدنا عمرؓ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عامرؓ فرماتے
 ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہؓ سے سنا کہ بیان روایت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے
 فرما رہے ہیں کہ بے احتیاطی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مت
 بیان کیا کرو، صرف وہ روایات بیان کیا کرو جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی
 تھیں، سیدنا فاروقؓ عظیم اللہ سے ڈرنے والے تھے لہذا وہ اپنے زمانہ میں
 بے اصل روایات کو روایت میں شامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس فرمان کے بعد
 سیدنا امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ
 میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:-

”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔“

اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ
عطا فرمادیتے ہیں۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۹۹)

نہ صرف احادیث بلکہ فقہی مسائل میں بھی آپ دوسرے اکابر صحابہؓ سے
بعض دفعہ دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں ان کی کیا رائے ہے؟ آپ
اگرچہ بقول سیدنا ابن عباسؓ خود بھی فقیہ تھے (بخاری جلد ۱ ص ۵۳) لیکن پھر بھی
بعض مسائل میں دوسرے صحابہؓ کی رائے معلوم کرنا ضروری سمجھتے، چنانچہ ایک مرتبہ
ایک شخص الاوص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی وہ عورت اپنی طلاق کی عدت
گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ الاوص کا انتقال ہو گیا، اس کی وراثت کے
سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ نے مشہور صحابی رسول سیدنا زید بن ثابتؓ کی خدمت
میں آدمی بھیج کر وراثت کا مسئلہ دریافت کیا، سیدنا زیدؓ نے جواب میں فرمایا:-

”چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے
سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی۔“
(مشکوٰۃ، باب العدة ص ۲۸۹)

اسی شام کے علاقہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی شخص کے ساتھ
قابل اعتراض حالت میں دیکھا تو اس نے بیوی اور اس اجنبی شخص کو موقع پر ہی قتل کر
دیا۔ اس معاملہ کے فیصلہ میں سیدنا معاویہؓ کو ایک اشکال ہوا تو آپ نے سیدنا ابوموسیٰ
الاشعریؓ کو خط لکھا کہ سیدنا علیؓ سے اس مسئلہ کا حل طلب فرمائیں، چنانچہ سیدنا
ابوموسیٰ الاشعریؓ نے سیدنا علیؓ کو خط لکھ کر اس مسئلہ کا شرعی حل دریافت کیا، سیدنا
علیؓ نے لکھا کہ اگر قاتل چار گواہ پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے۔

(موطا امام مالک ص ۳۰۸)

اس طرح کے اور کئی مسائل ہیں جن کا حل سیدنا معاویہؓ نے دوسرے صحابہ کرامؓ
سے پوچھا اور پھر ان کے فتویٰ کے مطابق اس پر عمل کیا۔ یہ شریعت کے ساتھ ان
کی محبت کی دلیل ہے۔

شعر و ادب کا بھی کافی مذاق تھا جس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے اور اشعار کو تمہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ کتاب العمود ص ۱۱۳ تقریر میں اپنی مثال آپ لکھتے۔ چنانچہ ان کی تقریریں تاریخ کے صفحات پر پڑھ کر ان کی فصاحت و بلاغت کی داد دینی پڑتی ہے۔ الجاحظ نے ”کتاب البیان والبتیہ“ جلد اول ص ۱۱۳ میں آپ کی ایک تقریر نمونہ درج کی ہے، اور التبرد نے ”الکامل“ میں یہ کہیں کہیں کچھ جملے ذکر کیے ہیں علامہ ابن کثیر نے بھی ”البدایہ والنہایہ“ کی ساتویں اور آٹھویں جلد میں کچھ انتباسات نقل فرمائے ہیں۔

ابن جریر طبری نے قبیسہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی صحبت میں رہا ان سے زیادہ میں نے کسی کو فقیہ اور دینی مہارت والا نہیں دیکھا، پھر میں طلحہ بن عبید اللہؓ کی صحبت میں رہا ان سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

ثُمَّ صَحَبْتُ مَعَاوِيَةَ فَمَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحَبَّ رَفِيقًا وَلَا أَشَبَّ
سَرِيقًا بَعْلَانِيَةً مِنْهُ۔ (طبری ج ۶ ص ۱۸۲)

میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ رہا تو میں نے ان سے زیادہ (اپنے) ساتھی کو محبوب رکھنے والا اور ظاہر و باطن میں ایک جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا ایسا امتزاج شاید ہی کسی میں ہو اور یہ نئے آدمی کے کرکٹر کا نقطہ عروج ہے، اسی وجہ سے سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں سے ایک بہت بڑے مقام کے مالک ہیں، سیدنا معاویہؓ کو ان کے صدق کی وجہ سے ”المصحف“ کے نام سے پکارتے تھے۔

والعواصم من الفواصم قاضی ابوبکر بن العربی ص ۲۱ تعلیقہ

تالیف قلب عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ (منہاج السنہ لابن تیمیہ جلد ۲ ص ۲۱۹) اور اس بات کا خاص خیال کرتے تھے کہ کسی کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی وجہ سے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جو کہ عشرہ مبشرہ

میں سے ہیں اور سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کی آپس کی جنگوں میں بالکل غیر جانبدار ہے
ہیں، سیدنا معاویہؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے :-

”مَا لَأَيُّ أَحَدٍ أَبْعَدَ عُثْمَانَ أَقْضَى مِنْ صَاحِبِ هَذَا الْبَابِ
لِعَنَى مُعَاوِيَةَ - (البداية والنهاية جلد ۸ ص ۱۳۳)

میں نے سیدنا عثمانؓ کے بعد اس دروازہ والے یعنی معاویہؓ سے زیادہ
حق پر فیصلہ کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا“

حقوق اللہ کے ہوں یا بندوں کے، انسان کی نیکی اور صالحیت کا تقاضا یہ ہے
کہ دونوں کو ادا کرے اور یہ ادا اُسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ انسان اپنے کو اللہ
رب العزت کے سامنے جوابدہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے قلب کی گہرائیوں
میں موجزن ہو جس کو شریعت کی زبان میں تقویٰ اور خشیت کے ناموں سے پکارا
جاتا ہے۔ اسی تقویٰ اور خشیت الہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ عدل، حلم، بہادری اور عمل
صالح میں دنیوی شہرت اور انقباطات کی مطلقاً پروا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا دھیان
آخرت کی جزا پر ہوتا تھا۔

بارگاہ رسالت میں مقام

آپ کے انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے
حق میں بہت سی دُعائیں ارشاد فرمائیں، ایک مرتبہ فرمایا :-

”اللَّهُمَّ عَلَّمَهُ الْكِتَابَ وَمَكَّنَهُ فِي الْإِسْلَامِ - (البداية والنهاية جلد ۸ ص ۱۲۱)
اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما اور اس کو مختلف شہروں میں حکومت
عطا فرما“

اے آپ کی اسی دُعا کا اثر تھا کہ مسیحیوں میں تمام امت نے بالاتفاق ان کو اپنا امیر منتخب کیا۔

کتاب کے علم کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم حساب کے حصول کی دعا بھی فرمائی، چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہؓ کے حق میں دعا کے طور پر فرمایا کہ :-

اللَّهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ط (التائخ الكبير بلخاری جلد ۳ ص ۳۲۷، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۶)

سیدنا عریاض بن ساریہؓ سے حساب کے ساتھ کتاب کے علم کے حصول کی دعا بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں فرمایا :-

”اللَّهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ -

اے اللہ معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے اس کو محفوظ فرما“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، استیعاب جلد ۳ ص ۳۸۱، الفتح الربانی جلد ۲ ص ۳۵۶)

ایک اور موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِيْهِ -

اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت دیتے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور

لوگوں کے لیے درجۂ ہدایت بنا“ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۷، الفتح الربانی

لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الثیبانی جلد ۲ ص ۳۵۶، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۶،

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، تائخ الكبير بخاری جلد ۳ ص ۳۲۷، جلد ۲ ص ۳۲۷،

طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۳۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ

فرمایا کرتے تھے :-

”لَوْ اَصْبَحْتُ فِيْ مِثْلِ عَمَلِ مُعَاوِيَةَ لَقَالَ اَكْثَرُكُمْ هَذَا الْمُهْدِي -

اگر تم سیدنا معاویہؓ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اٹھتے کہ

یہ مہدی ہے“

اسی شے کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابوالاسحق البیہقی ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے :-

”كُوَادِرْكُمْوَهُ اَوْ اَدْرَكْتُمْ اَيَّامَهُ لَقُلْتُمْ كَانَتِ الْمَهْدِي لِهَذَا -

اگر تم لوگ معاویہ کو پالیتے یا اس کے زمانہ کو پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں :- (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵، العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقہ)

اسی طرح کا قول سیدنا مجاہد سے بھی منقول ہے، فرماتے ہیں :-

”كُوَادِرْكُمْ مَعَاوِيَةَ لَقُلْتُمْ هَذَا الْمَهْدِي - ۲۰۵

اگر تم لوگ معاویہ کو پالیتے تو بول اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں :- (العواصم تعلیقہ)

معلوم ہوا کہ آپ خود ہدایت پر تھے، لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتے تھے، آپ

کی کوئی بات ایسی نہ تھی جو ہدایت سے خالی ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کے لیے ہادی اور مہدی ہونے کی دعا فرمائی تھی - اب جو آدمی سیدنا معاویہؓ کے

کاموں میں رختہ اندازی پیدا کرنے اور نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے یا تاریخ کی

بعض لغو، مہمل اور غیر مستند روایات کی بناء پر ان کی طرف ایسے اعمال اور افعال

منسوب کرتا ہے جو ہدایت سے خالی ہوں تو اس کو خود اپنے لیے ہدایت کی تلاش

کرنی چاہیے اور اپنے ایمان پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ یہ اعتراض صحابی رسول

پر نہیں بلکہ خود ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے جس کا نتیجہ ایمان کا خسران ہے -

ان تمام فضائل اور بارگاہ رسالت میں اس مقام کے باوجود ہدایت لوگوں

نے ان پر ایسے ایسے اتہامات لگائے جو ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

ذرا بھی زیب نہیں دیتے، ان اتہامات لگانے والوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام

کی تشریح و تفسیر کے مجملہ حقوق اپنے نام محفوظ کروائے ہوئے ہیں اور خود کو موجودہ

زمانہ کے مفکر اسلام اور حدیث و تفسیر اور تاریخ کے میدان کے شاہسوار سمجھتے ہیں

پھر تعجب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی ظاہری نصوص کے برعکس تاریخ کی ان روایات

سے اپنے غلط دعوؤں کے لیے دلائل تھپاکٹے جاتے ہیں جن کی نہ تو سند ہے اور اگر سند

ہے بھی تو راوی اس قدر مجہول اور غیر معتبر اور ابو مخنف لو ط بن یحییٰ جیسے کذاب جن پر معمولی بات کے لیے بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ ان ہستیوں کی تنقیص کے متعلق ان پر اعتبار کیا جائے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے دنیا ہی میں اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ عطا فرما دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے جیسا کہاں تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات جن کے راوی بھی اکثر ایسے جنہوں نے خالص سیاسی مصالح کی بناء پر ان کے متعلق یہ روایات وضع کیں اور کہاں قرآن و سنت کی منوا تر اور قطعی خبریں جن کی سچائی میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جاسکتا، کَمَا لَا يَخْفَىٰ مَنْ لَهُ أَدْنَىٰ مِنْ الْفِيْهِمْ ۔

ایک مشبہ اور اس کا جواب

صحیح مسلم میں ایک حدیث آتی ہے جس کو سیدنا ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے میں نے اپنے آپ کو ایک دروازے کے پیچھے چھپا لیا، آپ نے دیکھ لیا اور جہاں میں چھپا ہوا تھا وہاں مجھے آ لیا اور فرمایا کہ معاویہؓ کو بلاؤ، سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آ کر بتایا کہ وہ کھانا تناول فرما رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے مجھے بھیجا اور میں نے پھر آ کر کہا: هُوَ يَأْكُلُ، یعنی وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اب کی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا أَشْبَعُ اللّٰهُ بَطْنَهُ۔ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵)

اس حدیث کو مسند ابی داؤد طیالسی ص ۳۵۹ حدیث نمبر ۲۷۴۲، ۲۷۴۳، ۲۷۴۴، ۲۷۴۵، ۲۷۴۶، ۲۷۴۷، ۲۷۴۸، ۲۷۴۹، ۲۷۵۰، ۲۷۵۱، ۲۷۵۲، ۲۷۵۳، ۲۷۵۴، ۲۷۵۵، ۲۷۵۶، ۲۷۵۷، ۲۷۵۸، ۲۷۵۹، ۲۷۶۰، ۲۷۶۱، ۲۷۶۲، ۲۷۶۳، ۲۷۶۴، ۲۷۶۵، ۲۷۶۶، ۲۷۶۷، ۲۷۶۸، ۲۷۶۹، ۲۷۷۰، ۲۷۷۱، ۲۷۷۲، ۲۷۷۳، ۲۷۷۴، ۲۷۷۵، ۲۷۷۶، ۲۷۷۷، ۲۷۷۸، ۲۷۷۹، ۲۷۸۰، ۲۷۸۱، ۲۷۸۲، ۲۷۸۳، ۲۷۸۴، ۲۷۸۵، ۲۷۸۶، ۲۷۸۷، ۲۷۸۸، ۲۷۸۹، ۲۷۹۰، ۲۷۹۱، ۲۷۹۲، ۲۷۹۳، ۲۷۹۴، ۲۷۹۵، ۲۷۹۶، ۲۷۹۷، ۲۷۹۸، ۲۷۹۹، ۲۸۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۰۲، ۲۸۰۳، ۲۸۰۴، ۲۸۰۵، ۲۸۰۶، ۲۸۰۷، ۲۸۰۸، ۲۸۰۹، ۲۸۱۰، ۲۸۱۱، ۲۸۱۲، ۲۸۱۳، ۲۸۱۴، ۲۸۱۵، ۲۸۱۶، ۲۸۱۷، ۲۸۱۸، ۲۸۱۹، ۲۸۲۰، ۲۸۲۱، ۲۸۲۲، ۲۸۲۳، ۲۸۲۴، ۲۸۲۵، ۲۸۲۶، ۲۸۲۷، ۲۸۲۸، ۲۸۲۹، ۲۸۳۰، ۲۸۳۱، ۲۸۳۲، ۲۸۳۳، ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۲۸۳۸، ۲۸۳۹، ۲۸۴۰، ۲۸۴۱، ۲۸۴۲، ۲۸۴۳، ۲۸۴۴، ۲۸۴۵، ۲۸۴۶، ۲۸۴۷، ۲۸۴۸، ۲۸۴۹، ۲۸۵۰، ۲۸۵۱، ۲۸۵۲، ۲۸۵۳، ۲۸۵۴، ۲۸۵۵، ۲۸۵۶، ۲۸۵۷، ۲۸۵۸، ۲۸۵۹، ۲۸۶۰، ۲۸۶۱، ۲۸۶۲، ۲۸۶۳، ۲۸۶۴، ۲۸۶۵، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۸۶۸، ۲۸۶۹، ۲۸۷۰، ۲۸۷۱، ۲۸۷۲، ۲۸۷۳، ۲۸۷۴، ۲۸۷۵، ۲۸۷۶، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، ۲۸۷۹، ۲۸۸۰، ۲۸۸۱، ۲۸۸۲، ۲۸۸۳، ۲۸۸۴، ۲۸۸۵، ۲۸۸۶، ۲۸۸۷، ۲۸۸۸، ۲۸۸۹، ۲۸۹۰، ۲۸۹۱، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۲۸۹۶، ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، ۲۸۹۹، ۲۹۰۰، ۲۹۰۱، ۲۹۰۲، ۲۹۰۳، ۲۹۰۴، ۲۹۰۵، ۲۹۰۶، ۲۹۰۷، ۲۹۰۸، ۲۹۰۹، ۲۹۱۰، ۲۹۱۱، ۲۹۱۲، ۲۹۱۳، ۲۹۱۴، ۲۹۱۵، ۲۹۱۶، ۲۹۱۷، ۲۹۱۸، ۲۹۱۹، ۲۹۲۰، ۲۹۲۱، ۲۹۲۲، ۲۹۲۳، ۲۹۲۴، ۲۹۲۵، ۲۹۲۶، ۲۹۲۷، ۲۹۲۸، ۲۹۲۹، ۲۹۳۰، ۲۹۳۱، ۲۹۳۲، ۲۹۳۳، ۲۹۳۴، ۲۹۳۵، ۲۹۳۶، ۲۹۳۷، ۲۹۳۸، ۲۹۳۹، ۲۹۴۰، ۲۹۴۱، ۲۹۴۲، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۴۶، ۲۹۴۷، ۲۹۴۸، ۲۹۴۹، ۲۹۵۰، ۲۹۵۱، ۲۹۵۲، ۲۹۵۳، ۲۹۵۴، ۲۹۵۵، ۲۹۵۶، ۲۹۵۷، ۲۹۵۸، ۲۹۵۹، ۲۹۶۰، ۲۹۶۱، ۲۹۶۲، ۲۹۶۳، ۲۹۶۴، ۲۹۶۵، ۲۹۶۶، ۲۹۶۷، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ۲۹۷۰، ۲۹۷۱، ۲۹۷۲، ۲۹۷۳، ۲۹۷۴، ۲۹۷۵، ۲۹۷۶، ۲۹۷۷، ۲۹۷۸، ۲۹۷۹، ۲۹۸۰، ۲۹۸۱، ۲۹۸۲، ۲۹۸۳، ۲۹۸۴، ۲۹۸۵، ۲۹۸۶، ۲۹۸۷، ۲۹۸۸، ۲۹۸۹، ۲۹۹۰، ۲۹۹۱، ۲۹۹۲، ۲۹۹۳، ۲۹۹۴، ۲۹۹۵، ۲۹۹۶، ۲۹۹۷، ۲۹۹۸، ۲۹۹۹، ۳۰۰۰، ۳۰۰۱، ۳۰۰۲، ۳۰۰۳، ۳۰۰۴، ۳۰۰۵، ۳۰۰۶، ۳۰۰۷، ۳۰۰۸، ۳۰۰۹، ۳۰۱۰، ۳۰۱۱، ۳۰۱۲، ۳۰۱۳، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، ۳۰۱۶، ۳۰۱۷، ۳۰۱۸، ۳۰۱۹، ۳۰۲۰، ۳۰۲۱، ۳۰۲۲، ۳۰۲۳، ۳۰۲۴، ۳۰۲۵، ۳۰۲۶، ۳۰۲۷، ۳۰۲۸، ۳۰۲۹، ۳۰۳۰، ۳۰۳۱، ۳۰۳۲، ۳۰۳۳، ۳۰۳۴، ۳۰۳۵، ۳۰۳۶، ۳۰۳۷، ۳۰۳۸، ۳۰۳۹، ۳۰۴۰، ۳۰۴۱، ۳۰۴۲، ۳۰۴۳، ۳۰۴۴، ۳۰۴۵، ۳۰۴۶، ۳۰۴۷، ۳۰۴۸، ۳۰۴۹، ۳۰۵۰، ۳۰۵۱، ۳۰۵۲، ۳۰۵۳، ۳۰۵۴، ۳۰۵۵، ۳۰۵۶، ۳۰۵۷، ۳۰۵۸، ۳۰۵۹، ۳۰۶۰، ۳۰۶۱، ۳۰۶۲، ۳۰۶۳، ۳۰۶۴، ۳۰۶۵، ۳۰۶۶، ۳۰۶۷، ۳۰۶۸، ۳۰۶۹، ۳۰۷۰، ۳۰۷۱، ۳۰۷۲، ۳۰۷۳، ۳۰۷۴، ۳۰۷۵، ۳۰۷۶، ۳۰۷۷، ۳۰۷۸، ۳۰۷۹، ۳۰۸۰، ۳۰۸۱، ۳۰۸۲، ۳۰۸۳، ۳۰۸۴، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۰۸۷، ۳۰۸۸، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۳۰۹۱، ۳۰۹۲، ۳۰۹۳، ۳۰۹۴، ۳۰۹۵، ۳۰۹۶، ۳۰۹۷، ۳۰۹۸، ۳۰۹۹، ۳۱۰۰، ۳۱۰۱، ۳۱۰۲، ۳۱۰۳، ۳۱۰۴، ۳۱۰۵، ۳۱۰۶، ۳۱۰۷، ۳۱۰۸، ۳۱۰۹، ۳۱۱۰، ۳۱۱۱، ۳۱۱۲، ۳۱۱۳، ۳۱۱۴، ۳۱۱۵، ۳۱۱۶، ۳۱۱۷، ۳۱۱۸، ۳۱۱۹، ۳۱۲۰، ۳۱۲۱، ۳۱۲۲، ۳۱۲۳، ۳۱۲۴، ۳۱۲۵، ۳۱۲۶، ۳۱۲۷، ۳۱۲۸، ۳۱۲۹، ۳۱۳۰، ۳۱۳۱، ۳۱۳۲، ۳۱۳۳، ۳۱۳۴، ۳۱۳۵، ۳۱۳۶، ۳۱۳۷، ۳۱۳۸، ۳۱۳۹، ۳۱۴۰، ۳۱۴۱، ۳۱۴۲، ۳۱۴۳، ۳۱۴۴، ۳۱۴۵، ۳۱۴۶، ۳۱۴۷، ۳۱۴۸، ۳۱۴۹، ۳۱۵۰، ۳۱۵۱، ۳۱۵۲، ۳۱۵۳، ۳۱۵۴، ۳۱۵۵، ۳۱۵۶، ۳۱۵۷، ۳۱۵۸، ۳۱۵۹، ۳۱۶۰، ۳۱۶۱، ۳۱۶۲، ۳۱۶۳، ۳۱۶۴، ۳۱۶۵، ۳۱۶۶، ۳۱۶۷، ۳۱۶۸، ۳۱۶۹، ۳۱۷۰، ۳۱۷۱، ۳۱۷۲، ۳۱۷۳، ۳۱۷۴، ۳۱۷۵، ۳۱۷۶، ۳۱۷۷، ۳۱۷۸، ۳۱۷۹، ۳۱۸۰، ۳۱۸۱، ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، ۳۱۸۴، ۳۱۸۵، ۳۱۸۶، ۳۱۸۷، ۳۱۸۸، ۳۱۸۹، ۳۱۹۰، ۳۱۹۱، ۳۱۹۲، ۳۱۹۳، ۳۱۹۴، ۳۱۹۵، ۳۱۹۶، ۳۱۹۷، ۳۱۹۸، ۳۱۹۹، ۳۲۰۰، ۳۲۰۱، ۳۲۰۲، ۳۲۰۳، ۳۲۰۴، ۳۲۰۵، ۳۲۰۶، ۳۲۰۷، ۳۲۰۸، ۳۲۰۹، ۳۲۱۰، ۳۲۱۱، ۳۲۱۲، ۳۲۱۳، ۳۲۱۴، ۳۲۱۵، ۳۲۱۶، ۳۲۱۷، ۳۲۱۸، ۳۲۱۹، ۳۲۲۰، ۳۲۲۱، ۳۲۲۲، ۳۲۲۳، ۳۲۲۴، ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۲۲۷، ۳۲۲۸، ۳۲۲۹، ۳۲۳۰، ۳۲۳۱، ۳۲۳۲، ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۳۲۳۶، ۳۲۳۷، ۳۲۳۸، ۳۲۳۹، ۳۲۴۰، ۳۲۴۱، ۳۲۴۲، ۳۲۴۳، ۳۲۴۴، ۳۲۴۵، ۳۲۴۶، ۳۲۴۷، ۳۲۴۸، ۳۲۴۹، ۳۲۵۰، ۳۲۵۱، ۳۲۵۲، ۳۲۵۳، ۳۲۵۴، ۳۲۵۵، ۳۲۵۶، ۳۲۵۷، ۳۲۵۸، ۳۲۵۹، ۳۲۶۰، ۳۲۶۱، ۳۲۶۲، ۳۲۶۳، ۳۲۶۴، ۳۲۶۵، ۳۲۶۶، ۳۲۶۷، ۳۲۶۸، ۳۲۶۹، ۳۲۷۰، ۳۲۷۱، ۳۲۷۲، ۳۲۷۳، ۳۲۷۴، ۳۲۷۵، ۳۲۷۶، ۳۲۷۷، ۳۲۷۸، ۳۲۷۹، ۳۲۸۰، ۳۲۸۱، ۳۲۸۲، ۳۲۸۳، ۳۲۸۴، ۳۲۸۵، ۳۲۸۶، ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹، ۳۲۹۰، ۳۲۹۱، ۳۲۹۲، ۳۲۹۳، ۳۲۹۴، ۳۲۹۵، ۳۲۹۶، ۳۲۹۷، ۳۲۹۸، ۳۲۹۹، ۳۳۰۰، ۳۳۰۱، ۳۳۰۲، ۳۳۰۳، ۳۳۰۴، ۳۳۰۵، ۳۳۰۶، ۳۳۰۷، ۳۳۰۸، ۳۳۰۹، ۳۳۱۰، ۳۳۱۱، ۳۳۱۲، ۳۳۱۳، ۳۳۱۴، ۳۳۱۵، ۳۳۱۶، ۳۳۱۷، ۳۳۱۸، ۳۳۱۹، ۳۳۲۰، ۳۳۲۱، ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۳۳۲۶، ۳۳۲۷، ۳۳۲۸، ۳۳۲۹، ۳۳۳۰، ۳۳۳۱، ۳۳۳۲، ۳۳۳۳، ۳۳۳۴، ۳۳۳۵، ۳۳۳۶، ۳۳۳۷، ۳۳۳۸، ۳۳۳۹، ۳۳۴۰، ۳۳۴۱، ۳۳۴۲، ۳۳۴۳، ۳۳۴۴، ۳۳۴۵، ۳۳۴۶، ۳۳۴۷، ۳۳۴۸، ۳۳۴۹، ۳۳۵۰، ۳۳۵۱، ۳۳۵۲، ۳۳۵۳، ۳۳۵۴، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۳۳۵۹، ۳۳۶۰، ۳۳۶۱، ۳۳۶۲، ۳۳۶۳، ۳۳۶۴، ۳۳۶۵، ۳۳۶۶، ۳۳۶۷، ۳۳۶۸، ۳۳۶۹، ۳۳۷۰، ۳۳۷۱، ۳۳۷۲، ۳۳۷۳، ۳۳۷۴، ۳۳۷۵، ۳۳۷۶، ۳۳۷۷، ۳۳۷۸، ۳۳۷۹، ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ۳۳۸۲، ۳۳۸۳، ۳۳۸۴، ۳۳۸۵، ۳۳۸۶، ۳۳۸۷، ۳۳۸۸، ۳۳۸۹، ۳۳۹۰، ۳۳۹۱، ۳۳۹۲، ۳۳۹۳، ۳۳۹۴، ۳۳۹۵، ۳۳۹۶، ۳۳۹۷، ۳۳۹۸، ۳۳۹۹، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۳۴۰۲، ۳۴۰۳، ۳۴۰۴، ۳۴۰۵، ۳۴۰۶، ۳۴۰۷، ۳۴۰۸، ۳۴۰۹، ۳۴۱۰، ۳۴۱۱، ۳۴۱۲، ۳۴۱۳، ۳۴۱۴، ۳۴۱۵، ۳۴۱۶، ۳۴۱۷، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۳۴۲۱، ۳۴۲۲، ۳۴۲۳، ۳۴۲۴، ۳۴۲۵، ۳۴۲۶، ۳۴۲۷، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۳۴۳۰، ۳۴۳۱، ۳۴۳۲، ۳۴۳۳، ۳۴۳۴، ۳۴۳۵، ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، ۳۴۳۸، ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۳۴۴۲، ۳۴۴۳، ۳۴۴۴، ۳۴۴۵، ۳۴۴۶، ۳۴۴۷، ۳۴۴۸، ۳۴۴۹، ۳۴۵۰، ۳۴۵۱، ۳۴۵۲، ۳۴۵۳، ۳۴۵۴، ۳۴۵۵، ۳۴۵۶، ۳۴۵۷، ۳۴۵۸، ۳۴۵۹، ۳۴۶۰، ۳۴۶۱، ۳۴۶۲، ۳۴۶۳، ۳۴۶۴، ۳۴۶۵، ۳۴۶۶، ۳۴۶۷، ۳۴۶۸، ۳۴۶۹، ۳۴۷۰، ۳۴۷۱، ۳۴۷۲، ۳۴۷۳، ۳۴۷۴، ۳۴۷۵، ۳۴۷۶، ۳۴۷۷، ۳۴۷۸، ۳۴۷۹، ۳۴۸۰، ۳۴۸۱، ۳۴۸۲، ۳۴۸۳، ۳۴۸۴، ۳۴۸۵، ۳۴۸۶، ۳۴۸۷، ۳۴۸۸، ۳۴۸۹، ۳۴۹۰، ۳۴۹۱، ۳۴۹۲، ۳۴۹۳، ۳۴۹۴، ۳۴۹۵، ۳۴۹۶، ۳۴۹۷، ۳۴۹۸، ۳۴۹۹، ۳۵۰۰، ۳۵۰۱، ۳۵۰۲، ۳۵۰۳، ۳۵۰۴، ۳۵۰۵، ۳۵۰۶، ۳۵۰۷، ۳۵۰۸، ۳۵۰۹، ۳۵۱۰، ۳۵۱۱، ۳۵۱۲، ۳۵۱۳، ۳۵۱۴، ۳۵۱۵، ۳۵۱۶، ۳۵۱۷، ۳۵۱۸، ۳۵۱۹، ۳۵۲۰، ۳۵۲۱، ۳۵۲۲، ۳۵۲۳، ۳۵۲۴، ۳۵۲۵، ۳۵۲۶، ۳۵۲۷، ۳۵۲۸، ۳۵۲۹، ۳۵۳۰، ۳۵۳۱، ۳۵۳۲، ۳۵۳۳، ۳۵۳۴، ۳۵۳۵، ۳۵۳۶، ۳۵۳۷، ۳۵۳۸، ۳۵۳۹، ۳۵۴۰، ۳۵۴۱، ۳۵۴۲، ۳۵۴۳، ۳۵۴۴، ۳۵۴۵، ۳۵۴۶، ۳۵۴۷، ۳۵۴۸، ۳۵۴۹، ۳۵۵۰، ۳۵۵۱، ۳۵۵۲، ۳۵۵۳، ۳۵۵۴، ۳۵۵۵، ۳۵۵۶، ۳۵۵۷، ۳۵۵۸، ۳۵۵۹، ۳۵۶۰، ۳۵۶۱، ۳۵۶۲، ۳۵۶۳، ۳۵۶۴، ۳۵۶۵، ۳۵۶۶، ۳۵۶۷، ۳۵۶۸، ۳۵۶۹، ۳۵۷۰، ۳۵۷۱، ۳۵۷۲، ۳۵۷۳، ۳۵۷۴، ۳۵۷۵، ۳۵۷۶، ۳۵۷۷، ۳۵۷۸، ۳۵۷۹، ۳۵۸۰، ۳۵۸۱، ۳۵۸۲، ۳۵۸۳، ۳۵۸۴، ۳۵۸۵، ۳۵۸۶، ۳۵۸۷، ۳۵۸۸، ۳۵۸۹، ۳۵۹۰، ۳۵۹۱، ۳۵۹۲، ۳۵۹۳، ۳۵۹۴، ۳۵۹۵، ۳۵۹۶، ۳۵۹۷، ۳۵۹۸، ۳۵۹۹، ۳۶۰۰، ۳۶۰۱، ۳۶۰۲، ۳۶۰۳، ۳۶۰۴، ۳۶۰۵، ۳۶۰۶، ۳۶۰۷، ۳۶۰۸، ۳۶۰۹، ۳۶۱۰، ۳۶۱۱، ۳۶۱۲، ۳۶۱۳، ۳۶۱۴، ۳۶۱۵، ۳۶۱۶، ۳۶۱۷، ۳۶۱۸، ۳۶۱۹، ۳۶۲۰، ۳۶۲۱، ۳۶۲۲، ۳۶۲۳، ۳۶۲۴، ۳۶۲۵، ۳۶۲۶، ۳۶۲۷، ۳۶۲۸، ۳۶۲۹، ۳۶۳۰، ۳۶۳۱، ۳۶۳۲، ۳۶۳۳، ۳۶۳۴، ۳۶۳۵، ۳۶۳۶، ۳۶۳۷، ۳۶۳۸، ۳۶۳۹، ۳۶۴۰، ۳۶۴۱، ۳۶۴۲، ۳۶۴۳، ۳۶۴۴، ۳۶۴۵، ۳۶۴۶، ۳۶۴۷، ۳۶۴۸، ۳۶۴۹، ۳۶۵۰، ۳۶۵۱، ۳۶۵۲، ۳۶۵۳، ۳۶۵۴، ۳۶۵۵، ۳۶۵۶، ۳۶۵۷، ۳۶۵۸، ۳۶۵۹، ۳۶۶۰، ۳۶۶۱، ۳۶۶۲، ۳۶۶۳، ۳۶۶۴، ۳۶۶۵، ۳۶۶۶، ۳۶۶۷، ۳۶۶۸، ۳۶۶۹، ۳۶۷۰، ۳۶۷۱، ۳۶۷۲، ۳۶۷۳، ۳۶۷۴، ۳۶۷۵، ۳۶۷۶، ۳۶۷۷، ۳۶۷۸، ۳۶۷۹، ۳۶۸۰، ۳۶۸۱، ۳۶۸۲، ۳۶۸۳، ۳۶۸۴، ۳۶۸۵، ۳۶۸۶، ۳۶۸۷، ۳۶۸۸، ۳۶۸۹، ۳۶۹۰، ۳۶۹۱، ۳۶۹۲، ۳۶۹۳، ۳۶۹۴، ۳۶۹۵، ۳۶۹۶، ۳۶۹۷، ۳۶۹۸، ۳۶۹۹، ۳۷۰۰، ۳۷۰۱، ۳۷۰۲، ۳۷۰۳، ۳۷۰۴، ۳۷۰۵، ۳۷۰۶، ۳۷۰۷، ۳۷۰۸، ۳۷۰۹، ۳۷۱۰، ۳۷۱۱، ۳۷۱۲، ۳۷۱۳، ۳۷۱۴، ۳۷۱۵، ۳۷۱۶، ۳۷۱۷، ۳۷۱۸، ۳۷۱۹، ۳۷۲۰، ۳۷۲۱، ۳۷۲۲، ۳۷۲۳، ۳۷۲۴، ۳۷۲۵، ۳۷۲۶، ۳۷۲۷، ۳۷۲۸، ۳۷۲۹، ۳۷۳۰، ۳۷۳۱، ۳۷۳۲، ۳۷۳۳، ۳۷۳۴، ۳۷۳۵، ۳۷۳۶، ۳۷۳۷، ۳۷۳۸، ۳۷۳۹، ۳۷۴۰، ۳۷۴۱، ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۴۴، ۳۷۴۵، ۳۷۴۶، ۳۷۴۷، ۳۷۴۸، ۳۷۴۹، ۳۷۵۰، ۳۷۵۱، ۳۷۵۲، ۳۷۵۳، ۳۷۵۴، ۳۷۵۵، ۳۷۵۶، ۳۷۵۷، ۳۷۵۸، ۳۷۵۹، ۳۷۶۰، ۳۷۶۱، ۳۷۶۲، ۳۷۶۳، ۳۷۶۴، ۳۷۶۵، ۳۷۶۶، ۳۷۶۷، ۳۷۶۸، ۳۷۶۹، ۳۷۷۰، ۳۷۷۱، ۳۷۷۲، ۳۷۷۳، ۳۷۷۴، ۳۷۷۵، ۳۷۷۶، ۳۷۷۷، ۳۷۷۸، ۳۷۷۹، ۳۷۸۰، ۳۷۸۱، ۳۷۸۲، ۳۷۸۳، ۳۷۸۴، ۳۷۸۵، ۳۷۸۶، ۳۷۸۷، ۳۷۸۸، ۳۷۸۹، ۳۷۹۰، ۳۷۹۱، ۳۷۹۲، ۳۷۹۳، ۳۷۹۴، ۳۷۹۵، ۳۷۹۶، ۳۷۹۷، ۳۷۹۸، ۳۷۹۹، ۳۸۰۰، ۳۸۰۱، ۳۸۰۲، ۳۸۰۳، ۳۸۰۴، ۳۸۰۵، ۳۸۰۶، ۳۸۰۷، ۳۸۰۸، ۳۸۰۹، ۳۸۱۰، ۳۸۱۱، ۳۸۱۲، ۳۸۱۳، ۳۸۱۴، ۳۸۱۵، ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، ۳۸۱۸، ۳۸۱۹، ۳۸۲۰، ۳۸۲۱، ۳۸۲۲، ۳۸۲۳، ۳۸۲۴، ۳۸۲۵، ۳۸۲۶، ۳۸۲۷، ۳۸۲۸، ۳۸۲۹، ۳۸۳۰، ۳۸۳۱، ۳۸۳۲، ۳۸۳۳، ۳۸۳۴، ۳۸۳۵، ۳۸۳۶، ۳۸۳۷، ۳۸۳۸، ۳۸۳۹، ۳۸۴۰، ۳۸۴۱، ۳۸۴۲، ۳۸۴۳، ۳۸۴۴، ۳۸۴۵، ۳۸۴۶، ۳۸۴۷، ۳۸۴۸، ۳۸۴۹، ۳۸۵۰، ۳۸۵۱، ۳۸۵۲، ۳۸۵۳، ۳۸۵۴، ۳۸۵۵، ۳۸۵۶، ۳۸۵۷، ۳۸۵۸، ۳۸۵۹، ۳۸۶۰، ۳۸۶۱، ۳۸۶۲، ۳۸۶۳، ۳۸۶۴، ۳۸۶۵، ۳۸۶۶، ۳۸۶۷، ۳۸۶۸، ۳۸۶۹، ۳۸۷۰، ۳۸۷۱، ۳۸۷۲، ۳۸۷۳، ۳۸۷۴، ۳۸۷۵، ۳۸۷۶، ۳۸۷۷، ۳۸۷۸، ۳۸۷۹، ۳۸۸۰، ۳۸۸۱، ۳۸۸۲، ۳۸۸۳، ۳۸۸۴، ۳۸۸۵، ۳۸۸۶، ۳۸۸۷، ۳۸۸۸، ۳۸۸۹، ۳۸۹۰، ۳۸۹۱، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۸۹۴، ۳۸۹۵، ۳۸۹۶، ۳۸۹۷، ۳۸۹۸، ۳۸۹۹، ۳۹۰۰، ۳۹۰۱، ۳۹۰۲، ۳۹۰۳، ۳۹۰۴، ۳۹۰۵، ۳۹۰۶، ۳۹۰۷، ۳۹۰۸، ۳۹۰۹، ۳

یہ بتاتے ہیں کہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ الفاظ بھیجی اور ناراضی سے بیان فرمائے تھے، اور پھر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ جس پر خدا کا رسول ناراض ہو وہ انسان رحمت الہی کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے! ان حضرات کا یہ کہنا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں وہ رحمت الہی سے بعید ہے یہ تو درست ہے لیکن کَاَشْبَعَ اللّٰهُ يَظُنُّكَ کے جملہ سے یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض تھے سراسر غلط ہے اگر یہ کلمہ پیغمبر کی ناراضی کی علامت ہو سکتا ہے تو رَغِمَ اَنْفُ اَبِي ذَرٍّ، اور قُحْرًا يَا اَبَا تُرَابٍ۔ کے کلمات کے بارہ میں ان حضرات کا کیا فتویٰ ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس کلمے کو مخالفین سیدنا معاویہؓ کے حق میں بددعا بتاتے ہیں وہی کلمہ واصل آپ کے حق میں ایک دُعا ہے چنانچہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے:-

”بَابُ مَنْ لَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ سَبَّهُ أَوْ دَعَا عَلَيْهِ
وَلَيْسَ هُوَ أَهْلًا لَهُ لَدُنْكَ كَانَ لَهُ زَكَاةٌ وَاجِرًا وَرَحْمَةٌ۔
یعنی باب اس بارہ میں کہ جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لعنت کریں یا بُرا
بھلا کہیں یا اس کے لیے بددعا کریں اور وہ ان باتوں کا مستحق نہ ہو تو وہ
بددعا، لعنت وغیرہ اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر و رحمت کا
سبب ہوتی ہے۔“

پھر اس باب میں قریباً سب اسی مضمون کی احادیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ
علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:-

”اللّٰهُمَّ اِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ يَفْضُبُ مَا يَغْضِبُ الْبَشَرِ وَ اِنِّ
قَدْ اتَّخَذْتَ عِنْدَكَ عَهْدًا لَمْ تَخْلُفْنِيْهِ فَاِيْمَا مَوْمِنٍ اَذِيْتُهُ
اَوْ سَبَبْتُهُ اَوْ جَلَدْتُهُ فَاَجْعَلْهَا لِيْ كَفَاْرَةً وَ قَرِيْبَةً تَقْرِيْبَةً
بِيْهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔“

اے اللہ! محمد ایک بشر ہے وہ بعض دفعہ اسی طرح غصہ میں آتا ہے

جس طرح دوسرے انسان غصہ میں آتے ہیں اور میں نے تجھ سے عہد لیا
ہوا ہے اور تو عہد کے خلاف کبھی نہیں کرتا کہ جس مومن کو میں کوئی اذیت
دوں یا بُرا بھلا کہوں یا کوئی چیز ماروں تو ان چیزوں کو اس کے لیے
کفارہ بنا دے اور قیامت کے دن اس چیز کو اس کے لیے اپنے
تقرب کا ذریعہ بنا دے۔“

اس مضمون کی اور بہت سی احادیث بیان فرمانے کے بعد آخر میں مثال
کے طور پر سیدنا معاویہؓ کا یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں جس سے مراد ان کی یہ ہے
کہ یہ کلمہ جو بظاہر آپ کے لیے بد دعا معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت آپ کے
رفع درجات اور علو مرتبت کے لیے ایک دُعا بیہ کلمہ ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ
اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”وقد فهم مسلم من هذا الحديث ان معاوية لم يكن
مستحقاً لدعاء عليه فلهذا ادخله في هذا الباب وجعله
غیره من مناقب معاوية لانه في الحقيقة يصير دعاء
له۔ (مسلم شرح نووی ج ۲ ص ۳۳۵)

امام مسلمؒ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ معاویہؓ اس بد دُعا کے
مستحق نہیں تھے اس لیے انہوں نے اس حدیث کو اس باب میں
نقل کیا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس کو مناقب
معاویہؓ میں شمار کیا ہے کیونکہ یہ درحقیقت ان کے لیے دُعا ہے۔“
معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا آپ کے لیے ایک دُعا بیہ کلمہ
تھا نہ کہ بد دُعا کا جملہ، مخالفین کا اس کو بد دُعا سمجھنا کئی علم اور کثرت جہالت کے
سبب سے ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ وَالْفَهْمِ وَالْعَقْلِ۔
دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ حقه روایت ”لَا أَشْبَعَ اللَّهُ بَطْنَهُ“
عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابو حمزہ کا تصرف اور ادراج ہے۔

اس راوی پر علماء نے نقد اور کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ ابن عباسؓ سے جو اس نے روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۳۹)
چنانچہ امام نوویؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ اس راوی کا تصرف ہے؛ چنانچہ مسلم میں اس کی صرف یہ حدیث ہے اور بخاری میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
(نووی جلد ۲ ص ۳۲۵)

اصل واقعہ یہ ہے جو کہ دوسری روایات میں مذکور ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-
”اذهب فادع لی معاویۃ وکان کاتباً“
جاؤ اور معاویہؓ کو بلا کر لاؤ اور سیدنا معاویہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے؟

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں دوڑتا ہوا گیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلاتے ہیں کیونکہ جناب کو آپ سے کوئی کام ہے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۹۱، ص ۳۳۵)

اس میں نہ تو سیدنا ابن عباسؓ کے بار بار جانے کا ذکر اور نہ ہی اس شخص کا ذکر کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ اس کے شکم کو سیر نہ کرے“ اس سے یہ پتہ چلا کہ اصل روایت تو یہ ہے جو مسند احمد نے روایت کی اور مسلمؒ کی روایت میں تصرف کرنے والے عمران بن ابی عطاء ہیں جو کہ علماء بجال کے نزدیک ضعیف ہیں اور مسلمؒ نے اس کی اور کوئی حدیث نہیں لی، اور امام بخاریؒ نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ کو یہ بد دعا دے بھی کیسے سکتے تھے جبکہ آپ ان کے شکم سے لیے یہ دعا دے چکے تھے :-
”اللہ تعالیٰ ملا علیاً وحلیماً۔“ لے اللہ اس پیٹ کو جو میرے

جسم کے ساتھ لگ رہا ہے علم اور علم (برہباری) سے بھرے۔
تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲ ص ۳۱۹، تاریخ البکیر، بخاری جلد ۴ ص ۱۸۴

اسلام

آپ کے اسلام لانے کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ فتح مکہ کے روز
دولت ایمان سے سرفراز ہوئے، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ :-
اَسْلَمَ مُحَمَّدٌ وَآبُوهُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَشَهِدَ حَنِينًا وَكَانَ مِنَ
الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ثُمَّ حَسَنَ اِسْلَامُهُ - (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۳)
وہ معاویہ اور ان کے والد ابوسفیانؓ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے،
غزوہ حنین میں شرکت کی، مؤلفہ القلوب میں سے تھے پھر آپ کا
اسلام درست ہو گیا۔

لیکن محققین کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ علامہ ذہبی، ابن عساکر،
اور ابن تیمیہ کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ اور ﷺ کے درمیان اسلام لانے والے راسخ
مک ۲ تعلیقہ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے :-

”مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ خَلِيفَةُ صَحَابَةِ اَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ
وَكَتَبَ الْوُحْيَ - (ص ۳۵۷)

معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ اور صحابی ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام
ہوئے اور آپ کا تپ و می تھے۔

علامہ ذہبی نے لکھا ہے :-

”اَظْهَرَ اِسْلَامُهُ يَوْمَ الْفَتْحِ - (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۱۸)
فتح مکہ کے روز انہوں نے اپنے اسلام کو جس کو وہ پہلے چھپائے ہوئے
تھے، ظاہر کیا۔“

علامہ ذہبی کے علاوہ اور بھی کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ عمرہ القضاء

کے موقع پر اسلام لائے لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔
 كَانَ مُعَاوِيَةُ يَقُولُ أَنَّهُ اسْلَمَ عَامَ الْقَضِيَّةِ وَإِنَّهُ لَقِيَ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا وَلَتَمَّ اسْلَامُهُ
 مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ -

سیدنا معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرہ القضاء کے موقع پر اسلام لائے
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہو کر ملے لیکن اپنے باپ
 اور اپنی ماں سے اسلام مخفی رکھا۔ (اسدالغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵،
 تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۰۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱،
 تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۴)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد
 ۸۲ میں لکھتے ہیں :-

"بعض وجوہ کی بناء پر آپ نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا جن میں
 سب سے بڑی وجہ کفار مکہ کی سلمانوں پر سختی تھی، کیونکہ وہ زمانہ ایسا
 تھا کہ زبان سے لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نکالنا سارے عرب کو اپنی مخالفت کی
 دعوت دینا تھا، امام المؤمنین حضرت بلالؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت
 صہیب رومیؓ اور جنابؓ کی ایندڑوں کا نقشہ آپ کے سامنے تھا،"
 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴،

۱۱۵، الاستیعاب تذکرہ عمار بن یاسرؓ، اصحابہ جلد ۲ ص ۱۹۵،
 پھر خود سید الکمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیفیں اور ایذا میں بھی آپ
 کی نگاہ کے سامنے تھیں کہ جب آپ لوگوں سے فرماتے :-
 "أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا لَوْ كُنْتُمْ
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كُفُّوا فَوْكَكُمْ"
 تو لوگ پیچھے سے پتھر مارتے اور زور زور سے چلاتے :-

”أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَطِيعُوا فِتْنَةَ كَذَابٍ۔ (اے لوگو!)

اس کی بالکل نہ سننا (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔“

(کنز العمال جلد ۶ ص ۲۱۲، مسند احمد جلد ۴ ص ۶۳)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری جلد ۷ ص ۱۳۱، اندقانی جلد ۱ ص ۲۵۲،

عیون الاثر لابن سید الناس جلد اول ص ۲۲۱ وغیرہم)

پھر آپ کے گھریلو ماحول کا دباؤ بھی آپ کے ایمان کے اظہار میں مانع تھا کیونکہ سیدنا ابوسفیانؓ اس زمانہ میں قریش کے سردار اور قائد تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ خود ان کے گھر میں اسلام کا وہ چشمہ جاری ہو پڑے جس کو بند کرنے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں :-

أَسْلَمْتُ يَوْمَ عُمَرَةَ الْقَضَاءِ وَالْكِنِّي كَتَمْتُ إِسْلَامِي مِنْ

أَبِي إِلَى يَوْمِ الْفَتْحِ۔ (البداية والنهاية ص ۲۱۸، ص ۱۱۸)

میں عمرہ قضاء کے روز اسلام لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔

ایسا ہی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ جلد ۳ ص ۲۳۳ پر لکھا ہے :-

ان وجہ کی بناء پر سیدنا معاویہؓ مجبور و مقہور تھے اور اسلام لانے کے باوجود اس زمانے میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اُس روز اس کا اظہار کیا جس روز آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ کا بیان زیادہ حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ان کے والد سردارِ مکہ اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے والے قریباً ہر لشکر کے سپہ سالار تھے، اب ان کا اپنا بیٹا جو ان کے گھر میں رہتا ہے حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے تو والدین کے لیے یہ کس قدر رسوائی کا سبب بن سکتا تھا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ :-

”ابن سعد کے بیان کے مطابق سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں عمر القضا سے قبل اسلام لایا لیکن میں اپنی ماں کے خوف سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے نہ جاسکا کیونکہ وہ مجھے کہتی تھی کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا دانہ پانی بند کر دیں گے“ (الاصابہ جلد ۳ ص ۱۳۱)

مؤرخین کے بیان کے مطابق اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی، اٹھارہ سال کا بچہ وہ بھی قریش کے سپہ سالار کا نور نظر ماں کی اس دھمکی کی وجہ سے مرعوب ہو گیا اور اپنے ایمان کو کئی سال تک چھپائے رکھا، چنانچہ ابن اثیرؒ کے الفاظ ہم نے نقل کیے ہیں۔ لیکن اسلام کا چھپانا صرف والدین سے تھا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں صاف طور پر بتا دیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں :-

”میں عمر القضا کے سال دولتِ اسلام سے مشرف ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے میں نے ان کو اپنے اسلام کے بارہ میں بتا دیا، آپ نے اسے قبول بھی فرمایا۔“

(نسب قریش ص ۱۲۱، تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۸)

آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتا دیا تھا لیکن گھر والوں اور مکہ کے عام لوگوں کے سامنے اسلام لانے کا اظہار نہ کیا تھا۔ عام لوگوں کے سامنے آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا، اسی وجہ سے علامہ سیوطیؒ جیسے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ فتح مکہ کے روز ایمان لائے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں :-

”جب فتح مکہ کا سال آیا تو میں نے اس روز اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا، میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ نے مجھے خوش آمدید فرمایا۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۲۸)

آپ کے اسلام لانے کے اس واقعہ کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، بعض حضرات کے حوالہ جات ہم نے دے دیئے ہیں زیادہ تفصیل و رکارہ ہو تو "تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸ اور دیگر کتب تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے ان کا فتح مکہ کے روز مسلمان ہونا لکھا ہے ان کو سیدنا ابوسفیانؓ کے ایمان لانے سے شبہ گذرا ہے کہ شاید سیدنا معاویہؓ بھی اسی روز ہی ایمان لائے تھے، جیسا کہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۳) حالانکہ ابوسفیانؓ بھی فتح مکہ سے ایک روز قبل ایمان لائے تھے اور ان کے مسلمان ہونے کے بعد ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا:۔

”مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُفْيَانَ فَهُوَ اَمِنٌ“۔ (مسلم باب

فتح مکہ جلد ۲، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۴۱۱، مسند احمد حدیث نمبر ۷۹۰۹، ۷۹۱۰، ۱۰۹۶۱)

جو ابی سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہو گا۔“

ان ابوسفیانؓ کے ایمان لانے کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو آپؐ دس ہزار صحابہؓ کی معیت میں ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو نماز عصر کے بعد مکہ کی جانب روانہ ہوئے، (فتح الباری لابن حجر جلد ۸ ص ۸) جب آپؐ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت عباسؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، سیدنا عباسؓ نے سامان اور اہل و عیال کو تو مدینہ کی جانب بھیج دیا اور خود شکر اسلام میں شریک ہو گئے۔

جب آپؐ کا لشکر وادی منظرہ ان پر پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لشکر کو اپنے خیمہ کے سامنے آگ جلانے کا ارشاد فرمایا تاکہ اگر کوئی دشمن کا جاسوس ہو تو اس پر لشکر کی کثرت کے سبب رعب پڑے، چنانچہ منظرہ ان کا میدان تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادی امین بنا ہوا تھا۔ اسی رات ابوسفیان، حکیم بن حزام

اور بدیل بن ورقہ تحقیقات کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے اور وہ اسلامی لشکر کی اس قدر کثرت دیکھ کر بہت مرعوب ہو گئے۔

قریش نے گو مسلمانوں پر بہت ستم رانیاں اور ظلم و تشدد کیے تھے لیکن پھر بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کے رشتہ دار اور خاندان کے فرد تھے اور مکہ میں ان کے عزیز واقارب موجود تھے۔ حضرت عباسؓ نے چونکہ حال ہی میں وہاں سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہاں کے بہت بڑے تاجر ہونے کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے سے ان کے تعلقات بھی تھے، اس وجہ سے ان کے دل میں خیال آیا کہ اگر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے سے قبل امان نہ لی تو شاید سب تباہ ہو جائیں، چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر کوئی مکہ جانے والا آدمی مل جائے تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی منظران تک پہنچ چکے ہیں لہذا وہ لوگ آکر اپنی جان بخشی کر والیں۔ اتفاقاً سیدنا عباسؓ اسی سمت کسی آدمی کی تلاش میں گئے جس طرف ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل وغیرہم تھے، ابوسفیان کی آواز سنکر سیدنا عباسؓ نے ان کو پکارا، انہوں نے آواز کو پہچان کر کہا "ابو الفضل" سیدنا عباسؓ نے فرمایا "ہاں میں ہوں" ابوسفیان بولے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تم یہاں کہاں؟" سیدنا عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان آگئے ہیں، ابوسفیان نے پریشان حال ہو کر پوچھا "پھر کوئی تدبیر؟" سیدنا عباسؓ نے ان کے ساتھیوں کو ٹوٹا دیا اور انہیں غفو و تقصیر اور معافی بزم کے لیے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، یہاں صبح کے وقت سیدنا ابوسفیانؓ نے

اے حضرت عباسؓ اسلام تو کافی پہلے لاچکے تھے لیکن قیام مکہ ہی میں رکھا، ہجرت کیلئے دو تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی لیکن آپؐ نے یہ جواب دیا کہ بچا جان! آپؐ ہیں قیام رکھیں، اللہ تعالیٰ آپؐ پر ہجرت کو ختم کرے گا جیسا کہ مجھ پر نبوت کو ختم کیلئے ہے۔ (زر قافی جلد ۲ صفحہ ۳)

اسلام قبول کیا۔ رابوداؤد مع شرح عون المعبود جلد ۳ ص ۱۲۲
سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۵ میں بھی سینا ابوسفیانؓ کے اسلام لانے
کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سینا ابوسفیان فتح مکہ سے ایک روز قبل اسلام
لائے تھے، لہذا علامہ سیوطیؒ کا یہ لکھنا کہ سینا معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیان
فتح مکہ کے روز اسلام لائے، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کہاں تک درست ہے، البتہ اتفاق
اس پر ہے کہ سینا معاویہؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔

تظہیر الجنان لمعاویہ بن ابی سفیان ص ۱، حیوة الیحیوان جلد ۱ ص ۱۸
آپ نے اگرچہ اپنے اسلام کو مخفی رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی آپ
کے والد کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہو گیا اور آپ سے کہا:-

هَذَا أَخُوكَ يَزِيدٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِنْكَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ۔

تم سے تو تمہارا بھائی یزید ہی اچھا ہے جو اپنے آبائی دین پر قائم ہے،

رابدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۲۸

حضرت معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ قضا
کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو میں اُس وقت آپ کے رسول ہونے کی تصدیق
کر تا تھا یعنی مسلمان تھا، پھر جب شہرؐ میں آپ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں تشریف
لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا اور حضور اکرم
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔

رابدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۵

درايتہ بھی یہی بات درست ثابت ہوتی ہے کیونکہ فتح مکہ سے قبل آپ نے
اسلام کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے والد اور خاندان
کے دوسرے افراد ان جنگوں میں پیش پیش تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اور شہرؐ کے درمیان ایمان لائے۔ تاریخ الخلفاء جلد ۲ ص ۳۳۱

لیکن اپنے اسلام کا اظہار اُس روز کیا جب آپ کے والد محترم سیدنا ابوسفیانؓ
بھی دولت اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، آپ کے اسلام کے بارہ میں مشہور مؤرخ
مصطفیٰ یک نجیب نے لکھا ہے :-

”جہاں تک امیر معاویہؓ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی
ہے جیسا سیدنا عباسؓ کا جو جنگ بدر کے موقع پر ہی مشرف باسلام ہو
چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان آپ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا،
چنانچہ امیر معاویہؓ بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے
تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا۔“

رحمۃ الاسلام جلد ۱۶ ص ۱۴۱

آپ کے فتح مکہ سے قبل ایمان لانے کی وجہ سے ہی جناب رسالت مآب علیہ
افضل الصلوٰۃ والتحیات نے آپ کو فتح مکہ کے بعد مستقل طور پر مدینہ طیبہ میں قیام کی
اجازت دی حالانکہ آپؐ فرما چکے تھے :-

”لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ - (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں)۔“

لہذا فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ کا قیام فرماتا اس بات کا یقین ثبوت ہے
کہ آپ کا اسلام فتح مکہ سے قبل کا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب دولت اسلام سے مشرف
ہوئے تو اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۱۴۱)
اس کے بعد صرف چند ایک غزوات (جیسے حنین اور طائف کے غزوات) ہوئے
ہیں، تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ جو بھی اس خاندان نے
اسلام کی آواز پر لبیک کہا اور ایمان کی دولت کو قبول کیا، فوراً دل و جان سے
اس کی تشہیر اور خدمت میں لگ گئے، فتح مکہ رمضان ۱۰ھ میں ہوئی اس سال
آپ کے والدین اور بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ نے اسلام کی دعوت
کو قبول کیا اور آپ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اس کے فوری بعد شوال میں

غزوہ حنین اور غزوہ طائف پیش آئے۔ ان دونوں غزوات میں بارہ ہزار صحابہ کرامؓ شریک ہوئے، یہ دونوں غزوات نہایت اہم شمار کئے جاتے ہیں۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کا مقابلہ بنو ثقیف اور بنو ہوازن سے تھا، یہ دونوں قبائل نہایت جری اور اعلیٰ قسم کے تیرانداز تھے، اس وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ نہایت سخت معرکہ ہوا، اس معرکہ میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ سیدنا ابوسفیانؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ اور سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایمانی تقاضا کے تحت شریک ہو کر اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

ان دونوں غزوات میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے اور غنیمت فائز و خاسر ہوا، دشمن کا بہت سا مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا، چھ ہزار کے قریب لوگوں کو قیدی بنایا گیا۔ اہل سیرت نے لکھ ہے کہ ان چھ ہزار قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے والد سیدنا ابوسفیانؓ کی قابلیت اور صلاحیت کے پیش نظر انہیں ان (قیدیوں) کے معاملات کا نگران اور امین مقرر فرمایا۔ (سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۱)

غزوہ طائف کے موقع پر بھی ابوسفیانؓ اور آپ کے دونوں بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ نے نہایت جرأت و بہادری کے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، اس غزوہ میں کفار نے مسلمانوں پر شدید تیراندازی کی تھی جس سے بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے ان زخمیوں میں ایک سیدنا ابوسفیانؓ بھی تھے، دشمن کا ایک تیر آپ کی آنکھ میں پھونک دیا اور آنکھ باہر نکل آئی، تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ وہ آنکھ ہتھیلی پر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی:-

”یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ابوسفیان! اگر تم کہو تو اللہ سے دعا کرتا ہوں اور تمہیں یہ آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ اس کے بدلہ میں جنت چاہتے ہیں تو اس کو اسی

طرح رہتے دیں۔“

سیدنا ابوسفیانؓ اگر دل و جان سے مسلمان نہ ہوئے ہوتے جیسا کہ بعض لوگ ان کے بارہ میں کہتے ہیں تو یہ اسی وقت جواب دیتے کہ مجھے آنکھ چاہیے لہذا آپ دعا کریں کہ مجھے آنکھ واپس مل جائے، لیکن اسلام کے اس شہدائی نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا:-

”یا رسول اللہ! مجھے جنت چاہیے اور فوراً اس آنکھ کو تفصیلی سے پھینک

دیا۔“ (سیرت الحلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۲م)

ان دونوں غزوات میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، فتح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو مال غنیمت میں سے خط وافر عطا فرمایا جنہوں نے فتح مکہ کے بعد پہلی مرتبہ اسلامی غزوات میں شرکت کی تھی، ان لوگوں میں سیدنا ابوسفیانؓ، سیدنا یزید بن سفیانؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ اور دیگر کئی حضرات قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کو حضور اکرمؐ نے کتنا مال غنیمت عطا فرمایا؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ غزوہ حنین میں سیدنا معاویہؓ کو ایک سواونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، یہ چاندی سیدنا بلالؓ نے انہیں وزن کر کے دی۔ غزوہ طائف میں بھی آپؐ نے سیدنا ابوسفیانؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ اور حارث بن کلابہ بنی عبدالدارؓ کو سو سولونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، سیدنا ابوسفیانؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے یزیدؓ کو بھی عنایت فرمائیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ابوسفیانؓ کے دونوں بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ کو بھی اتنے اونٹ اور اتنی رقم عطا فرمائی، بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی:-

”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ کو میں نے

جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان اور کریم پایا۔“

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:-

”آپ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہتر جنگ کرنے والے پائے
گئے اور آپ کے ساتھ صلح کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہترین صلح کرنے
والے پائے گئے۔“

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۴، سیر الجلیبہ جلد ۳ ص ۱۳۶)

عہد رسالت اور سیدنا معاویہؓ

آپ کی اسی علمی نچنگی اور سبقت ایمانی کے پیش نظر بارگاہ رسالت میں آپ کو ایک
خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں ہادی
اور مہدی کے الفاظ استعمال کیے، مختلف مواقع پر آپ نے ان کے بارہ میں مختلف قسم
کی دعائیں کیں۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمرؓ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ان الفاظ میں دعا فرمائی:-

اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِهِ
اِلَى اللّٰهِ: معاویہؓ کو لوگوں کے لیے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ
فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کیلئے ذریعہ ہدایت بنا۔
(التاریخ الکبیر جلد ۴ ص ۳۲۶، طبرانی، المعجم الاوسط جلد ۸ ص ۳۸، ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱،
اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الاسلام للذہبی
جلد ۲ ص ۳۱۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص ۳۵۸، طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۳۶،
تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۸، الاصابہ جلد ۲ ص ۴۰۶ و قال الترمذی حسن غریب،

الفتح الربانی جلد ۲ ص ۳۵۶، تہذیب الاسماء واللقب للنووی جلد ۲ ص ۱۰۳)
ہدایت کی یہ دعا آپ نے سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا جبریر بن عبد اللہ البجلیؓ کے
لیے بھی فرمائی تھی، چنانچہ سیدنا علیؓ جب یمن کو روانہ ہوئے تھے تو آپ نے
ان کے بارہ میں فرمایا تھا:-

اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهُ وَاهْدْ قَلْبَهُ۔

اے اللہ! اس کی زبان کو ثبات رکھ اور اس کے دل کو ہدایت سے

نواز۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۰۱)

اسی طرح سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کے حق میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
دُعا فرمائی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلۂ نضج کے کعبہ بیانہ کو گرائے
کے لیے بھیجا تھا، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں
رہ سکتا، یہ شکر سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنا دست مبارک
پھیر کر فرمایا :-

اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا حَتَّىٰ وَجِدْتُ بُرْدَهَا۔

اے اللہ! اس کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے، یہاں تک کہ میں

اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۰۱، المصنف

لابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۳۵۷)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرؓ کی روایت کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں :-

”هَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ ثِقَاتٌ وَلَكِنْ اختلفوا في صحبة

عبد الرحمن والاظهر انه صحابي وروى نحوه

من وجوه اخر۔

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں لیکن بعض حضرات نے عبدالرحمن

بن ابی عمیرؓ کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ بات

نہایت واضح ہے کہ وہ صحابی ہیں، اور اس طرح کی اور روایات بھی

کئی طریقوں سے مروی ہیں۔“ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸)

ایک اور روایت میں جو سیدنا عریاض بن ساریہؓ سے مروی ہے،

سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے بارے میں یہ دُعا فرمائی

کلمات ارشاد فرماتے :-

”اللَّهُمَّ عَلِّمْهُمُ مَعَاوِيَةَ الْكِتَابِ وَالْحِسَابِ وَقِيهِ الْعَذَابِ“
اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب
جہنم سے محفوظ فرما۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی
جلد ۲ ص ۳۱۸، البدایہ والنہایہ جلد ۱۲، کنز العمال جلد ۷ ص ۸۷،
الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۸۱، انساب الاشراف بلاذری جلد ۴ ص ۱۰۱،
مجمع الزوائد ہیثمی جلد ۹ ص ۳۵۷، صیغ ابن حبان جلد ۱ ص ۱۶۹، اللصاہیہ
جلد ۱ ص ۳۸۱)

علم الکتاب کی یہ دعا آپؐ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے بارہ میں
بھی فرمائی تھی۔

”اللَّهُمَّ عَلِّمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“

اے اللہ! عبداللہ کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، مسلم جلد ۲ ص ۲۹۸)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں حضور نبی کریمؐ کی یہ دعا مستجاب ہوئی
اور پوری اُمت جانتی ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ کو حق تعالیٰ شانہ نے کتاب و
حکمت کا خصوصی علم عطا فرمایا۔ جب سیدنا ابن عباسؓ کے بارہ میں آپؐ کی
یہ دعا قبول ہوئی تو سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کیوں قبول نہ ہوئی ہوگی۔
چنانچہ ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں :-

”ولا رتباب ان دعاء النبي صلى الله عليه وسلم مستجاب
فمن كان هذا حاله فكيف يرتاب في حقه
اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً قبول
ہوتی ہے لہذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ
میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جاسکتا ہے۔“ (مرقاۃ جلد ۱ ص ۳۸۱)

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک تو آپ کے لیے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقفہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لیے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اُس کے لیے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت اور الفت کا رشتہ ہو۔

بہر حال الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیم کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مہزون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا امرِ دینیہ حیاتِ یہی ہے کہ اُس کا نبی اس دنیا میں اُس کے لیے تعلیم کتاب، فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو ”المہدی“ کہنے پر مجبور نہ ہوتا۔ (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیفہ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵) اور کوئی ان کو ”المصحف“ کہتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱) اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امامِ اعمشؒ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ کا تذکرہ چل پڑا۔ امامِ اعمشؒ نے فرمایا: ”اگر تم سیدنا معاویہؓ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا، لوگوں نے پوچھا: ”حضرت اُس چیز کا پتہ چل جاتا، ان کے علم و بردباری کا؟“ فرمایا: ”نہیں! بلکہ ان کے عدل و انصاف کا!“

(العواصم من القواصم ص ۳۰۵ تعلیفہ)

سیدنا معاویہؓ پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت کا اس حدیث

سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن لبشرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ سے کسی بات کے بارہ میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارہ میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربار رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے، آپؐ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا :-
ادعوا معاویۃ - معاویہؓ کو بلاؤ۔

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپؐ نے فرمایا ”معاویہؓ کو بلاؤ۔“ جب سیدنا معاویہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ :-

فَاتَّهَ قَوِيٌّ اَمِيْنٌ (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)
البدایہ والنہایہ جلد ۱۲۲، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۹،
مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۵

تاریخ و حدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے سیدنا معاویہؓ کی خلافت و امارت کے بارہ میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپؐ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کر رہے تھے، سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا :-

یا معاویۃ! ان ولیت امرًا فاتق اللہ واعدل۔
اے معاویہؓ! اگر تجھے امور مملکت و خلافت سونپے جائیں اور اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا، (البدایہ جلد ۸ ص ۱۲۳)

مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۸۶ و جلد ۹ ص ۳۵۵، مسند احمد جلد ۴ ص ۱۰۱،

تطہیر البحتان ص ۱۹، دلائل النبوة جلد ۶ ص ۴۴۴،

اس روایت کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیر اور ابوبکر ابن ابی شیبہ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

”یا معاویۃ! ان ولیت فاحسب۔“

اے معاویہ! اگر امور مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے

حسن سلوک سے پیش آنا اور امور مملکت و خلافت کو احسن طریقہ

سے سرانجام دینا، المصنف، ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۱۱،

اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۳، المطالب العالیہ

لابن حجر عسقلانی جلد ۴ ص ۱۰۸،

سیدنا معاویہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مجھے یہ کلمات فرمائے تھے اُسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات

میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ مختلف

شہروں اور مملکت اسلام کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی دعا کا نتیجہ تھا۔ (تسیم الرياض جلد ۳ ص ۱۲۶)

آپ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت

کے بارے میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:-

”ان معاویۃ لا یصادع احدا الا صرعه معاویۃ۔“

معاویہ سے جو بھی نبرد آزما ہوگا معاویہ اسے پچھاڑ دے گا،

(کنز العمال جلد ۷ ص ۸)

یہ تو دنیا کی کامیابی و کامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام الہی کا

ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”يُبعث الله تعالى معاوية يوم القيامة وعليه رداء من

الایمان - (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۹)

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز معاویہؓ کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ

ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی جس میں وہ پیٹے ہوئے ہوں گے۔“

علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے

پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ چٹا لیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”معاویہ! تمہارے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے؟“

سیدنا معاویہؓ نے عرض کیا،

”یا رسول اللہ! میرا پیٹ اور سینہ آپ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔“

یہ سن کر حضور اکرمؐ نے دعا کے طور پر فرمایا،

”اللَّهُمَّ امْلأه علماً - (اے اللہ اس کو علم سے بھر دے)۔“

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے :-

زاد ابو مسهر وحلياً -

ابو مسهر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی - یعنی اے اللہ! اس کے سینے اور

پیٹ کو علم اور حلم دونوں سے بھر دے۔“

(تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۳۱۹، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۱۸)

جناب فاطمہ البتین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ

تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت قلبی اور حلم سے نوازا تھا اور حضورؐ کے ارشادِ گرامی

إِنْ وُلِّيتَ فَأَحْسِنْ پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال

شاید ہی ڈھونڈے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا آپ اتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ آپ کو "سیدِ کریم" فرمایا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ آپ کی سیرت پر تبصرہ فرماتے ہوئے اس چیز کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

"مَنْ الْمَعْلُومُ مِنْ سَيَرَةِ مَعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ أَحْلَمِ النَّاسِ وَاصْبَرَهُمْ عَلَى مَنْ يُؤْذِيهِ وَأَعْظَمَ النَّاسِ تَالِيفًا مِنْ يَعَادِيهِ۔ (منهاج السنّة جلد ۲ ص ۲۱۹)
آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذا دینے والے کی ایذا کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھتے۔"

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ کے شیوہ مؤرخین نے حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے سیدنا علیؓ سے علیحدہ ہونے کے متعلق بڑے عجیب و غریب قصے تراشے ہیں اور بعض سُنیوں نے بھی ان قصوں کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ وہ بیت المال سے غلط طریقے سے روپیہ لینا چاہتے تھے، سیدنا علیؓ نے ان کو روکا اور وہ ناراض ہو کر معاویہؓ سے جا ملے۔ (جلد ۴ ص ۹۲/۹۳)

تاریخی لحاظ سے یہ سب قصے الف لیلیٰ کے قصوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ان سے مقصود صرف سیدنا عقیلؓ اور دیگر صحابہؓ کی پوزیشن کو داغدار کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ ابو طالب کا بیٹا اور علیؓ کا بھائی جس نے اپنی پوری زندگی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گزار دی، معاذ اللہ ایک بوگس کرکٹر کا انسان تھا۔ (م-۱-ظ)

سے جا ملے تھے اور جنگ صفین میں سید معاویہؓ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علیؓ سے جنگ لڑی، چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:-

”وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ۔“

(عمدة الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علیؓ سے) صفین کی جنگ لڑی۔“

آپ کی وسعت قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۲۵، العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۰۲، جلد ۱ ص ۱۶۵، مروج الذهب جلد ۱ ص ۱۶۵) لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل التحيات والسلام کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے علم اور بردباری کو اپنی کتاب زندگی کا ایک اقبیازی باب بنالیا تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہٹی انگریزی ص ۱۶۵) آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:-

”انی کلامی نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عنوی او

جھل اکثر من حلمی او عورۃ کلا وار یہا بستری او اساعۃ

اکثر من احسانی۔ (طبری جلد ۶ ص ۱۸۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵،

ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۰۰)

میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سرمی ایسی ہو جو میری بردباری پر چھپ جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔“

آپ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے۔

”أَنَّى لَا أَحُولُ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَ السُّنْتِهِمْ مَا لَمْ يَحُولُوا

بَيْنَنَا وَبَيْنَ سُلْطَانِنَا“ مملکت نامہ رطبری جلد ۵ ص ۳۳۶، الکامل لابن الاثیر

جلد ۳ ص ۲۶۳، تاریخ الاسلام والحضارة الاسلامیہ جلد ۲ ص ۱۲۷

میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں

ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“

آپ کی اسی وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسان نبوت نے ان الفاظ

میں فرمایا :-

”أَحْلَمُ أُمَّتِي مُعَاوِيَةَ“۔ (تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق مخرقة از ابن حجر مکی ص ۵۵)

میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہؓ ہے۔“

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر آپ کی انتہائی تعریف

فرمائی اور آپ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ کو بہت سے

صحابہؓ پر ایک امتیاز حاصل تھا۔ اسی وجہ سے اگلے صفحہ میں تمام امت نے متفقہ طور

آپ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسنؓ اور دیگر صحابہؓ

نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔

(ملاحظہ ہوا البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱، فتح الباری جلد ۱۳، ہیج الاخوان ص ۴۸،

تاریخ التواتر جلد ۱ کتاب دوم ص ۹۶، بحار الانوار از علامہ باقر مجلسی

جلد ۱۰ ص ۱۶۴ وغیرہم)

فتح مکہ تک تو آپ نے اپنا اسلام اپنے گھروالوں سے چھپائے رکھا۔

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱، تطہیر الجنان معاویہ بن ابی سفیان ص ۱۱، حیوة الحیوان

جلد ۱ ص ۱۰۴، الاصابہ تذکرہ معاویہ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵) لیکن فتح مکہ کے بعد

آپ نے حضور سالتھاب علیہ افضل التیات کی ہمرکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور

اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف

میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو سوانح اور چالیس
اوقیہ سونایا چاندی مرحمت فرمایا۔ (الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۷۷ م)

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ
نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت سے تعلق اور قرب حاصل
تھا، ایک تو جو محقی پشت میں آپ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی
بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور
مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابت وحی اور سیدنا معاویہؓ

آپ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کو آپ پر خالص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہ رسالت سے آپ کو
کتابت وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔ (تقریب التہذیب ص ۲۵۷، کنز العمال جلد ۲
ط ۲۴۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸، آداب السلطانیہ للنفزی ص ۱۲۵، النجوم الزاہرہ جلد ۱
ص ۱۵۲، الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۲۵ م)

شود شیوہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے :-

”کان (معاویہ) احد کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے“

(ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۲۳۸ م)

آپ کاتب نبوی ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے مفصل
الخلائی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ :-

”ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

وكان معاوية كاتبه فيما بينه وبين العرب -
حضرت زید بن ثابتؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے کاتب
تھے اور حضرت معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے دوسرے
قبائل یا ملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے ۔

(تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸)

اگرچہ علامہ ذہبیؒ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایات اس کی
تردید کرتی ہیں، لہذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ
سیدنا زید بن ثابتؓ صرف وحی الہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ وحی الہی اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے چنانچہ علامہ ذہبیؒ
نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ :-

كنت العيب فد عافى رسول الله صلى الله عليه وسلم

فقال ادع لي معاوية وكان يكتب الوحي -

میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا
کہ معاویہؓ کو بلا لاؤ اور معاویہؓ وحی لکھا کرتے تھے :- (تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸)۔

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ ہی سے

مروی ہے، فرماتے ہیں کہ :-

”ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ معاویہؓ کو بلا
کر لاؤ اور سیدنا معاویہؓ ان دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتب
وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہؓ کو سرکارِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام دیا کہ سرکارِ آپ کو بلارہے ہیں کیونکہ آپ
کو تم سے کوئی کام ہے۔“ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳۵)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؐ سیدنا معاویہؓ کو صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف

وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۴) اور طبرانی سے بسند حسن وایت کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷)

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے کہا کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعود بن وائلؓ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپؐ نے سیدنا معاویہؓ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیسے لکھوں؟ آپؐ نے فرمایا پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو، اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھوؤں وہ لکھو، چنانچہ آپؐ نے ایسے ہی لکھا۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۳۹۳)

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندیؓ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ تھرموت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو فرمایا کہ وائلؓ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لیے ایک قطعہ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دیدیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساتھ ہی ان کے لیے ایک مکتوب تحریر کیا جس میں سیدنا وائلؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لیے مزید مال و متاع کے لیے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل

فرمائی ہے۔ راتنا ریح الکبیر جلد ۳ ص ۱۷۵، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۸۵، الاصابہ جلد ۳ ص ۵۹۲
صحیح ابن حبان جلد ۹ ص ۱۰۶ تحت وائل بن حجر الکندیؒ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدثین اور اصحاب تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال بن الحارث المزنیؓ کو ساحل البحر کے علاقہ معاوان القبیلہ میں چند قطعات اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہؓ سے اس بارہ میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطا فرمایا۔

راستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۷۵، معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۰۷

محدثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہؓ کے کاتب رسول ہونے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اُن کے با اعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی سیدنا وجیہ کلبیؓ کی معرفت قیصر روم کو دعوت اسلام کا ایک والا نامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التئوخی حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التئوخی بیان کرتا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتجیات مقام تبوک میں اپنے صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا، میں آپؐ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کھیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ہوں، میں نے وہ مکتوب آپؐ کی خدمت اقدس میں پیش کیا، آپؐ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہیں؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں سیدنا معاویہؓ نے وہ مکتوب آپؐ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپؐ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپؐ سے پوچھا تھا)

آپ نے یہ سُکر فرمایا :-

سبحان اللہ اذا جاء الليل فايت المنهار ؟
 سبحان اللہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے ؟
 جب یہ مُراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ نے قیصر روم کے قاصد سے فرمایا کہ آپ
 مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے ہم چونکہ اس
 وقت مسافرت میں ہیں اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ
 کو ضرور دیتے ۔

آپ کی یہ بات سُکر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ
 میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں ، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے
 ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال لایا اور اُسے میری گود میں رکھ دیا ، میں نے حاضرین
 سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ یہ عثمان بن عفان ہیں ۔
 بعد ازاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں
 ٹھہرائے گا ؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا ۔
 (مسند احمد جلد ۳ ص ۲۴۱ جلد ۴ ص ۲۴۱ ، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۱۱ ،

مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۳۵)

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ سے پڑھواتے اور انہی سے ان کا جواب بھی لکھواتے تھے بعض
 روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض تحریرات اور
 وثیقہ جات پر سیدنا ابوبکرؓ اور عمر بن الخطابؓ جیسے حضرات کے ساتھ ان کو بھی بطور
 گواہ پیش کیا ۔ (ملاحظہ ہو سیرت الجلیہ جلد ۳ ص ۲۴۱)

سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ
 جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثبت کی
 وہیں حضور انورؐ کا سیدنا معاویہؓ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لیے فرمانا

ان کی کتاب زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے۔ بلکہ میرے خیال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے ہی پانچ خلفاء ہیں جو تمہیں الہامی کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرما رہے ہیں۔ (بہارِ حلبیہ جلد ۳ ص ۲۴۰)
 سیدنا معاویہؓ کے کاتب وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ حضرات کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے، اُس نے بھی صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپؐ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپؐ ہی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

”وَكَانَ كِتَابُهُ الَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْوَحْيَ وَالْكَتَبَ وَالْعَهْدَ
 عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ وَعُمَرُ بْنُ الْعَاصِ
 بِنِ امِيَّةٍ وَمَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ وَشَرَحْبِيلُ بْنُ حَنْتَةَ...
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین جو آپؐ کے لیے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواعظ وغیرہ لکھا کرتے تھے وہ علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن عفانؓ، عمرو بن العاص بن امیہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ وغیرہم تھے۔“ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۸)

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ:-

وَكَانَ زَيْدٌ بِنُ ثَابِتٍ مِنَ الزَّمَنِ الَّذِي تَعَرَّتْ لَاهُ مَعَاوِيَةُ
 بَعْدَ الْفَتْحِ فَكَانَ مَلَا زَمِينَ لِكِتَابَتِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فِي الْوَحْيِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لَا عَمَلٌ لَهُمَا غَيْرَ ذَلِكَ -
 سیدنا زید بن ثابتؓ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کے لیے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں

میں سے تھے چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی؛ (جوامع السیرۃ) ۲۷
 آپ کے کاتب وحی ہونے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی
 ہیں۔ والاستیعاب جلد ۳ ص ۳۷۵، الاصابہ جلد ۳ ص ۳۱۲، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷،
 زاد المعاد جلد ۱ ص ۳۱

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے
 کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہ رسالت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ :-

”یا محمد اقرأ معاویۃ السلام واستوص یہ خیراً فانہ امین اللہ

علی کتابہ ووجیہ ونعم الامین۔ (ابداً وانیہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲)

اے محمد! معاویہؓ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ

کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی بنانے کے لیے حضور
 ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبریل امین علیہ السلام
 نے جواب دیا :-

”استکتبہ فانہ امین۔ (ابداً وانیہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲)

آپ ان کو کاتب وحی بنائیں کیونکہ وہ امین ہیں۔“

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبریل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف
 کتابت وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونے کے لیے کافی تھا کیونکہ جس
 طرح وحی لانے والے کے لیے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الہی کے لانے میں کوئی
 خیانت نہ کر سکے، اسی طرح کاتب وحی کے لیے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابت وحی
 میں کوئی خیانت نہ کر سکے۔ لہذا جس طرح آپ کا کاتب وحی ہونا مستلزم ہے اسی طرح آپ
 کا امین ہونا بھی مستلزم ہے۔ کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ لَهُ أَدْنَى مِنْ أَلْفِهِمْ

کتابت وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی عظمت مرتبت

کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے، کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہؓ بھی تھے۔ (المحاضرة الاسلامیہ ص ۶) پورے مکتبہ میں جبکہ صرف سترہ (۱۷) یا بیس (۲۰) لکھنا پڑھنا جانتے تھے آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

عہدِ صدیقی اور سیدنا معاویہؓ

عہد رسالت کے بعد دورِ صدیقی شروع ہوتا ہے، اس دور میں بھی ہم اس نا بغہ اسلام کو اولین صفوں میں دیکھتے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں جہاں آپ کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ شام بھیجے جانے والے لشکر کے امیر بنائے گئے وہاں سیدنا معاویہؓ اس لشکر کے ہراول دستہ کے علمبردار مقرر ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۴، فتوح البلدان ص ۴، حیوۃ الجوان جلد ۱ ص ۱، اعوام من القواہم ص ۸، تاریخ الخلفاء جلد ۲ ص ۳۲۵) ہسٹری آف دی عربز از مٹی (انگریزی) آپ کی اٹھک بیٹھک اکابرین صحابہ اور بڑے بڑے لوگوں کے سامنے تھی جن سے آپ نے اپنی ذکاوت، تدبیر، ذہانت اور بلندی فکر کی وجہ سے ہر قسم کی خوبیاں اور محاسن اپنے لیے انتخاب کیے اور جلد ہی سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا خالد بن الولیدؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین جیسے لوگوں کے زمرہ میں شمار ہونے لگے، اسی زمانہ میں آپ نے قیادت و سیادت کے وہ جوہر اور کمالات اپنے اندر پیدا کیے کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے، ان کمالات کا اظہار آپ کے زمانہ خلافت میں ہوا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

خلافتِ صدیقی میں آپ کو بعض موقعوں پر خود بھی قیادت کے فرائض سرانجام

دینے کا موقع ملا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳) اور تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں کہ آپ نے احسن طریق سے اس ذمہ داری کو پورا کیا اور اپنے مافوق لوگوں پر اپنی ثقاہت اور خود اعتمادی اور اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی شفقت، حسن تدبیر اور حسن انتظام کا سکھ بٹھا دیا۔

طبری اور ابن کثیر کے بقول سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی امداد کے لیے سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک فوج مرتب فرمائی جس کی قیادت سیدنا معاویہؓ فرما رہے تھے سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا معاویہؓ کو اس فوج کا امیر بنا کر اس کو خود رخصت فرمایا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

”وَاجْتَمَعَ إِلَى ابْنِ بَكْرٍ نَاسٌ فَأَمَرَ عَلَيْهِمُ مَعَاوِيَةَ وَأَمَرَ
بِأَكْلِ الْحَاقِ بِيَزِيدٍ وَخَرَجَ مَعَاوِيَةُ حَتَّى لَحِقَ بِيَزِيدٍ
لَوْ كَاحْضَرَتِ الْوَكْبَرُ كَيْسَاسٍ جَمْعٌ هُوَ لَيْسَ بِأَبْنِ أَنْ يَحْضُرَ مَعَاوِيَةَ
كَوَأَمِيرٍ مُتَقَرَّرٍ فَرَمَا يَأْوُرَ أَنْهِيَ يَزِيدُ سَاسَ مَلْنِ كَأَكْمَ فَرَمَا يَأْوُرَ
أَنْ كَوَلَّ كَمَرِ يَزِيدٍ بَنْ ابْنِ سَفْيَانَ سَاسَ جَاسَ“

(طبری جلد ۳ ص ۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۷)

یزید بن ابی سفیانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی زیر نگرانی آپ کے قوائے عملیہ کی تربیت اور اس پر آپ کے والد ماجد سیدنا ابی سفیانؓ کی بچپن کی بہترین تربیت، ان دو تربیتوں نے آپ کو علم و عمل کے لحاظ سے ایک بختہ انسان بنا دیا اور رعیت پر شفقت اور تدبیر مملکت میں وقت نظری اور امور انتظامیہ میں عواقب پر نگاہ کا ایک بہترین ملکہ پیدا کر دیا اور اسلام کی برکات نے ان کو باہمیبت، عزم و استقلال اور شجاعت و بسالت کا مجسمہ بنا دیا۔

(ردول الاسلام جلد ۱ ص ۲۲)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور فرامین و مراسلات کی کتابت اکثر سیدنا معاویہؓ ہی کیا کرتے تھے۔ اب چونکہ وحی کا سلسلہ

تو ختم ہو چکا تھا اس وجہ سے فرامین اور مراسلات کی کتابت اکثر و بیشتر سیدنا معاویہؓ ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا زبیر بن العوامؓ کو ایک قطعہ اراضی مرحمت فرمایا، اس کا وثیقہ سیدنا معاویہؓ نے تحریر فرمایا۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۲۵)

عہد صدیقی میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے مسلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک زبردست جنگ لڑی جو تاریخ میں جنگ یمامہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے، یہ جنگ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی زیر قیادت لڑی گئی۔ تاریخ کے رپورٹربتاتے ہیں کہ اس زور کارن پڑا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، سیدنا خالد بن ولیدؓ کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ ”مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا“ (لہ یلق المسلمون حرباً مثلها قط ۲)

سیدنا معاویہؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے اور بعض مؤرخین کے بقول مسلمہ کذاب کو انہوں نے ہی قتل کیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسلمہ کذاب کو پہلے سیدنا وحشی بن حربؓ نے وہی نیزہ مارا جس سے انہوں نے سیدنا حمزہؓ کو شہید کیا تھا، بعد میں ابو دجانہ سماک بن خدرشہؓ نے تلوار سے اسے مضروب کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۱۱)

صاحب تاریخ النخیس شیخ دیار بکری نے نقل کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ فرمایا کرتے تھے: ”مسلمہ کو میں نے قتل کیا تھا۔ (انا قتلته)“
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے ساتھ اسلام کی اس اہم جنگ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے اور مسلمہ کذاب کے قتل میں ان کا بھی اچھا خاصا ہاتھ تھا، یہ جنگ ربیع الاول ۳۵ھ میں لڑی گئی۔

عہد فاروقی اور سیدنا معاویہؓ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تو ویسے ہی امور خلافت کو سرانجام دینے کا بہت کم وقت ملا، کیونکہ آپ نے صرف دو سال تین مہینے دس دن خلافت کی اس دوران میں آپ کو ایک روز بھی آرام کا سانس لینا نصیب نہ ہوا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دُنیائے انتقال فرمانے کے بعد مملکت اسلامیہ میں مختلف فتنوں نے سراٹھایا، کہیں مانعینِ زکوٰۃ کا فتنہ اور کہیں مدعیانِ نبوت کا فتنہ۔ ان اندرونی فتنوں کے علاوہ بیرون ملک بھی دشمنانِ اسلام نے مختلف شورشیں پیدا کرنے کی کوشش کی، پھر ملکی نظم و نسق، حکام کی نگرانی اور ان کا احتساب مالی انتظامات، فوجی انتظامات، فوج کی اخلاقی تربیت کا اہتمام، بیرون ملک جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھنے کے لیے سامانِ حرب کی فراہمی، وسعتِ سلطنت کے ساتھ مختلف علاقوں میں فوجی چھاؤنیوں کا قیام اور ان کی نگرانی و دیکھ بھال، بدعات کا انسداد، اشاعتِ اسلام کی تدابیر اور جمع قرآن جیسے امور کی انجام دہی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے ملک کی خارجہ پالیسی اور وسعتِ خلافت پر زیادہ توجہ دینے کی مہلت آپ کو نہ دی، لیکن پھر بھی عراق، شام، اجنادین، قوج، مکران اور زائرہ وغیرہ کے علاقے آپ کے دورِ خلافت میں فتح ہو کر خلافتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ رفتوح الشام ص ۱۱۶، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۱ اور تاریخ طبری وغیرہم۔

خلیفہ اول کا یہ مختصر دورِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے لیے ایک تربیتی دور تھا، اور اس زمانہ میں جو کمالات آپ نے حاصل کیے ان کے جوہر دکھانے کا موقع آپ کو دورِ فاروقی میں میسر آیا، شروع شروع میں تو آپ نے اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کی زیرِ قیادت بہادرانہ کارنامے سرانجام دیئے۔

چنانچہ عہدِ فاروقی میں صیدا، عرقہ، بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی ہم

یزید بن ابی سفیانؓ کی زیر قیادت مقدمۃ الجیش کی کمان آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی اور ان علاقوں کے اکثر و بیشتر حصہ کی فتح آپ ہی کی مرہونِ منت ہے، خصوصی طور پر عرقہ کا علاقہ تو تمام تر آپ ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ قیساریہ کا معرکہ جس میں پہلے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ سترہ ہزار فوج کے ساتھ خود تشریف لے گئے اور بعد میں اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴ اور طبری وغیرہم) یہ معرکہ آپ ہی کے ہاتھوں میں ہوا اور اس میں رومیوں کے اسی ہزار سپاہی مارے گئے۔

۱۸ھ میں عمواس کے طاعون میں آپ کے بھائی یزید کا انتقال ہو گیا تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کی جگہ آپ کو شام کا والی مقرر فرمایا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۲، استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶، تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴، ہسٹری آف دی عربز انگریزی ص ۱۵۴، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۶۸، الاصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۴۱)

سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں بھی سیدنا معاویہؓ نے بڑی بڑی مہمات میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ چنانچہ سواحلِ اردن کی مہم جوشتہ میں پیش آئی، اس میں بھی سیدنا معاویہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، اس مہم میں شکر اسلام کے سپہ سالار سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ امیر الافواج کے

۱۹ بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عمر بن خطابؓ نے مقرر فرمایا تھا اور آپ نے سیدنا معاویہؓ کو لکھا تھا۔

انی قد ولیتک قیساریۃ فسر الیہا واستغفر اللہ واكثر من قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (خطبہ الشام ج ۱ ص ۱۲۳)

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔

فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ امیر الامراء نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی درخواست پر ایک فوجی دستہ روانہ کرنے کے لیے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو حکم دیا انہوں نے جو فوجی دستہ کمک کے طور پر سواہل اردن کی طرف روانہ کیا اس کے مقدمہ الجیش پر سیدنا معاویہؓ کماندار تھے، سیدنا یزیدؓ خود بھی اس میں شامل تھے، چنانچہ اسلامی افواج نے اس علاقہ میں کھسان کی جنگ لڑی اور فتحیاب ہوئی، اس فتح کا سہرا سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے سر ہے۔

سیدنا ابو عبیدہؓ نے بارگاہ خلافت میں فتح کی خوشخبری کا سند بیہ بھجوا یا اور سیدنا مرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی اس فتح جلیلہ کا ذکر فرمایا۔ مرجع الصفر کے معرکہ میں بھی سیدنا معاویہؓ کی شمولیت کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ اس معرکہ میں سیدنا خالد بن سعید بن العاصؓ نے جام شہادت نوش فرمایا اور ان کی شمشیر آبدار سیدنا معاویہؓ کو انعام کے طور پر دی گئی۔ مرجع الصفر کی فتح سے فراغت کے بعد اسلامی افواج نے دمشق کی طرف رجوع کیا اور اس کو — فتح کیا۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "فتوح البلدان" ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵ م

دمشق کی فتح میں اکابر صحابہ سیدنا خالد بن ولیدؓ، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی مساعی جلیلہ کو بہت دخل حاصل ہے۔ اس موقع پر سیدنا معاویہؓ مقدمہ الجیش کے کماندار تھے، اس وجہ سے ان کا بھی ان فتوحات میں کافی حصہ ہے۔ خصوصی طور پر عرقہ کی فتح ان کی ہی سرہون منت ہے۔

دمشق کی فتح کے بعد سیدنا معاویہؓ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کی ہدایت پر سواہل دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کئی علاقوں کو قدسے مزاحمت کے ساتھ اور بعض کو نہایت آسانی کے ساتھ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

ملاحظہ ہو فتوح البلدان ص ۱۳۳، ۱۳۴ م

قیساریہ کی مہم سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں خاص مہموں میں سے ایک ہے، پہلے سال ۱۱ میں اس کا محاصرہ کیا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی مہم

میں کافی وقت صرف ہوا اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام ابو عبیدہ بن الجراح، سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ وغیرہم نے اس پر متعدد بار چڑھا کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

۱۸ھ میں طاعون عمواس سے کئی صحابہ کرام شہید ہو گئے جن میں سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ اسی مہم کے دوران مصر چلے گئے۔ اب سیدنا عمرو نے یزید بن ابی سفیانؓ کو شام اور فلسطین کے علاقوں میں فوج کا کنٹرول مقرر فرمایا اور انہیں قیساریہ کی مہم سر کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ قیساریہ کی مہم نے قریباً سات سال سے پریشان کیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ سترہ ہزار فوج لے کر اس مہم کو سر کرنے کے لیے خود تشریف لے گئے لیکن ۱۸ھ میں ان کی طبیعت نا ساند ہو گئی اور وہ اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر خود واپس فلسطین لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۱)

بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہؓ کو امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطابؓ نے براہ راست مقرر فرمایا تھا، چنانچہ آپ نے سیدنا معاویہؓ کو لکھا تھا:-

”انی قد ولیتک قیساریۃ فسرالیہا واستغفر اللہ واكثر من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔“

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں، پس تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا

کرو۔“ (خطبہ الشام جلد ۱ ص ۱۲۳)

سیدنا معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا اور دشمن کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں دیا، ایک روز ایک شخص نے مسلمانوں کو خفیہ راستے کی نشاندہی کی اس پر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے جس روز مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے وہ انوار کا دن تھا اور رومی اپنے کلیسا میں جمع تھے، ان کو مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا

علم نہ ہو سکا، وہ بالکل بے خبر کلیسا میں بیٹھے تھے کہ مسلمانوں نے یکبارگی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، رومی نعرہ تکبیر سن کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور وہ مسلمانوں کے حملہ کے جواب میں کوئی مدافعت نہ کر سکے، اس طرح رومی مغلوب ہو گئے اور مسلمانوں کو حق تعالیٰ شانہ نے سات سال کی طویل جدوجہد کے بعد فتح و نصرت عطا فرمائی اور اس فتح کا سہرا سیدنا معاویہؓ کے سر باندھا گیا، یہ فتح ۱۹ھ میں ہوئی۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۷، ۱۴۹، طبری جلد ۴ ص ۲۲۵)

اس معرکہ میں اسی ہزار رومی مارے گئے، سیدنا معاویہؓ کو اس فتح کی بہت خوشی ہوئی، چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اس فتح کا مژدہ اور نوید ظفر سنانے کیلئے سیدنا تمیم بن ورقاء انخسعی کو مدینہ طیبہ بھیجا، قاصد نے شب و روز سفر کر کے جب یہ مژدہ جالندرا امیر المؤمنینؓ کو سنایا تو فتح قیساریہ کی اس خوشخبری کو سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۱ ص ۱۹، فتوح البلدان وغیرہ)

علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ جو نہی امیر المؤمنینؓ نے فتح کی یہ خوشخبری قاصد کے منہ سے سنی تو سیدنا عمرؓ اور یار گاہ خلافت میں موجود دوسرے مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۹)

قیساریہ کی یہ فتح سیدنا معاویہؓ کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ ہے اور آپ کی کتاب فتوحات کا ایک اہم باب ہے۔ (کتاب الموال لابی عبید القاسم روایت ص ۲۷۹)

شیعہ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی یہ فتح سیدنا معاویہؓ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ البتہ اس نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے سیدنا معاویہؓ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا اور یہ مہم ۱۸ھ میں سر ہوئی۔

(کتاب البلدان ص ۸۵)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو جنود شام کا کمانڈر مقرر فرمایا تو انہیں قیساریہ کی مہم سر کرنے کا بھی حکم دیا وہ سترہ ہزار کا

لشکرِ جبار لے کر قیساریہ پہنچے لیکن ۱۸ھ کے آخر میں سیدنا یزیدؓ بیمار ہو گئے اور وہ اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر دمشق واپس چلے گئے اور ان کی غیر موجودگی میں سیدنا معاویہؓ نے قیساریہ کو فتح کیا، لیکن جب عمواس کے طاعون میں سیدنا یزیدؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ سیدنا معاویہؓ کو شام کا والی مقرر فرما دیا، اس پر سیدنا ابوسفیانؓ نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کا شکریہ ادا کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب قاصد سیدنا یزیدؓ کے انتقال کی افسوسناک خبر لے کر مدینہ منورہ آیا تو سیدنا عمرؓ نے اسی قاصد کے ہدیہ سیدنا معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ پر شام کا والی مقرر فرما دیا، بعد میں ایک روز سیدنا فاروقِ اعظمؓ سیدنا یزیدؓ کی تعزیت کے لیے ان کے والد ابوسفیانؓ کے پاس گئے، باتوں باتوں میں سیدنا ابوسفیانؓ نے پوچھا: امیر المؤمنینؓ! آپ نے یزیدؓ کی جگہ پر کس کو شام کا والی مقرر فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے بھائی معاویہؓ کو۔ سیدنا ابوسفیانؓ نے امیر المؤمنینؓ سے کہا: ”آپ نے صلہ رحمی کا خیال رکھا۔“

فتوح البلدان ص ۱۴، ابن خلدون جلد ۳ ص ۵، فتح الباری جلد ۱، ص ۸۲،

الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۱۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴،

ہسٹری آف عربز انگریزی ص ۱۵۴، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۶۸،

الاصابہ جلد ۲ ص ۴۱، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۰۳

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے سیدنا معاویہؓ کو شام کا گورنر مقرر کرتے کے بعد دو جلیل القدر صحابہ سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کو سیدنا معاویہؓ کے متعین قضا پر فائز فرمایا، سیدنا ابوالدرداءؓ کو دمشق اور اردن کا قاضی اور سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کو حمص اور قفسرین میں عہدہ قضا پر فائز کیا، اس کے ساتھ ان دونوں حضرات کو اپنے علاقے کے نظم و نسق کی نگرانی کے فرائض بھی تفویض فرمائے۔ اتنے جلیل القدر صحابہ کا آپ کی ماتحتی میں قضا اور نماز کے انتظام و انصرام کو سنبھالنا

سیدنا معاویہؓ کی عظمت شان کا پتہ دیتا ہے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۸)
 سیدنا فاروق اعظمؓ کا سیدنا معاویہؓ کو شام اور اس کے ملحقہات کا والی مقرر کرنے کے بعد چند ہی سالوں میں بیشتر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ ۱۹ھ میں قیساریہ فتح ہوا اور دو سال کے قلیل عرصہ میں سیدنا معاویہؓ نے حمص، قنسرين، اردن، البحریرہ، فلسطین اور انطاکیہ وغیرہ کئی علاقے فتح کر لیے اور اسلامی سلطنت کا دائرہ تیزی سے وسیع ہونے لگا۔ اب مرکز خلافت سے ایک مکتوب سیدنا معاویہؓ کو موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں سے عسقلان کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور اسلامی قلمرو میں شامل کرنے کی پوری سعی کی جائے۔ امیر المؤمنینؓ کے حکم کے تعمیل میں سیدنا معاویہؓ نے اس طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

(فتوح البلدان ص ۱۲۹)

علامہ ابن کثیرؒ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ عسقلان کو پہلی دفعہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے فتح کیا تھا لیکن ان کے جانے کے بعد وہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی، اس بغاوت میں سلطنت روم نے ان کی پوری پوری مدد کی، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سیدنا معاویہؓ نے پیش قدمی فرمائی اور اس علاقے کو دوبارہ فتح کیا۔

طبریؒ نے لکھا ہے کہ فتوحات کی وسعت کے پیش نظر اب البلقاء، اردن، فلسطین، سواحل اور انطاکیہ کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کی ولایت میں تھا۔

(طبری جلد ۴ ص ۲۵)

سیدنا فاروق اعظمؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے گوزنروں کو وقتاً فوقتاً مختلف ہدایات اور نصائح بذریعہ خطوط کرتے رہتے تھے، اس سے آپ کے گوزنروں کو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ خلیفہ المسلمین ہم سے غافل نہیں ہیں لہذا وہ خود ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ اس اصول کے پیش نظر آپ نے سیدنا معاویہؓ کو بھی بعض مواقع پر مختلف قسم کی ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے

سیدنا معاویہؓ کو لکھا :-

”اما بعد! فالنم الحق — لك الحق منازل الحق ولا تقص

الا بالحق - والسلام

آپ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس سے اہل حق کے منازل و مراتب آپ پر واضح ہوں گے اور ہر فیصلہ حق و انصاف سے کیجئے۔“ والسلام

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۰۸، روایت ۳۵۰۶)

سیدنا معاویہؓ کی انہیں خدمات اور قابلیت کی وجہ سے سیدنا فاروق اعظمؓ نے تمام گورنروں سے زیادہ سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا، ان سے زیادہ کسی اور گورنر کا وظیفہ ہمارے علم کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر نہیں فرمایا تھا، چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ :-

”سیدنا عمر بن الخطابؓ نے سیدنا معاویہؓ کا سالانہ وظیفہ دس ہزار دینار مقرر فرمایا جب وہ شام کے گورنر مقرر کیے گئے“ (الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۸۴)

بارگاہ خلافت سے یہ سیدنا معاویہؓ کا ایک بہت بڑا اعزاز تھا، دس ہزار دینار سالانہ وظیفہ اس زمانے میں بڑے بڑے لوگوں کا نہیں تھا لیکن سیدنا معاویہؓ کا اتنا بڑا وظیفہ ان کی قابلیت اور سلطنت اسلامیہ کے لیے گرانقدر خدمات کی غمازی کرتا ہے۔ پھر دوسرا اعزاز یہ تھا کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے پوتے عہد خلافت میں ان کو شام کی گورنری سے تبدیل نہیں کیا حالانکہ یہ بات بھی ان کی عادت کے خلاف تھی، آپ نے اپنے عہد خلافت میں بڑے بڑے جلیل القدر گورنروں کو اپنے عہدوں سے سال دو سال کے بعد تبدیل کر دیا جن میں ایک سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے جو فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے، لیکن سیدنا معاویہؓ کو آپ نے اول روز جس علاقہ میں گورنر متعین کیا تھا آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ان کو وہاں سے تبدیل نہیں کیا۔

آپ کے دور گورنری میں دمشق نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی جس کی تفصیل

آئندہ صفحات میں آرہی ہے) سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے سیاسی اور انتظامی لحاظ سے یہ بہت ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ظاہری دبہ اور رعب و داب بھی اہل کفر کے دلوں میں قائم رہے۔ اس کے لیے آپ نے ظاہری شان و شوکت کے طریق بھی اختیار فرمائے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ ظاہری شان و شوکت کے طریقوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ کی سیاسی حکمت عملی کے پیش نظر آپ نے بھی ان ذرائع کو اختیار کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو آپ نے بڑی شان و شوکت سے امیر المؤمنین کا استقبال کیا، سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہ شان و شوکت اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ناپسند فرماتے ہوئے پوچھا معاویہؓ! تم نے یہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی ہے؟ آپ نے جواب میں یہ عذر بیان کیا :-

إِنَّا بِأَرْضِ جَوَاسِيسٍ أَعْدُو فِيهَا كَثِيرَةٌ فَيَجِبُ أَنْ تَطْهَرَ مِنْ عِزِّ السُّلْطَانِ مَا يَكُونُ فِيهَا عِزًّا إِلَّا سَلَامٌ وَ أَهْلُهُ وَ نَزْهَبُ صَحْرِيهِ -

امیر المؤمنین! ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہذا ان کو مرحوب کرتے کے لیے گورنر کو ظاہری شان و شوکت دکھانا ضروری ہے، اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی عزت بھی ہے۔

سیدنا عبدالرحمن ابن عوفؓ بھی وہاں موجود تھے، سیدنا معاویہؓ کے منہ سے یہ حکیمانہ جواب سُنکر سیدنا عمر فاروقؓ سے کہا امیر المؤمنین! دیکھئے کس احسن طریق سے انہوں نے اپنے آپ کو الزام سے بچا لیا ہے، امیر المؤمنین نے جواب دیا: اسی لیے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بار گراں ڈالا ہے۔

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵، مقدمہ ابن خلدون، التلخیص جلد ۲ ص ۱۵۲، کتاب الاعلام جلد ۳ ص ۱۵۲

وہ عمر الفاروقؓ جو معمولی معمولی باتوں پر گرفت فرماتے تھے ایسی گرفت کہ اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں ملتی مشکل ہے، چنانچہ آپ نے ایک دفعہ ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے گورنری سے معزول فرما دیا کہ وہ بچوں سے پیار نہیں کرتا تھا اور آپ نے فرمایا کہ جب ٹو چھوٹے بچوں سے پیار نہیں کرتا تو اپنی رعایا اور ملک کے ساتھ کیسے شفقت و محبت سے پیش آئے گا، اُس فاروقؓ کا سیدنا معاویہؓ سے اتنی بڑی بات پر مٹوا خذ نہ فرمانا بلکہ اٹھا ان کے فعل کی تحسین فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کو سیدنا معاویہؓ پر ایک خاص قسم کا اعتماد تھا اور آپ ان کی عقل و فراست کے قائل تھے، اسی لیے ان کی ہر بات کو کسی نہ کسی حکمت عملی پر محمول فرماتے تھے بلکہ بقول مصطفیٰؐ بک: ”جہاں تک سیدنا معاویہؓ کی عقل و فراست کا تعلق ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو سیدنا فاروقؓ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مرمم شناس خلیفہ نے شام جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر فرمایا،“ (حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۶)

سیدنا الفاروقؓ کی عادت تھی بلکہ انتظام حکومت کے لیے ایک اصول تھا کہ کسی گورنر یا سپہ سالار کو زیادہ دیر تک ایک جگہ نہیں رکھتے تھے، آپ کے گورنروں میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ ہی وہ واحد شخصیت تھی جن کو آپ نے ایک دفعہ بھی دمشق سے تبدیل نہیں کیا۔ چنانچہ دینی یا انتظامی لحاظ سے آپ میں اگر کوئی نقص ہوتا تو اول تو آپ ان (معاویہؓ) کو بالکل معزول فرما دیتے نہیں تو کم از کم آپ کا تبادلہ تو ضرور فرما دیتے، لیکن آپ نے اپنے ساٹھ تیرہ سالہ دورِ خلافت میں ان کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہی کیا، اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ عمر الفاروقؓ کے نزدیک کس قدر قابلِ اعتماد تھے اور صرف قابلِ اعتماد ہی نہیں بلکہ اپنی نظری، فکری، علمی اور عملی قابلیتوں کا سکہ بھی سیدنا عمر فاروقؓ کے دل پر جمایا ہوا تھا کیونکہ دمشق جیسے ۱۰۔ سرحدی علاقے میں جہاں ہر وقت بازنطینی حکومت کے حملہ کا خطرہ ہو صرف اور صرف اس شخص کو اتنے عرصہ تک متعین کیا جاسکتا ہے جس کی ثقاہت اور نظری، فکری، سیاسی قابلیتوں پر غیر معمولی اعتماد اور بھروسہ ہو اور حکومت کے ساتھ اس کی وفاداری میں

ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو، ایسے علاقے میں ایسے آدمی کا تقرر ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا جس کی حکومت اور اسلام سے وفاداری ذرہ برابر بھی مشکوک ہو۔

پھر سیدنا عمر الفاروقؓ صرف ایسے آدمی ہی کو گورنری کا منصب عطا نہیں فرماتے تھے جو حکومت کے انتظامی اور ترقیاتی امور ہی سے آشنا ہو بلکہ آپ گورنر کی انفرادی، جماعتی، دینی، دنیاوی، اقتصادی اور معاشی زندگی کی باریکیوں پر بھی نگاہ رکھتے تھے، کیونکہ النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) کے تحت آپ یہ سمجھتے تھے کہ گورنر اور حاکم وقت کی مجموعی زندگی کا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے اور رعایا کی پوری زندگی اس سے متاثر ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے صرف اس وجہ سے ایک گورنر کو معزول فرما دیا کہ اس نے بچوں پر نظرِ شفقت نہیں کی تھی اور معزول فرماتے وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں نے تم میں قسوتِ قلبی کے آثار دیکھے ہیں لہذا میں ایسے آدمی کو ایک ثانیہ کیلئے بھی لوگوں پر حاکم نہیں بنا سکتا جس کے قلب میں رحم اور شفقت کی کمی ہو کیونکہ خطرہ ہے کہ اس کی سخت دلی کے اثرات لوگوں کو بھی قاسی القلب بنادیں۔“

خالد بن الولیدؓ کو کون نہیں جانتا، لسانِ نبوت نے ان کو سیفِ من سیدوف اللہ فرمایا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۷۷) غزوہ موتہ، سریہ نجران، سریہ عزی، نزار کسکر، عین التمر، حصید و خنافس، شام، عراق، یرموک، حصص، بیت المقدس کی فتوحات آپ ہی کی مرہونِ منت ہیں! بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیانِ نبوت کا استیصال تو خصوصی طور پر سارے کا سارا آپ ہی کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ:-

”اِنَّ فُتُوْحَ اَهْلِ الْبَرَّةِ كُلِّهَا كَانَتْ لِخَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ وَغَيْرِهِ۔“

ارتداد کی ساری فتوحات خالد بن ولیدؓ کی مرہونِ منت ہیں۔“

(طبری جلد ۳ واقعات السہم)

قریباً سو اسولڑائیوں میں آپ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے اور حشم پر
ایک بالشت بھی حقہ ایسا نہیں تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے پھلتی نہ
ہو، ہو۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۵)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت محبوب سمجھتے تھے، محبوبیت کے
لیے سَيِّفٌ مِّنْ سَيِّفَاتِ اللّٰهِ کا لقب ہی کیا کم تھا۔ کبھی فرماتے: "خالد کو تم لوگ
کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس کو اس نے کافروں پر
کھینچا ہے۔" (الاصابہ جلد ۲ ص ۹۹)

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور ایک گھاٹی کی طرف
سے حضرت خالد بن ولید بھی داخل مکہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
ابو ہریرہ سے فرمایا کہ دیکھو وہ کون ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا کہ "خالد بن ولید"
آپ نے فرمایا: "یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۶، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۴)

ایک مرتبہ بارگاہ رسالت سے سیدنا عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا
تو ابن جبیلؓ، خالد بن ولیدؓ اور عباس بن عبدالمطلبؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا،
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: "ابن جبیل فقیر تھا
خدا نے اس کو دولت مند کیا یہ اس کا عوض ہے، لیکن خالدؓ پر تم لوگ زیادتی کرتے
ہو اُس نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا اس پر زکوٰۃ کیسی؟
رہا عباس بن عبدالمطلبؓ کا معاملہ تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ
چچا بجائے باپ کے ہے۔" (مسلم جلد ۱ ص ۱۶۳، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۳)

یہی خالدؓ سیف من سیدوف اللہ، شجاعت اور جانبازی کے لحاظ سے
تاریخ اسلام کے دُرّ ثناء ہوا، بارگاہ رسالت کے گوہر تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت
با اثر اور ذی وقار بزرگ، بارگاہ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب سے صرف اسلئے
معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک قصیدہ گو کو دس ہزار روپے کی ایک خطیر رقم

بطور انعام دی، سیدنا عمرؓ کو جب پتہ چلا تو آپ نے سپہ سالارِ اعظم سیدنا ابوجبیدہ بن
الجراحؓ کو لکھا کہ خالدؓ نے اگر یہ انعام اپنی گمرہ سے دیا ہے تو اسراف کیلئے اور اگر
بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے، لہذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے
قابل ہیں۔ (الکامل لابن اثیر جلد ۲ ص ۱۸۸)

۲۹۱

سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موبوں ہیں۔ (سداغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱)
اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان ہیں رفتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۶۷ (غزوہ
بدر، غزوہ احد، فتح مکہ، غزوہ طائف، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے
جانباز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران بانی کوفہ، اتنی خصوصیات کے حامل
لیکن بتانے والوں نے جب بتایا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے
جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں کچھ کاوٹ
ہوتی ہے یا رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ
جا کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں چنانچہ محمد بن مسلمہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر اس ڈیوڑھی
کو آگ لگا دی اور سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۳۵۵)
عباض بن غنمؓ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حلیل القدر صحابی اور
گورنر مصر ہیں، دربار خلافت میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے
دروازہ پر دربان مقرر ہے، اطلاع کا پہنچنا تھا کہ دربار خلافت سے احتساب شروع
ہوا، فوراً محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم ہوا کہ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو
عباض بن غنمؓ کو فوراً دربار خلافت میں پیش کیا جاوے، محمد بن مسلمہ مصر پہنچے اور عباض
ابن غنمؓ کے گھر گئے، دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان ہے اور عباض بن غنمؓ باریک
کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں، محمد بن مسلمہ گورنر مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر
مدینہ طیبہ آئے، سیدنا عمر الفاروقؓ نے اُن کا باریک کرتا اُتروایا اور بالوں کا کمرہ
پہتا کر جنگل میں بکریاں چراتے کا حکم دیا۔ عباض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے
تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے، سیدنا فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آباؤی پیشہ ہے

اس میں عار کیوں؟ غرض بیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے اور احسن طریقہ سے سرانجام دیتے رہے۔

کتاب الخراج ص ۶۷، طبری جلد ۴ ص ۲۰۷

سیدنا ابی بن کعبؓ نہایت بلند مرتبہ صحابی اور قرآن کریم کے بہترین ماہر ہیں، بخاری علی فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۱ ایک دفعہ کسی مجلس میں اُٹھے تو کچھ لوگ ادب و تعظیم کی وجہ سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظمؓ ادھر آنکے، یہ حالت دیکھ کر آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ابی بن کعبؓ کو زور سے ایک کوڑا مارا، سیدنا ابیؓ کو بہت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے؟ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:-

”أَمَا تَرَىٰ فِتْنَةً لِّلْمُتَّبِعِ وَمِثْلَهُ لِّلْمُتَّبِعِ - (مسند دارمی ص ۷۷)

تجھے معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت کا سبب ہے؟“

سیدنا عمر الفاروقؓ کا اپنے گوزروں کا یہ احتساب اور ان کے اخلاق و عادات کی اس قدر نگرانی صرف اس لیے تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ حاکم اور گوزر میں اگر اخلاق اور تدبیر کی چھٹانک بھر کمی ہوئی تو رعایا میں منوں کے حساب سے کمی واقع ہو جائے گی، اس وجہ سے آپ جب بھی کسی کو گوزر بنا کر بھیجتے تو گوزر کے سارے فرائض اس کو سمجھاتے، پھر اس سے عہد لیتے کہ وہ:-

(۱) تیر کی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

(۲) باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

(۴) دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

(۵) اور اہل حاجت کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۰۷)

اور پھر بھرے مجمع میں ان الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے:-

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْهَدُكَ عَلَىٰ أَمْرٍ أَلَامُصَابٍ إِنَّمَا بَعَثْتَهُمْ

لِيُعَلِّمُوا النَّاسَ دِينَهُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ وَأَنْ يَفْقِسُوا بَيْنَهُمْ
فَبَيْنَهُمْ وَأَنْ يَفْعِدُوا فَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ رَفَعُوهُ إِلَى

در محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۹

اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارے میں جن کو میں نے مختلف شہروں
میں مقرر کیا ہے تجھے گواہ بنانا ہوں، اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر
بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کے نبی کی سنت
کی تعلیم دیں اور فتنے کا مال اُن پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو
ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر کسی معاملہ میں اُن کو کوئی مشکل پیش آجائے
تو میری طرف رجوع کریں۔“

ایک مرتبہ ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس شے کو ان الفاظ میں فرمایا،
”إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَبْعَثُ إِلَيْكُمْ عُمَلَاءَ لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَلَا يَأْخُذُوا
مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنِّي أَبْعَثُهُمْ إِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوكُمْ دِينَكُمْ وَ
سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ فَمَنْ فَعَلَ بِهِ سِوَى ذَلِكَ فَلْيَرْفَعْهُ إِلَى
قَوَائِدِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قُصَّةَ مِثْلِهِ“

بخدا میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ وہ تم کو ماریں
پٹیں اور نہ اس لیے کہ تمہارے مال چھینیں بلکہ میں نے ان کو اسلئے
بھیجا ہے کہ تمہیں تمہارا دین اور نبی کی سنت سکھائیں، جس کسی کے ساتھ اس
کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے اس کی شکایت کرے، قسم ہے اُس ذات
کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اُس سے ضرور بدلہ لوں گا۔“

اس پر مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اٹھ کر کہا کہ: ”حضرت! اگر کوئی
شخص مسلمانوں کا گورنر ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو پیٹے تو کیا آپ اُس سے بھی
بدلہ لیں گے؟“ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ”ہاں بخدا میں اُس سے بھی بدلہ لوں گا کیونکہ میں
نے خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا

ہے۔ کتاب الخراج لقاضی ابو یوسف ص ۹۶، الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳،
مستدابی داؤد طرابلسی حدیث ۵۵، طبری جلد ۳ ص ۲۷۳

سیدنا عمرؓ کے ان کلمات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ گورنروں کو
بھیجنے ہی صرف اس لیے تھے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا دین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنت کی تعلیم دیں، ان میں اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پیدا کریں۔ اگر اس بارہ
میں کسی میں کوئی کمی محسوس فرماتے تو اس پر احتساب فرماتے، جیسا کہ گزشتہ صفحات
کے واقعات اس پر شاہد و ناظر ہیں، یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے عمال سنتِ نبویؐ کے
اتباع میں اپنی مثال آپ تھے۔

اب سیدنا فاروقؓ جیسے مختصیب اور سنتِ نبویؐ کا لحاظ رکھنے والے خلیفہ راشد
کا سیدنا معاویہؓ کو دمشق کا گورنر بنانا اور ان کو اپنی پوری مدتِ خلافت بغیر کسی احتساب
کے وہاں برقرار رکھنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ تدبیر، تقویٰ اور سنتِ نبویؐ کی
پیروی میں ایک بہت بڑے مقام کے حامل تھے اور صرف خود ہی سنتِ نبویؐ کے
عاشق نہ تھے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس معاملہ میں روشنی کا مینار تھے، اسی لیے
سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل شام سے فرمایا کرتے تھے :-

”مَا دَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِمَامٍ مَكُّمُ هَذَا يَعْنِي مُعَاوِيَةَ۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۵)
میں نے تمہارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ جس
کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہو۔“

سیدنا فاروقؓ اعظمؓ نے جب حضرت عمرؓ کو حمص کی گورنری سے معزول
فرما کر سیدنا معاویہؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر فرما دیا تو کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے
سامنے حضرت معاویہؓ کے متعلق بعض بے جا باتیں کیں، ان کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:-

”لَا تَذْكُرُوا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُمَّ اهْدِ بِي۔ (ترمذی جلد ۲، البیہقی و التہاہی جلد ۸، ص ۱۲۲)

التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۳ ص ۳۲۸)۔

معاویہ کی بات اگر کمرنی ہے تو اچھائی اور خیر سے کرو کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔ علامہ ابن کثیر نے اسی طرح کی ایک روایت سیدنا فاروق اعظمؓ سے بھی نقل فرمائی ہے کہ جب ان کے پاس سیدنا معاویہؓ پر کچھ تنقید کی گئی اور بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ معاویہؓ نوجوان ہیں اور عمیرؓ تجربہ کار اور فہمی پختگی کے مالک ہیں اس پر آپ نے اُن کے اعتراضات کا ان الفاظ میں جواب دیا کہ:-

”معاویہؓ کا ذکر جس نے بھی کرنا ہو وہ اچھے طریقے سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سنا کہ اے اللہ! معاویہ کو ہدایت کا ذریعہ بنا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ:-

”اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔“

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۸ ص ۱۲۲)

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ”الفاروق“ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیدنا عمرؓ نے سیدنا شریحیل بن حسنہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر سیدنا معاویہؓ کو مقرر فرما دیا تو جب امیر المؤمنین سے سیدنا شریحیل ابن حسنہؓ کی وجہ معزولی دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:-

”میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ اسلئے معزول کیا

ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی۔“ (الفاروق جلد ۱ ص ۲۹۸)

شریحیل بن حسنہؓ کی معزولی کے بعد شام کا پورا صوبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت آگیا۔ الفاروق جلد ۱ ص ۳۰۸ اور ایک ہزار روپیہ تنخواہ مقرر ہوئی۔

والاستیعاب جلد ۱ ص ۲۶۳

حافظ ذہبیؒ نے اسماعیل بن اُمیہ سے نقل کیا ہے کہ:-

”ان عمرا فرد معاویۃ بالشام و رزقہ فی کل شہر ثمانین دیناراً
سیدنا عمرؓ نے شام کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے تحت کر دیا اور ۸۰
دینار ماہانہ مشاہرہ مقرر فرمایا۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۳۱۹)
ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہؓ کی شخصیت سے بہت
متاثر تھے اور آپ کی علمی اور فکری صلاحیتوں کا آپ کو اعتراف تھا، چنانچہ آپ
اکثر فرمایا کرتے تھے :-

”جب معاویہؓ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں
قیصر و کسریٰ کی زبردستی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“
الکامل لابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۲، طبری جلد ۶ ص ۱۴۲، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۳۲۰
ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ کے سامنے کسی نے
کچھ نازیبا الفاظ کہے، آپ نے فرمایا :-

”دعونا عن دم فتی قریش من یضعک فی الغضب ولا ینال
مأعندہ علی الرضی ولا یؤخذ ما فوق رأسہ الا من تحت قدمیہ۔“
(ازالة الخفافہ ج ۲ ص ۵۵، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۴)
قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو، یہ نوجوان ایسا ہے
کہ غصہ میں ہنستا ہے اور سولے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں
کیا جاسکتا اور جو کچھ اس کے سر پہ ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے
ہی سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی عزت و تکریم کے ساتھ۔“
اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک شخص سے سیدنا معاویہؓ کی اصابت رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو تفرقہ و
انتشار سے منع فرمایا۔ (الاصابہ جلد ۶ ص ۱۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۸)
علاوہ ازیں تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کے وسیعوں حوالہ جات ملتے ہیں جن
میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا معاویہؓ کی تعریف فرمائی ہے اور اسی وجہ سے آپ نے

انہیں یزید بن ابی سقیانؓ کے بعد شام کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔
 جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ اپنی نظری، فکری اور علمی اور عملی قابلیتوں کی بدولت
 جلد ہی اپنے معاصرین صحابہؓ کی نگاہ میں انتہائی بلند مقام حاصل کر چکے تھے اور صحابہؓ
 میں سے کوئی شخص بھی آپ کے متعلق کسی قسم کا برا خیال نہ رکھتا تھا۔ سیدنا عثمانؓ، سیدنا
 علیؓ اور سیدنا حسن بن علیؓ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خیالات آپ کے
 متعلق نہایت اعلیٰ تھے، کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا تو درکنار حاشیہ خیال میں
 بھی نہ لانے تھے جس سے ذرہ برابر بھی ان کی تقیص کا اظہار ہوتا ہو بلکہ سیدنا حسنؓ
 نے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے قیامت تک آنے والوں کو آپ کے مقام و
 احترام سے آگاہ کر دیا۔ حضرت علیؓ کے چچا زاد بھائی اور ترجمان القرآن سیدنا
 عبداللہ بن عباسؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:-

”مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مَّا لَيْقَ مِنْ إعْطَافٍ مَعَاوِيَةَ بِالرِّيَاسَةِ وَالْمُلْكِ (نظری)
 میں نے معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کوئی لائق
 نہیں دیکھا۔“

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جذبات کو
 ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:-

”مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْلَقَ بِالْمُلْكِ مِنْ مَعَاوِيَةَ“
 میں نے سیدنا معاویہؓ سے زیادہ بادشاہی کے لائق کسی کو نہیں دیکھا۔
 (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۷،
 طبری جلد ۵ ص ۳۳۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۳، اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۳)

اس قسم کی رائے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کی آپ کے متعلق
 تھی، ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی میں سیدنا معاویہ ایک
 نہایت اہم مقام کے حامل تھے اور آپ کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیدنا عمرؓ نے
 آپ کو دمشق کی گورنری کے عہدہ پر تعین فرمایا تھا اور پوری مدت خلافت ان کو وہیں رکھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارہ میں خود اپنا بیان کافی و وافی ہے
چنانچہ فرماتے ہیں :-

”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معصوماً فوقاً فی
فادخل فی امرہ ثم استخلف ابی بکر فوقاً فی ثم استخلف عمر
فوقاً فی ثم استخلف عثمان فوقاً فی فلم ال لاحد منهم ولم
یولنی الا وهو راض عنی۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۶۳)
بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انہوں نے مجھے والی اور
حاکم بنایا اور اپنے کام میں شامل فرمایا پھر ابوبکر خلیفہ ہوئے انہوں
نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا پھر عمرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے حاکم
بنایا پھر عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی مجھے والی بنایا پس ان میں سے
جس کے لیے بھی حاکم بنا اور جس نے بھی مجھے حاکم بنایا وہ سب مجھ سے
راضی رہے۔“

عہد عثمانی اور سیدنا معاویہؓ

جس شخصیت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا
فاروق اعظمؓ اپنی خصوصی نوازشات سے نوازیں اور اس کے حق میں دعائیں فرمائیں
کبھی علمبردار شکر بنائیں تو کبھی گورنر اور والی کے منصب پر بٹھائیں تو بھلا یہ کیسے ہو
سکتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ اس پر نظرِ شفقت نہ فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ
میں تو صرف دمشق کا علاقہ آپ کے زیرِ حکومت تھا لیکن سیدنا عثمانؓ نے ان کی
علمی اور فکری صلاحیتوں کے پیش نظر شام، فلسطین، اردن اور لبنان وغیرہ کا پورا
علاقہ ان کے تصرف میں دیدیا۔

۳۳ھ میں سیدنا عمرؓ کی شہادت ہوئی، ۳۴ھ میں اہل روم نے ایک عظیم الشان

لشکر مسلمانوں پر حملے کے لیے تیار کیا، سیدنا معاویہؓ نے اس بارہ میں سیدنا عثمانؓ کو مطلع کیا اور معاونت کی درخواست کی، امیر المؤمنینؓ نے کوفہ کے حاکم ولید بن عقیہؓ کو تحریری حکم ارسال فرمایا کہ شام کے مسلمانوں کی امداد کے لیے آٹھ ہزار کا ایک لشکر کسی بہادر اور امانتدار آدمی کی قیادت میں بھیج دیں۔ چنانچہ ولید بن عقیہؓ نے مرکز کے حکم کی تعمیل کی اور آٹھ ہزار مجاہدین کا ایک لشکر سلمان بن ربیعہ کی زیر قیادت شام روانہ کیا، شام کے لشکر کے امیر حبیب بن مسلمہ القہری تھے، ان دونوں لشکروں نے اکٹھے ہو کر بلادِ روم پر حملہ کیا اور دشمن کو شکست فاش دی، متعدد قلعے اپنی تحویل میں لیے، بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔

البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۵۸۱، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۱

بلادِ روم کے کچھ علاقے سردیوں کے موسم میں سخت سردی کی لپیٹ میں ہوتے تھے، اس موسم میں ان پر حملہ کرنا سخت مشکل ہوتا تھا اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے موسم گرما میں ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے مجاہدین اسلام کے لشکر بھیجے، ان غزوات کو تاریخ میں ”الصائفہ“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان سرد علاقوں میں سردیوں کے موسم میں لڑائی بند کر دی جاتی اور موسم گرما میں مجاہدین کو ان علاقوں میں پھر روانہ کر دیا جاتا، ان غزوات میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا بلکہ بعض مؤرخین کے بقول مجاہدین اسلام بلادِ روم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرطوس کے قلعوں کو خالی پا کر اپنے لشکر وہاں جمع کر دیئے۔

البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۵۸۱، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۱

گویا ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب اور رومی قلعوں پر بھی آپ نے قبضہ کر لیا اور پھر قبرص پر بحری حملہ کرنے کے لیے بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت امیر المؤمنینؓ سے طلب کی اور قبرص کی فتح کے بعد تنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔

قبرص جس کو آج کل سائپرس بھی کہتے ہیں بحیرہ روم میں شام کے قریب ایک نہایت

خوبصورت اور زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر اور شام کی فتح کا دروازہ ہے، اس مقام کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ مصر و شام جواب تک مسلمانوں کے زیر نگیں ہو چکے تھے کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی رومیوں کا خطرہ دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اس لیے سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ ہی سے آپ کی اس زرخیز حسین اور اہم جزیرہ پر نظر تھی اور اس زمانہ میں بھی آپ نے سیدنا فاروق اعظمؓ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی طلب کی تھی مگر بعض وجوہات کی بناء پر آپ کو اجازت نہ دی گئی جن میں بڑی وجہ یہ تھی کہ سیدنا فاروق اعظمؓ بڑی جنگوں ہی میں بہت زیادہ مصروف تھے اس لیے آپ بحری لڑائی کا نیا محاذ نہیں کھولنا چاہتے تھے۔ آخر ۲۵ھ میں سیدنا معاویہؓ نے پھر سیدنا عثمانؓ داماد رسولؐ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی، سیدنا عثمانؓ بحری جنگوں کو ذرا خوفناک تصور کرتے تھے کیونکہ مسلمانوں کو اس سے قبل اس کا تجربہ نہیں تھا، لیکن آپ سیدنا معاویہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو اطمینان دلایا کہ بحری جنگ اس قدر خوفناک نہیں ہے جس قدر اس کو خوفناک سمجھا جاتا ہے۔ جواب میں سیدنا عثمانؓ نے تحریر فرمایا کہ اگر تمہارا بیان درست ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، لیکن اس مہم میں صرف اسی شخص کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی اور رضا سے شرکت کرے۔ دربار خلافت سے اجازت ملے ہی آپ نے بحریہ کی تشکیل کی اور پانچ سو جہازوں کا ایک بحری بیڑہ مرتب کیا اور عبداللہ بن قیس حارثیؓ کی قیادت میں اس کو قبرص کی فتح کے لیے روانہ کیا، یہ اسلامی بیڑہ صحیح اور سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا لیکن چند روز بعد اس بیڑے کے امیر البحر عبداللہ بن قیسؓ ناگہانی طور پر شہید ہو گئے، ان کی شہادت کے بعد سفیان بن عوف ازدیؓ نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو زیر کیا جس پر اہل قبرص نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کر لی :-

(۱) اہل قبرص ۷ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳۱) بحری جنگوں میں اہل قبرص اسلام کے دشمنوں کی نقل و حرکت سے ان کو مطلع کرتے رہیں گے۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۷، فتح الباری جلد ۶ ص ۶، فتوح البلدان فتح قبرص)

ابن الاثیر اور خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں سیدنا معاویہؓ نے بذاتِ خود مع اپنی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ کے بھی حصہ لیا اور سیدنا ابوذرؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا عبادہ بن الصامتؓ اور ان کی اہلیہ ام حرامؓ نے بھی شرکت کی تاکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مصداق ہو سکیں جس میں آپؐ نے اس لشکر کے لیے جنت کے واجب ہونے کی بشارت دی تھی۔

ز تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۳۵، الاصابہ جلد ۴ ص ۲۱۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۳، حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۶۲)

اہل قبرص کچھ دنوں تک تو اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن ۳۳ھ میں یعنی ۵ سال بعد انہوں نے اہل اسلام کے خلاف رومی بحریہ کی مدد کی لہذا سیدنا معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا اور اسلامی سلطنت کے ممالکِ محروسہ میں شامل کر لیا اور اعلان کر دیا کہ مستقبل میں یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۷)

اسی دوران مسلمانوں کو ایک عظیم الشان بحری جنگ لڑنا پڑی۔ ہوا یہ کہ ۳۱ھ میں قیصرِ روم قسطنطین نے ایک بہت بڑا جنگی بیڑا جس میں قریباً پانچ سو جہاز تھے، سواحلِ شام پر حملہ کے لیے بھیجا، اس بیڑے کی قیادت خود قیصرِ روم کر رہا تھا۔ سیدنا معاویہؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؓ بھی بذاتِ خود اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، بحریہ کی کمان عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی۔ سمندر پر جب دونوں قوتوں کا آمناسا منا ہوا تو مسلمانوں نے تجویزِ پیش کی کہ دونوں قوتیں ساحلِ سمندر پر اتر کر لڑیں لیکن رومیوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہم سطحِ سمندر پر ہی لڑیں گے، اس پر مسلمانوں کے امیر البحر نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور

ان کو دشمن کے قریب لے جا کر حملہ کر دیا، فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، یہاں تک کہ کشتوں کا خون ساحل تک بہتا ہوا نظر آیا اور خون کی سُرخ پانی پر غالب آگئی، بشمار رومی مارے گئے اور مسلمان بھی بہت شہید ہوئے لیکن ان کے عزم و استقلال نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت قلیل تعداد زندہ بچی، خود قسطنطین اس معرکہ میں شدید زخمی ہوا اور اہل اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کا اثر یہ ہوا کہ اہل روم کو پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸، عثمان بن عفان از عربون ۲۱۶، ۲۱۷

بحریہ کی یہ فتح سیاسی اور عسکری لحاظ سے نہایت اہم تھی، اس سے

(۱) ایک تو مسلمانوں کی بحریہ وجود میں آگئی۔

(۲) یہ کہ بحری جنگوں کیلئے اہل اسلام کے لیے زمین ہموار ہو گئی۔

(۳) مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ کی فتح جس پر حملہ کرنے کے لیے رمان نبوت نے بڑی بڑی

بشارتیں دی تھیں، کافح کرنا بہت آسان ہو گیا اور مسلمانوں کا محاذ قسطنطنیہ

کے بالکل قریب ہو گیا جس سے دشمن پر رعب طاری ہو گیا۔

اس بحری جہاد کا نقشہ اس سے قبل حضور انور سرکارِ دو عالم صلیہ الصلوٰۃ والسلام

کو خواب میں دکھلایا گیا تھا اور آپ نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی، چنانچہ حدیث

میں ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کے گھر پر

کھانا تناول فرما کر استراحت فرمانے لگے، سیدنا عبادہؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام حرامؓ نے

نے آپ کا سر مبارک دیکھنا شروع کیا، اسی اثنا میں آپ کو نیند آگئی، تھوڑی دیر بعد

سیدہ ام حرامؓ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے

ہیں، ام حرامؓ نے مسکراتے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ :-

اے اس جنگ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیدنا عثمانؓ کی شخصیت اور کردار جلد اول میں بیان کی ہے۔

لے یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔

”میں نے ایک خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے سوار ہیں۔“

حضرت ام حرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں، آپؐ نے دعا فرمائی، اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر بعد آپؐ پھر سکر اتے ارادہ ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔
 (زرقانی جلد ۶۶، اصابع جلد ۸ ص ۲۲۲، بخاری جلد ۳۹ ص ۹۲۹، مسلم جلد ۲ ص ۱۱۱، ابوداؤد علی بن المجدود جلد ۲ ص ۳۱، نسائی جلد ۲ ص ۵۳، ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۴)

بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

”أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يُغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجِبُوا لِي بَخَارِي جلد ۱ ص ۲۱۰، ۲۰۹“
 میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس پر جنت واجب ہوگی۔
 تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سب سے پہلا لشکر جس نے ۲۸ھ میں قبرص کو فتح کیا تھا سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ (عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱۲ ص ۱۶۵، ۱۶۸) اور اسی میں سیدہ ام حرامؓ بھی شریک لشکر تھیں جو کہ واپسی پر

لہ علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وكان امير ذلك الجيش معاوية بن ابی سفیان في خلافة عثمان و معه ابوذر و ابوالدرداء و غیرهما من الصحابة و ذلك سنة سبع و عشرين - (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵)

اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے اور یہ ہم سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں سرہنوی اور ان کے ساتھ اس مہم میں حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ صحابی رسولؐ شامل تھے، اور یہ واقعہ ۲۸ھ میں پیش آیا۔

۳۹۱
ایک خچر پر سوار ہوتے وقت گر پڑیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ (صحیح بخاری جلد ۱،
ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۵ ص ۵۷۵)

اس جنگ کے سن میں اختلاف ہے، ابن جریر نے ۲۷ھ بتایا ہے، واقعی نے
۲۸ھ نقل کیا ہے، اور ابو معشر نے ۳۳ھ بیان کیا۔ (یعنی جلد ۴ ص ۱۹۸) لیکن صحیح
۲۸ھ ہی ہے، ابو معشر سے شاید سہو ہو گیا ہے کیونکہ ۳۳ھ میں سیدنا معاویہؓ نے
قبرص پر دوسری بار حملہ کیا تھا اور انہوں نے شاید اسی کو پہلا حملہ سمجھ لیا ہے۔
اس جنگ کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

اس لحاظ سے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ سب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے بحریہ کی
تشکیل کی اور بحری بیڑہ قائم کیا جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا۔
(فتوح البلدان لابن اذری ص ۱۶) اور مسلمانوں کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا۔
اسی زمانہ میں سیدنا معاویہؓ نے شام میں بحیرہ روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لیکر طرس
تک قوجی نوآبادیاں قائم کیں۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۴) جس سے ایک تو اسلامی
حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ پہنچا اور دوسرے مسلمان دور دراز علاقوں تک
پھیل گئے جس سے اسلام کی اشاعت کے کام کو کافی تقویت پہنچی اور بحر و بر میں
اسلام کے چرچے ہونے لگے۔



فتنہ عظیمہ اور سانحہ عظیمہ

جس طرح خلافت فاروقی ہر لحاظ سے ایک کامیاب خلافت تھی اسی طرح خلافت عثمانی بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عبداللہ بن ابی سرحؓ، سیدنا عبداللہ بن عامرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے باہمی اتحاد و یگانگت سے خلافت اسلامیہ کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی، ملکی حدود و تغور و زبر و زوہد و وسیع تر ہو رہی تھیں، بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے مسلمانوں کی دسترس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور ہندستان کی سرحدوں پر بھی مسلمانوں کے گھوڑے ہنہانے لگے، مہر کا سارا علاقہ اسلامی مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ طرابلس، قبرص، خراسان، طخارستان، اسپین، طالقان، فاریاب، جوخان، بختان، ہرات، کابل، نیشاپور، بست، اشبندورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان اور شرس وغیرہ کے علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش و تنعم کو عام کر دیا یہاں تک کہ بعض صحابہ آیام رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانہ کے سامانِ تعیش، ثروت اور تمول کو دیکھ کر حدیثِ غمگین ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جو اپنی سادگی اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے مسیح الاسلام تھے مسلمانوں کی اس حالت سے نہایت پریشان اور غمگین تھے، آپ اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

خلافت اسلام عناصر کو اسلام کی یہ روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لہذا انہوں نے اسلام اور خلافت اسلامیہ کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، گورنروں کے خلاف سازشیں ہوتے لگیں، خود امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ کو بدنام کرنے

کی کوششیں شروع ہوئیں تو اندرون ملک ایک منظم جماعت عبداللہ بن سباؓ کی قیادت میں کام کرنے لگی اور کوفہ، مصر، شام اور خود دار الخلافت میں امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کو مختلف اعتراضات کا ہدف بنایا جانے لگا۔

اس شخص ملک بن کاہنے والا یہودی تھا، ۲۵ھ میں بظاہر اسلام کو قبول کر لیا لیکن اندر سے اسلام کا نہایت سخت دشمن تھا، اس کے اسلام لانے کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے، یہ شخص اسلام کیلئے مارا آستین ثابت ہوا اور باقی اسلام اور اہل اسلام سے اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لینے لگا جن کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کی پاک سرزمین سے جلا وطن کیا تھا اور بعد میں سیدنا عمر الفاروقؓ نے ان کو عرب ہی کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا، لہذا اُس نے اندر ہی اندر ایک نختیہ تحریک چلائی اور مسلمانوں کے اندر ایسی باتیں پھیلانا شروع کر دیں جو کہ اسلامی اصولوں کے سراسر منافی تھیں مثلاً امامت علیؓ کی فرضیت کا اعلان (خلافت بلا فصل) اصحاب ثلاثہ کی تنقیص اور ان پر تبرا وغیرہ۔

چنانچہ ایک شیعہ مجتہد استرآبادی اپنی تصنیف ”منہج المقال“ میں لکھتے ہیں :-
 قَانِظِرْ وَالِیْ عِبَارَةِ الْکَثٰی ذَکَرِ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَبَا
 کَانَ یَهُودِیًّا وَاسْلَمَ وَوَالِیْ عَلِیًّا وَکَانَ یَقُوْلُ عَلِیٌّ یَهُودِیْتُهُ وَصِیٌّ بِالْقَوْلِ
 فَقَالَ بَعْدَ اِسْلَامِهِ بَعْدَ وِفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی
 عَلِیٍّ مِّثْلَ ذٰلِکَ فَکَانَ مِنْ اَشْهَرِیَا الْقَوْلِ بِفَرْضِ اِمَامَةِ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ
 الْمِرَاةُ مِنْ اَعْدَائِهِ وَکَانَ مُخَالَفِیْهِ وَاکْفَرَهُمْ فَمِنْ هَؤُلَاءِ قَالَ مِنْ خَالَفَ
 الشَّیْعَةَ اَهْلَ النَّشِیْعِ وَالرَّفْضِیِّیْنَ مِنَ الْیَهُودِیَّةِ ۔

عبارت کثی دیکھو، بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سباؓ یہودی تھا، اسلام لایا اور سیدنا علیؓ کا محب بنا، وہ اپنے یہودیت کے زمانہ میں یوشع و صی موسیٰ کی نسبت غلو کرتا تھا پھر اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے بارہ میں ایسا خیال رکھتا تھا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے فرضیت امامت علیؓ کا اعلان کیا اور ان کے اعداء سے تبرا کیا، وہ سیدنا علیؓ کے مخالفین کو برا کہتا اور ان کو (دفعہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عبداللہ بن سبا ہی دراصل اس پوری تحریک کا بانی تھا اور اسی نے اپنی شیرازگیزی
سازشانہ قوت سے مختلف انجیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا تھا اور خود پوری
تحریک کے قائد کی حیثیت سے خلافت اسلامیہ میں امیر المؤمنین اور ان کے گوزروں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) کا فرقرار دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی
اصل بنیاد یہودیت ہے ایسا ہی "تاریخ الاسلام" ایسا ہی جلد ۳۲/۳۵۰ پر لکھا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں عبداللہ ابن سبا کے بارہ میں لکھا ہے کہ:-

اصله من اهل اليمن وكان يهودياً من امة سوداء فاطهر
الاسلام وطاف بلاد المسلمين ليلفتهم عن طاعة الائمة ويليقي
بينهم الشر وكان يداووا بالاحجاز ثم بالبصرة ثم بالكوفة ثم
دخل دمشق ايام عثمان بن عفان فلما يقدر على ما يريد عند من

اهل الشام فاحرجوه حتى اتى مصر۔

عبداللہ بن سبا اصل میں یمن کا یہودی تھا اور سودا قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے ظاہری
طور پر اسلام قبول کر لیا اور مملکت اسلامیہ میں اس نے اس غرض سے دورہ کیا تاکہ لوگوں کو خلفاء کی
اطاعت سے گریزاں کیا جائے اور ان کے مابین شروفساد کا بیج بویا جائے چنانچہ اس نے اپنے اس مشن
کو حجاز سے شروع کیا پھر وہ بصرہ اور کوفہ گیا پھر دمشق میں سیدنا عثمان بن عفان کے عہد خلافت
میں وارد ہوا لیکن اہل شام سے جو کچھ وہ چاہتا تھا حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اہل شام نے اس کو نکال
دیا اور وہ مصر چلا گیا، (التاریخ الکبیر لابن عساکر جلد ۷ ص ۴۲۸)

(تفصیل کیلئے دیکھو تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۶۸، ۱۶۹، لسان المیزان جلد ۳، طبری جلد ۵
میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۸۲، فرق الشیوخ ص ۱۸۲، رجال کثی ص ۱۸۲، تحفۃ الاحباب ص ۱۸۲، از شیخ عباس قمی)
۲۵ھ میں بظاہر مسلمان ہونے کے بعد اس کا خیال تھا کہ سیدنا عثمانؓ اس کی کچھ عزت کریں گے
اور اس کو کسی منصبِ جلیلہ پر فائز کریں گے، مگر آپ اس کی اندرونی کیفیت کو بھانپ گئے لہذا اس کی
طرف کچھ توجہ نہ فرمائی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے آپ کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ مدینہ اور خیبر

کے خلاف سازشوں کا ایک خفیہ جال پھیلانا شروع کیا اور ان پر غلط اتہامات لگا کر لوگوں کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۳۲)

مُخالفت کا پس منظر

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو علماء یہود و خاص طور پر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مختلف قسم کے سوالات کیے، وہ لوگ اس بات سے بخوبی آشنا تھے کہ جس نبی کی بشارتیں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہیں وہ مستقبل قریب میں سرزمین بطنی میں مبعوث ہونے والا ہے، وہ آئے دن مدینہ کے لوگوں سے یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ اگرچہ ہم لوگ یہاں اقلیت میں ہیں اور آگے روز تمہاری اکثریت ہمارے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرتی رہتی ہے لیکن عنقریب جب وہ نبی آخر الزمان دُعاۓ خلیل اور توید مسیحا اس سرزمین

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) وغیرہ سے نکلے ہوئے یہودی جو اسلام کی شوکت سے متاثر ہو کر بظاہر اسلام لاپکے تھے اس کے ساتھ مل گئے دوسری طرف اہل عجم جن کی سلطنت کی سیدنا عمر الفاروقؓ نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، اسلام کے خلاف دلی کدورت رکھتے تھے وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اس طرح سے اس سبائی گروہ نے اسلام میں فتنہ برپا کرنے کے لیے اندرون ملک سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا اس کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے سادہ دل مسلمان بھی متاثر ہو کر عارضی طور پر اس سے مل گئے لیکن بعد میں اس گروہ کی حقیقت کھلتے پر اس سے الگ ہو گئے۔

مختصر یہ کہ عبداللہ بن سباؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نقل تھا بلکہ سازشوں میں تو اس کے بھی کان کترتا تھا۔

عبداللہ بن سباؓ یہودی کے بارہ میں تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”سیدنا عثمانؓ شخصیت اور کردار“ جلد اول میں بیان کر دی ہے۔

میں مبعوث ہوں گے تو ہم ان کا اتباع کر کے تمہاری اکثریت پر غالب آجائیں گے اور اپنے وہ سب حقوق تم سے واپس لے لیں گے جو تم نے ناجائز ہم سے چھینے ہیں بلکہ جس طرح اب ہم تمہارے زیر دست ہیں اسی طرح اُس وقت تم ہمارے زیر دست ہو گے اور جس طرح ہم آج تمہارے در یوزہ گریں اسی طرح اُس وقت تم ہمارے در یوزہ گریں گے یہود کی آئے دن کی ان باتوں سے مدینہ کے لوگ بھی نبی آخر الزمان سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کے ایک سال بعد نزر ج قبیلہ کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے اور آپ کو دیکھ کر اور آپ کے قرآن کی تلاوت سے متاثر ہو کر وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بخدا یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر ہم ہر ہم سے کیا کرتے ہیں چنانچہ وہ چھ آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی علامات اور آپ کا تذکرہ علمائے یہود سے سنا تھا جن کی بنا پر ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے اب ہم مدینہ پہنچ کر ان سے بھی آپ کا تذکرہ کریں گے اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو پھر وہ اور ہم متحد ہو کر آپ کا ساتھ دیں گے۔ (فتح الباری جلد ۱، ص ۱۵۷، ۱۵۸، زرقانی جلد ۱، ص ۳، شیراز ہشام جلد ۱، البدایہ والنہایہ جلد ۳، ص ۱۴۸) جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس پہنچے اور انہوں نے علمائے یہود سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ لوگ جو قبائل مدینہ سے پہلے ایمان لانے کے بارہ میں سبقت لے جانا چاہتے تھے اب بالکل انکار پر ٹکل گئے اور انصار مدینہ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی مخالفت کرتی شروع کر دی۔

دو سال بعد جب جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو علمائے یہود اجتماعی اور انفرادی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جن کے نصیبہ نے ان کی یاوری کی وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے اور محروم القسمت ایک تسلیم تھی دامن رہے۔

تھی دستان قسمت را چہ سودا ز رہبر کا مل
چوں خضر از آب حیوان تشنه می آرد سکندر را

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ مدینہ منورہ میں آپؐ کی تشریف آوری کی خبر سنکر
صرف آپؐ کو دیکھتے آئے، لیکن فرماتے ہیں :-

فلما رأیت وجهہ عرفت ان وجهہ لیس بوجه کذاب۔
جب میں نے آپؐ کا روئے مبارک دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ
جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو: البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۳ ص ۳۱۲، ۳۱۳،
عبون الاثر لابن سید الناس جلد ۲ ص ۲۰)

اسی طرح یہود کے سردار حی ابن اخطب کا بھائی ابویاسر آپؐ کی خدمت
میں حاضر ہوا اور آپؐ کا کلام سنکر جب واپس گیا تو اپنی قوم سے کہنے لگا:
اطیعونی فانا ہذا النبی الذی کنا منتظر۔

میرا کہا مانو کیونکہ یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے۔

لیکن حی ابن اخطب نے اس کی مخالفت کی اور قوم یہود نے بھی حی ابن اخطب
کا اتباع کیا اور ابویاسر کے کہنے کو نہ مانا اور ایمان کی دولت سے بھی دست رہے۔
(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ :-

ان اقل من اتاہ منہم ابویاسر بن اخطب۔

ابویاسر بن اخطب سب سے پہلا آدمی تھا جو ر علمائے یہود میں سے آپؐ
کی خدمت میں حاضر ہوا۔

یہود مدینہ کی مخالفت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے پر اگرچہ یہودی علماء
آپؐ کی نبوت پر ایمان لے آئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی، اکثریت نے معاندانہ رویہ

اختیار کیا اور آپ کے خلاف خفیہ طور پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی کا سد باب کرنے کے لیے ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ مرتب کیا جس کی تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۲۲ اور سیر ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۷۸ وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ معاہدہ آپ نے یہود کے تین قبیلوں سے کیا جن کے نام یہ ہیں:

(۱) بنی قینقاع (۲) بنو نضیر اور (۳) بنی قریظہ

یہ قبائل یہود کے بڑے قبیلے تھے اور مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے ان قبیلوں نے آپ پر ایمان لانے سے گریز کیا لہذا آپ نے ان سے یہ معاہدہ کیا تاکہ وہ فتنہ و فساد کی آگ نہ بھڑکاسکیں، لیکن حالات کے شب و روز نے یہود کو اس معاہدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور ان تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے اس معاہدے کو توڑا چنانچہ سب سے پہلے بنی قینقاع نے اس معاہدے کی دھجیاں اڑائیں، شوال ۳؎ میں آپ نے ابولبابہ بن عبدالمذر انصاریؓ کی زیر قیادت ایک مختصر سا لشکر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے، ابن عبدالمذر انصاریؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا آخر سولہ روز کے محاصرہ کے بعد وہ قلعہ سے باہر آ گئے، رأس النخعین عبد اللہ بن ابی کی عاجزانہ اپیل پر ان کو قتل تو نہ کیا گیا لیکن جلا وطن کر دیا گیا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۷۲، زرقانی جلد ۱ ص ۱۷۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۲۲ وغیرہم)۔

دفعہ الاول ۳؎ میں بنو نضیر نے بھی آپ کے قتل کی سازش کر کے اس معاہدہ

کو توڑا، ان لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبیلہ میں بلوا کر ایک دیوار کے نیچے بٹھائیں اور اوپر سے ایک آدمی ایک بڑا سا پتھر پڑھکادے جس سے دماغ اللہ آپ شہید ہو جائیں، چنانچہ اس خفیہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیت کے سلسلہ میں اپنے قبیلہ میں بلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عبد الرحمن بن عوفؓ، سیدنا زبیر بن العوامؓ اور سیدنا طلحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہم کی معیت میں

وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے سایہ تلے بیٹھ گئے لیکن بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد آپ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودی کی اس سازش سے مطلع فرمادیا اور آپ وہاں سے اٹھ کر واپس مدینہ تشریف لائے۔

بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ ابن اُم مکتومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر بنو نضیر کا محاصرہ کیا، بنو نضیر اپنے قلعوں میں گھس گئے، پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد آپ نے اُن کے باغوں اور درختوں کو کاٹتے اور جلاتے کا حکم دیا جس سے یہ لوگ اپنے قلعوں سے نکل کر امن کے خواستگار ہوئے، آپ نے فرمایا کہ تمہیں دس روز کی ٹہلت دی جاتی ہے، ان دس روز میں تم مدینہ کو یکسر خالی کر دو اور اپنے اہل و عیال اور سامانِ حرب کے ماسوا دوسرے سامان کو جہاں لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔ بنی نضیر نے یہ شرط مان لی اور دس روز کے اندر اندر ان کے بعض لوگ شام چلے گئے اور بعض نے خیر میں سکونت اختیار کر لی خیر میں سکونت اختیار کرنے والوں میں ان کے سردار حی ابن اخطب، سلام ابن ابی الحقیق اور کنانہ بن الربیع بھی تھے۔ (تفصیل کے لیے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۸۰، فتح الباری جلد ۲ ص ۱۵۸ ملاحظہ فرمائیں)۔ اس معاہدہ میں تیسرا قبیلہ بنی قریظہ شامل تھا، اس قبیلہ نے بھی گھمبہ میں غزوہ خندق کے موقع پر قریش مکہ سے ساز باز کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا، چنانچہ غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آپ جبریل امین کے کہنے پر بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۶۶، فتح الباری جلد ۲ ص ۳۲) آپ کو دیکھتے ہی بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے، آپ نے ۲۵ روز تک ان کا محاصرہ رکھا، آخر مجبور ہو کر بنو قریظہ نے سعد بن معاذؓ کا حکم مان لیا اور کہا ہو فیصلہ وہ فرمائیں وہ ہمیں منظور ہے۔

(ذرقانی جلد ۲ ص ۱۳۳)

سیدنا سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے اس لیے وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر فیصلہ کے لیے تشریف لائے، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے ایسے کر کے لونڈی اور غلام بنا لیے جائیں اور ان کا

سب مال و اسباب اہل اسلام میں تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔
(عیون الاثر لابن سیدلتاس جلد ۲ ص ۸، زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۷)

یہود کی خیر سے جلا وطنی

غرض کہ مدینہ کے یہودی اپنی فتنہ پردازیوں اور آٹے دن کی سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے، مدینہ سے جلا وطن ہوتے کے بعد یہ لوگ خیر و غیرہ میں آباد ہو گئے، لیکن بقول شیخ سعدیؒ ہے

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

فتنہ و فساد ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس وجہ سے انہوں نے وہاں بھی اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا اور اسلامی حکومت کے خلاف غلط پروپیگنڈہ شروع کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کی ان کاروائیوں کا علم ہوا تو آپ نے محرمؒ میں چودہ سو پیادوں اور دوسو سواروں کے ساتھ خیر پر حملہ کیا اور چند ہی روز میں ناظم، نسطاط موص، حصن قلعہ وغیرہ یہودی قلعوں کو فتح کر لیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۲ ص ۳۷۶، زرقانی جلد ۲ ص ۲۱، الکامل لابن الاثر جلد ۲ ص ۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۹۸، عون المعبود جلد ۳ ص ۱۲، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۵، ۱۳۶، ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۷، ۱۸۸)۔

اس غزوہ میں کچھ یہودی قتل ہوئے اور کچھ وطن چھوڑ کر ایران، شام اور دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے، وہ بھی یہودی ہی تھے جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا جس کا مفصل ذکر فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲ اور دیگر حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے۔

یہودیوں کی اسی اسلام دشمنی اور باطل دوستی کا نتیجہ تھا کہ قرآن حکیم نے ان پر

ذلت اور مسکنت کے عذاب کا اعلان کیا، اور ان کی برائیوں کو عبد اللہ بن رواحہ نے
نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ أَنْتُمْ الْبَغَضُ الْخَلْقِ إِلَى قَتْلِكُمْ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ
وَكَذَبْتُمْ عَلَى اللَّهِ الْخ - (معانی الآثار جلد ۳۱ مطبع مصطفائی)
اے یہودیو! تمام مخلوق میں تم مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو تمہیں نے
اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا اور تم ہی نے اللہ رب العزت پر جھوٹا باندھا۔
یہود کی انہی اسلام دشمنیوں اور اہل اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا
نتیجہ تھا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت
کو جہاں اور وصیتیں کیں وہاں ایک وصیت یہ بھی فرمائی :-
”أَخْرِجُوا الْيَهُودَ مِنْ بَحْرِيَّةِ الْعَرَبِ -
(بخاری جلد ۴۲، مسند احمد جلد ۹ حدیث ۶۳۶۷)

یہودیوں کو عرب کے جزیرہ سے باہر نکال دینا۔
یہ وصیت ہر اس آدمی کے لیے تھی جو آپ کے بعد بار خلافت کی فتم داری
کو اٹھائے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ اندرونی اور بیرونی فتنوں
کی سرکوبی اور ملکی نظم و نسق کی طرف متعطف رہی، لہذا انہیں اپنی خلافت کے قلیل
عرصہ میں اس وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت ہی نہ ملی، آپ کے قریباً
اڑھائی سالہ دور خلافت کے بعد سیدنا عمر الفاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں
حضور انورؐ کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تمام یہودیوں کو جزیرہ عرب سے
باہر دھکیل دیا۔ (مسند احمد حدیث ۶۳۶۸)

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کے اسباب

(۱) جزیرہ عرب سے نکالے ہوئے یہودی خلافت اسلامیہ اور اس کے باہر مختلف

علاقوں میں پھیل گئے لیکن اسلام اور خلیفہ اسلام کے خلاف اپنی جلا وطنی کا یہ انتقامی جذبہ اُن کے دلوں میں سُلگنے لگا جس کی تسکین کے لیے انہوں نے خلیفہ ثانی سیدنا عمر الفاروقؓ کے خلاف خفیہ سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ گویا خلافت اسلامیہ کے خلاف سب سے پہلا مخالف عنصر یہ یہودی ہی تھے جن کو سیدنا عمر الفاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں جزیرہ عرب سے جلا وطن کیا تھا انہی میں ایک یہ عبداللہ بن سبا بھی تھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لیے اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا۔

(۲) خلافت اسلامیہ کی مخالفت کا سبب دوم عربوں کا عجم پر تفوق تھا جن میں ایران سب سے پیش پیش تھا، لہٰذا جب سیدنا عمر الفاروقؓ نے سلطنت ایران کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو سلطنت ایران کے اعیان و اکابر نے خاندان کیانی کے وارث یزدگردیس کی عمر اس وقت بقول ابو حنیفہ الدینوریؒ اور ابن جریر الطبریؒ کے ۲۱ سال مہی کی قیادت میں باہم متفق و متحد ہو کر خلافت اسلامیہ کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا لیکن قادیسیہ کی فیصلہ کن جنگ نے خاندان کسری کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا اور درفش کا دیانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر ہرانے لگا۔

۱۔ یہ جملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تھا، جنگ خندق میں جبکہ صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے اچانک ایک بڑی سی چٹان آگئی، صحابہؓ نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہ ٹوٹی، آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا آپؐ نے جب پہلی بار بسم اللہ پڑھ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی، آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر، مجھ کو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، بخدا میں اس وقت شام کے سرخ محلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپؐ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹوٹ کر گر پڑا، آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر، فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں۔ واللہ اِنِّیْ لَا اَنْظُرُ قِصَاصَ الْمَدَائِنِ اَبْيَضَ۔ اور بخدا میں مدائن کے قصر ابیض کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (بقیہ ماثبہ لکے صفحہ پر)

ایران فتح تو ہو گیا اور اس میں بجائے درفش کا دیانی کے ہلالی پرچم لہرانے لگا اور لوگ دین زرتشت کو غیر یاد کہہ کر دین اسلام کو قبول کرنے لگے لیکن ان کی ذہنی زمین میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ ان کے ذہن بجائے اسلامی عقائد و احکام کے برگ و بار نکلنے کے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کی پیداوار کرنے لگے لیکن چند لوگ اس سے مستثنیٰ تھے جن کی فطری صلاحیت، جلی انصاف پسندی اور قبول حق کے داعیہ نے ان میں ذہنی نیچگی اور قلبی سکون پیدا کر دیا تھا۔ عوام اور خواص کی اکثریت طبعی تدبیر اور اعتدال مزاج کی بیش بہا دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتی تھی اور وہ بجائے دینی قدروں کے سیاسی قدروں کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔

وہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن ان کی ذہنی حالت ابھی غیر مستقل تھی، وہ اگرچہ لا اِلهَ اِلَّا اللہ پڑھتے تھے لیکن اس کی تشریح میں ابھی وہ مختلف قسم کی تاویلات کا شکار تھے، وہ اگرچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی طور پر نبی تسلیم کر چکے تھے لیکن وہ جغرافیائی قدروں پر ایمان رکھتے ہوئے کبھی بھی ایرانیوں پر یوں کا یہ سیاسی تفوق برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

دیگر نو مفتوحہ علاقوں میں عمومی طور پر اور ایران میں خصوصی طور پر یہ ذہنیت جاری تھی، وہ یہودی جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے اور جن کو سیدنا عمر الفاروقؓ نے سرزمین عرب سے نکالا تھا پہلے ہی سے ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے، چنانچہ

(بقیہ حاشیہ از گذشتہ صفحہ) تیسری دفعہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر پھر کدال ماری تو باقی چٹان بھی ٹوٹ کر گر گئی اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر! میں کی گنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں، بخدا صنعاء کے دروازوں کو میں یہاں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۱۴، حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۸)

یہ تمام علاقے خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں فتح ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف پیشگوئیوں میں جو کچھ ان علاقوں کے متعلق فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ہوا۔

انہوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوریوں سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور ان کے سامنے سیدنا فاروق اعظمؓ کو غاصب، جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرتے والا کہنے لگے، ایرانی پہلے ہی سے سیدنا عمرؓ سے نالاں تھے کیونکہ انہوں نے ایران کی سلطنت کو تہس نہس کر دیا تھا اور ان کا سارا مال و متاع حتیٰ کہ ان کے دربار کے قالین اور فانوس بھی دربار خلافت میں مالِ غنیمت کے طور پر لائے گئے تھے اور ان کی لڑکیاں لونڈیاں بنا کر مدینہ طیبہ لائی گئیں، اور یہ سب چیزیں ان کے اندر نفرت و انتقام کے جذبات کو سلگنا رہی تھیں لہذا وہ اسی وقت ان کے ہم نوا بن گئے اور جبر و غصب کے مظلوم شاہانِ عجم کو قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تاکہ اس سے ایک تو خود عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے اور دوسرے اس ذریعہ سے بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں، چنانچہ انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایران اور اہل ایران کی تاریخ کے مطالعہ میں گزارا ہے، لکھتا ہے کہ :-

”راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہل عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارت گرد عجم تھے، اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔“

(تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر براؤن اردو ترجمہ جلد ۱ ص ۲۱)

یہ بھی ڈاکٹر براؤن ایک اور مقام پر اس بہیز کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-
 ”معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کو فتح کر کے سامانی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ ص ۴۸، ۴۹)

اس سلسلہ میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رضائے گرد کے یہ دو شعر نقل کیے ہیں :-

بشکست عمر پشت ہزیرانِ اجم را برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را

بر غصبت خلافت ز علیؑ نیست این عریضہ آلِ عمرؓ کیستہ قدیم است عجم را
یعنی حضرت عمرؓ نے جنگل کے شیروں یعنی اہل ایران کی پشت توڑ کر رکھ دی
اور حبشید خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا، یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے
تھیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی خلافت غصب کر لی بلکہ اس وجہ سے
ہے کہ اہل ایران کی آلِ عمرؓ سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔

(تاریخ ادبیات ایران از براؤن جلد ۹، مطبع انجمن ترقی اردو دہلی)

مختصر یہ کہ اس سیاسی پر خاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے
اہل ایران نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے خلاف عبداللہ بن سباؓ اور دیگر مسلم نمایاں ہودیوں
ساتھ مل کر سازشوں کے زمین و آسمان بچھانے شروع کر دیے جو کہ صولتِ فاروقی کی
وجہ سے خلافتِ فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے لیکن خلافتِ عثمانی کے آخری سالوں میں
انہوں نے ایک دفعہ تو پوری ملتِ اسلامیہ اور مملکتِ اسلامیہ کو ہلا دیا جس کی
تفصیل آگے آ رہی ہے۔

بنی ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اہل ایران نے ایک حربہ یہ بھی استعمال
کیا کہ ساسانی طرزِ حکومت کی طرح اسلام میں ”بادشاہوں کے الٰہی حق“ کے پرہیزگار
کا پرچار شروع کر دیا۔ یہ عقیدہ ایران میں تو نسلاً بعد نسل چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ
ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے۔

”ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور
شد و مد کے ساتھ ایران میں پالا گیا غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک
میں نہیں ملتی۔“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۵)

لے تاریخ انگلستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان بھی کافی زمانے تک اس بادشاہوں
کے الٰہی حق کے عقیدہ پر کاربند رہا ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس عقیدے کے بانی اہل ایران
یا کسی اور ملک کے باشندے۔

اس عقیدے کے پرچار اور خاندان رسالت کے ساتھ اس کی خصوصیت کی ایک وجہ اور بھی ہوئی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد جو کہ خاندانِ کیانی کی آخری یادگار تھا اپنی تمام حشمت و جاہ کے باوجود اہل اسلام سے شکست کھا گیا تو اس کا سب مال و منال دربارِ فاروقی میں مالِ غنیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بن کر سیدنا عمرؓ کے حضور میں آئیں اور مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں، چنانچہ سیدنا حسینؓ کی بیوی شہربانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی۔ لہذا اہل ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولادِ علیؓ کو تخت و تاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیونکہ ان کا رشتہ پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا تھا اور آلِ ساسان سے بھی، چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے :-

”حضرت حسینؓ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا ایسے شیعہوں کے دونوں فریق یعنی اثنا عشریہ اور اسمعیلیہ کے نزدیک (ان کے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں، پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آلِ ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۸)

۱۔ بعض حضرات نے شہربانو کا یزدگرد کی بیٹی ہونا اور سیدنا حسینؓ کی بیوی ہونے کا انکار کیا ہے وہ اپنی تائید میں تاریخ کے چند حوالہ جات بھی پیش کرتے ہیں لیکن حوالوں کے بارے میں ان سے غلط فہمی ہو گئی ہے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ سیدنا زین العابدینؓ کی والدہ کا نام شہربانو تھا اور وہ یزدگرد کی صاحبزادی تھیں۔ ہم اس مسئلہ کو یہاں تفصیل سے بیان کرنا نہیں چاہتے، ویسے اگر کسی کو تفصیل درکار ہو تو ”انکافی مع شرح الصافی جلد ۳ حصہ ۲ ص ۲۹۲، فیوض قاسمیہ از حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۱۶۱، تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۸، جلد ۲ ص ۲۹۲، وسط ایشیا کا مذہب و فلسفہ از گو بی نیو ص ۲۵۵، تجلیات روح ایران در ادب تاریخی از حسین کاظم زادہ ص ۱، منتخب تاریخ از محمد ہاشم بن محمد علی ص ۲۹۹ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اور مقام پر یہی انگریز نقاد لکھتا ہے :-

”تیسرے امام حسینؑ کے زمانے میں جو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے چھوٹے صاحبزادے تھے ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا، کیونکہ متقدمین اور مستند مؤرخین مثلاً الیعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسینؑ کے جہالہ عقد میں تھیں اور ان میں سے ایک صاحبزادے الموسوم بہ علی الملقب بہ زین العابدین تھے جو چوتھے امام تھے جو کہ ایک طرف اولادِ فاطمہؑ سے تھے تو دوسری جانب ایرانی شاہی خاندان سے بھی تعلق رکھتے تھے“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۹)

ایک ایرانی مؤرخ حسین کاظم زادہ اپنی تصنیف ”تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی“ میں شہر بانو دختر یزدگرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

”آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن خطابؓ کے سامنے پیش ہوئیں انہوں نے اسے بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا، حضرت علیؑ اس بات میں مانع ہوئے اور کہا کہ یاد شاہزادگان اور شریفوں کو ننگے سر بازار لے جانا خلافِ ادب ہے، بالآخر وہ تقبیم ہوئیں اور حضرت حسین بن علیؑ کے حصہ میں آئیں“

چند سطور کے بعد یہ مصنف پھر لکھتا ہے کہ :-

”اسی سبب سے حضرت علیؑ کا خاندان ایرانیوں کی نساہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا اور رسولِ خداؐ سے رشتہ کی بناء پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا، صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت و تاج کا مالک ہو سکتا ہے، نیز اسی وجہ سے امام حسینؑ کے فرزند زین العابدینؑ کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے عرب و عجم کا فخر کہتے ہیں کیونکہ باپ کی جانب سے اُن کا نسب پیغمبر اکرمؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتا

ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر فستہی ہوتا ہے۔“

تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی ص ۴۰
اولاد علیؑ اور خصوصی طور پر سیدنا حسینؑ کی اولاد کا سلسلہ ایک طرف سے آل ساسان سے قائم کر کے اور دوسری طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کر کے ”بادشاہت کا الہی حق“ جو ساسانیوں کو ان لوگوں نے دیا تھا وہی اولاد علیؑ کو بھی دینا چاہا اور سرزمین عرب میں اس ساسانی نظریہ کو ایک اسلامی عقیدے کے رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

عرب کے لوگ فطرۃ شورا فی نظام کے قائل تھے اور اب اسلام نے بھی ان کو و شاورہم فی الامر۔ و امرہم شورای بینهم کی تعلیم دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی شورا فی نظام کے تحت ہوا تھا، لہذا ایرانیوں کے اس نظریہ کے تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے امتزاج کے دوزبردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کے برگ و پار سے ابھی تک شیعہ سنی منافرت پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے کہ:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کیلئے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا۔“ تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۷
ایک اور مقام پر بھی مصنف لکھتا ہے:-

شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی ”جمہوریت اور بادشاہوں کے حق الہی“ کا جھگڑا ہے عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں، لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الہی یا فیم الہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں، جو طبعاً اس بات

تاک کو گوارا نہیں کر سکتیں کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسمعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۹، ۳۰)

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن و سنت کی رُو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار شروع ہو گیا کہ :-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے برادرِ عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے شوہر حضرت علیؓ کو ان کا جانشین بنایا گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں نامزد فرمایا تھا نیز یہ کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے فاندان میں بطور حق الہی کے منتقل ہونی چاہیے تھی۔“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۸)

سیدنا محمدؐ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات

عرب کے جلاوطن شدہ یہودی اور ایران کے مجوسیوں کے گھٹھ جوڑ سے خلافتِ اسلامیہ کے خلاف جو خفیہ تحریکیں اٹھائی گئیں سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ان کو زیادہ برگ و بار پھیلانے کا موقع نہ مل سکا، اس کی کئی وجوہات تھیں لیکن سب سے بڑی وجہ خود سیدنا عمرؓ کی صولت اور رعب و داب تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی شخصیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے مدبرین اور جبارہ آپ سے ٹھراتے تھے، دین اور امورِ انتظامیہ میں ذرہ برابر مداخلت کو برداشت کرنا آپ کے لیے مشکل تھا، چنانچہ ایک موقع پر خود ہی فرماتے ہیں :-

وَاللّٰہِ لَا اَنْ قَلْبِیْ فِی اللّٰہِ حَتّٰی لَہُوْا لَیْنٌ مِّنَ الذِّیْدِ وَلَقَدْ اَشْتَدَّ

قَلْبِي فِي اللَّهِ لَهُوَ أَشَدُّ مِنَ الْحَجَرِ

بخدا میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ جھاگ سے بھی زیادہ
نرم ہے اور خدا ہی کے لیے سخت بن گیا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔
اس کی ایک مثال تو وہ ہے جسے ابن سعد رحمہ اللہ نے ”طبقات“ میں نقل
فرمایا ہے کہ: غزوہ بدر میں کفارِ مکہ نے بنو ہاشم کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا
تھا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ حضرت عباس اگر کہیں
نظر آئیں تو انہیں قتل نہ کرنا، حضرت ابو حذیفہؓ جو کہ قریشی لشکر کے سردار عتبہ بن ربیعہ
کے بیٹے تھے چونکہ جوش میں آئے ہوئے تھے اس لیے جوش کی حالت میں ان کی زبان
سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مرہ
چکھاؤں گا، سیدنا عمرؓ ابو حذیفہؓ کے منہ سے یہ گستاخی آمیز کلمات سُکر آپؐ سے
باہر ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ
میں اس کا سراڑا دوں، (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۷۲ تذکرہ سیدنا عباسؓ)
اس کے ساتھ ساتھ آپؐ باطلع غیور بھی تھے جس کا اقرار خود لسانِ نبوت نے
بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے جسے صحاح کی تقریباً سب کتابوں نے باختلاف الفاظ
نقل کیا ہے کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اور آیات الہی آپؐ کو دکھائیں وہاں
جنت کا مشاہدہ بھی کروایا، آپؐ نے فرمایا عمرؓ اوہاں میں نے ایک عالیشان طلائی
محل دیکھا جو تمہارے لیے مخصوص تھا میں نے اس میں جانا چاہا لیکن مجھے تمہاری غیرت
یاد آگئی اور میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے لسانِ نبوت سے جب یہ سنا تو
رونے لگے اور عرض کیا :-

”أَعَلَيْكَ أَغَامٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ (بخاری ج ۱ ص ۵۲)

اے اللہ کے رسولؐ! کیا میں آپؐ پر غیرت کروں گا؟
آپؐ کی اس صولتِ بغیرت، حمیت اور فتنہ و فساد کے مقابلہ میں تشدد کی پالیسی
نے اس فتنہ کے آتشیں لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا لیکن پھر بھی آپؐ کی زندگی کے آخری

ایام میں اس طوفان کی کچھ تیز ہواؤں نے امت کو اپنا احساس دلا دیا اور انہی خفیہ سازشوں کا نتیجہ نکلا کہ ابولؤلؤ مجوسی نے جس کا اصلی نام فیروز تھا، صبح کی نماز میں اچانک آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۱) فاروق اعظمؓ کے قتل میں وہ اکیلا ہی شریک نہ تھا بلکہ ایک نو مسلم ایرانی ہرمزان اور دوسرے کئی ایک ایرانیوں کی حمایت اس کی پشت پر تھی۔ جس کی تفصیل ہم نے سیدنا عثمانؓ کی سیرت میں ذکر کی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت

یہی فتنہ کے برگ و بار

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمانؓ تخت خلافت پر تھکن ہوئے، آپ فطری طور پر نرم دل اور سلیم الطبع تھے، مروت و نرم خوئی آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ آپ کے مزاج کے خلاف تھا، اس لیے آپ کے دورِ خلافت میں شریروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنی تحریک کو تیزی کے ساتھ چلاتا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن سباؓ قائدِ تحریک بڑا فتنان اور سازشی ذہن کا مالک تھا، لہذا اُس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور اپنی اس تحریک کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے اس نے عجیب و غریب عقائدِ اختراع کیے اور خفیہ طور پر ہر صوبے میں ان کو پھیلا دیا۔

عہدِ عثمانی میں قریباً ۷-۸ سال تک حالات معمول پر رہے لیکن آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں عبداللہ بن سباؓ اور اس کے داعی اور سفیروں نے ہر جگہ دور سے کر کے خلیفہ اسلام اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن و عافیت کی نقصا کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں سے مسموم بنا دیا، اہلبیتِ نبوت کی ہمدردیاں

حاصل کرنے کے لیے محبت اہل بیت کا نعر لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے حسب ذیل طریقے اختیار کیے گئے۔

(۱) عمال اور گورنروں کو دق کرتا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے اتہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔

(۲) امیر المؤمنین پر نا انصافی اور کُنیہ پروری کے الزامات کی تشہیر کرنا۔

(۳) بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا اور اپنے دامنِ تزویر میں پھانسا۔

ان طریقوں سے انہوں نے عوام میں خلافت کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی اور تمام اسلامی مرکزوں میں اس سازش کا جال بھیلادیا، نیز ہر جگہ سبائی دعاۃ اور ان کی خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا گیا کہ چند ہی روز میں ملک کی امن و عافیت کی ساکن فضا میں فتنہ و فساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔ (طبری جلد ۹، البدایہ جلد ۶، ص ۶۸) مگر اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ یہ عبداللہ بن سباؓ کو مسلم یہودی کا مسکن تھا لیکن کوفہ میں بھی اس کے اثرات کچھ کم نہ تھے۔ وہاں اشتر نخعی، ابن الحنکہ، جندب بن صفصہ بن الکواد، کبیل، عمیر بن ضبابی اس تحریک کے سرپرست تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۲، ص ۶۹) ان لوگوں کا خیال تھا کہ ریاست و امارت قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ جواز نہیں، ان ممالک کو چونکہ عام مسلمانوں نے فتح کیا ہے لہذا وہ سب اس کے مستحق ہیں خواہ وہ کسی قبیلہ یا کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ گورنر کوفہ سعید بن العاصؓ سے ان لوگوں کو خاص رنج تھا کیونکہ وہ اُن پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، لہذا انہوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے ہر روز ایک نئی تدبیر سوچنا شروع کر دی، ایک روز انہوں نے ایک نوجوان کو مارا پیٹا، ان مفسدہ پردازوں سے تنگ آکر سعید بن العاصؓ اور اشتراف کو فتنے امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ خطرات ان فتنہ جو اشخاص سے جلد از جلد کوفہ کی سرزمین کو نجات دلائی جائے، امیر المؤمنینؓ نے قیاس امن کی خاطر قریبادس آدمیوں کو

جو کہ اس تحریک کے روح رواں تھے کوفہ سے جلا وطن کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس
 شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ فتنہ پرداز لوگ ہیں ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اگر یہ
 اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں تو انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ (الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۷۷)
 سیدنا معاویہؓ کے پاس جب یہ لوگ پہنچے تو آپ نے ان کی بڑی خاطر مدارات
 کی اور نرمی سے پوری کوشش کی کہ یہ لوگ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز آجائیں اور
 حکومت وقت کے ساتھ تعاون کریں، لیکن وہ لوگ نرمی سے کب ماننے والے تھے انہوں
 نے اپنی طینت کی دناؤت کا مظاہرہ کیا اور ان کی نرمی و ملائمت کا جواب سختی سے دیا،
 ان کا یہ رویہ دیکھ کر آپ نے بھی سختی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا:-

”یاد رکھو یہ کوفہ نہیں ہے، بخدا اگر شام کے لوگوں نے تمہاری اس قسم کی
 حرکتیں دیکھ لیں تو میں ان کا امام ہونے کے باوجود انہیں تمہارے قتل
 سے باز نہ رکھ سکوں گا، واللہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہاری کوئی
 باہمی سازش ہے۔“ (طبری جلد ۵ ص ۸۹)

سیدنا معاویہؓ نے جب ان کے مرض کو لا علاج دیکھا تو امیر المؤمنین سیدنا
 عثمانؓ کو لکھ دیا،

”یہ لوگ جن کو آپ نے میرا پاس بھیجا ہے عقل و دانش سے بالکل محروم ہیں
 اور دین سے ان کا کوئی سروکار نہیں، اللہ کی رضا ان کا مقصود زندگی نہیں
 اور دلیل و حجت سے بات کرنے کا ان میں سلیقہ نہیں، صرف فتنہ برپا کرنا
 اور دمیوں کے مال کو ہٹپ کرنا ان کا مقصد ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان
 کو یہ مصیبت میں مبتلا کرے گا اور فتنہ و فساد کی بجائے یہ امت کے لیے

لے ایک روایت میں نوادی آتا ہے۔ بہر حال انکے نام یہ ہیں: مالک الاشتر النخعی، ثابت بن قیس الہمدانی،
 کبیلہ بن زیاد، زید بن صوحان، معصوم بن صوحان، جندب بن زہیر، غانم، جندب بن کعب، زدی، عروہ
 بن الحید، عمرو بن الحنفی، الخزاعی، ابن الکواہم۔ البدایہ میں ابن کثیر نے کچھ ناموں کا اختلاف بتایا ہے۔

ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۵، الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۷۷

جلا ہے میں اُمید ہے کہ یہ اس میں خود ہی چل جائیں اور انجام کار ان کو
ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا،“ (الکامل بن الاثیر جلد ۲ ص ۱۷۱)
آپ نے یہ بھی لکھا :-

”امیر المؤمنین ! ان کی اصلاح میرے بس کار و گ نہیں اور میں شام میں
ان کا رہنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ خطرہ ہے کہ ان کے زہر سے یہاں کی فضا
بھی مسموم نہ ہو جائے لہذا آپ خود ہی ان کا کوئی بندوبست فرمادیں۔“
امیر المؤمنینؑ نے جواب میں حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ : ”ان لوگوں کو واپس کوفہ ہی
میں بھیج دیا جائے“ چنانچہ ان کو پھر کوفہ میں بھیج دیا گیا لیکن کوفہ کے گورنر سعید بن العاصؓ
پھر دربار خلافت میں ملتی ہوئے کہ خدارا ان کو کہیں اور بھیج دیا جائے اور کوفہ کی سرزمین کو
ان کے ناپاک وجود سے محفوظ رکھا جائے“ اس پر امیر المؤمنینؑ نے سعید بن العاصؓ کو
لکھا کہ ان کو حمص بھیج دیا جائے جہاں سیدنا خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمن
سیدنا امیر معاویہؓ کی طرف سے منتظم تھے۔ آپ نے ان لوگوں کی اصلاح کرنے میں سختی سے
کام لیا اور ایک سال کے بعد آپ صرف اتنی بات میں کامیاب ہوئے کہ وہ دربار خلافت
میں تلافی یافتہ کریں۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمن ابن خالد نے مالک الاشتر کو حکم دیا کہ وہ
مدینہ منورہ حاضر ہو کر دربار خلافت میں ان سب کی طرف سے بالمشافہ ایک عذر نامہ
پیش کرے، چنانچہ مالک الاشتر عذر خواہی کے لیے سیدنا عثمانؓ کے حضور مدینہ منورہ
روانہ ہو گیا۔ (طبری جلد ۸۸، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۶)

بصرہ میں فتنہ کی ابتداء

بصرہ میں سیدنا عمر افاروقؓ کے زمانہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر تھے لیکن
سیدنا عمرؓ کے آخری ایام میں وہاں ایک جماعت ان کی مخالفت ہو گئی تھی اور وہ آئے دن
ان کی شکایتیں دربار خلافت میں پہنچاتی رہتی تھیں لیکن صولت فاروقی ان کو اپنے مقصد

میں کامیاب نہیں ہونے دیتی تھی۔ خلافت عثمانی میں ان لوگوں نے امیر المؤمنین سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، مطالبہ کی شدت کے باعث امیر المؤمنین نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو: الکامل جلد ۳ ص ۴۹)

عبداللہ ابن عامرؓ کو گورنر مقرر ہوئے ابھی تین ہی سال گزرے تھے کہ ایک روز انہیں پتہ چلا کہ حکیم بن جبلة العبدی کے ہاں ایک خطرناک آدمی آیا ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن سباءؓ نو مسلم یہودی ہے اور اس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ ایسی باتیں کی ہیں جن میں سیدنا عثمانؓ اور خلافت اسلامیہ کے خلاف طعن و تشنیع اور بغاوت کے کئی پہلو نکلتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عامرؓ نے اس شخص کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ عبداللہ ابن سباءؓ نے جواب دیا کہ میں اہل کتاب ہوں، اسلام کے ساتھ مجھے محبت ہے اور میں یہاں آپ کی ولایت میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ لیکن گورنر بصرہ نے جواب میں فرمایا کہ تمہاری کارکردگی کی جو رپورٹیں مجھے پہنچی ہیں ان کی رو سے میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا، چنانچہ وہ یہاں سے بھاگ کر کوفہ چلا گیا، کوفہ میں بھی سعید بن العاصؓ اس کی خیانت پر مطلع ہو گئے اور انہوں نے اس کو وہاں سے بھی نکال دیا، پھر آخر میں اُس نے اپنا مستقر مصر کو بنایا۔ (الکامل لابن الاثیر ص ۱۷۷) مصر کو مستقر بنانے کے بعد ایک طرف تو اس نے نبوت کے بارے میں اسلامی عقیدہ میں تاویلات کے انجکشن لگانے شروع کر دیئے، اور خلافت کے بارے میں یہ کہنا شروع کیا کہ

اے یہ شخص ایک ڈاکو تھا اور اس کا کام فتنہ و فساد برپا کرنا اور اہل ذمہ کے مال و اسباب کو لوٹنا تھا۔ ذیہوں اور مسلمانوں نے دربار خلافت میں اس کی شکایت کی جس کے نتیجہ میں سیدنا عثمانؓ نے عبداللہ ابن عامرؓ کو لکھا کہ اس شخص کو اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہو جائے بصرہ سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ عبداللہ ابن عامرؓ نے امیر المؤمنین کے اس حکم کی تعمیل کی، اس وجہ سے یہ عبداللہ ابن عامرؓ کو دل سے اچھا نہیں جانتا تھا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؑ کو اپنا وصی بنایا تھا اور جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح علی ابن ابی طالب خاتم الاولیاء ہیں لہذا سیدنا علیؑ سیدنا عثمانؓ سے خلافت کے بارہ میں زیادہ مستحق ہیں، اس طریقے سے اس نے مصر کے کافی لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا مصر کی سرزمین کو اپنے مشن کے لیے ہموار دیکھ کر مصر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور وہاں سے بصرہ، کوفہ اور دوسرے علاقوں کی جماعتوں کو مختلف قسم کی ہدایات دی جلتے لگیں اور خفیہ خط و کتابت اور دعا کی مدد سے سیدنا عثمانؓ اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو تیزی کے ساتھ بھڑکانا شروع کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۷، ۱۶۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۱)

عبداللہ ابن سبا کی حکمت عملی

اور مختلف لوگوں کی مخالفت کی وجوہات

عبداللہ ابن سبا اور اس کے داعیوں کی کوششوں سے مفسدین کی جماعت ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی لیکن ہر علاقہ کے مفسدین کا نقطہ نظر الگ الگ تھا اور آئندہ خلیفہ کے بارہ میں ہر ایک کی نظر بھی الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہل کوفہ سیدنا زبیرؓ پر نگاہ جمائے ہوئے تھے، اہل بصرہ سیدنا طلحہؓ کو پسند کرتے تھے، اہل مصر سیدنا علیؑ کے ساتھ اپنے دامن عقیدت کو باندھے ہوئے تھے، عراق کے لوگوں کی ایک جماعت قریش کے تمام افراد سے بغض و عداوت رکھتی تھی، اور ایک جماعت سر سے عربوں ہی کی دشمن تھی لیکن عبداللہ ابن سبا نے اپنی حکمت عملی سے کام لے کر سب کو مخالفت عثمانؓ پر متحد و متفق کر دیا جس کی وجہ سے سب ایک ہی نعرہ لگانے لگے کہ ہم عثمانؓ کی معزولی چاہتے ہیں

پھر ان مختلف انجیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد میں بھی ہم آہنگی نہ تھی۔
(۱) بنو ہاشم خلافت کے مناصب اور سرکاری عہدوں کا اپنے کو سب سے زیادہ مستحق

سمجھتے تھے لہذا وہ بنو امیہ کو عروج و ترقی کی بجائے تنزل و ادبار کی گہرائیوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

(۲) یہودی یہ چاہتے تھے کہ اہل اسلام میں ایسا تشدد و افتراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے اور ہمیں جزیرہ عرب میں سکونت اختیار کرنے کا موقع مل جائے۔

(۳) مجوسی یہ چاہتے تھے کہ خلافت اسلامیہ کلی طور پر تاخت و تاراج ہو جائے جس طرح مملکت کسری تباہ ہوئی ہے یا کم از کم اس میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے جس میں حکومت ایسے خاندان کے ہاتھوں میں آجائے جس سے وہ بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور وہ عربوں پر اپنا سیاسی تفوق قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

(۴) عام قبائل عرب اعلیٰ مناصب، سرکاری عہدوں اور دوسری باتوں کے استحقاق میں اپنے کو قریش سے کم نہیں سمجھتے تھے لہذا وہ قریشی افسروں کی تمکنت اور تفوق کو توڑ کر اپنا تفوق قائم کرنا چاہتے تھے۔

ان وجوہات کی بناء پر مختلف علاقوں کی مختلف جماعتوں نے عبداللہ ابن سبا کا ساتھ دیا اور ہر جماعت اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے سیدنا عثمانؓ کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگی۔

ابتدائی کاروائیاں

مفسدین کو خطرہ تھا کہ اگر ہم نے پہلے ہی امیر المؤمنین کی معزولی کا مطالبہ شروع کر دیا تو لوگ اتنی کثرت سے ہمارا ساتھ نہیں دیں گے جس سے ہماری یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ پہلے امیر المؤمنین کے گورنروں پر چھوٹے الزامات لگا کر ان کو معزول کروایا جائے، اگر وہ معزول ہو گئے تو نئے مفسدین گورنروں سے امیر المؤمنین کو معزول کروایا جائے، اور اگر امیر المؤمنین گورنروں کو معزول

نہ کیا تو ان پر نااہلی کا الزام لگا کر معزولی کی مہم کو تیز کر دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہناتے کے لیے انہوں نے سب سے پہلے ولید بن عقبہؓ کو زہر کو فہ پر شراب خوری کا الزام قائم کیا اور دربار خلافت سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ولید بن عقبہؓ پر شراب خوری کا یہ الزام ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا حالانکہ ولید بن عقبہؓ تقویٰ و طہارت اور قلبی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھے، رعیت کے ساتھ بہت شفیع تھے اور اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے اس قدر وقت کر دیا کہ گھر کا دروازہ تک نہیں لگوا یا تھا تا کہ اہل حاجت کو آنے میں تکلیف نہ ہو۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۲) اسی کوفہ کے لوگوں نے اُن کے خلاف دربار خلافت میں یہ الزام تراش دیا کہ انہوں نے شراب پی ہے، امیر المومنین نے ان کو مدینہ منورہ طلب فرمایا، دو آدمیوں نے شہادت دی کہ ہم نے ان کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے اور شراب ان کی داڑھی سے ٹپک رہی تھی۔ اس پر سیدنا علیؓ نے حد جاری کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے چالیس دڑے مارے۔ جب ولید بن عقبہؓ پر حد جاری ہونے لگی تو وہ ایک سیاہ رنگ کا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، سیدنا علیؓ نے اس کو اتارنے کے لیے کہا۔ ولید بن عقبہؓ نے اس کپڑے کو اتار دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اکمال لابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۲، ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۵)

انہی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا، اس ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے سواحل شام پر ۵۰۰ جہازوں کی مدد سے حملہ کیا تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے سند کے اندر جا کر اس کا مقابلہ کیا، دشمن کی فوج اور اس کے جہازوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے مسلمان نہایت پریشانی میں مبتلا تھے، خوف و ہراس کے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے جو سبائی پرو پگنڈے سے متاثر ہو کر اس تحریک کے پُرچوش رکن بن چکے تھے لشکر اسلام میں فتنہ انگیزی اور شروفساد

کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، حالانکہ یہ موقع شکر اسلام کے ساتھ تعاون کرنے کا تھا، یہ دونوں حضرات عبداللہ بن ابی سرح کی بہت مخالفت کرتے، بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے، غرض ہر طریقے سے ان کو دق کرتے، مجاہدین اسلام سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلے میں جہاد کرنے جا رہے ہو حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے، لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں مجاہدین کی کیا ضرورت ہے؟ تو وہ دونوں سیدنا عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ ان کو معزول کرنا اسلام کی بڑی خدمت ہے کیونکہ اس نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کو چھوڑ دیا ہے اور اکابر صحابہؓ کو معزول کر کے سعید بن العاصؓ اور عبداللہ بن عامرؓ جیسے لوگوں کو گورنری کی کرسی پر بٹھا دیا ہے اور کہتے :-

وَدَمُهُ حَلَالٌ لَّأَنَّهُ اسْتَعْمَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَعْدٍ وَكَانَ قَدْ ارْتَدَّ وَكَفَرَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ وَأَبَاحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهُ وَأَخْرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامًا وَاسْتَعْمَلَهُمْ عُثْمَانُ - رَالَيْدَايَهُ وَالنَّهْيَايَةَ جَاءَ مَكَّاهُ

عثمانؓ کا خون وہانا حلال ہے کیونکہ اس نے عبداللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا ہے حالانکہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور قرآن پاک کا اس نے انکار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کے پیش نظر اس کا خون حلال کر دیا تھا، نیز عثمانؓ نے ایسے لوگوں کو حکومت کے متناصب پر متعین کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلادِ وطن کیا تھا۔

غرض ہر طرح سے انہوں نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو خلافت اسلامیہ سے برگشتہ کر کے اسلامی بیڑے میں شامل نہ ہونے دیا جائے لیکن اہل اسلام نے ان کی ایک نہ سستی، چنانچہ جب اسلامی بیڑہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو انہوں نے بھی اسلامی بیڑے کے جہازوں میں سوار ہونے کی کوشش کی لیکن امیر البحر سیدنا عبداللہ بن ابی سرحؓ نے محمد بن ابی حذیفہ کی یہ چال دیکھ کر فرمایا :-

”لَا تَرْكِبُ مَعَنَا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۹) تم لوگ ہمارے ساتھ سواری مت ہونا“

امیر البحر کا یہ حکم سنکر وہ ایک الگ کشتی پر سوار ہو کر اسلامی بیڑے کے تعاقب میں گئے اور راستہ میں جہاں جہاں لشکر انداز ہوتے وہ دونوں اپنی کشتی کو قریب لے جا کر سیدنا عثمانؓ اور امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعدؓ کے خلاف اُکساتے، پھر جب اس اسلامی بیڑے کی رومی بیڑے سے مدد چھوڑ ہوئی اور سطح سمندر پر میدان کارزار گرم ہوا اور کشتیوں کے پشے لگ گئے اور اتنا خون بہا کہ :-

”غَلَبَ الدَّمُ عَلَى كَوْنِ الْمَاكِ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۵۷)

خون پانی کے رنگ پر غالب آگیا“

اس آڑے وقت میں بھی ان دونوں نے مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہ بٹایا بلکہ دور اسی کشتی پر سوار مسلمانوں اور رومیوں کے مفتر کے اس کھیل کو دیکھتے رہے، اسلامی لشکر کی فتح کے بعد جب مسلمانوں نے جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ان کو ملامت کی تو ان دونوں نے کہا :-

کیف نقاتل مع عبد اللہ بن سعد؟ استعملہ عثمان وعثمان

فعل کذا وکذا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۵۹)

ہم عبداللہ بن سعدؓ کی قیادت میں کیسے لڑ سکتے ہیں؟ اس کو عثمان نے عامل بنایا ہے اور عثمان نے فلاں فلاں غلط کام کیا ہے۔

اور پھر انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی برائیوں اور مثالب کی خود ساختہ ایک طویل داستان بیان کرنا شروع کر دی۔ امیر البحر کو جب ان کی اس فتنہ پر دازی کا علم ہوا اور انہیں پتہ چلا کہ یہ دونوں ہنرات کسی طرح بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ دوسروں پر بھی اپنا اثر کر رہے ہیں تو انہوں نے ان کو نہایت سختی سے منع کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۷، ۱۵۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸، ۵۹)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کا نظریہ معیشت

انہی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جس کو مفسدین نے مشہور کر کے فائدہ اٹھانے

کی کوشش کی اور کئی مقام پر انہوں نے کافی حد تک فائدہ بھی اٹھایا، وہ واقعہ مسیح الاسلام سیدنا ابوذر غفاریؓ کا اپنے نظریہ معیشت کی تبلیغ تھا اور اسی نظریہ نے ان کو مقام ربذہ میں خلوت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔

سیدنا ابوذر غفاریؓ قطری طور پر درویش نش، تارک الدنیا، زہد پیشہ اور عزت پسند بزرگ تھے، زمانہ رسالت ہی سے وہ زہد پیشہ تھے لیکن صدیق اکبرؓ کی وفات نے ان کو اور زیادہ شکستہ خاطر کر دیا تھا، چنانچہ اسی زمانہ میں انہوں نے مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر شام کی غربت کی زندگی اختیار کی۔ (الاستیعاب لابن عبد البر جلد ۱ ص ۸۳)

عہد رسالت اور شیخین کا زمانہ اصل سادگی اور بے تکلفی کا بہترین نمونہ تھا لیکن خلافت فاروقی کی فتوحات نے مال و دولت کی فراوانی پیدا کر دی، ہر روز کی فتوحات نے مدینہ منورہ اور دیگر صوبوں میں دولت کے انبار لگا دیئے جس سے قدرتی طور پر بے تکلفی کی جگہ پر تکلف اور سادگی کی جگہ پر تمدن کی نقش آرائیوں نے لے لی۔ ان چیزوں کے اثرات خلافت فاروقیؓ کے شروع میں تو کچھ ظاہر نہ ہوئے لیکن خلافت فاروقیؓ کے اواخر میں عام مسلمانوں کی زندگی پر اس کے بہت سے اثرات رونما ہو گئے۔ سرزمین شام چونکہ سرحدی علاقہ تھا اور رومیوں کی تہذیب سرحد پار اپنے پوسے عروج پر تھی، لہذا متقابلہٴ دوسرے حصوں کے یہاں کے مسلمانوں کی زندگی زیادہ شان و شوکت کی حامل تھی جس میں زیادہ دخل حکومت کی سیاسی حکمت عملی کو بھی تھا جس کا اجمالی تذکرہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

سیدنا ابوذرؓ کو مسلمانوں کی ایسی زندگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، وہ عہد رسالت اور شیخین کے زمانہ کی سادگی اور بے تکلفی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دل مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا کسی حالت میں بھی جائز نہ تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے اس نظریہ معیشت کی بڑی بیباکی کے ساتھ تبلیغ شروع کر دی اور امراء اور حکومت وقت پر اعتراض اور ان کی دولت و شہمت اور ساز و سامان پر نمکتہ چینیوں شروع کر دیں۔ سیدنا ابوذرؓ

اپنے اس نظریہ معیشت کی تائید میں قرآن پاک کی اس آیت استدلال کرتے :-
 وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (سورۃ التوبہ)
 جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں
 کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

سیدنا امیر معاویہؓ سیدنا ابوذرؓ کے اس آیت سے اپنے نظریہ کے استدلال
 کو غلط ٹھہراتے اور فرماتے کہ اس آیت سے قبل یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے
 اس آیت کا تعلق بھی انہی سے ہے مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لیکن سیدنا
 ابوذر غفاریؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے متعلق ہے،
 غیر مسلموں سے اس کے اختصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ
 وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ - سے ابوذرؓ اپنا سارے کا سارا مال اللہ کے
 راستہ میں خرچ کرنا مراد لیتے، اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ فرماتے کہ یہ صرف
 زکوٰۃ سے متعلق ہے، زکوٰۃ کے فریضہ کا ادائیگی کے بعد ہر قسم کی دولت جمع کرنے کا
 مسلمانوں کو اختیار ہے لیکن سیدنا ابوذر غفاریؓ جس شے کو صحیح سمجھے ہوئے تھے
 اور جس نظریہ کو انہوں نے ساری زندگی اپنا کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالا تھا
 وہ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے کسی حالت میں بھی تیار نہ تھے اور نہ ہی اس
 نظریے کی تبلیغ سے باز رہ سکتے تھے لہذا انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ ان لوگوں
 کو طعن و تشنیع شروع کر دی جو ان کے نظریہ کے حامی نہیں تھے۔

سیدنا معاویہؓ نے ابوذرؓ کے اس فکر کی جب یہ سختی دیکھی تو انہیں یہ خیال ہوا
 کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ
 انہوں نے امیر المؤمنینؓ کو ان حالات سے مطلع کیا، امیر المؤمنینؓ نے لکھا کہ ان کو میرے
 پاس مدینۃ النبی میں بھیج دیا جائے، چنانچہ سیدنا ابوذرؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا،
 لیکن مدینہ کی حالت بھی اب وہ نہیں تھی جو ابوذرؓ نے عہد رسالت اور شیخین کے زمانہ

میں دیکھی تھی، وہ مدینہ میں کے لوگ سادگی اور زہد میں تمام دنیا کے لیے ایک آئیڈیل تھے، وہی لوگ اور ان کی موجودہ نسل اب حضرت ابوذرؓ کی سادگی کو تعجب کی نظروں سے دیکھتے، جہاں وہ جلتے ہر جگہ ان کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا ہجوم لگ جاتا، آپ نے یہاں بھی اپنے لیے ماحول کو سازگار نہ پایا لہذا امیر المؤمنین سے عرض کیا کہ میں ربذہ میں جو کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں مکہ کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں، امیر المؤمنین نے اجازت دیدی، آپ مع اپنے اہل و عیال وہاں تشریف لے گئے۔ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت امیر المؤمنین نے بڑی شان اور بہت خاطر و مدارات کے ساتھ رخصت کیا اور دو لونڈیاں، کچھ اونٹنیاں اور کچھ روپیہ بھی دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۵۵، ۱۵۶، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۷، ۵۸)

سیدنا ابوذرؓ کے ربذہ تشریف لے جانے کو مفسدین نے خوب اچھالا اور امیر المؤمنین کے خلاف اس چیز کو باقاعدہ ایک الزام کی صورت میں تمام ملک میں مشہور کر دیا کہ امیر المؤمنین کے خلاف سیدنا ابوذرؓ بھتیجی بیان کرتے تھے لیکن وہ حق نہیں سُننا چاہتے تھے اس وجہ سے امیر المؤمنین نے ان کو مدینہ بدر کر دیا ہے۔

امیر المؤمنین کے خلاف یہ الزام کہاں تک صحیح ہے؟ اس کا جواب ہم نے اپنی کتاب ”سیدنا عثمانؓ“ شخصیت اور کردار میں دیا ہے، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا ابوذرؓ کے ربذہ میں سکونت پذیر ہونے نے بھی مفسدین کے امیر المؤمنینؓ کے خلاف الزامات کی فہرست میں ایک اور الزام کا اضافہ کر دیا۔ سیدنا ابوذرؓ کا یہ فعل ان کی طہارت نفس اور نیک نیتی کی وجہ سے تھا لیکن مفسدین نے اس کو لوگوں کے سامنے غلط رنگ میں پیش کیا، خود سیدنا ابوذرؓ کو بھی وغلا نے کی کوشش کی، چنانچہ عراقیوں کا ایک وفد ان کے پاس ربذہ پہنچا اور کہا کہ عثمانؓ نے آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا، عثمان کے ناروا سلوک ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کو شام اور مدینہ آباد شہر چھوڑ کر یہاں ویرانہ میں قیام کرنا پڑا، ہم لوگ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے

ہمیں امیر المؤمنین سے زیادہ آپ سے ہمدردی ہے، لہذا اگر آپ امیر المؤمنین کے خلاف علم بغاوت بلند کریں تو ہم لوگ اس معاملہ میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے آپ نے عراقی مفسدوں کی یہ بات سن کر فرمایا:-

”مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو اور اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا وہ توبہ کی قبولیت سے محروم رہا اگر عثمانؓ مجھ کو سُولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا اور میں اسی بات میں اپنے لیے بہتری سمجھتا، اگر وہ مجھے بجائے زندہ کے ایک اُفق سے دوسرے اُفق یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے تب بھی میں اُن کے سامنے تسلیمِ خم کر دیتا اور اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا اور اگر وہ مجھے کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی پر لوٹا دیتے تو بھی مجھے کوئی عذر نہ ہوتا اور میں اس میں بھی اپنی سعادت سمجھتا“ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۲۸، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۱۱۴)

سیدنا ابوذرؓ کے منہ سے یہ جواب سن کر وہ اپنا سامنے لے کر واپس چلے گئے لیکن لوگوں کو امیر المؤمنین کے خلاف اکسانے کے لیے وہ اس الزام سے برابر مدلیتے رہے۔

گورنروں کی مجلس شوریٰ کا انعقاد

خلافتِ اسلامیہ میں سبائیوں نے جو طوفانِ بدتمیزی اٹھا رکھا تھا اور امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کے خلاف فتنہ و فساد کی جواگ وہ بھڑکا رہے تھے امیر المؤمنین ان سب باتوں سے بے خبر نہ تھے پھر جن الزامات کی بنیاد پر انہوں نے سازش اور انقلاب کی یہ عمارت کھڑی کی تھی امیر المؤمنین کی نگاہ ان کی طرف بھی تھی۔ ان الزامات کے باذیل جوابات بھی آپ کے پاس موجود تھے لیکن آپ بار بار صفائی پیش کر کے اپنی پوزیشن مشکوک نہیں بنانا چاہتے تھے، آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ فتنہ و فساد کی جواگ دشمنانِ اسلام نے بھڑکائی ہے اس کا بجھانا کوئی آسان کام نہیں لیکن پھر بھی آپ نے

مشورش کے رفع کرنے اور شکایتوں کے ازالہ کے لیے ایک آخری کوشش کی اور الخلافت
مدینہ طیبہ میں اپنے تمام گورنروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد فرمائی تاکہ اس فتنہ کے فرو
کرنے کے لیے کچھ سوچ بچار کیا جاسکے، اس مجلس شوریٰ میں جن لوگوں نے شرکت کی ان
میں سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا سعید بن العاصؓ اور سیدنا عبداللہ بن
سعد بن ابی سرحؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجلس دومین روز تک جاری رہی شروع میں سیدنا عثمانؓ نے ایک مختصر سی تقریر
کی جس میں مجلس کے انعقاد کی وجوہات بیان فرمائیں اور فرمایا:-

”ان لكل امري ونسراء ونصحاء وانكم وزلائي ونصعائي و
اهل ثقتي وقد صنع الناس ما قد رأيتم وطلبوا الي ان
اعزل عمالي وان اجمع عن جميع ما يكرهون الي ما يحبون
فاجتهدوا رأيكم۔“ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۷۵)

ہر ایک آدمی کے کچھ وزیر اور صاحب مشورہ لوگ ہوتے ہیں اور تم میرے
وزیر، صاحب مشورہ اور قابل اعتماد لوگ ہو، اور لوگوں نے جو کچھ (ملک میں)
کیا ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو، ان کا مطالبہ ہے کہ میں اپنے گورنروں
کو معزول کر دوں اور جن چیزوں کو وہ پسند نہیں کرتے ان سے جو
کر کے ان کی مرضی کے موافق ہر کام کروں، لہذا تم مجھے اس بارہ میں اپنی
لاٹ سے آگاہ کرو تاکہ کسی اجتماعی فکر پر پہنچا جاسکے اور اس فتنہ کو
دبانے کے لیے کچھ کیا جاسکے۔

ہر گورنر نے الگ الگ اپنی رائے امیر المؤمنین کے گوش گزار کی، سیدنا عبداللہ بن
عاصؓ گورنر بصرہ نے کہا:-

”امیر المؤمنین میری رائے یہ ہے کہ آپ اس وقت کسی علاقے پر فوج کشی
کر کے ان کو ہتھاد میں مشغول کر دیں تو پھر ان میں سے کسی کو ہمت نہیں ہو
گی کہ وہ اس سازش میں حصہ لے سکے نتیجہ یہ ہوگا کہ فتنہ و فساد کی آگ

خود بخود بچھ جائے گی۔“

سید بن العاصؓ گورنر کوفہ نے کہا کہ :-

”امیر المؤمنین! موجودہ شورش صرف ایک گروہ کی کاروائیوں کا نتیجہ ہے اگر ان کے قائدین کو قتل کر دیا جائے تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ملک میں امن و امان کی فضا پھر سے پیدا ہو جائے گی کیونکہ ہر جماعت اور گروہ کے کچھ قائدین ہوتے ہیں اگر ان کو قتل کر دیا جائے تو وہ جماعت منتشر ہو جاتی ہے اور پھر کسی مرکز پر جمع نہیں ہو سکتی۔“

سیدنا امیر معاویہؓ گورنر شام نے کہا :-

”امیر المؤمنین! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے گورنروں کو واپس ان کے صوبوں میں بھیج دیں اور ہر ایک گورنر سے کہیں کہ وہ اپنے صوبہ میں امن کے قیام کی پوری ذمہ داری لے لے اور وہ لے بھی سکتا۔ ہے کیونکہ ہر صوبہ میں شورش پسند قلیل تعداد میں ہیں اور میں اپنے صوبہ شام کی ذمہ داری لیتا ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ گورنر مصر نے عرض کیا :-

”امیر المؤمنین! میرا خیال ہے کہ آپ ان لوگوں کو بخشش اور انعامات سے نوازیں جس سے ان کی تالیفِ قلب ہوگی اور یہ ملک میں شورش برپا نہ کر سکیں گے کیونکہ یہ لوگ مجھے روپیہ کے لالچی اور بھوکے معلوم ہوتے ہیں، جب آپ روپیہ سے ان کی تالیفِ قلب کریں گے تو ان کے دل آپ کی طرف کھینچ جائیں گے۔“

سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا :-

اے بعض مؤرخین نے یہاں ایک دوسرے کی اتباع میں سیدنا عمرو بن العاصؓ پر دو ٹوٹی پالیسی کا اتہام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی موجودگی میں امیر المؤمنین کو کچھ کہا اور جب لوگ چلے گئے اور سیدنا عثمانؓ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امیر المؤمنین! شورش پسند لوگ اپنی پسند کی چیزیں آپ سے کروانا چاہتے ہیں اور جن امور کو وہ ناپسند کرتے ہیں ان کو مٹانے کے درپے ہیں اس صورت میں آپ کے لیے دو ہی صورتیں ہیں:

فاعتدل واعتزل - الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص ۵۷
یا تو آپ اعتدال اور میانہ روی سے کام لیجئے یا پھر خلافت سے کنارہ کشی کیجئے، اگر یہ دونوں صورتیں آپ کو ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے لیکن عزیمت صمیم کے ساتھ (ابداً و انتہایہ جلد ۱ ص ۱۶، طبری جلد ۵ ص ۹۴)

مجلس مشاورت کے ہر رکن نے اگرچہ اپنی اپنی مجھ کے مطابق تجاویز

رقیہ عاشیہ گذشتہ صفحہ) تنہا رہ گئے تو کہا کہ "امیر المؤمنین! آپ مجھے زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف دکھلاوے کی تھی تاکہ مفسدین مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر اپنا رازدار بنائیں اور میں اُن کے اندونی راز سے آپ کو آگاہ کرتا رہوں گا اور آپ ان کے خیر و شر سے واقف ہو سکیں" (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۷)
یہ روایت درایت کے لحاظ سے صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ایک صحابی رسول سے اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ علوت میں امیر المؤمنین کو کچھ مشورہ دے اور علوت میں کچھ - جلوت و علوت کی یہ غیر آہنگی صحابی رسول اور پھر سیدنا عمرو بن العاصؓ جیسے صحابی سے کبھی متوقع نہیں ہو سکتی۔ اول تو یہاں تک ہمارا خیال ہے سیدنا عمرو بن العاصؓ اس مجلس مشاورت میں بلائے ہی نہیں گئے تھے مؤرخین نے ایسے ہی اس مجلس میں ان کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ یہ گورنرز کانفرنس تھی اس میں صرف گورنریا دوسرے سرکاری حکام موجود تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ تو سلسلہٴ حج سے گورنری کے عہدہ سے معزول کیے جا چکے تھے، اور اب کسی اور سرکاری عہدہ پر بھی نہیں تھے، اس لیے اُن کا اس مجلس میں بلایا جانا درایت کی رو سے صحیح معلوم نہیں ہوتا، اور اگر بلائے بھی گئے تھے تو انہوں نے وہی جواب دیا ہوگا جو سب گورنروں اور دوسرے سرکاری حکام کی موجودگی میں دیا تھا اور جس کو شن میں نقل کیا جا چکا ہے، لیکن اس جواب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا عثمانؓ خلافت کے بارے میں نا انصافی سے کام لیتے تھے، یہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی ایک رائے تھی اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

پیش کیس، لیکن اب حالات ایسی کروٹ بدل چکے تھے کہ ان تجاویز میں سے کسی تجویز سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کوئی جامع منصوبہ اور دستور العمل تیار نہ ہو سکا، مجلس کے اختتام پر سیدنا عثمانؓ نے ہر گورنر کو اپنے اپنے صوبے میں مناسب ہدایات کے ساتھ واپس روانہ فرما دیا۔

کوفہ میں انقلاب کی لہریں

کوفہ میں اس تحریک کی آگ اندر ہی اندر سگ رہی تھی اور اصل بے توجہانہ امیر المومنینؓ سے تھا لیکن سبائی آٹے دن اُن کے گورنروں کو بھی وق کر رہے تھے اور اُن کو اپنے اس مقصد کے راستہ میں روڑا سمجھتے ہوئے اپنا مخالف سمجھتے تھے۔ سیدنا سعید بن العاص گورنر کوفہ سے ان لوگوں کو کچھ خاص عناد تھا کیونکہ اس سے قبل سعیدؓ ان کے کئی آدمیوں کو جلا وطن کر چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۶) الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۶۹، طبری جلد ۵ ص ۸۳) جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، چنانچہ اب جب مجلس مشاورت میں شمولیت کے لیے سیدنا سعید بن العاصؓ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کوفہ کی سبائی پارٹی نے یہ عہد کیا کہ وہ اب سعیدؓ کو کوفہ میں واپس نہیں آنے دیں گے اور اس مقصد کے لیے انہیں تلوار کا استعمال بھی کرنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ سیدنا سعیدؓ کی کوفہ سے غیر حاضری کے دوران یعنی ۳۲ھ میں یہاں کے ایک انقلابی یزید ابن قیس کو یہاں تک جرأت ہو گئی کہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر سیدنا عثمانؓ سے اُن کی دستبرداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو پڑا، لیکن قعقاع بن عمروؓ نے اس کو پکڑ لیا، گرفتاری کے بعد یزیدؓ نے کہا کہ ہم تو صرف گورنر کوفہ سعید بن العاصؓ کا تبادلہ چاہتے ہیں، اس پر قعقاعؓ ابن عمروؓ نے اس کو چھوڑ دیا، یزیدؓ ابن قیس کے ساتھ بانی تحریک اور مشہور فتان عبداللہ ابن سبا بھی تھا۔ (الکامل جلد ۳ ص ۲۱۶) اسی اثنا میں کوفہ کے سبائیوں نے مالک الاشترؓ شعی کو خط لکھ کر کوفہ بلا لیا، مالک الاشترؓ

نے کوفہ پہنچتے ہی اپنی شرانگیز حرکتیں شروع کر دیں، چنانچہ جمعہ کے روز جبکہ حضرت سعیدؓ کے قائم مقام عمرو بن حربؓ مسجد میں خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک اقلابی نے دروازہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو آواز دی :-

”مَنْ شَاءَ أَنْ يُلْحِقَ بِزَيْدٍ لِرَدِّ سَعِيدٍ فَلْيَفْعَلْ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۷)

جو آدمی سعید بن العاصؓ کو واپس مدینہ بھیجنے کے لیے یزید بن قیس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ مل جائے۔“

اب ابن الاثیرؒ ہی کی زبانی سنئے کہ کن لوگوں نے یزید کا ساتھ دیا اور کون مسجد میں ملے رہے، لکھا ہے :-

فَبَقِيَ أَشْرَافُ النَّاسِ وَحُلَمَاءُ وَهُمْ فِي الْمَسْجِدِ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۷)

صرف شریف اور سنجیدہ قسم کے لوگ ہی مسجد میں ٹکے رہے۔ (باقی سب دوران خطبہ ہی مسجد سے باہر نکل آئے اور یزید کے لشکر سے جا ملے)۔

یزید بن قیس اپنی جماعت کو لے کر کوفہ سے مدینہ کے راستہ کی طرف نکل پڑا اور قادسیہ کے قریب ”جرعہ“ نامی مقام پر ڈیرہ جمالیا، یہاں مالک الاثیر بھی یزید کے ساتھ تھا۔ جب یزید بن قیس، مالک الاثیر، عبداللہ بن سباؓ اور ان کی جماعت سعید بن العاصؓ کے کوفہ میں داخلہ کی مزاحمت کے لیے مقام جرعہ پر ڈیرا ڈالے تھے تو سعید بن العاصؓ بھی مجلس مشاورت سے فارغ ہو کر واپس کوفہ تشریف لائے لیکن راستہ میں ”جرعہ“ کے مقام پر سبائوں نے ان کی مزاحمت کی اور کہا :-

”لَا حَاجَةَ لَنَا بِكَ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۷)

ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا تم واپس چلے جاؤ۔“

اسی دوران میں مالک الاثیر نے سیدنا سعید بن العاصؓ کے ایک غلام کو قتل کر دیا، حضرت سعیدؓ نے جب دیکھا کہ حالات زیادہ خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جا کر امیر المومنینؓ سے کہہ دیا کہ کوفہ کے لوگ میری جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر چاہتے

ہیں لہذا ان کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا جائے، آپ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق حضرت
ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۳، ۹۴، البدایہ والنہایہ
جلد ۱ ص ۱۶۷، ابن الاثیر جلد ۴ ص ۷۷)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے تقرر کے ساتھ ہی آپ نے باغیوں کو لکھ بھیجا کہ :-
”میں نے تمہارے مطالبے کو مانتے ہوئے سعید کو معزول کر کے ابوموسیٰؓ
کو اُن کی جگہ گورنر مقرر کر دیا ہے، بخدا میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا، تمہارا
مقابلہ میں صبر و استقلال سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری
کوشش کروں گا۔“ (ابن الاثیر جلد ۴ ص ۷۷)

مدینہ طیبہ کے حالات

اب مدینہ طیبہ میں بھی حالات کچھ اچھے نہیں تھے، مفسدین یہاں کی فضا کو بھی
مسموم کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے، لیکن تمام صحابہؓ امیر المؤمنینؓ کے ساتھ تھے
اس وجہ سے لگاتار یہاں مفسدین کی جماعت کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا،
لیکن لگاتار میں جب مفسدین کا پروپیگنڈہ کچھ مؤثر ہونے لگا تو سیدنا علیؓ نے چند
لوگوں کے ساتھ امیر المؤمنینؓ سے ملاقات کی اور انہیں مفسدین کے اعتراضات اور
ان کے حالات سے بخوبی آگاہ کیا، امیر المؤمنینؓ نے مفسدین کے اعتراضات کو دلیل
کے ساتھ رد کیا، جس کی تفصیل ابن الاثیرؒ نے الکامل جلد ۳ ص ۷۷ اور ابن جریر الطبری
نے تاریخ الاثم والموک جلد ۵ ص ۹۶ پر ذکر کی ہے۔

تحقیقاتی کمیشن

مدینہ کی حالت دگرگوں ہوتے دیکھ کر امیر المؤمنینؓ کو زیادہ تشویش لاحق ہوئی

مدینہ کے علاوہ کوثرہ بصرہ، مصر وغیرہ کی حالت بھی تشویشناک تھی، آپ شب و روز اسی سوچ میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر کی جاوے جس سے حالات کے اس تلاطم میں سکون پیدا ہو جائے لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسی اثنا میں سیدنا طلحہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف صوبوں میں حقیقت حال جاننے کے لیے وفد بھیجے جائے اور وہ وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے اپنی کانوں سنی ہوئی باتیں دربار خلافت میں آکر بیان کریں اور ان وفود کی رپورٹ پر پھر آپ مناسب کارروائی کریں اس سے مجھے اُمید ہے کہ حالات میں جو تیزی پیدا ہو گئی ہے وہ سکون کی صورت اختیار کرے گی۔ امیر المؤمنین کو سیدنا طلحہؓ کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے ۳۵ھ میں سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو کوثرہ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ، سیدنا عمار بن یاسرؓ کو مصر اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ کو دوسرے صوبوں میں تحقیق حال کے لیے روانہ کیا۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۷، طبری جلد ۵ ص ۹۹) ان وفود نے پورے ملک کا دورہ کیا، مختلف گورنروں پر جو الزامات عائد کیے جاتے تھے ان کی چھان بین کی، مختلف لوگوں سے ملے، سبائیوں کی کاروائیوں کا مطالعہ کیا اور اس میں ان کے خلوص کا اندازہ لگایا، موجودہ حالات کی پوری تحقیقات کے بعد انہوں نے اپنی مفصل رپورٹ دربار خلافت میں پیش کی، سوائے حضرت عمار بن یاسرؓ کے دوسرے

امہ حضرت عمار بن یاسرؓ ایک نہایت سادہ دل اور دلنشیں منہ بزرگ تھے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ سبائیوں نے اپنے پروپیگنڈے سے کچھ سادہ لوح لوگوں کو بھی اپنے دام تزویر میں پھانس لیا تھا ان میں سے ایک سیدنا عمار بن یاسرؓ بھی تھے، یہ مصر میں تحقیقاتی وفد کے ساتھ گئے، لیکن مصر کے سبائیوں نے ان کو معاملہ کی اصل تہہ تک نہ پہنچنے دیا، طبری نے نقل کیا ہے کہ:-

استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منہم عبد اللہ بن سوداء و خالد

ابن ملجم و سودان بن حمزان و کنانہ بن بشر۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۹،

ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸) یعنی سبائیوں نے مصر میں ان کو بہلا پھسلا لیا اور عبداللہ بن سوداء،

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سب صحابہؓ نے بالاتفاق اس رپورٹ کو پیش کیا جس کا ایک فقرہ میں خلاصہ یہ تھا کہ :-
 ”مَا أَنْكَرْنَا شَيْئًا وَلَا أَنْكَرُوا أَعْلَامُ الْمُسْلِمِينَ وَلَا عَوَامُهُمْ۔“
 ہم نے اور ان مقامات کے سر پر آوردہ لوگوں اور عوام نے کوئی قابل اعتراض بات ان
 گورنروں میں نہیں پائی۔“ (طبری جلد ۵ ص ۹۹، الکامل جلد ۳ ص ۷۸)

ایک گشتی مراسلہ

تحقیقاتی کمیشن کی اس رپورٹ نے اگرچہ یہ ثابت کر دیا کہ امیر المؤمنین کے مقرر کردہ
 گورنر سب اہل ہیں اور شورش پسندوں کی طرف سے ان پر جو الزامات لگائے جاتے
 ہیں ان کی حقیقت سوائے بہتان کے اور کچھ نہیں لیکن پھر بھی امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ
 نے تمام صوبوں میں ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں لکھا کہ :-

”میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا اور
 جس عامل کے خلاف شکایت پیش کی جائے گی اس کی فوراً تحقیقات کر کے
 پورا تدارک کیا جائے گا کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ بلا وجہ تنگ کرتے
 ہیں، ویسے جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر پڑی ہے
 تب سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار اور فریضہ بنا
 رکھا ہے اور میں ان معاملات کے تدارک کی پوری پوری کوشش کرتا ہوں
 جو مجھے یا میرے گورنروں کو پہنچائے جاتے ہیں، رعایا کے مصارف میں سے
 جو مال بچ جائے اسی میں میرا اور میرے اہل و عیال کا حق ہے۔۔۔ جس کے

رقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ، خالد بن ولید، سودان بن حمران اور کنانہ بن یشران کے ساتھ ہو گئے۔
 بعض کتابوں میں ہے کہ سیدنا عمارؓ پہلے ہی سے امیر المؤمنین سے برہم تھے کیونکہ سیدنا عثمانؓ نے قذف
 کے الزام میں انہیں سزا دی تھی۔ (تاریخ الاسلام الیاسی جلد ۱ ص ۳۵۲)

ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے
گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے بیشک اللہ تعالیٰ
معاف کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں۔“

(طبری جلد ۵ ص ۹۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۷)

جب خلافت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں اس گنتی مراسمے کو پڑھ کر سنایا گیا
تو اس کو سنکر تمام لوگ اشکبار ہو گئے اور امیر المؤمنین کے حق میں دعائے خیر کی۔

موسم حج میں گورنروں کا اجتماع

اگلے سال موسم حج میں سب گورنر مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور ان میں سعید بن العاصؓ
سابق گورنر کوفہ اور عمرو بن العاصؓ سابق گورنر مصر کو بھی مشورے کے لیے بلایا گیا تو
آپ نے ان سب گورنروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

”یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آرہی ہیں؟ تمام گورنروں نے
جواب دیا: ”کیا آپ تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ ان افواہوں کی تحقیقات
نہیں کروا چکے؟ کیا عوام الناس کے خیالات کی رپورٹ آپ کو نہیں مل چکی؟
اور کیا آپ کے تحقیق کرنے والے آپ کو اصل حقیقت حال سے آگاہ نہیں
کر چکے کہ ان افواہوں میں حقیقت کا نشانہ تک نہیں؟ لہذا صرف افواہوں
پر مواخذہ جائز نہیں۔“

آپ نے فرمایا تو پھر مجھے بتاؤ کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے؟ اس پر سیدنا
سعید بن العاصؓ نے عرض کیا کہ :-

”امیر المؤمنین! یہ معاملہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج صرف
یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔“
سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ نے عرض کیا :-

”امیر المؤمنین! میرے صوبہ میں بالکل امن و امان ہے وہاں سے آپ کو فتنہ و فساد کی خبر نہ ملے گی۔“

سیدنا عمرو بن العاصؓ سابق گورنر مصر نے کہا :-

”میری رائے یہ ہے کہ آپ زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، آپ اپنے دونوں ساتھیوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجئے اور درستی کے موقع پر درستی اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے۔“

آپ نے ان سب گورنروں کی رائے سن کر فرمایا :-

”ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے اس امت کے لیے جس فتنہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا، اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزدل چل جائے گا لیکن میں اس کو نرمی ہی سے بند کروں گا البتہ حق تعالیٰ کی حدود میں ہرگز ہرگز نرمی نہیں برتوں گا۔۔۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بہتری اور ان کی بھلائی میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور بے شک فتنہ کی چکی چلنے والی ہے اگر عثمان اس حالت میں مر گیا کہ اُس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے خوشخبری ہے۔“

پھر فرمایا :-

”تم لوگوں میں امن و سکون پیدا کرو، ان کے حقوق پورے کرو اور حقوق اللہ میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ کرو۔“ (طبری جلد ۵، ابن الاثیر جلد ۳)

اس پیچیدہ حکم و عقوبت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ کے اس دھارے کو اپنی نرمی کے بند سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سب کچھ بے سود رہا جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور امت میں ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھل گیا جس کے متعلق چالیس سال قبل ذاتِ قدسی صفات نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۰)

سیدنا معاویہؓ کا امیر المؤمنینؓ کو مشورہ

یہ فتنہ روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا، ادھر آپ اصلاح حالات کی تدابیر میں ہمہ تن مصروف تھے اور ادھر سبائی لوگ مدینہ منورہ پر یورش کرنے کا منصوبہ طے کر رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ کی دور بین نگاہوں اور ایمانی بصیرت نے شروع ہی سے اس فتنہ کا تجزیہ کر لیا تھا اور آپ اس کے عواقب و نتائج سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے، اور گورنر توحج کا نفرنس کے بعد مکہ مکرمہ ہی سے واپس اپنے صوبوں میں چلے گئے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ امیر المؤمنینؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے، مدینہ سے شام واپس جاتے ہوئے آپ نے امیر المؤمنین سے انتہائی اصرار سے عرض کیا:-

”امیر المؤمنین! یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخشی ہے اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلے، وہاں کے لوگ امرائے کبریت تابع راہیں وہاں آپ کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا۔“
آپ نے فرمایا:-

”معاویہ اساری عمر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزری ہے اب خواہ میرا کس قدر تن سے جدا ہو جائے لیکن پھر بھی میں اس بڑھاپے میں بواہ رسول کو نہیں چھوڑوں گا۔“ (ہذب القلوب^{۱۸۸}، طبری جلد ۵ ص ۱۸۱)
سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب پہلی تجویز مسترد ہو گئی تو آپ نے دوسری تجویز پیش کی کہ:-

”میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیجتا ہوں۔“
آپ نے فرمایا:-

”لا اذیق علی جیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینہ رسول کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔

سیدنا معاویہؓ نے چلتے ہوئے پھر کہا کہ :-

”مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے۔“

امیر المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ :-

”حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ کافی ہے میرے لیے اللہ اور

وہ بہترین کارساز ہے۔“

البدایہ والنہایہ جلد ۱، ۱۶۹، الکامل لابن الاثیر جلد ۳، ۷۹، طبری جلد ۵، ۱۱۱

مدینہ طیبہ پر باغیوں کی پہلی یورش

فتنہ و فساد کی آگ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور امیر المؤمنین تمام عواقب سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ مصر میں محمد ابن ابی حذیفہ اور محمد ابن ابی بکر شورش پسندوں کے ہتھے چڑھ چکے تھے اور عبدالرحمن بن ادیس البلوی، کنانہ بن بشر اور عبداللہ بن سبا ان کو اپنی مقصد برآری کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صحابی زادہ ہونے کے باوجود سیدنا عثمانؓ سے خاص ہیر تھا یہاں تک کہ بقول ابن الاثیر الجزری: ”يُحَرِّضَانِ عَلٰی عُثْمَانَ۔ یہ دونوں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔“ ابن الاثیر جلد ۳، ۷۹۔ ان کی اکساہٹ اور سبائی منصوبہ کے تحت رجب کے مہینہ میں .. ۶ شورش پسندوں نے عمرہ کے بہانے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی مروح نے امیر المؤمنین کو ان کی روانگی اور ان کے منصوبے سے مطلع کر دیا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو امیر المؤمنین نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بھا کر واپس بھیج دیا جائے، ان .. ۶ شورش پسند

میں عبدالرحمن بن عدیس، کنانہ بن بشر، سودان بن حمران قائدین تھریک بھی تھے، اور محمد بن ابی بکر جو کہ حضرت علیؓ کے ربیب تھے وہ بھی اس لشکر میں شامل تھے، سیدنا علیؓ نے تیس ہجرت کی معیت میں مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بھجا کر واپس بھیج دیا اور جو کچھ ان لوگوں نے امیر المؤمنین پر اعتراضات کئے ان کے ثنائی جوابات دیئے، بعد میں آپ نے امیر المؤمنین کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ آپ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیں اس سے ان حالات میں بہت فائدہ ہوگا، چنانچہ آپ کے کہنے پر امیر المؤمنین نے مسجد نبوی میں بڑی مؤثر تقریر کی جس کے متعلق ابن کثیر کا بیان ہے کہ :-
 ”وَأُرْسِلَ عَلَيْهِ قَبْلُ الْمُسْلِمُونَ أَجْمَعُونَ۔“

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سب مسلمان بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ (البرایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۴۰)

مدینہ طیبہ پر دوسری یورش

جب یہ مفسدین واپس چلے گئے تو انہوں نے بصرہ اور کوفہ کی جماعتوں کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ یہ منصوبہ بنایا کہ شوال میں سب نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور امیر المؤمنین کو خلافت سے معزول کریں۔ چنانچہ شوال ۳۵ھ میں مہصری مفسدین چار امراء کی سرکردگی میں چار گروہوں میں نکلے، اور ایک ایک گروہ کی تعداد کم سے کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی، ان چار گروہوں کے سردار عبدالرحمن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر اللیشی، سودان بن حمران اور قتیہ بن فلان الکوفی تھے اور

لے محمد بن ابی بکر تھے تو ابو بکرؓ کے بیٹے لیکن صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد آپ کی بیوہ اسماء بنت عمیس نے سیدنا علیؓ سے شادی کر لی، محمد بن ابی بکر کی عمر اس وقت ۶۰ سال کی تھی اور انہوں نے سیدنا علیؓ کے ہاں پرورش پائی۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۰)

ان چاروں گروہوں کی قیادت الغافقی بن حرب کر رہا تھا، ان گروہوں میں اخلاقی جرأت کا اس قدر فقدان تھا کہ مصر سے نکلے وقت عوام کو یہ نہ بتایا کہ ہم امیر المؤمنین کی معزولی کے لیے جا رہے ہیں بلکہ :-

”وخرجوا فيما يظهرون للناس محاججا۔ (البداية والنهاية جلد ۳ ص ۱۷۳)
لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ حج کو جا رہے ہیں۔“

ویسے تو یہ پانچوں قائدین ہی فتنہ و فساد کے لیے کچھ کم نہ تھے، لیکن :-
”ومعهم ابن السوداء۔ (البداية والنهاية ج ۳ ص ۱۷۴)

ان کے ساتھ ابن السوداء (عبداللہ ابن سبأ) بھی مل گیا :-

اسی طرح کوفہ اور بصرہ سے بھی چار چار گروہوں میں اتنی ہی تعداد میں یہ لوگ نکل پڑے اور مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ کر رک گئے۔ اہل بصرہ نے دانشت اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذی المروہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے اور کچھ لوگوں کو مدینہ طیبہ میں حالات کے مطالعہ کیلئے بھیجا۔ انہوں نے مدینہ میں سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور دوسرے لوگوں سے مل کر اصل مقصد سے مطلع کیا اور کہا ہم امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کی معزولی کے لیے آئے ہیں لہذا آپ لوگ ہمیں مدینہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، لیکن :-

”فكل الناس أبنی دحولهم وتمهی عنه۔ (البداية والنهاية جلد ۳ ص ۱۷۴)

سب لوگوں نے ان کے داخلہ سے انکار کر دیا اور اس سے منع کیا :-

معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کو امیر المؤمنین سے کوئی شکایت نہیں تھی اور اگر انہیں کوئی شکایت ہوتی تو وہ ضرور ان مفسدین کا استقبال کرتے اور مدینہ طیبہ میں ان کے داخل ہونے کو بخوشی قبول کرتے، لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ نے اُن کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا اور ان کو داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے پاس جب یہ لوگ گئے اور انہیں

اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو مؤرخین متفق ہیں کہ :-

”ان تینوں نے باوازِ بلند اپنے پاس سے دھتکار دیا اور فرمایا نیک اور صالح لوگوں کا یقین ہے کہ ذی المروہ اور ذی خشب کا شکر خباب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہے لہذا تم واپس چلے جاؤ خدا تمہارا ساتھی اور حامی نہ ہو“ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۲ ، الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸ ، طبری جلد ۵ ص ۷۷) غرض یہ لوگ اہل مدینہ سے مایوس ہو کر واپس اپنے شکر وں میں چلے آئے اور ان کو اکثر تمام حالات سے آگاہ کیا۔

مدینہ طیبہ پر مفسدین کی تیسری یورش

مدینہ طیبہ میں جو حضرات حالات کے مطالعہ کے لیے آئے تھے ، واپسی پر انہوں نے :-

”اظہروا للناس انہم راجعون الی بلد انہم۔ (ابدا یہ جلد ۷ ص ۱۷۲) لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں“ لیکن ایک روز یکا یک اہل مدینہ نے مدینہ کی گلیوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور بکیر کے نعروں کا شور سنا تو باغیوں کی ایک کثیر تعداد مدینہ کی گلیوں میں دوڑ رہی تھی ، ان میں اکثر تو حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا :-

”من کف یدہ فہو امنی“ (ابدا یہ جلد ۷ ص ۱۷۲ ، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)

جو اپنے ہاتھ کو روکے گا اُس کو امان دی جائے گی“

اہل مدینہ باغیوں کی اس اچانک یورش اور مدینہ میں آن کے اس ناگہانی داخلہ سے خوفزدہ ہو گئے ، پھر مفسدین کے اس اعلان نے کہ جو اپنا ہاتھ روک لے گا وہ

امن میں ہوگا انہیں اور زیادہ پریشان کر دیا کیونکہ انہیں اس قدر توقع ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اہل مدینہ نے اپنے ہاتھ روک لیے اور اپنے گھروں میں چلے گئے، کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے اور یہ لوگ جو اچانک مدینہ میں داخل ہو کر قابض ہو گئے ہیں کیا گل کھلانے والے ہیں، لیکن ان دنوں میں بھی امیر المومنین سیدنا عثمانؓ باقاعدہ مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت کراتے یہاں تک کہ اہل تہ اور باغی دونوں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۱۱، الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)
اسی اثنا میں چند صحابہؓ نے جن میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے مفسدین سے ان کے واپس آنے کا سبب پوچھا، طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے پوچھا:۔
”مَا ذَکُمْ بَعْدَ ذَہَابِکُمْ وَرَجُوعِکُمْ عَنْ رَاۤیِکُمْ۔“
تمہارے جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟ (طبری جلد ۷ ص ۱۱۱، البدایہ جلد ۷ ص ۱۱۱)
انہوں نے جواب دیا:۔

”أَخَذْنَا مَعَ بَرِيدٍ كِتَابًا بِقَتْلِنَا۔“ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)
ہم نے قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے،
سیدنا علیؓ نے ان سے سوال کیا:۔

”اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ! اہل مہر کو جو واقعہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا ہے، اس واقعہ کا میں کیسے علم ہو گیا؟ جبکہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے پھر تم آگئے ہو کہ یہاں آگئے، بخدا یہ تو مدینہ ہی میں تیار کی گئی سازش ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ اس کو جس پرچہ میں محمول کر لیں ہمیں تو اس شخص را میر المومنین سیدنا عثمانؓ کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو معزول کر کے ہی دم لیں گے“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۱۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)

ایک روایت

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ جب مصریوں کا لشکر راضی ہو کر سیدنا علیؑ اور دیگر صحابہؓ کے سمجھانے پر واپس لوٹا تو وہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ انہیں ایک قاصد ملا، مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے اس کی تفتیش حال کی تو اس نے کہا کہ میں امیر المؤمنین عثمانؓ کا قاصد ہوں اور گورنر مصر کے پاس جا رہا ہوں، یہ سنکر انہیں کچھ اور شک پڑا، تلاشی پر اُس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر باقاعدہ امیر المؤمنین کی مہر بھی ثبت تھی، اس میں لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں کو یا تو سولی پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ وہ اس قاصد کو پکڑ کر مدینہ طیبہ لے آئے اور سیدنا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا کہ (معاذ اللہ) اس دشمن خدا (سیدنا عثمانؓ) کا حال ملاحظہ فرمائیے، اس نے اس خط میں ہمارے متعلق یہ لکھا ہے، اللہ نے ہمارے لیے اس کا خون حلال کر دیا ہے لہذا آپ ہمارے ساتھ اُس کے پاس چلے، آپ نے کہا واللہ میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، اس پر باغیوں نے سیدنا علیؑ سے کہا:-

”قُلِّمَ کَتَبْتَ اِلَیْنَا، اَپنے پھر ہماری طرف خط کیوں لکھا؟“

آپ نے فرمایا:-

”مَا کَتَبْتَ اِلَیْکُمْ کِتَابًا، میں نے کبھی بھی تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔“

سیدنا علیؑ کے منہ سے یہ سنکر وہ ایک دوسرے کا منہ تیکنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:-

”اِلَیْهَذَا تَقْتُلُوْنَ اَوْ لِهَذَا تَقْضَبُوْنَ، کیا تم اسی کے لیے رڑتے ہو اور اسی کے لیے غضبناک ہوتے ہو؟“

سیدنا علیؑ نے جب اُن کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیا اور

ایک بستی کی طرف تشریف لے گئے۔

سیدنا علیؑ کے بعد مفسدین سیدنا عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے متعلق یہ خط لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یا تو تم اس پر دو گواہ پیش کرو یا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے اس کو کوئی معبود نہیں نہ تو یہ خط میں نے لکھا ہے نہ میں نے لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، اور تمہیں علم ہے کہ کسی کے ناک سے ٹھوٹا، خط لکھا جاسکتا ہے اور ایک ٹھہر کی طرح دوسری ٹھہر بھی بنوائی جاسکتی ہے۔ یہ سن کر باغیوں نے کہا کہ اللہ نے اب آپ کا خون ہمارے لیے حلال کر دیا۔۔۔۔۔ پس باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۷۰)

معزولی پر اصرار اور قتل کا منصوبہ

باغی پہلے ہی چاہتے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں لیکن اس واقعہ سے انہیں ایک اور دلیل ہاتھ آگئی اور اب وہ پہلے سے زیادہ زور شور سے یہ کہنے لگے کہ جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین نکلے جائیں ان پر اس کی ٹھہر بھی لگائی جائے اور سرکاری قاصد اسے لے کر جائے اور اس شخص کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے، لہذا ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ فی الفور خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر آپ خلافت سے دستبردار نہیں ہوتے تو ہم آپ کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ غنیؓ نے فرمایا:-

”جو قسمیں اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے میں اس کو کبھی نہیں اتاروں گا۔“

۱۔ آپ کا خلافت کو نہ چھوڑنا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا کیونکہ آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ: ”اے عثمانؓ! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) قسمیں پہنائیں گے پس اگر فی نفس تمہیں اس کے اتار دینے کا مطالبہ کریں تو تم ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ تم شہید ہو کر جہنم آملو۔“ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۰) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس پر ایک شور برپا ہوا اور باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔
 اگرچہ مفسدین ان ایام میں برابر امیر المؤمنین کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے لیکن ان کی
 نگاہ میں امیر المؤمنین کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، چنانچہ ایک جمعہ کو جبکہ آپ اس عصا کو
 ہاتھ میں لے کر جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہما
 سیدنا عمر الفاروقؓ اپنے ہاتھ میں لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، خطبہ کے لیے منبر پر تشریف
 لے گئے کہ دفعتاً ایک آدمی اٹھا اور بولا: "اس منبر سے اتر آئیے" اور آپ کے ہاتھ سے
 وہ عصا لے کر اس کو اپنے دلہنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا۔ اس کے بعد شاید آپ ایک یا دو
 بار سے زیادہ نہیں نکلے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۷۵)

سیف ابن عمر ذکر کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد امیر المؤمنین منبر پر
 تشریف لائے اور باغیوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"اے باہر سے آنے والو! اللہ سے ڈرو! بخدا مدینہ کے لوگ بخوبی واقف ہیں کہ
 تم لوگ جناب رسالتؐ آپ علیہ افضل التحيات کے ارشاد کے مطابق ملعون
 ہو، لہذا تم اپنے قصور کو نیکی سے مٹاؤ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ براہیوں کو
 نیکیوں سے مٹاتے ہیں۔"

یہ سن کر محمد ابن مسلمہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:-

"اَنَا أَشْهَدُ بِذَلِكَ - میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔"
 یہ سن کر حکیم ابن جہلہ باغی نے محمد ابن مسلمہؓ کو پکڑ کر بٹھا دیا، اس پر زید بن ثابتؓ
 اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:-

"إِنَّهُ فِي الْكِتَابِ - یہ چیز کتاب میں ہے۔"
 یہ سنتے ہی ایک دوسرے کو نے سے محمد ابن ابی مریرہ باغی نے اٹھ کر ان کو بٹھا دیا۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی تعمیل میں آپؐ شہید ہونا تو قبول کر لیا لیکن غلامت کو
 نہ چھوڑا۔ اس فقرہ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

پھر دفعۃً تمام باغی اہل مسجد پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے باہر نکال دیا اور امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ بیہوش ہو کر منبر سے نیچے گر پڑے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۱، طبری جلد ۵ ص ۷۰)

اس پر صحابہ کرام کی ایک جماعت جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا حسین ابن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے باغیوں سے لڑنے کو نکلے، امیر المؤمنین کو جب پتہ چلا تو کہلا بھیجا کہ اپنا ہاتھ روکے رکھیں اور کسی کوئی تعرض نہ کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو۔ یہ سن کر یہ لوگ واپس آگئے۔

(ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۶)

جمعہ کے اس واقعہ نے صورتحال کو اور زیادہ نازک کر دیا جس سے صحابہ کرامؓ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی، امیر المؤمنین کے گھر کا محاصرہ زیادہ سخت کر دیا گیا تھا، اکثر صحابہ خانہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ امیر المؤمنین ان کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اب صحابہ نے اپنے بیٹوں کو امیر المؤمنین کی حفاظت کے لیے بھیجا۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کاشائے خلافت پر پہرہ دے رہے تھے تاکہ کوئی باغی آپ تک نہ پہنچ سکے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۱)

حالات لمحہ بہ لمحہ زیادہ نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے اور باغیوں کے قبضہ کی وجہ سے مدینہ میں ایک خوف و ہراس طاری تھا، محصور ہونے کے بعد جب آپ کا داخلہ مسجد میں بند کر دیا گیا تو آپ نے سیدنا ابویوب انصاریؓ کو مسجد نبویؐ میں امام مقرر فرمایا لیکن باغیوں نے ان کو فرائض امامت سے معزول کر کے عافقی ابن حمرہؓ کو امام مقرر کر دیا۔

امیر المؤمنین کے لیے پانی تک بند کر دیا گیا، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ صلوٰۃ اللہ علیہا اور سیدنا حضرت علیؓ باغیوں کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے لیکن باغیوں نے ان دونوں کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں امام المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہا کی شان اقدس

میں سخت سست الفاظ استعمال کیے اور آپ کے نچر کو جس پر آپ سوار تھیں زخمی کر کے گرادیا، چند حضرات نے بڑی مشکل سے ام المؤمنین کو وہاں سے الگ کیا۔

(طبری جلد ۵ ص ۱۲۷)

مدینہ پر غافقی ابن حرب اور اس کی جماعت کا پورا تسلط تھا گویا سبائیوں نے مدینہ پر مارشل لا کی سی کیفیت طاری کر دی تھی اور مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے ہزاروں سبائی مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے تھے اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں تھا، اکابر صحابہ نے کئی نجاویر پیش کیں، حضرت زید بن ثابتؓ نے عرض کیا کہ انصار کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے کو تیار ہے لیکن امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں جنگ کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ق اول ص ۴۷، العوام من القوام ص ۱۲۳ تعلیقہ)

سیدنا مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہا کہ: "امیر المؤمنین! یا تو آپ مقابلہ کیجئے یا پھر عقیقی دروازہ سے نکل کر مکہ یا شام کو چلے جائیے، شام کے لوگ بہت وفادار ہیں اور وہاں سیدنا معاویہؓ بھی موجود ہیں" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "مقابلہ میں کسی صورت نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس کے ہاتھوں آپ کی امت کی خونریزی کا آغاز ہوا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی صورت چھوڑنا نہیں چاہتا" (مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ ص ۶۷)

لے اس روایت سے اس روایت کی تردید ہو جاتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مصر، کوفہ، بصرہ اور شام میں اپنے گورنروں کو فوج بھیجنے کے لیے خط لکھے تھے اور ان کی فوج مدینہ کے قریب پہنچ چکی تھی جب باغیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۷) یہ روایت عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ اگر آپ کو اپنی حفاظت کرنا ہوتی تو تمام اہل مدینہ اس مقصد کے لیے آپ کے ساتھ تھا اور وہ چند گھنٹوں میں باغیوں کا صفایا کر سکتے تھے، خود (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بایںوں نے اپنی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ امیر المؤمنین کی شمع حیات کو جلا دینا جلد خاموش کر دیا جائے کیونکہ انہیں اس کام کی تاخیر میں کچھ خطرات پیش آنے کا ڈر تھا، ادھر آپ کو بھی اپنی شہادت کا یقین ہو چکا تھا ادھر عاصیہ کو بھی انچاس دن ہونے کو آئے تھے۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۵۵) اب آپ نہایت صبر کے ساتھ اس لمحے کے منتظر تھے، جمعہ کے روز سے روزہ تھا، ایک پا جامہ جسے آپ نے کبھی زیب تن نہیں فرمایا تھا اس روز پہنا، بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ (انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ ص ۸۲، مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۲۵، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸۲، طبری جلد ۵ ص ۱۲۵، ۱۲۸)

صدر دروازہ پر سیدنا حسینؑ، سیدنا حسنؑ، سیدنا عبداللہ بن عباسؑ، سیدنا ابن زبیر اور دیگر کئی صحابہ زاروں کا پہرہ تھا لہذا باغی صدر دروازہ سے قصر خلافت میں داخل نہ ہو سکے، کچھ لوگ مکان کے عقب سے چڑھ کر اندر داخل ہو گئے لیکن امیر المؤمنینؑ کو تلاوت میں مشغول پا کر واپس لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے رجو کہ سیدنا عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں سے تھا، بڑھ کر امیر المؤمنین کی ریش مبارک پکڑ لی، آپ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ محمد بن ابی بکر تھا، آپ نے فرمایا: "بھتیجے! اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو تو کبھی ایسا نہ کر سکتا" یہ کلمات سُن کر محمد بن ابی بکر نادام ہو کر واپس چلا گیا۔

(طبری جلد ۵ ص ۱۳۱، البدایہ جلد ۱ ص ۱۸۲، مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۵۵، ابن زبیر جلد ۱ ص ۹)

اس کے بعد عافقی ابن حرب نے آگے بڑھ کر قرآن پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۳۱) اسی اثنائیں کنانہ بن بشر نے پیشانی پر لوہے کی لاٹ اس زور

د بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) حیدر کرار موجود تھے اس کے لیے باہر سے فوج حگوانے کی ضرورت ہی کیا تھی، لیکن آپ نے اہل مدینہ کو روک رکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک کا بیان ہے کہ: "امیر المؤمنینؑ نے ہمیں یاغیوں کے ساتھ لڑنے سے روک دیا تھا، اگر آپ اجازت دیتے تو ہم انہیں مار مار کر مدینہ سے باہر نکال دیتے" (العوام من القوام ص ۱، الاصابہ جلد ۲ ص ۱۲، الاستیعاب جلد ۲ ص ۱۱۸)

سے ماری کہ سیدنا عثمانؓ پہلو کے بل گر پڑے اور خون کا فوارہ قرآن پاک کے اوراق پر جاری ہو گیا، گرتے ہی آپ کی زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ نکلے۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۳۱)

اس کے بعد عمرو ابن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر کٹی وار کئے، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہؓ آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں لیکن سودان ابن حمران کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں، پھر سودان ابن حمران نے بڑھ کر داماد رسول، پیکرِ علم و حیا اور جامع قرآن کو شہید کر دیا، شہادت کے خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا، فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط اور اس وقت آپ جس آیت کو تلاوت فرما رہے تھے وہ یہ تھی۔

۱۔ بعض حضرات جن میں ابن جریر طبری بھی شامل ہیں لکھتے ہیں کہ قتل عثمانؓ میں تمام صحابہ شریک تھے اور وہ لوگوں کو خط لکھ کر ترغیب دیتے تھے کہ سیدنا عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-
وذكر ابن جرير من هذه الطريق ان الصحابة كتبوا الى ^{الافاق} اهل اليمن ^{بنية} المقد
يأمرون الناس بالقدوم على عثمان ليقاتلوه۔ اور ابن جریر نے
اس طریق سے ذکر کیا ہے کہ صحابہؓ مدینہ سے باہر کے لوگوں کو خط لکھتے جن میں انہیں
سیدنا عثمانؓ پر چڑھائی کر کے انہیں قتل کرنے کا حکم دیتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۳۱)
ابن جریر طبری کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

”هذا كذب على الصحابة۔ (ایضاً) یہ صحابہ پر بہتان اور افتراء ہے۔“

صحابہ پر اسی اعتراض کو ابن کثیرؒ نے البدایہ جلد ۵ ص ۱۹۸ پر بھی نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے۔
پھر یہی ابن کثیرؒ صاف لفظوں میں صحابہؓ کی بریت فرماتے ہوئے حافظ ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھتے
ہیں کہ جن لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا۔

”ليس فيهم احد من الصحابة ولا ابناءهم الا محمد بن ابي بكر

ان میں نہ تو کوئی صحابی شامل تھا اور نہ ان کی اولاد میں سے کوئی شریک تھا سوائے

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (۴۶)

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۲، ۵۱، طبری جلد ۵ ص ۱۲۶، البدایہ جلد ۷ ص ۱۸۸، انساب

الاشراف جلد ۵ ص ۸۲، ۸۳)

ان خیار المسلمین

شہادت کے بعد

امیر المؤمنین کی شہادت کی خبر جنگ کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی جس کو سنکر صحابہ مضطرب اور بے قرار ہو گئے، سیدنا علیؑ نے جس وقت یہ خبر سنی تو دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: "اے اللہ! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔" سیدنا خدیجہؓ نے فرمایا: "عثمانؓ کی شہادت سے وہ رختہ پیدا ہو گیا جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتے۔" سیدنا عباسؓ نے فرمایا کہ: "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔" (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۱) امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد باغیوں نے ان کے گھر اور بیت المال کو لوٹ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) محمد بن ابی بکر کے، (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس بارہ میں لکھتے ہیں :-

ان خیار المسلمین لحدید تل واحد منهم فی دم عثمان لا قتل ولا

امر یقتله وانما قتله طائفة من المفسدون فی الارض من اوباش

القبائل واهل الفتن۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۸۶)

اچھے اور نیک مسلمانوں میں کوئی شخص بھی قتل عثمانؓ میں شامل نہیں تھا نہ ان کے قتل اور نہ ہی

ان کے قتل میں کسی قسم کا حکم دینے میں بلکہ انہیں اہل فتنہ قبائل کے اوباش لوگوں اور زمین میں

فتنہ و فساد کرنے والے ایک گروہ نے قتل کیا تھا۔

لیا۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۳۵ ص ۱۸۹) البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۹) آپ کی نقش مبارک کی بے حرمتی کی۔ (الاستیعاب تذکرہ عثمان، طبری جلد ۵ ص ۳۷۷) بلکہ عمیر بن ضابطہ نے نقش مبارک کی پیل توڑ دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۱) منہ پر چیت مارے۔ (ایضام اور مسلمانوں کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۸۹) اور آپ کے حرم کو سب و شتم کیا۔

ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ آپ کی شہادت کا جانکا واقعہ پیش آیا، دور و نزدیک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک پوری مملکت اسلامیہ میں کا ایک سرا کابل تک تھا تو دوسرا سرا مراکش تک تھا) کے فرمانروا کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر دوسرے یا تیسرے روز چند آدمیوں نے رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر انہی خون آلود کپڑوں میں حش کو کب میں علم و بر دباری کے اس پہاڑ کو دفن کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۳، طبری جلد ۵ ص ۱۸۹) حش کو کب کو بعد میں دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا۔

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا دیکھا کہ ایک شخص بیت اللہ میں یہ کہتا پھر رہا ہے، اللہم اغفر لی وما اظن ان تغفر لی راے اللہ! مجھے غش دے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ تو مجھے غشے گا نہیں میں نے کہا کہ جو تو کہتا ہے ایسا میں نے کسی کو بھی کہتے نہیں سنا اس نے کہا کہ میں نے حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں عثمان کے منہ پر طلاچہ مار سکا تو ضرور ماروں گا، پس جب وہ تنہید ہوئے اور ان کا جنازہ ان کے گھر میں چارپائی پر رکھا ہوا تھا میں بھی وہاں پہنچ گیا اور موقع پا کر آپ کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور زور سے ایک ٹھپڑ مارا جس پر سر داہیاں ہاتھ سوکھ گیا۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا اور وہ اس طرح سوکھا ہوا تھا گویا کہ وہ ایک لکڑی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۱، تاریخ الکبیر طبری جلد ۳ ص ۱۲۱)

امیر المؤمنینؑ کے قاتلین اور آپ کو تکلیف دینے والوں کا بھی برا حال ہوا اور وہ بڑی ذلت سے مارے گئے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس کی تفصیل کے لیے میری کتاب "سیدنا عثمانؓ کی شخصیت اور کردار" کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ (۲- ۱- خط)

فتنہ کے مختلف زاویے

سیدنا علیؑ کی بیعت

حلیفۃ المسلمین کا دارا خلافت میں دن دیہاڑے قتل کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا لیکن سیائی پورے مدینہ پر چھائے ہوئے تھے اور ہر آدمی اس اچانک حادثہ پر انگشت بدنداں تھا۔ امیر المؤمنینؑ کی مظلومانہ شہادت کے بعد پانچ روز تک غافقی ابن حرب مدینہ کا امیر رہا، سبائیوں کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بوجھ کو ہرگز نہیں اٹھا سکتے لہذا پانچ روز کے بعد انہوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی، اہل مصر سیدنا علیؑ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، رکیومکہ محمد بن ابی بکر ان کے ساتھ تھا (کوئی سیدنا زبیرؓ کو اور اہل بصرہ سیدنا طلحہؓ کو، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا، ان تینوں حضرات کے انکار پر سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن ان دونوں نے بھی انکار کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ۲۲۶، طبری جلد ۵ ص ۵۵)

طبری نے شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ شہادت عثمانؓ کے تیسرے روز باغی سیدنا علیؑ کے پاس آئے، آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے، آتے ہی کہنے لگے کہ ہاتھ بڑھائیے، تم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو، سیدنا عمر الفاروقؓ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے شوری کی وصیت فرمائی تھی لہذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔

یہ بات سُنکر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علیؑ کے پاس واپس آئے اس دفعہ

مالک الاثر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) بعد میں سبائی فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ سیدنا علیؑ کی بیعت سب سے پہلے اشرے کی تھی۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۲۲۶)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاثر (جو کہ سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے جب آپ کی بیعت کرنا چاہی تو ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ نے سیدنا علیؑ کو بشتت منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ:-

”فانتك والله لئن تمهضت مع هؤلاء اليوم ليعملنك الناس دم عثمان غداً۔“ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۱، طبری ج ۵ ص ۱۶۱)

بخدا اگر آج آپ ان (باغیوں) کے ساتھ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل کو لوگ آپ پر قتل عثمان کا الزام لگا دیں گے، لیکن سیدنا علیؑ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

بہر حال سیدنا علیؑ خلیفہ مقرر ہو گئے اور ان لوگوں ہی نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے، لہذا آپ کا انتخاب آزادانہ نہ ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ میں دہشت و بربریت کا دور دورہ تھا اس وجہ سے سیدنا علیؑ کے آزادانہ انتخاب کا امکان ہی نہ تھا۔

یہ درست ہے کہ آپ خلیفہ بننا ہرگز پسند نہ کرتے تھے اور بار بار یہی فرماتے تھے: ”دعوتی والتمسوا غیری“ (ابن الاثیر جلد ۳، طبری جلد ۵ ص ۱۵۲) مجھ کو چھوڑ دو اور کسی اور کی تلاش کرو۔

۱۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا طلحہؓ نے آپ کی بیعت کی یہ روایت غلط ہے، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے معتبر روایات کی رو سے اول تو سیدنا علیؑ کی بیعت کی ہی نہیں تھی اور اگر کی بھی تھی جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے تو وہ جبراً کی تھی جیسا کہ المحضری نے سیدنا اسامہ بن زیدؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (المحضری جلد ۳ ص ۲۰۹)

لیکن جس طرح سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اپنے عزم پر قائم رہے آپ اس طرح قائم نہ رہ سکے اور باوجود عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ کے آپ نے باغیوں کی بیعت قبول فرمائی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱، آنحضری جلد ۲ ص ۲۳۲، ۲۳۵)

چونکہ باغی آپ کی بیعت میں پیش پیش تھے لہذا جمہور صحابہ نے آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ (خطط الشام جلد ۱ ص ۱۳۶) ان کے بعد علیؓ جن میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا قدامہ بن مظعونؓ، سیدنا صہیبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن عبیدؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہم مشہور ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری جلد ۵ ص ۱۵۲، ۱۵۴، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۲۶، المحاضرات للأنحضری جلد ۲ ص ۳۳۴، خطط الشام جلد ۱ ص ۱۳۶)

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

”فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبايعوه ولم یبايعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرهما۔ (منہاج التکتہ جلد ۲ ص ۲۳۴)

مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے (سیدنا علیؓ کی) بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی دوسرے صحابہؓ نے آپ کی بیعت کی۔“

اُس زمانہ میں جن لوگوں کو اہل حل و عقد کہا جاتا تھا انہوں نے بھی آپ کی بیعت سے گریز کیا، چنانچہ حکیم الامت دہلویؒ فرماتے ہیں :-

”خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نشد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتهاد و نصیحتہ للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالة الخفاء جلد دوم ص ۲۴۹)

سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوئی اس لیے کہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد

اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے آپ کی بیعت نہ کی تھی،
 بھر حال آپ کی بیعت ہوئی اور ان ہنگامی حالات میں سیدنا حسنؑ کے منع کرنے
 کے باوجود آپ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ اے

جنگِ جمل

مدینہ طیبہ کی اس شورش اور امیر المؤمنین کے اس سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب

اے قیس بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے جمل کے روز سیدنا علیؑ کو یہ فرماتے سنا: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَاۤءُ لَیْکَ مِنْ
 دِمِیْ عُمَیْنٍ، وَلَقَدْ طَاشَ عَقْلِیْ یَوْمَ قَتْلِ عُمَیْنٍ اَنْکَرْتَ نَفْسِیْ وَجَآءُوْنِیْ لِلْبَیْعَةِ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ
 اِنِّیْ لَا سَتَیْ مِنْ اللّٰهِ اِنْ اَبَا یَعٍ قَوْمًا قَتَلُوْا رَجُلًا قَالَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
 وَسَلَّم اِنِّیْ لَا سَتَیْ مَتَّنِیْ تَسَیْ مِنْہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اِنِّیْ لَا سَتَیْ مِنْ اللّٰهِ اِنْ اَبَا یَعٍ
 وَعُمَیْنٌ قَتِلَ فِی الْاَرْضِ وَلَہِیْدُ فِنْ بَعْدٍ فَاَنْصَرَفُوْا فَلَمَّا دَفِنَ رَجَعَ النَّاسُ
 یَسْئَلُوْنِیْ اِلَیْبَیْعَةِ فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْفَقُ مِمَّا اَقْدَمَ عَلَیْہِ ثُمَّ جَآءَتْ عَزْمَۃُ
 فَبَا یَعٍ فَلَمَّا قَالُوْا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ کَانَ صَدْعَ قَلْبِیْ وَاسْکَتَ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۹)
 اے اللہ! میں تیرے ہاں خونِ عثمانؑ سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں، قتلِ عثمانؑ کے روز میری عقل جاتی
 رہی تھی اور (حزن و ملال کی وجہ سے) مجھے اپنی زندگی بُری معلوم ہونے لگی، لوگ میرے پاس بیعت کرنے کے لیے
 آئے ہیں نے اُن سے کہا کہ تجھ اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی قوم سے بیعت لوں جنہوں نے
 ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”میں اسے جیا کرتا ہوں
 جسے قریش جیا کرتے ہیں“ اور بلا شک و شبہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں بیعت لوں اس حالت میں
 کہ عثمانؑ فرسِ خاک پر خون سے لت پت ہیں اور ابھی تک دفن نہیں ہوئے۔ چنانچہ لوگ واپس چلے گئے، جب
 عثمانؑ دفن ہو گئے تو لوگ پھر میرے پاس آئے اور مجھے بیعت لینے کی درخواست کی، میں نے کہا اے اللہ!
 میں اس اقدام سے ڈرتا ہوں، لوگ پھر آئے اور اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی لیکن جب انہوں نے مجھے
 امیر المؤمنین کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں دم بخود رہ گیا۔“

تھا، سیدنا علیؑ کے خلیفۃ المسلمین ہونے پر جب اہل مدینہ نے دیکھا کہ وہی مالک الانتر، وہی عبداللہ بن سبا، وہی محمد بن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر، وہی عافقی بن حرب وغیرہم جو کل تک قاتلان عثمان میں سے تھے آج سیدنا علیؑ کے گرد و پیش پھر رہے ہیں اور امیر المؤمنین کے کاروبار خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں تو صحابہؓ کے ایک وفد نے سیدنا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی لیکن آپ عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رہے ہیں نیز ان سے مدد حاصل کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ عند اللہ قابل مؤاخذہ ہیں لہذا شریعت کا تقاضا ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔ (الخصری جلد ۳ ص ۴۲، ابن الاثیر جلد ۲) لیکن سیدنا علیؑ نے فرمایا :-

”انی لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف اصنع بقوم يملكونا

ولا نملكهم۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۱، ایا۱۲ العرب ص ۳۲۲)

جس چیز کو تم جانتے ہو میں بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں لیکن میں

اس قوم سے کیسے ٹپٹ سکتا ہوں جن کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں ان پر

قابو نہیں۔“

لیکن صحابہ کرامؓ سے باغیوں کی یہ بے راہروی دیکھی نہیں جاتی تھی، مدینہ میں وہ

دندناتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کی سیاست پر ان کا پورا کنٹرول تھا اور ہر ایک کو

یہ فکر لاحق تھی کہ حالات اب کیا کروٹ بدلتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے نواپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ کو

چھوڑ کر مکہ کی راہ لی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳)

سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے مدینہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ

مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر قومی محاذ قائم کیا جائے اور اس طریقہ سے باغیوں کی سرکوبی کی

جائے اور خلیفۃ المسلمین کے قتل کا قصاص لیا جائے، چنانچہ وہ چند صحابہؓ کی معیت میں

مکہ کی طرف چل دیئے۔

سیدہ عائشہ ام المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہا ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں، سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ ہی میں تھیں لیکن واپسی پر ان کو ایک قریبی عزیز عبید بن ابی سلمہ نے اطلاع دی کہ امیر المؤمنین کو شہید کر دیا گیا ہے اور مدینہ میں باغیوں کا دور دورہ ہے اور انہوں نے سیدنا علیؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا ہے، یہ اطلاع پا کر وہ پھر مکہ لوٹ آئیں اور فرمایا :-

”وَاللّٰهُ قَتَلَ عُمَانَ مَظْلُومًا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْبَاطِلَ (البدایہ جلد ۱ ص ۱۰۵)
بخدا عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے اور اللہ کی قسم میں ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ ضرور کروں گی“

اتنے میں سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ بھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے انہوں نے ام المؤمنین کو مدینہ منورہ کے مکمل حالات سے مطلع کیا اور بتایا کہ :-

”ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آ رہے ہیں مدینہ میں لوگ نہایت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں ہیں اور ان کی حالت یہاں تک پرگندہ ہو چکی ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اپنی حفاظت کی سکت ہے“ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۶)

جنگِ جبل اور اس کے

اسباب و نتائج

خلیفہ المسلمین سیدنا عثمان غنیؓ رجن کو انتہائی مظلومی کی حالت میں گھڑی چار دیواری میں دن و ہاڑے شہید کیا گیا تھا) کے قصاص کی دعوت پر اسے عامہ نے لیکر کہا ہزاروں مسلمان جان تک دینے کے لیے تیار ہو گئے مکہ کے ایک رئیس یحییٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بطور چندہ پیش کیے، عبداللہ بن عامر الحضرمی گورنر مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص اس لشکر میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادراہ

نہ ہو تو اس کی سب ذمہ داری برداشت کی جائے گی۔ اس طریقہ سے تین ہزار آدمی اس دعوت میں شریک ہو گئے۔ اس سال چونکہ تمام امہات المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہن فتنہ کے دور سے حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائی ہوئی تھیں اسلئے وہ بھی ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گئیں۔ سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی رائے سیدہ ہامدینہ طیبہ چلنے کی تھی، کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے اور وہاں سے سیدنا معاویہؓ کو ساتھ لے کر بصرہ مدینہ طیبہ آیا جائے، لیکن بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے بصرہ چلا جائے، مدینہ جانے میں تو امہات المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہن بھی شریک ہونے کو تیار تھیں لیکن جب فیصلہ بصرہ جانے کا ہوا تو امہات المؤمنین کٹ گئیں، صرف سیدہ حفصہؓ نے یہاں بھی ساتھ دینے کو کہا مگر آپ کے بھائی سیدنا ابن عمرؓ نے آپ کو روک لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲۲۹، ۲۳۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۸) بہر حال ادھر مدینہ میں آپ خلیفہ ہوئے ادھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ سیدہ ام الفضل نے سیدنا علیؓ کو ایک قاصد کے ذریعہ مطلع کیا کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے بصرہ کی طرف جارہے ہیں یہ مفسدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہیں ایک

لے بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے پھر اس بیعت کو توڑ دیا تھا لیکن صحیح روایات اس کی تردید کرتی ہیں اور صاف صاف بتاتی ہیں کہ انہوں نے بیعت پہلے ہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ ابن جریر طبریؒ نے صاف لکھا ہے کہ جب سیدنا علیؓ کی بیعت کی گئی تو یہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) اور اگر مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے بیعت کر لی تھی تو روایتوں میں آتا ہے کہ ان کو مجبور کر کے بیعت لی گئی تھی اور انہوں نے بھی فتنہ کے خوف سے بیعت کر لی تھی۔ (الخصری جلد ۳، ابن الاثیر جلد ۳) پھر بغیر جبر کے بھی اگر بیعت کی ہوتی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ مطالبہ ان صحابہؓ نے بھی کیا جو سیدنا علیؓ سے بیعت کر چکے تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۵۶، الخصری جلد ۳ ص ۱۵۶) بلکہ علامہ محمد ابوالفضل ابراہیمؒ نے تو صاف لکھا ہے کہ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہؓ نے جو بیعت کی تھی وہ مشروط تھی اور وہ شرط یہ تھی کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سنہری موقع ہاتھ آگیا، چنانچہ کچھ مفسد ہوا خواہی کے پردے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے شکر میں مل گئے اور ایک اچھی خاصی تعداد سیدنا علیؑ کے ساتھ مل گئی۔
ادھر سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، ادھر سیدنا علیؑ بھی اپنے شکر کے ساتھ ربیع الاول ۳۲ھ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیا جائیگا اور ان پر قتل کی شرعی حد نافذ کی جائے گی، چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

”لما تمت البيعة ورجع إلى بيته دخل عليه طلحة والزبير في عدد من الصحابة فقالوا يا علي انا قد اشتربنا اقامة الحدود ودوان هؤلاء القوم قد اشتربوا في قتل هذا الرجل۔“

جب بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور حضرت علیؑ گھر تشریف لائے تو سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہؓ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود اور قصاص کی شرط پر آپ کی بیعت کی تھی اور یہ لوگ جو آپ کے ارد گرد پھیر رہے ہیں یہ سیدنا عثمانؓ کے قتل میں برابر کے شریک ہیں اور آپ ان سے قصاص نہیں لے رہے۔“

سیدنا علیؑ نے فرمایا:-

”میں اُس بات سے نا آشنا نہیں ہوں جس کو تم جانتے ہو لیکن میں اس قوم پر اقامتِ حدود کیسے نافذ کر سکتا ہوں جن پر ہم کو قابو نہیں بلکہ وہ ہم پر قابو پائے ہوئے ہیں۔“
(ایام العرب فی الاسلام ص ۳۲۲)

سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہؓ کا مطالبہ صرف طلبِ قصاص تک تھا اور ان کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس مطالبہ کی نوبت خونریزی تک پہنچ جائے گی اور نہ ہی سیدنا علیؑ کو اس کی توقع تھی، یہ تو صرف سیاسیوں کی اندرونی سازش کا نتیجہ تھا جس سے یہ مطالبہ ایک خونریز جنگ کی شکل اختیار کر گیا اور سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ جیسے اکابر صحابہ سے امت محروم ہو گئی۔

سیدہ عائشہؓ جنگ کے لیے نکلی تھیں یا صرف قصاص کے لیے؟ اس کے لیے میری کتاب ”کیا عورت سربراہِ مملکت ہو سکتی ہے؟“ کا مطالعہ ضروری ہے۔ (م۔ ل۔ ظ۔)

نے آپ کے مدینہ سے نکلنے کی مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی لگام تھام کر کہا:-
 ”یا امیر المؤمنین لا تخرج منها فواللہ لیمن خرجت منها لا یعود
 سلطان المسلمین الیہا ابداً۔“

امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلے، بخدا اگر آپ نکل گئے تو پھر مسلمانوں
 کی حکومت مدینہ میں کبھی نہیں آئے گی۔“
 اس پر سیاحوں نے آپ کو سب و شتم کیا لیکن سیدنا علیؑ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو
 یہ اصحاب رسول میں بہت اچھے آدمی ہیں۔“ (طبری جلد ۵ ص ۱، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳۳،
 ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۰)

آپؑ جب مدینہ طیبہ سے جا رہے تھے تو سیدنا حسنؑ نے راستہ میں جا کر آپ سے
 عرض کی ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کوئی مشورے دیئے لیکن آپ نے ان کو زور و غنا
 نہ سمجھا۔“ آپ نے پوچھا وہ کون کون سے مشورے تھے؟ سیدنا حسنؑ نے عرض کیا:-
 ”ابا جان! کیا میں نے آپ سے سیدنا عثمانؑ کے قتل سے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور
 پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قتل ہو جائیں اور آپ کے مدینہ میں ہونے
 کی وجہ سے آپ پر کوئی الزام آئے لیکن آپ نے نہ مانا! پھر کیا میں نے آپ سے یہ
 نہیں کہا تھا کہ آپ اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کہ کل شہروں
 کے ارباب حل و عقد آپ سے استدعا نہ کریں، لیکن آپ نے اس کو بھی نہ مانا! پھر
 میں نے اس وقت بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ جب سیدہ عائشہؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا
 زبیرؓ قصاص کے مطالبہ کے لیے نکلے ہیں تو آپ گھر میں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ آپس
 میں مصالحت ہو جائے لیکن آپ نے میرا کوئی مشورہ نہیں مانا! (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳۳)
 غرض کہ دونوں جماعتیں بصرہ میں آمنے سامنے ہوئیں، کوفہ کے ایک بزرگ صحابی

اسے یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس خانہ جنگی میں اہل مدینہ اور اکابر صحابہ کی اکثریت نے سیدنا علیؑ کا
 ساتھ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کی آپس کی اس خانہ جنگی کو بالکل پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے،
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا حضرت قتعا بن عمرو نے دونوں گروہوں میں مصالحت کی کوشش کی اور ان کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی اور سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عاصہؓ سب صلح پر متفق ہو چکے تھے کہ اسی اثنا میں سبائی پارٹی کے سرخون اشتر النخعیؓ، خالد بن ولیدؓ، عبداللہ بن سبار، شریح بن اونی اور علیا بن مہیثم وغیرہم نے مل کر مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہماری خیر نہیں، لہذا مناسب یہی ہے کہ سب مل کر علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۵) لیکن اس تجویز پر اتفاق نہ ہو سکا، آخر میں عبداللہ بن سبار نے کہا کہ قبل اس کے کہ علیؓ، طلحہؓ وزبیرؓ سر جوڑ کر مزید غور و فکر کریں تم جنگ چھیڑ دو اور جنگ کا شعلہ جب بھڑک اٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی، اور سب نے اس پر اتفاق کیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۲، ۱۹۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲، ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ :-

”فاشد علی اهل المدينة الامر فتناقلوا۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۲)

اہل مدینہ کیلئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اپنا پہلو بچایا :-

سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہ بن عمروؓ کو جنگ پر رے جانے کے لیے کھیل النخعیؓ کو ان کے پاس بھیجا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں کیونکہ میں انہی میں سے ہوں، اگر وہ اس میں شریک ہو گئے تو میں بھی ہوں گا اور اگر وہ الگ رہے تو میں بھی پہلو تہی کروں گا۔

بعد میں جب حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اہل مدینہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا :-
 ”والله لا ندرى كيف نصنع فان هذا الامر لم يشبه علينا ونحن مقيمون حتى يضى لنا وليسفر۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۲، ابن الاثیر جلد ۵ ص ۱۰۵) بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے، جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس وقت تک اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“

یہی حال دوسرے صحابہ کا تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (۳ - ۱ - ظ)

طرفین میں صلح کی گفتگو جاری تھی اور سیدنا قعقاع بن عمرو کی وجہ سے دونوں گروہ اس بات پر متفق ہو گئے تھے، اور بقول ابن کثیرؒ :-

”وَعُولُوا جَمِيعًا عَلَى الصَّلَاحِ وَبَاتُوا بِخَيْرِ لَيْلَةٍ لَمْ يَبِيتُوا بِمِثْلِهَا
لِلْعَاقِبَةِ وَبَاتَ الَّذِينَ اتَّارُوا أَمْرَ عَثْمَانَ بِشَرِّ لَيْلَةٍ مَا بَاتُوا هَا قَطُّ -

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۳۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۳، طبری جلد ۵ ص ۲۰۲، ۲۰۳)

سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ
اس سے قبل کبھی ایسے اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے لیکن وہ لوگ جنہوں
نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی راوران کو شہید کیا تھا،
انہوں نے اس سے زیادہ بدترین رات کبھی نہیں گزاری تھی۔

د تفصیل کے لیے دیکھئے، طبری جلد ۵ ص ۲۰۲، ۲۰۳، منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۱۸۵، جلد ۳ ص ۲۲۵، ۲۲۶
المنتقى للذہبی جلد ۲ ص ۲۲۳، ۲۰۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۹،
تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

صبح کو صلح کا اعلان عام ہونا تھا کہ سبائیوں نے صبح ہونے سے قبل اندھیرے
میں ہی دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا، سیدنا علیؓ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو
انہوں نے قرآن پاک دکھا دکھا کر لوگوں کو جنگ بند کرنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ لوگو!
اس قرآن کو ثالث مانو اور بجائے ایک دوسرے کی گردن مارنے کے اس قرآن ہر کے
مطابق اپنا فیصلہ کرو۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۰۲) لیکن جنگ کی یہ آگ چونکہ ایک سازش
کے تحت لگائی گئی تھی لہذا سیدنا علیؓ کے قرآن دکھانے سے بھی نہ سمجھی اور اس کا انجام
ایک خونریز جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اختتام جنگ پر سیدنا علیؓ کے بعض ساتھیوں نے
سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے ساتھیوں کے اموال کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرنے کو کہا مگر
سیدنا علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سبائیوں نے اس پر طعن و تشنیع کی اور کہا کہ جب
ان کے خون ہمارے لیے حلال تھے تو ان کے اموال ہمارے لیے کیوں حلال نہیں؟ آپ نے

یہ شکر فرمایا کہ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا مال غنیمت میں اُس کے حصہ میں آئیں، یہ شکر سب نے چپ سادھ لی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۴)

اس جنگ میں سیدنا معاویہؓ کی طرف سے جو حضرات قتل ہوئے سیدنا علیؓ نے ان کے بارہ میں کلمہ شیریٰ کہا اور اپنے ساتھیوں کو منع فرمایا کہ وہ انہیں مومن کے سوا کسی اور نام سے یاد نہ کریں، آپؓ نے زیادہ سے زیادہ انہیں باغی کے لفظ سے یاد فرمایا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸، التفسیر قرطبی جلد ۱۶، ابن عساکر جلد ۱۲، المستقیٰ ذہبی صفحہ ۳۳۵)

آپؓ کو توقع نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور مطالبہ قصاص میں اس قدر جانیں تلف ہوں گی۔ چنانچہ جنگ جبل کے اس قتل عام سے آپؓ اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحبزادے سیدنا حسنؓ سے فرمایا:-

”بیٹا! کاش کہ تمہارا باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رحلت کر گیا ہوتا۔“

یہ شکر سیدنا حسنؓ نے عرض کیا:-

”ابا جان! کیا میں نے آپؓ کو اس سے روکا نہیں تھا؟“

آپؓ نے فرمایا:-

”بیٹل مجھے توقع ہی نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۴، تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۵۱، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۸۵۶)

(طبع حیدرآباد، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۵، صفحہ ۲۸۵)

مَعْرَکَةُ صَفِّینَ

پس منظر

سیدنا علیؓ کی بیعت کے بعد اکابر صحابہؓ کی زگاہیں اس بات پر تھیں کہ آپؓ کب

قاتلانِ عثمانؓ کو کبفر کردار تک پہنچاتے ہیں اور جن لوگوں نے دن دھاڑے مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنینؓ کو انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا ہے اُن کو کب اپنے کیے کا بدلہ دیتے ہیں، لیکن تمام لوگ متعجب ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ قاتلانِ عثمان نہ صرف آپس کے حاشیہ نشین ہیں بلکہ آپ اُن کو کاروبار حکومت کی ہر کلیدی آسامی پر متعین فرما رہے ہیں، کچھ صحابہؓ نے ذاتی طور پر سیدنا علیؓ سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔

راخضری جلد ۳ ص ۴۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۱۱) اور ایک خونریز جنگ تک نوبت پہنچی۔ جنگِ جمل کی خونریز جنگ کے معاملہ نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا علیؓ اور دیگر صحابہؓ کو اس بات کی ذرہ برابر توقع نہ تھی کہ دشمنانِ اسلام معاملہ کو اس حد تک پہنچا دیں گے۔ عثمان بن حنیفؓ اور قعقاع بن عمروؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اس جنگ میں شہید ہو گئے، کچھ صحابہؓ نے حالات کے اس طرح کروٹ بدلنے سے سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اموی سادات لیسرہ اور مدینہ میں اپنا مستقبل اچھا اور خوشگوار نہ سمجھتے ہوئے سیدنا معاویہؓ کے پاس شام بھاگ گئے۔ (کما فی الطبقات والبدایہ والکامل وغیرہا) دھر سیدنا علیؓ کی انتظامیہ پر سبائیوں کا پورا پورا قبضہ تھا اور اب وہ کسی قیمت پر سیدنا علیؓ کو کسی سے صلح کی کوشش جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ اس میں ان کے لیے سراسر نقصان تھا۔

اسی اثنا میں سیدنا علیؓ نے اپنی قوتِ فکر سے اور سبائیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکزِ خلافت بنایا جائے کیونکہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا ساز کا معلوم ہوئی، چنانچہ ۱۲ رجب ۳۶ھ کو آپ کوفہ تشریف لائے اور سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ :-

لے بعض صحابہؓ اور خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ ابن علیؓ کو حالاً کے اس نقطہ پر پہنچ جانے کا علم تھا اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا علیؓ کو ان اقدامات سے روکا جو انہوں نے کیے۔ (ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۱)

لَا تَخْرُجُ مِنْهَا قَوْلًا لِلَّهِ لِيَنْ خَرَجَتْ مِنْهَا لَا يَعُودُ إِلَيْهَا سُلْطَانُ الْمُسْلِمِينَ

أَيْدًا - (طبری جلد ۵ ص ۱۰۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۳)

اے علی! تم مدینہ سے باہر مت نکلو، بخدا اگر ایک دفعہ آپ مدینہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی۔

عراق میں آپ (سیدنا علیؓ) کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ عبداللہ بن سبار کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر وہی تو صوبے تھے اور انہی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئے۔ تاریخ کا طالب علم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دارالخلافت کی اس تبدیلی سے آپ کو مستقبل میں بہت نقصان اٹھانا پڑا، ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے بابرکت اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے، دوسرے آپ بالکل سائبیوں کے زرخ میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست اور انتظامیہ مالک الاشترؒ، کنانہ ابن بشر اور دیگر سبائی سرغنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے ساری زندگی آپ کو مشکلات سے دوچار رکھا اور خلافت اسلامیہ کو پانچ چھ سال تک ابتلائے عظیم میں مبتلا رکھا۔

ملکی انتظامیہ میں تبدیلی

دوسری بات جس نے اسلامی تاریخ کا دھارا تشتت و افتراق کی طرف موڑ دیا وہ ملکی انتظامیہ میں فی الفور تبدیلی تھی۔ سیدنا عثمانؓ کی طرف سے مختلف صوبوں میں مندرجہ ذیل گورنر تھے :-

ابو موسیٰ الاشعریؓ	(زمانہ کے لیے)	کوفہ
قعقاع بن عمروؓ	(امور جنگ کیلئے)	
جابر بن عمرو المزنیؓ	(امور مالیات کیلئے)	
عبداللہ بن عامرؓ		بصرہ
عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ		مصر

معاویہ بن ابی سفیانؓ
 عبد الرحمن بن خالد بن ولیدؓ
 حبیب بن مسلمہ فہریؓ
 ابوالاعور بن سفیانؓ
 حکیم بن علقمہؓ
 اشعث بن قیسؓ
 جریر بن عبد اللہؓ
 عتیبہ بن النہاسؓ
 مالک بن حبیبؓ
 عبد اللہ بن الحضرمیؓ
 قاسم بن ربیعہ الشقفیؓ
 یعلیٰ بن أمیہؓ
 سائب بن الاقرع
 النسیر
 سعید بن قیسؓ
 حبیش

شام
 حص
 قنسرين
 اردن
 فلسطين
 اذربايجان
 قرقيسيا
 حلوان
 قيساريه
 مکه مکرمہ
 طائف
 صنعاء
 اصبهان
 همدان
 ریت
 سبذان

مدینہ طیبہ کے بیت المال پر عقبہ بن عمروؓ اور قضاہ پر سیدنا زید بن ثابتؓ کو مقرر کیا گیا تھا۔ (الابدایہ والنبایہ جلد ۲۲، طبری جلد ۵ ص—)

لیکن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے ہی جہاں اپنے دار الخلافہ میں تبدیلی کی وہاں گورنروں میں بھی اہم تبدیلیاں کیں اور خلافت عثمانی کے قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ کچھ تو اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائوں میں سے گورنر متعین فرمائے، چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو مختلف صوبوں میں گورنر بنایا۔

یمن	عبد اللہ بن عباسؓ
بصرہ	سموہ بن جندبؓ
کوفہ	عمارہ بن شہابؓ
مصر	قیس بن سعد بن عبادہؓ، محمد بن ابی بکرؓ
شام	سہل ابن حنیفؓ
مکہ اور طائف	قثم بن عباسؓ، معبد بن عباسؓ
یمن	عبد اللہ بن عباسؓ (ایک روایت کے مطابق: ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۱)
مدینہ طیبہ	تمامہ بن عباسؓ
فارس	زیاد بن ابی سفیانؓ
آذربائیجان	اشعث بن قیسؓ (خیالقت عثمانی ہی سے یہاں تھے)
مدائن	یزید بن قیسؓ

مالک الاشتر (سبائی سرغنہ) موصل، نصیبین، دارالبحر، سنجار، آمد

میا فارقین اور شام کے بعض مقبوضات پر۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۳، الاخبار الطوال ص ۱۵۳، ۱۵۴، منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۷۳، المنتقى ص ۳۸۲، ۳۸۳، تاریخ غلیقہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۸۲، ۱۸۳، الاصابہ جلد ۲ ص ۲۴۳، جلد ۳ ص ۴۵۷، جلد ۴ ص ۲۳۸، ۲۵۸، طبری جلد ۲ ص ۱۸۶، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۹، جلد ۳ ص ۲۰۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی سیدنا علیؑ کے بارہ میں اپنے اقارب کو والی اور گورنر بنانا لکھا ہے، فرماتے ہیں:-

”و معلوم ان علیاً ولی اقاربه من قبل ابیه وأمه کعبہ اللہ

۱۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے عبد اللہ بن عباسؓ کا بصرہ کا گورنر ہونا لکھا۔ (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۷۴)

۲۔ طبری کی ایک روایت میں عثمان بن حنیفؓ کا گورنر بصرہ ہونا لکھا ہے۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۷۴)

وعبد الله ابني عباس فولی عبید اللہ بن عباس علی یمن وولت
 علی مکة والطائف قثم بن عباس واما المدينة فقیل انه ولی
 علیها سهل بن حنیف وقیل ثمامة بن العباس واما البصرة
 فولی علیها عبد الله بن عباس وولی علی مصر، یلیه محمد بن ابی بکر
 الذی رباہ فی حجرہ۔

اور یہ مسلم ہے کہ سیدنا علیؑ نے باپ اور ماں کی طرف سے اپنے عزیز واقارب کو
 گورنر مقرر فرمایا جیسے عبد اللہ بن عباسؓ اور عبید اللہ بن عباسؓ کو، پس آپؑ عبد اللہ بن
 عباسؓ کو یمن کا گورنر بنایا اور مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ کو والی مقرر کیا، لیکن یمن
 پر ایک روایت کے مطابق سهل بن حنیف کو اور ایک روایت کے مطابق ثمامہ
 بن العباسؓ کو گورنر مقرر فرمایا اور بصرہ پر عبد اللہ بن عباسؓ کو والی بنایا اور مصر
 کی گورنری اپنے ربیب محمد بن ابی بکرؓ جس کو آپؑ نے گودوں پالا تھا کے سپرد کی۔

(منہاج التئمة جلد ۳ ص ۱۴۲)

ہو سکتا ہے کہ آپؑ کی فوت نہ کرنے پر محسوس کیا ہو کہ حسب دستور آپؑ اپنی کابینہ کا انتخاب
 فرما کر جلد حالات پر قابو پالیں گے کیونکہ جب تک ملک کے انتظامی عہدوں پر آپؑ کے
 اپنے آدمی نہیں ہوں گے اس وقت تک آپؑ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، لیکن
 حالات کے دھارے نے یہ بتا دیا کہ جس شے کو آپؑ اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتے تھے وہی
 شے آپؑ کی ناکامی کا سبب بنی، لوگوں کو خیال ہوا کہ خلافت عثمانی کے گورنروں کو آپؑ
 بیشک معزول فرمائے لیکن کسی وجہ سے، اور اگر بغیر وجہ ہی کے معزول فرمانا تھا تو کم از کم
 حالات کے نشیب و فراز کو دیکھ کر معزول فرماتے، چند روز قبل تو امیر المؤمنینؑ کو دن بپہاڑ
 شہید کیا گیا، مفسدین میں آپؑ کا ربیب محمد بن ابی بکرؓ بھی تھا اور مالک الاشترؓ بھی اور دوسرے
 باغی بھی تھے جو اب آپؑ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے اور ہر کام میں آپؑ کے شریک کار
 اور مشیر تھے جس سے خواہ مخواہ ذہن اس طرف جاتا تھا کہ شاید آپؑ کا بھی شہادت عثمانی میں
 ہاتھ ہے، اس کے ساتھ آپؑ کا مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چند روز بعد خلافت عثمانی کے

گوزروں کو یکدم معزول کر دینا اور مالک الانتر جیسے سبائی سرغنہ کو بھی گوزر مقرر کرنا لوگوں کے لیے زیادہ غلط فہمی کا باعث بن گیا، اور پھر باوجود صحابہ کے مطالبہ و اصرار کے آپ کا قصاص عثمان کی طرف پوری توجہ نہ دینا، ان سب چیزوں نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے اور خلافتِ اسلامیہ میں آپ کے متعلق لوگوں کی ہمد دیاں زیادہ پختہ نہ ہو سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ جمل میں کئی ہزار لوگوں نے سیدہ عائشہؓ کا ساتھ دیا اور بہت اکابر صحابہ نے آپ (سیدنا علیؓ) کا ساتھ نہ دیا۔

مملکتِ اسلامیہ کے بارہ صوبوں میں عثمانی گوزروں میں بغیر کچھ وجہ بتائے اور بغیر ان کی جواب طلبی کئے اتنی جلدی تبدیلی اور مقرر کردہ گوزروں میں چار جگہ اپنے ہی خاندان کے لوگوں کا تقرر، پھر آپ کی اپنی فوج میں مفسدین کی اور قاتلانِ عثمان کی موجودگی آپ کے اپنے لشکر میں انتشار کا سبب بن گئی اور سپاہیوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، چنانچہ مالک الانتر نے جو خود بھی بعض علاقوں کا گوزر رہ چکا تھا جب دیکھا کہ سیدنا علیؓ نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گوزر مقرر فرمایا ہے اور ان کے گوزروں میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو مملکتِ اسلامیہ کے استحکام کا باعث ہو سکتے ہیں تو وہ غضبناک ہو گیا اور بولا :-

”علی ما قتلنا الشیخ اذن۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۴)

پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا؟
سبائی کسی صورت بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافتِ اسلامیہ مستحکم ہو، وہ تو مملکتِ اسلامیہ اور اسلام میں ایک ایسا فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے جس سے ایک تو (معاذ اللہ) مسلمانوں کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے اور دوسرے ان کی آتشِ انتقام کو تسکین ہو۔

آپ نے جن گوزروں کو چارج لینے کے لیے باہر بھیجا ان کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی اور وہاں کے لوگوں اور خلافتِ عثمانی کے گوزروں نے ان کو شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ چنانچہ سہل بن حنیفؓ جن کو سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کی جگہ شام کا گوزر بنا کر بھیجا تھا شام جاتے ہوئے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو آپ کو سیدنا معاویہؓ کے چند گھوڑ سوار ملے انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ سہل بن حنیفؓ نے جواب دیا: ”میں امیر ہوں“ انہوں نے

پوچھا کس شے پر امیر ہو؟ کہا: ”صوبہ شام کا امیر ہوں۔“

ان گھوڑ سواروں نے کہا کہ اگر تو سیدنا عثمانؓ نے آپ کو بھیجا ہے تو پھر اہلاً
وَسَهْلًا وَمَرْحَبًا۔ اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر واپس تشریف لے جائیے۔ چنانچہ
وہ سیدنا علیؓ کے پاس واپس تشریف لے آئے اور ان کو تمام حالات سے مطلع کر دیا۔

اسی طرح آپ کے گورنر قیس بن سعد جو کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ پر تشریف
لے گئے اُن کے جاتے پر بھی وہاں اختلاف واقع ہو گیا حالانکہ وہاں پہلے ہی محمد بن ابی
حذیفہؓ جو کہ سیدنا علیؓ کے خاص آدمی تھے حالات کو قابو میں کئے ہوئے تھے، لیکن پھر
بھی اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی اور ایک گروہ کہنے لگا:-

”لَا نَبَايِعُ حَتَّى نَقْتُلَ قَتْلَةَ عَثْمَانَ“

ہم اُس وقت تک بیعت نہ کریں گے جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو
رقصاص میں قتل نہ کر لیں۔“

لیکن اکثریت نے بیعت کر لی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، یہی حال بصرہ اور
کوفہ کے گورنروں کا ہوا۔ (راہن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

سیدنا معاویہؓ اور مطالبہ قصاص

سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا نعمان بن بشیرؓ صحابی رسول امیر مہاجرین
کی خون میں لٹھڑی ہوئی قمیض اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں لیکر
شام میں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں جا کر مدینہ میں باغیوں کی بریت
اور دہشت گردی اور امیر المؤمنینؓ کی مظلومانہ شہادت کا حال بیان کیا اور آپ کا خون آلود
گرتہ اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی دکھائیں، سیدنا معاویہؓ نے وہ گرتہ اور انگلیاں
لوگوں کو دکھانے کے لیے منبر پر رکھ دیں، اس منظر نے لوگوں کو رُلا دیا، وہ امیر المؤمنینؓ کی
اس مظلومانہ شہادت کا تصور کر کے اور ان کی قمیض جو کہ خون سے لٹ پٹی تھی دیکھ کر زار و قطار

روتے بلکہ بعض روایات کے مطابق ایک سال تک روتے رہے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ اور خود مدینہ طیبہ سے قاتلان عثمان سے قصاص کے مطالبہ کی تحریک شروع ہوئی اور اکابر صحابہ کے وفد نے سیدنا علیؓ سے مل کر کہا کہ: ”ہم نے اسلامی حدود کے نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی لیکن آپ قاتلان عثمانؓ کو پناہ دے رہے ہیں اور ان کو اپنا معاون و مددگار اور شریک محفل بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اسلامی حکومت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں لہذا شریعت اسلامی کے اقتضاء کے مطابق آپ انہیں سزا دیجیے۔“ (ایام العرب ۳۲۲، المحضری جلد ۳ ص ۴۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۱) —

شام میں بھی سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمار بن الصامتؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا ابوامامہؓ، سیدنا عمرو بن عبسہؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور تابعین میں سے شریک بن جہاشہؓ، ابومسلم الخولانیؓ اور عبدالرحمن بن غنمؓ وغیرہ نے لوگوں کو اس مطالبہ کی حمایت کے لیے کہا، لوگ تو پہلے ہی امیر مؤمنین کی مظلومانہ شہادت پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے اور باہر سے بھی اس مطالبہ کی خبریں ان کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں لہذا انہوں نے فوراً ان صحابہؓ اور اکابرین امت کی آواز پر لبیک کہا اور قاتلان عثمان سے قصاص کے مطالبہ کے لیے پورا شام اٹھ بیٹھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۴، ۲۲۸)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو جب سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت اور سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی جنگ جمل میں شہادت کے بارہ میں علم ہوا تو انہوں نے اہل شام سے صورت حال کے بارہ اور سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے بارہ میں مشورہ طلب کیا، تمام اہل شام نے یک زبان ہو کر سیدنا عثمانؓ کے خونِ ناحق کا قصاص طلب کرنے کی تائید کی اور:۔

”فَبَايَعُوهُ عَلَى ذَلِكَ أَمِيرًا غَيْرَ خَلِيفَةٍ۔“ انہوں نے خلیفہ

ہوتے کے لحاظ سے نہیں بلکہ امیر ہونے کی حیثیت سے طلب قصاص کے

لیے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔“

شام میں قاتلان عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کیا

تھا بلکہ بعض صحابہ اور رؤسائے شام نے انہیں اس مطالبہ کے لیے مجبور کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب سیدنا جریر بن عبداللہ سیدنا علیؓ کا خط لے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی گئی تھی تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور دوسرے رؤسائے شام کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔

”قَابِلُوا اَنْ يَبَايَعُوْهُ حَتّٰى يَقْتُلُوْا قَتْلَةً اَوْ يَسْلَمُوْا اِلَيْهِمْ قَتْلَةً عَثْمَانَ -
تو انہوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے اُس وقت تک انکار کیا جب تک کہ قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے اور اگر سیدنا علیؓ ان سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو قاتلانِ عثمان کو ان کے حوالہ نہ کر دیا جائے۔“
اور اگر سیدنا علیؓ ان دو باتوں میں سے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتے تو
”قَاتِلُوْهُ وَاَلْحِمْ يَبَايَعُوْهُ حَتّٰى يَقْتُلُوْا قَتْلَةً عَثْمَانَ - اَنْ كَيْ سَاحَقَ قِتَالٍ كَيْ يَجَايَ اَوْ اَنْ كَيْ اُسَ وَاقْتِ بَيْعَتِ نَهْ كَيْ يَجَايَ جِبْ تَمَّ كَمْ
وہ قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کریں۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۲، ص ۲۵۳)

سیدنا معاویہؓ کی معزولی

اور اُس کا ردِ عمل

ادھر شام میں یہ کاروائیاں ہوں ہی تھیں اُدھر مدینہ طیبہ میں سیدنا معاویہؓ کی معزولی کی تدبیر کی جا رہی تھی، وہ معاویہؓ جو سیدنا عمرؓ کے زمانہ سے شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اپنی فکری، علمی، عملی قابلیتوں کی وجہ سے وہاں سلطنتِ اسلامیہ کی دھاک بٹھائے ہوئے تھے اُن کو اب صرف اس وجہ سے اپنے عہدے سے ہٹایا جا رہا تھا کہ اُن کا سیدنا عثمانؓ اور اُن کے خاندان بنو امیہ سے تعلق تھا۔ کئی صحابہ نے اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی مخالفت کی اور گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست و تدبیر میں اپنی مثال آپ تھے سیدنا علیؓ سے عرض کیا کہ آپ معاویہؓ اور دوسرے عثمانی گورنروں

کو اپنے مناصب سے ہٹانے میں اتنی جلدی نہ کریں، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں، اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں، اس سے ایک تو آپ کی بیعت، سب علاقوں میں آسانی سے ہو سکے گی دوسرے ان شہروں میں امن و امان بھی بحال رہے گا اور لوگ بھی پرسکون زندگی گزارتے رہیں گے۔ لیکن سیدنا علیؑ نے ان کی ایک نہ سنی، پھر سیدنا عبداللہؑ بن عباسؑ نے بھی آپ کو سمجھایا کہ آپ ابھی معاویہؓ کو برطرف نہ کریں اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہیں گے تو حالات کسے اتنا خراب ہونے کا امکان نہیں لیکن اگر ان کو شام کی گوزری سے ہٹا دیا گیا جہاں وہ بیس سال سے رہ رہے ہیں اور پورا شام ان کے زیر تصرف اور زیر اثر ہے تو سارے شام، عراق اور دوسرے صوبوں کی فضاء آپ کے خلاف مکتدہ ہو جائے گی، لیکن سیدنا علیؑ نے ان کے مشورہ پر بھی توجہ مبذول نہ فرمائی۔

۱۶۶ (اخبار الطوال لابی حنیفۃ الدین توری ص ۱۲۲، البدایہ جلد ۷ ص ۲۲۸، تاریخ الاسلام)

سیدنا علیؑ نے اپنی فکر کے ماتحت سہل ابن حنیفؓ کو سیدنا معاویہؓ کے بجائے وہاں کا گورنر مقرر فرما کر بھیجا لیکن سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں نے ان کو شام کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور مقام تبوک ہی سے ان کو واپس کر دیا۔

(طبری جلد ۵ ص ۱۶۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۱)

اس کے بعد سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ کو کئی خطوط لکھے جن میں یہ لکھا کہ مہاجرین و انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، لیکن سیدنا معاویہؓ پریشان تھے کہ کیا جواب دیا جائے کیونکہ شام میں قاتلانہ عثمان سے قصاص کی تحریک زوروں پر تھی۔ چنانچہ صفر المنظر ۳۱ھ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے تین ماہ بعد سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایک خاص قاصد کی معرفت آپ کو جواب بھیجا، سیدنا علیؑ نے جب لغافہ کھولا تو اس میں سوائے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور مِنْ مُّعَاوِیَۃَ الْاَبْنِ عَلِیِّ کے اور کچھ نہ تھا، اس سے سیدنا علیؑ نے حالات کی ناخوشگوارگی کا اندازہ لگالیا۔

قاصد نے زبانی بھی وہاں کا سارا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا کہ سارا شاہنشاہ عثمانؓ

سے قصاص لینے پر تڑپا ہوا ہے، اور کہا کہ میں نے شام میں ۶۰ ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی وارھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ جب تک وہ اس خون ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱، طبری جلد ۵ ص ۱۰۰، اخبار الطوال ص ۱۰۰) یہ جواب سنکر سیدنا علیؓ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، آپ کے ساتھیوں نے پھر آپ کو روکا لیکن آپ نے ان کی بالکل نہ مانی، خود آپ کے بڑے صاحبزادے سیدنا حسن بن علیؓ نے کہا :-

”یا ابی دعو هذا فان فيه سفاك دماء المسلمين ووقوع

الاختلاف بينهم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹) اباجان! آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی ہوگی اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہونے کا اندیشہ ہے، لیکن انہی حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ :-

”فلو يقبل منه ذلك بل صمم على القتال وريت الجیش۔

اس مشورے کو انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس کے لیے لشکر بھی مرتب کر لیا۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

آپ نے محمد بن حنفیہؓ کو علم بر وار، عبداللہ بن عباسؓ کو میمنہ پر، عمرو بن ابی سلمہؓ کو میسرہ پر اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے بھتیجے ابولیلیؓ کو مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر فرمایا، قثم بن عباسؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ غرض کہ سیدنا معاویہؓ سے جنگ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کر لیں اور شام کا قصد کرنے ہی والے تھے کہ درمیان میں جنگ جبل کا حادثہ پیش آ گیا جس کا اجمالی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت معاویہؓ سے مصالحت

جنگِ جمل کی خوزینہ نے سیدنا علیؓ کو بہت زیادہ متاثر کیا لہذا انہوں نے اب پہلے مصالحت کے لیے سیدنا معاویہؓ کو ایک خط لکھا اور سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، آپ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشتر سہائی نے بڑے شک و شبہ کا اظہار کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:-

”لا تفعل فان هواہ مع معاویۃ۔ (ابن الاثیر جلد ۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۵۳)

اس کو نہ بھیجیں کیونکہ اس کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔“

لیکن سیدنا علیؓ نے اشتر کی بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کو خط دے کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ مہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی ہے لہذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق رؤسہ شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان کو وہ خط سننا کہ مشورہ طلب کیا لیکن ان میں سے ایک نے ان کو سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں کہ:-

”فالوان یبایعوه حتی یقتل قتلة عثمان اوان یسلم الیہم قتلة

عثمان وان لہ یفعل قاتلہ ولہ یبایعوه حتی یقتل قتلة

عثمان رضی اللہ عنہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۲۵۳)

ان در رؤسائے اس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک

قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد نہ کیا جائے

تاکہ اگر سیدنا علیؓ قاتلانِ عثمان کو قتل نہیں کر سکتے تو وہ کریں اور اگر آپ

رسیدنا علیؓ ایسا نہیں کرتے تو وہ ان سے قتال کریں اور اس وقت تک

ان کی بیعت نہ کریں جب تک کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قصاص

میں قتل نہ کر دیا جائے۔

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبد اللہؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبد اللہؓ نے دیکھا کہ لوگ امیر المومنین عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قمیص کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک وہ نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے اور جو آدمی قصاص عثمانؓ کے آڑے بھی آئے گا اس سے بھی جنگ لڑیں گے۔

چنانچہ سیدنا جریر بن عبد اللہؓ بھلی نے شام میں جو کچھ دیکھا اس کی پوری رپورٹ سیدنا علیؓ کو دے دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے بارہ ہیں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ عثمانؓ کی منظوری سے شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی شہادت میں ہاتھ ہے اور انہوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ جریر بن عبد اللہؓ کے منہ سے یہ واقعات سن کر مالک الاشترؓ لال پیدا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں، اگر آپ مجھے قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی، لیکن سیدنا جریرؓ نے کہا ”بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ آنے دیتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلان عثمانؓ میں سے ہو۔“ مالک الاشترؓ نے آگے سے کچھ الٹا ہی جواب دیا، جس پر سیدنا جریر بن عبد اللہؓ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قریب سا میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کو اپنی اس بات چیت سے مطلع کر دیا۔

سیدنا علیؓ نے مصالحت کی کوششیں رائیگاں سمجھتے ہوئے جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے کرنا شروع کر دیں اور اپنے تمام گوزر زوں اور سکام کو ملک کے ددر راز حصوں سے جنگ میں شرکت کے لیے خطوط لکھے، جس سے قریباً اسی ہزار آدمیوں کا

شکر تیار ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲، ص ۲۷۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۲، ۱۴۱)

سیدنا معاویہؓ کی جوانی کا وائی

سیدنا معاویہؓ کو جب پتہ چلا کہ سیدنا علیؓ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی جوانی کا وائی کے طور پر جنگ کے انتظامات کرنے شروع کر دیئے، آپ کا ارادہ بالکل جنگ کرنے کا نہیں تھا آپ تو صرف قاتلانِ عثمان سے قصاص لینا چاہتے تھے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ :-

”لحم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

معاویہؓ نے (صفین کی) جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ تو اس بات کے سب سے زیادہ خواہشمند اور حرصیں تھے کہ یہ قتال اور خونریزی نہ ہو۔“

آپ کی یہ ساری تیاری صرف مدافعت تھی نہ کہ جارحانہ، آپ سیدنا علیؓ کے مقام اور مرتبہ سے بخوبی واقف تھے جیسا کہ آپ نے کئی موقعوں پر اس کا اقرار بھی کیا لیکن ادھر سیدنا علیؓ کی فوج میں مالک الاشتر، محمد بن ابی بکر، کنانہ بن بشر وغیرہم سبائی سرغنہ قائدانہ حیثیت سے شامل تھے، اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے دو گروہوں کو ضرور آگ کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے تھے کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا جس کی وجہ سے قتلِ عثمانؓ کے بعد ان کی جان بچ سکتی تھی۔

بعض دشمنانِ اسلام نے واپسی تباہی بکواس کر کے اور غلط قسم کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہؓ کی بڑی گھناؤنی تصویر پیش کی ہے اور ان کی بلند اور ارفع شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان ناقدین نے خود اپنی شخصیتوں کو داغدار کر دیا ہے۔

اکابر صحابہ کا سیدنا علیؑ سے اختلاف

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر مخلص اور بھی خواہان کو بھروسہ اور پریشانی لاحق ہونے لگی کیونکہ ابھی تک جنگ جمل کے شہداء کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا خونریز مرحلہ امت کے سامنے پیش آگیا، یہ جنگ بھی کفر و اسلام کے درمیان میں نہیں تھی بلکہ جنگ جمل کی طرح اکابرین امت کے درمیان تھی جو "اساطین امت" کہلاتے تھے، اس لیے اکثر صحابہ نے اس آگ سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی اور اکثر اس میں گامیاب بھی ہو گئے، اہل مدینہ نے بھی سیدنا علیؑ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ :-

"فاشهد علیٰ اهل المدينة الامر فتنوا قتلوا۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۲)
اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریق سے اپنا پہلو بچایا۔"

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ :-

"فتدب اهل المدينة لسيرهم فتنوا قتلوا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۵)
اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کیلئے آپ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا۔"
علامہ ابن کثیرؒ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"وكان عليّ لما عزم عليّ قتال اهل الشام قد تدب اهل المدينة
الى الخروج معه فابوا عليه۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۳)
سیدنا علیؑ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کیا۔"
اس کے بعد آپ نے انفرادی طور پر مختلف صحابہ سے ساتھ چلنے کی اپیل کی، سیدنا

عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ان کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی تو آپ نے کہا :-

”انما انا من اهل المدينة وقد دخلوا في هذا الامر قد خلت

معهم فان يخرجوا خرج معهم وان يقعدوا أقعد۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۵۵)

میں اہل مدینہ میں سے ہوں اگر وہ اس معاملہ میں شامل ہوئے تو میں بھی

شرکت کروں گا لیکن اگر انہوں نے شرکت نہ کی تو میں بھی شرکت نہیں کروں

گا اور اگر وہ بیٹھ گئے تو میں بھی بیٹھ جاؤں گا۔“

چنانچہ جب عبداللہ بن عمرؓ انفاق و فتنہ نے اہل مدینہ کی طرف رجوع کیا تو ان

کو یہ کہتے ہوئے پایا :-

”والله لا ندرى كيف نصنع فان هذا الامر مشتبہة علينا و

نحن مقيمون حتى يضى لنا ويسفر۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۵۵)

بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے،

جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے اُس وقت تک ہم اس بارہ میں

کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔“

اہل مدینہ کا یہ جواب سُن کر آپ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، خود سیدنا

علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حسن ابن علیؓ اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کے سخت مخالف

تھے اور انہوں نے سیدنا علیؓ سے کہہ دیا :-

”ابا جان! آپ اس ارادہ کو چھوڑ دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی اور

باہمی اختلاف کے سوا اور کچھ نہیں۔“

لیکن آپ نے ان کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور جنگ کی تیاریاں

شروع کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

جنگِ جمل کی خونریزی کے موقع پر بھی جب سیدنا علیؓ نے بھد حسرت و یاس اپنے

بیٹے سیدنا حسنؓ سے فرمایا :-

”یا حسن ليت اباك مات منذ عشرين سنة۔“

اے حسن! کاش کہ تیرا باپ آج سے بیس سال قبل اس دنیا سے انتقال
کر گیا ہوتا (اور آج یہ خونریزی نہ دیکھتا)۔
جو اب میں سیدنا حسنؑ نے کہا:-

”یا ایہ قد کنت انہاک عن ہذا۔
ابا جان! کیا میں نے آپ کو پہلے ہی منع نہیں کیا تھا؟“
آپ نے فرمایا:-

”یَابُنِّیْ اِنَّ لِحَدَثِ الْاَمْرِ یَبْلَغُ هَذَا۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۲۱)
بیٹا! مجھے تصور بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔“
سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور کوفہ کے
لوگوں سے ساتھ چلنے کے لیے کہیں آپ نے بھی ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے
آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک فتنہ برپا ہوگا:-

”النَّائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْيَقِظَانِ وَالْيَقِظَانُ خَيْرٌ مِنَ الْفَتَاعِ
وَالْفَتَاعُ خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرَاكِبِ وَالْمَرَاكِبُ خَيْرٌ
مِنَ السَّاعِي۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اس فتنہ کے زمانے میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہے اور جاگنے والا
بیٹھنے والے سے بہتر ہے اور بیٹھا ہوا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے اور
کھڑا سوار سے بہتر ہے اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہے۔
لہذا تم لوگ اپنی تلواروں کو نیا موں میں کر لو اور اپنے نیزوں کو کند کر لو یہاں تک
کہ فتنہ فرو ہو جائے۔“

غرضیکہ انہوں نے بھی اس کشمکش سے پہلو تہی کی۔

سیدنا علیؑ کے حقیقی بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالبؑ بھی آپ کی اس سوش
کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ آپ کے لشکر میں اکثریت قاتلان عثمان اور ان لوگوں کی ہے
جو مملکت اسلامیہ میں فتنہ و فساد کا باعث ہوئے ہیں، سیدنا علیؑ کو جھوڑ کر سیدنا معاویہؓ

کے پاس شام چلے گئے۔ چنانچہ شیعی مؤرخ لکھتا ہے:-

”وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ

میرب الحف معاویۃ وشہد صفین معہ۔

(عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۵۱)

اور عقیل اپنے بھائی علیؑ امیر المؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ

ہو گئے اور معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر

آپؑ نے علیؑ سے صفین کی جنگ لڑی۔“

ان اکابرین کے سوا اور کئی ایک دوسرے حضرات بھی اس بات کے قطعاً حاکم

نہیں تھے کہ حضرت علیؑ اہل شام سے جنگ کریں۔

مصالحات کی ایک اور کوشش

ادھر سیدنا معاویہؓ کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر شام کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کی

راے یہ تھی کہ معاملہ کو نقطہ کتابت یا زبانی بات چیت کے ذریعہ طے کیا جائے اور کوئی ایسا

قدم نہ اٹھایا جائے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہو، چنانچہ وہاں کے ایک

عابد شب زندہ دار اور دردمند بزرگ ابوسلم الخولانیؓ چند مسلمانوں کی معیت میں

ابو سلم الخولانیؓ ایک نہایت با عظمت اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اصل نام عبداللہ بن ثوب اور بعض

کے نزدیک عبد بن ثوب ہے، کنیت ابوسلم ہے۔ آپ یمن کے شہر خولان کے رہنے والے تھے، اس وجہ سے خولانی

کہلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں مشرف باسلام ہوئیں سرکارِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی سعادت سے محروم ہے، اس وجہ سے تابعین میں سے شمار ہوتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن کے ایک شخص اسود غنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا

اُس نے اپنی نبوت کی تصدیق کے لیے انہیں بلوایا، جب آپ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ :-

”انت تنزع علیٰ اهل انت مثلہ ؟“

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علیؓ سے برسرِ پیکار ہونا چاہتے ہیں، کیا آپ اپنے کو ان کے ہم پایہ اور برابر سمجھتے ہیں ؟

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) پوچھا: ”کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی تصدیق کرتے ہو؟“ آپ نے برملا فرمایا ”ہاں“ اس کے بعد اس نے پوچھا کیا تم میری نبوت کی تصدیق کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا: ”ہیں یہ بات سننا بھی گوارا نہیں کوتاہی“ اسود عنسی نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ ان کو آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو ایک بہت بڑے آگ کے الاؤ میں پھینک دیا گیا لیکن آپ پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ بالکل صحیح اور سلامت رہے۔ پھر اسود عنسی نے انہیں جلا وطن کر دیا تاکہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگ میری نبوت کا انکار نہ کریں۔

آپ وہاں سے مدینہ طیبہ تشریف لائے، اس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ مسلمین تھے، آپ جب سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے تو سیدنا فاروق اعظمؓ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں اپنے اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے درمیان بٹھایا، یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا، اس کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا ابوسلم الخولانیؓ کی پینٹائی کو شفقت و محبت کی وجہ سے بوسہ دیا اور فرمایا :-

”اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امت محمدیہ کے ایسے شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا خلیل اللہ والی معاملہ کیا۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۶، حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۲۹)

سیدنا ابوسلم الخولانیؓ نہایت صاحبِ کرامت بزرگ تھے، ان کی بہت سی کرامتیں کتابوں میں مرقوم ہیں

(ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۳۰)

اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت حق گو اور بیباک تھے، اسی حق گوئی ہی کی وجہ سے اسود عنسی نے انہیں آگ

میں پھینک دیا تھا، ان کی حق گوئی کے بھی کئی واقعات کتابوں میں درج ہیں۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا :-

لا والله اني لاعلم ان علياً افضل مني واحق بالامر ولكن الستم تعلمون
ان عثمان قتل مظلوماً وانا ابن عمه وانا اطلب بدمه فاقوا علياً
فقولوا له فليدفع الى قتلة عثمان واسلم له -

خدا کی قسم میں اپنے کو علیؓ کے برابر نہ کہتا ہوں بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے
افضل ہیں اور امر خلافت میں مجھ سے زیادہ حق دار ہیں لیکن کیا تم لوگ نہیں جانتے
کہ سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور سیدنا
علیؓ سے سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کا طلبگار ہوں لہذا تم علیؓ سے جا کر
کہو کہ اگر وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہیں ہمارے
حوالے کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے پھر دیکھیں کہ میں کیسے ان کی
اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہوں اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتا ہوں ؟

(تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸)

ابو سلم الخولانیؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور امت کے لیے ایک درد تھا وہ اس
معاملہ کو نو نریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے لہذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ
سب مطالبات مجھے لکھ دیں میں خود سیدنا علیؓ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو
کر کے آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو سلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ
نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامع پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو سلم الخولانیؒ
کے ہاتھ سیدنا علیؓ کو روانہ کیا :-

”اما بعد! سیدنا عثمان امیر المؤمنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں
شہید کیے گئے، آپ ان کے گھر کا شور و غل اور آہ و بکا سنتے رہے لیکن اپنے
قول و عمل سے اس کا کوئی مداوانہ کیا، میں قسم کھتا ہوں کہ آپ اگر خلاص اور
سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو ان کے قتل سے روکتے تو آج
نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں تیار
دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں، ہمارے کانوں
تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتلِ عثمان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں،
اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو قاتلانِ عثمانؓ کو ہمارے
حوالہ کر دیں۔ (اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے، اور اے علیؓ! آپ
یقین رکھیے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر آپ
ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے، خدائے بزرگ و بڑے
کی قسم! ہم بحر و بے سے قاتلانِ عثمانؓ کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا
پھر خود اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیں گے۔“

ابو سلم الخولانیؓ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؓ کی خدمت میں پہنچے، خط
پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیئے اور پورا پورا یقین دلایا کہ
یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے، آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق
ہیں کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیں کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں، لیکن اگر آپ ان
سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں، اس طرح
سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیں گے اور آپ کے مخالفین کے
ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے۔

سیدنا علیؓ نے ابو سلم الخولانیؓ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سُنیں، آپ نے
اُس روز تو ابو سلمؓ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا، دوسرے
دن ابو سلمؓ جامع مسجد کوفہ میں جب آپ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح
آدمی یہ نعرے لگا رہے تھے :-

”کلنا قتلۃ عثمان۔ ہم سب قاتلانِ عثمانؓ ہیں۔“

یہ دیکھ کر ابو سلمؓ نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے
اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے، بعد ازیں سیدنا علیؓ نے زبانی

ابو سلم الخولانیؒ سے کہا کہ قاتلوں کو ان لوگوں کے حوالہ کرنا میرے امکان سے باہر ہے
 لہذا میں مجبور ہوں اور سیدنا معاویہؓ کے خط کا حسب ذیل تحریری جواب دیا۔
 ”معاویہ! قتل عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے بالکل بری ہوں
 نہ میں نے کسی کو ان کے خلاف بھڑکایا ہے اور نہ ہی کسی کی معاونت کی ہے
 ہاں جب ہنگامہ نے زیادہ خطرناک صورتحال اختیار کر لی تو میں خانہ نشین ہو گیا
 میرے خیال میں قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کو آپ اپنے مقصد کے
 حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اگر آپ اس فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے
 تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہی آپ سے کیا جائے گا“
 (اخبار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴، ملخصاً)

گشتی مراسلہ

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے تمام عالم اسلامی کو وہ اسباب اور وجوہات لکھ
 بھیجیں جنہوں نے انہیں اس بات پر مجبور کیا اور انہیں سیدنا علیؓ کے گورنروں اور
 حکام کے نام بھی روانہ کیا، آپ نے لکھا کہ:-

”تم لوگ اطاعت و جماعت کی طرف دعوت دیتے ہو، وہ جماعت جس
 کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے، یہی تمہارے دوست
 کی اطاعت سو وہ ہم پر فرض نہیں کیونکہ تمہارے دوست (سیدنا علیؓ) نے
 ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا، ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا، ہمارے
 خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی اور ان کو اپنے ہاں بڑے بڑے عہدوں سے
 نوازا، تمہارا رفیق کہتا ہے کہ میں قتل عثمانؓ سے بری ہوں، ہم اس کی تردید
 نہیں کرتے لیکن کیا تم لوگوں نے عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا ہے؟ کیا وہ علیؓ
 کے دوست نہیں ہیں؟ کیا وہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہے

ہیں؟ تمہارے امام کا فرض ہے کہ وہ ان قاتلوں سے قصاص لے اور اگر خود
 قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو ان قاتلوں کو ہمارے حوالہ کریں تاکہ ہم
 خلیفہ المسلمین کے قتل کا قصاص لیں اور پھر اطاعت و جماعت کی طرف
 بلیک کہیں۔ (طبری جلد ۶ ص ۷۰)

سیدنا معاویہؓ کے اس گشتی مراسلہ نے سیدنا علیؓ کے لیے ایک بہت بڑی مشکل
 پیدا کر دی جس کا حل بہت دشوار تھا کیونکہ سیدنا علیؓ کے لیے قاتلان عثمانؓ سے قصاص
 لینا یا ان کو طالبانِ قصاص کے حوالے کرنا آسان کام نہیں تھا، جبکہ وہی لوگ آپ کے
 دست و بازو اور اعوان و انصار تھے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمام لوگوں میں شک کی
 ایک لہر دوڑ جاتی ہے جس سے آپ کی پوزیشن مخدوش ہونے کا قوی احتمال تھا خواہ اس
 حادثہ میں آپ کا دخل ہو یا نہ ہو۔

سیدنا علیؓ نے اس گشتی مراسلے کا ایسا مبہم سا جواب دیا جس سے لوگوں کے
 دل مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ اس الزام کو واضح طور پر رفع نہ کر سکے جو کہ سیدنا معاویہؓ
 نے آپ پر لگایا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اعوان و انصار کی ایک کافی تعداد آپ
 سے کٹ گئی۔

سیدنا علیؓ کی شام کو روانگی

دونوں حضرات اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور مصالحت کی سب
 تدبیریں الٹ گئی تھیں جس کے نتیجہ میں وہ ہنگامہ پیش آ گیا جس سے بچنے کے لیے
 یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔ سیدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا کہ معاویہؓ اپنے مطالبہ سے باز نہیں
 آرہے ہیں تو آپ نے سیدنا ابوسعود انصاریؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر ذوالحجہ
 ۳۶ھ میں اسی ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔

۱۔ یعقوبی وغیرہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں شریدری صحابہ، سات بیعت رضوان کے شرکاء اور
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا علیؑ کے لشکر کی روانگی کے متعلق سکر سیدنا معاویہؓ بھی شام سے نکل پڑے،
 ان کا مقدمہ ابجیش ابوالاعور سلمیٰ کی قیادت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں سیدنا علیؑ کے ہر اول دستہ
 سے مٹھ بھڑھو گئی، ابوالاعور سلمیٰ نے سیدنا علیؑ کے مقدمہ ابجیش کو آگے بڑھنے سے روکا
 جس سے معاملہ بڑھ گیا، علوی فوج کے افسر زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی نے سارا دن نہایت
 بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، اسی اثنا میں حضرت علیؑ کی فوج سے اشتراخنی کما
 لے کر آ گیا، ابوالاعور نے حالات کی نزاکت کے تحت رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے
 ہٹا لیا اور سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؑ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی، انہوں نے صفین کے
 میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور وہاں اپنے ڈیرے جمادیئے۔

(زینیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) چار سو عام مہاجر و انصار تھے (جلد ۲ ص ۲۱۸) لیکن ان کی روایت درست نہیں
 ہے، امام ابن کثیرؒ نے امام محمد بن میرؒ کا اس بارہ میں ایک قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "قتلہ
 اٹھا اور اصحاب رسولؐ اس وقت دست ہزار تھے لیکن ان میں سے سوا بھی اس میں شامل نہ تھے
 بلکہ تیسؑ بھی نہیں تھے" (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۵۲) اور امام شیعہؒ سے جب یہ کہا گیا کہ ابوشیبہ
 یہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ستر ہزار صحابہ تھے شرکت کی تو امام شیعہؒ نے فرمایا: "کذب
 ابوشیبہ۔ ابوشیبہ سے غلطی ہو گئی ہے۔"
 علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

"أما ان رجلاً من اهل بدر لم يوتهم بعد قتل عثمان
 فلم يخرجوا الا الى قبورهم - (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۵۳)
 اصحاب بدر شہادت عثمانؓ کے بعد خانہ نشین ہو گئے اور وہ اپنی قبروں کے
 سوا اور کہیں نہ نکلے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی تاریخی شہادتیں اس بات پر موجود ہیں کہ جنگ صفین میں سیدنا علیؑ
 کے ساتھ اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور مہاجرین و انصار کی اتنی بڑی تعداد تھیں جتنی کہ بیان
 کی جاتی ہے۔

ایک من گھڑت وایت

غرض دریائے فرات کے کنارے صفین کے میدان میں دونوں فوجیں اتر پڑیں۔ ابوبوری نے اخبار الطوال ص ۱۶۸، مسعودی نے مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۸۶، طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک جلد ۵ ص ۲۴۲، ابن الاثیر نے الکامل جلد ۳ ص ۱۳۵ اور ابن الطقطقی نے کتاب الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ کے ص ۸۲ پر شعی روایات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے پہلے سے جا کر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور انہوں نے سیدنا علیؓ کے لشکریوں کا پانی بند کر دیا اور حبیب سیدنا علیؓ کے لشکریوں کو زیادہ پیاس لگی تو انہوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا تاکہ وہ پانی لائے لیکن سیدنا معاویہؓ کے آدمیوں نے کہا :-

”موتوا عطشا کہا منعتم عثمان العاص۔ پیاس سے مرو جس طرح تم نے عثمانؓ پر پانی بند کیا۔“

اس پر دونوں طرف سے پہلے نیزہ بازی ہوتی رہی اور بعد میں تلواروں کی جھٹکار پڑی اور کئی سو آدمی شہید ہو گئے یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں سے گھاٹ کو واکزار کر لیا گیا۔

یہ روایت ایسی ہے کہ نہ تو اس کی کوئی سند ہے اور نہ ہی درایت کے لحاظ سے یہ درست ہے، یار لوگوں نے قراغت سے ایسی روایات گھڑی ہیں اور صحابہ کرامؓ جو کہ قرآن و حدیث کے اولین راوی تھے، کے مقام اور احترام کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے یہ ایک سازش کی گئی ہے، کیونکہ قرآن و حدیث کو مخدوش اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ پہلے صحابہؓ کے مقام کو مخدوش کیا جائے۔ کتنے ظالم اور دین کے دشمن ہیں وہ لوگ جو ایسی غیر معتبر روایات پر یقین کر کے صحابہؓ کی تحقیق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

علم سیدنا معاویہؓ کی خاص صفت تھی، آپ تو قصور وار کو بھی اپنے حلم کی بناء پر معاف

کر دیتے تھے، چہ جائیکہ سیدنا علیؑ جن کے متعلق وہ خود کہتے ہیں کہ مجھ سے افضل ہیں۔
 بھلا ان کے ساتھ آپ ایسا کر سکتے تھے؟ آپ کا تو ارادہ ہی جنگ کا نہ تھا آپ تو صرف دفاع
 کے لیے آئے تھے نہ آپ کا مقصد سیدنا علیؑ کو شکست دینا تھا اور نہ ہی ان کا پانی بند
 کر کے ان کو رسوا یا ذلیل کرنا تھا، پھر نہ تو سیدنا معاویہؓ اس قدر نا عاقبت اندیش تھے اور
 نہ ہی دریا اتنا چھوٹا تھا کہ گھاٹ پر قبضہ کرنے سے پورا دریا ان کے قبضہ میں آجاتا۔ ایسی وایات
 گھڑنے والوں میں معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کم عقل رکھی ہوتی ہے یا کسی کی دشمنی اور کسی
 کی محبت میں ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی بردباری اور حلم پر اپنے تو اپنے
 پرایوں نے بھی گواہی دی ہے۔ چنانچہ ابن طلقی شیعہ ہونے کے باوجود سیدنا معاویہؓ کے
 تدبیرِ حلم و بردباری اور فراستِ فہمی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

”امیر معاویہؓ ایک دنیا شناس دانشمند، صاحبِ علم و فراست، بردبار، اعلیٰ درجہ
 کا سیاستدان بہترین منتظم اور فصیح و بلیغ انسان تھا، نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی
 کے موقع پر سختی سے کام لیتا تھا لیکن بردباری کا پہلو اس میں غالب تھا۔ اشراف
 قریش میں سے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن جعفرؓ، ابن ابی بکرؓ اور ابان بن
 عثمانؓ جیسے بزرگ اس کے پاس حاضر ہوتے، بعض دفعہ اگر کوئی سخت لفظ
 بھی کہہ دیتا تو معاویہؓ کبھی تو ہنسی خوشی میں ٹال دیتے اور کبھی اغماض و چشم پوشی
 سے کام لیتے۔ مزید برآں آپ ان کو بڑے بڑے انعامات سے نوازتے۔“

را الفخری ص ۳۷۷

۱۔ تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸ ۲۔ نہ صرف یہ بزرگ بلکہ سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ تو مستقل
 وہیں کے ہو رہے، اور سیدنا حسن بن علیؑ اور سیدنا حسین بن علیؑ بھی کثرت سے آپ کے پاس
 جاتے اور آپ کی داد و دہش سے بہرہ ور ہوتے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ ۳۔ یہ
 بات سراسر غلط ہے، صحابہ کرام ”رَحْمَةُ بَيْنَهُمْ“ کا مصداق تھے اور آپس میں نرم دل اور
 نرم نہ تھے۔

یہی مصنف آگے لکھتا ہے :-

”اسی اعلیٰ کردار کی بدولت امیر معاویہؓ عالم اسلام کے خلیفۃ المسلمین بننے میں کامیاب ہو گئے اور تمام مہاجرین و انصار نے آپ کے سامنے تسلیم خم کر دیا، امیر معاویہؓ اپنی دانشمندی اور زیرکی کی بدولت، ہی عرب کے شہرہ آفاق دانشمند اور زیرک شخصیت عمرو بن العاصؓ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ ان دونوں میں کسی قسم کی دلی الفت اور محبت موجود نہ تھی“ (الفخری ص ۷۵)

آپ کی بردباری، حلم اور زیرکی کے متعلق پروفیسر ہٹی (HITTI) نے بھی اپنی کتاب HISTOTY OF THE ARABS میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

جب آپ اس قدر بردبار اور شہرہ آفاق زیرک تھے تو عقلی طور پر یہ بعید ہے کہ آپ سیدنا علیؓ کے لیے دریائے فرات کا پانی بند کر دیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہی لوگوں کی بنائی ہوئی روایت ہے جنہوں نے یرید کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس نے سیدنا حسینؓ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَذِهِ الْخُرَافَاتِ۔

یہ روایت جن لوگوں نے گھڑی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور سیدنا ولید بن عقبہؓ نے دیا تھا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ یہ دونوں حضرات جنگ صفین میں شریک ہی نہیں تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۸۲، الاستیعاب جلد ۱ ص ۳۸۲، جلد ۲ ص ۶۰۵)

۱۔ یہ غلط ہے کہ خلیفۃ المسلمین بننے کی اپنی کوئی خواہش تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ۔

۲۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا معاویہؓ میں باہم ذاتی کوئی عداوت یا رنجش نہیں تھی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ ویسے ہی عزالت کی زندگی بسر کر رہے تھے سیدنا معاویہؓ نے جب خط لکھ کر بلایا تو ان کے پاس چلے آئے۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۱ ص ۳۷۵)

بلکہ ابن کثیر نے تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارہ میں صاف طور پر لکھا ہے :-
 ”هو معنزل علیاً ومعاویۃ - (البداية والنهاية ج ۳ ص ۳۱۱)
 وہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کی مشاجرت کے زمانہ میں دونوں سے
 الگ رہے۔“

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

اگرچہ دونوں فوجیں میدان صفین میں آمنے سامنے ڈیرے جمائے ہوئے تھیں
 لیکن حال یہ تھا کہ دونوں میں کوئی قلبی کدورت دیکھنے میں نہیں آتی تھی، دونوں فریق آپس
 میں مہمی نوشی ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے سے کوئی ایسی پرعاش والی بات نہیں کرتے
 تھے، اور یہ تو کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس دریا میں پانی کی بجائے کسی روز خون بہے گا۔
 سبائی اپنی سازشوں میں مصروف تھے اور وہ ان دونوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو
 یہاں تک وسیع کرنا چاہتے تھے کہ دونوں پارٹیاں برسرِ پیکار ہو جائیں لیکن اس کے برعکس
 دونوں پارٹیوں کے مخلص اور خیر خواہان امت اس بات کی کوشش اور تنگ و دو میں مصروف
 تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں فریقین میں مصالحت ہو جائے۔

سیدنا معاویہؓ تو جنگ کے بالکل ہی خلاف تھے اور آخر تک آپ کی یہی کوشش
 رہی کہ کسی نہ کسی طرح جنگ کی چکی رُکی رہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

”ولم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من
 اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال وکان غیره
 احرص علی القتال منه۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

معاویہؓ نے جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ اس معاملہ میں سب سے زیادہ
 حرص اور خواہشمند تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسری پارٹی اس بات کی حرص
 تھی کہ جنگ ہو۔“

اس وجہ سے مصالحتی مشن دونوں طرف سے کام کرنے لگے، سیدنا علیؑ نے جنگ شروع ہونے سے قبل بشیر بن عمرو بن محسن الانصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شیدت بن ربیع التیمی کو بلایا اور ان سے کہا کہ معاویہؓ کے پاس جا کر بیعت کرنے کے کہو، یہ تینوں سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور بشیر بن عمرو الانصاری نے ابتداء کلام کرتے ہوئے کہا:-
 ”اے معاویہؓ! یہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور بالآخر آپ کو آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ رب العزت آپ کے اعمال کا محاسبہ کریں گے اور اس کی جزا دیں گے میں آپ کو اس امت میں تفریق اور ان کے درمیان خونریزی سے روکتا ہوں۔۔۔۔۔“

سیدنا معاویہؓ نے سلسلہ کلام کو منقطع فرماتے ہوئے فرمایا:-
 ”هل لا اوصيت بذلك صاحبك - کیا تم نے کبھی اپنے رفیق (سیدنا علیؑ) کو یہ نصیحت نہیں کی؟ (جو مجھے کر رہا ہے)۔“
 بشیر بن عمرو الانصاری نے کہا:-

”میرا ساتھی آپ کی طرح نہیں، میرا رفیق اس امر میں سب سے زیادہ مستحق ہے علم و فضل میں، دین میں، مسابقت فی الاسلام میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں۔“

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا: اچھا کہیے آپ کیا کہہ رہے تھے؟ بشیر بن عمرو نے کہا:-

”میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق کہتا ہوں اور میں آپ کو کہتا ہوں کہ آپ اپنے چچا زاد بھائی علیؑ کی دعوت حق کو قبول کریں اسی میں آپ کیلئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور عاقبت میں بھی خیر و عافیت ہے۔“
 سیدنا معاویہؓ نے بہت اطمینان سے بشیر بن عمرو الانصاری کی گفتگو سنی، بشیر کی بات کے اختتام پر آپ نے فرمایا:-

”ونترك دينا بن عفان لا والله لا افعل ذلك ابدا۔“

”ہم عثمان بن عفانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیں؟ ہرگز نہیں! بخدا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا۔“

بشیر بن عمرو الانصاری کے دوسرے ساتھیوں سعید بن قیس الہمدانی اور شہید بن ربیع التمیمی نے بھی باری باری آپ سے باتیں کیں لیکن یہ بات چیت کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور معاملہ یہاں تھا وہیں رہا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۶)

دونوں طرف علماء، فضلاء اور قرآن کے حفاظ کی ایک جماعت موجود تھی جو دل کسے اتھاہ گہرائیوں سے اس خونریزی کو ناپسند و مکروہ جانتی تھی، اس نے لگاتار تین ماہ تک اس جنگ کو روک رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے عدی بن حاتمؓ، یزید بن قیس الارحبی، شہید ابن ربیع اور زیاد بن حنظلہ کو ایک وفد کی شکل میں سیدنا معاویہؓ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجا، یہ چاروں اُس وقت آپ کے پاس پہنچے جبکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، عدی بن حاتمؓ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:-

”معاویہ! ہم آپ کو اس بات کی طرف دعوت دینے آئے ہیں جس پر اللہ رب العزت نے ہمیں اکٹھا کیا ہے اور جس کی وجہ سے خون محفوظ ہیں اور راستے پر امن ہیں اور آپس میں صلح و آشتی ہے (یعنی خلافت کا معاملہ) آپ کے چچا زاد بھائی (علیؓ) سید المسلمین ہیں اور سبقت اسلام میں افضل ترین اور اسلام پر چلنے میں بہترین لوگ اس پر اکٹھے ہو گئے ہیں سوائے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے۔“

پھر ذرا سختی اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا:-

”فانتہ یا معاویہ لا یصلک اللہ واصحابک مثل یوم الجمل۔“
اے معاویہ! باز آجا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو جنگ جمل والوں کی طرح مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔“

سیدنا معاویہؓ بھی قریش کے سپہ سالار کے بیٹے تھے اور خود بھی ساری زندگی اسی راہ کی بادہ پیمانی کرتے رہے تھے وہ بھلا ان دھمکیوں سے کب مرعوب ہونے والے تھے، عدی بن حاتمؓ کی بات چیت کا یہ آخری جملہ سن کر فرمانے لگے :-

”كَانَتْ اَتَمَّاجَتْ مَهْدًا وَلَمْ تَاتِ مَصْلَحًا۔

البدایۃ والنہایۃ ج ۲، ص ۲۵۷، ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۲۱

معلوم ہوتا ہے کہ تم تہذیب اور دھمکی کے لیے آئے ہو اصلاح کی خاطر نہیں آئے، افسوس ہے تم پر اسے ابن حاتمؓ ابخدا میں بھی ابن عرب ہوں تم مجھے ان دھمکیوں سے نہیں ڈرا سکتے :-

پھر شبیث بن ربیع اور زیاد بن حنفصہ نے بات کی اور حضرت علیؓ کی فضیلت آپ کو یاد دلائی، ان سب کی باتوں کو آپ نے بغور سنا اور پھر فرمایا :-

”آپ لوگ مجھے جماعت اور بیعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں جماعت تو ہمارے ساتھ بھی ہے، باقی رہ گئی بیعت اور اطاعت! سو میں کیسے ایسے آدمی کی اطاعت کروں جس نے قتل عثمانؓ پر اعانت کی ہو، ان کا خیال ہے کہ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کو قتل نہیں کیا ہے، ہم اُن کے اس دعویٰ کی نہ تو تردید کرتے ہیں اور نہ ہی اُن کو اس بارہ میں متہم کرتے ہیں، لیکن یہ تو ہے کہ انہوں نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، پس وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان سے قصاص لیں، پھر ہم آپ کی اطاعت اور جماعت کے دعویٰ پر لبیک کہیں گے :-

سیدنا معاویہؓ کا یہ جواب سُن کر یہ لوگ واپس آگئے اور سیدنا علیؓ کو اس

معاملہ سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہ الفہری، ثمر جبیل بن السمط اور معن بن یزید الاخنس کو سیدنا علیؓ کے پاس بھیجا، حبیب بن مسلمہ الفہری نے سیدنا علیؓ سے آغازِ کلام کرتے ہوئے کہا :-

”بے شک عثمان بن عفانؓ ایک ہدایت یافتہ خلیفہ تھے انہوں نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کیا اور اس کو نافذ کیا لیکن آپ لوگوں نے ان کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان کی وفات کا موجب ہوئے، ان کے خلاف سرکشی کر کے تم لوگوں نے ان کو قتل کر دیا، اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ ان کے قتل میں شریک نہیں ہیں تو ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے، پھر آپ الگ ہو کر خلافت کے معاملہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیجئے اور وہ باہمی مشورے سے جس کو چاہیں گے یہ امر خلافت سپرد کر دیں گے۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۸)

اس پر سیدنا علیؓ نے ان کو ڈانٹ دیا اور وہ واپس سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔

تین ماہ تک صلح کی یہ کوششیں جاری رہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا، اسی اثنا میں دونوں طرف سے قریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ہمدان ملت نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ برابر تین ماہ صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے لیکن اس دوران کی تمام خط و کتابت اور بات چیت بالکل بے اثر ثابت اور معاملہ جنگ تک پہنچ گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۸، ۲۵۹)

جنگ کی ابتداء

جمادی الاولیٰ ۳۰ھ سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی شروع شروع میں لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام ایک جماعت، ادھر سے نکلتی اور ایک جماعت ادھر سے نکلتی اور اور وہ دونوں آپس میں لڑتیں، پورا لشکر دوسرے لشکر سے نہیں بھڑا، کیونکہ دونوں طرف دردمندان ملت اور مصلحین امت کی خواہش تھی کہ کہیں معاملہ خونریز جنگ تک نہ پہنچ

جائے اور بہت سے آدمی کجیت نہ ہو جائیں یہ سلسلہ جباری الاثری تک جاری رہا
لیکن جونہی رجب کا چاند طلوع ہوا اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں
طرف جنگ کا سلسلہ یک قلم منقطع ہو گیا اور خیر خواہان ملت نے ایک دفعہ پھر مصالحت
کی کوششیں شروع کر دیں۔ (اخبار الطوال ص ۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص —)

امت کے دردمند حضرات سخت پریشان تھے وہ کسی صورت میں بھی جنگ کے قائل
نہ تھے وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کی وہ طاقت جسے کفر
کا انقیصال کرنا ہے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے، اب ماہ رجب میں جو جنگ
رُکی تو ان حضرات نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پھر نئے سرے سے اپنی کوششیں شروع
کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جلیل القدر صحابی سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا
ابو امامۃ الباہلیؓ دونوں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ سے کہا :-

”اے معاویہ! آپ علیؓ سے کیوں لڑتے ہیں؟ بخدا وہ آپ سے اور آپ
کے والد محترم سے اسلام لانے کے لحاظ سے مقدم ہیں اور قربت کے
لحاظ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اور خلافت کے
لیے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں۔“

سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا :-

”میں تو صرف عثمانؓ کے خون کے لیے لڑتا ہوں، اور انہوں نے قاتلان
عثمان کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، آپ دونوں علیؓ کے پاس جائیں
اور ان سے کہیں کہ قاتلان عثمان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دیں
تو میں تمام اہل شام میں سے پہلے بیعت کرنے والا ہوں گا۔“

یہ بات ان دونوں صحابہ کی سمجھ میں آگئی لہذا وہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ
کے پاس آئے اور سیدنا معاویہؓ کی پوری گفتگو سے انہیں مطلع کیا، آپ نے جواب میں فرمایا :-
”وہ یہی لوگ ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں۔“

اتنے میں کافی لوگ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی بیک آواز بول اٹھے :-

”ذبح جميعاً قتلنا عثمان۔ ہم سب نے عثمان کو قتل کیا ہے۔“
 علوی فوج کا یہ حال دیکھ کر دونوں بزرگوں نے یہ سمجھا کہ یہ معاملہ سلجھنے والا نہیں
 اور ہماری کوششیں جیسے پہلے رائیگاں گئی ہیں ویسے ہی اب بھی بے اثر ثابت ہوں
 گی، چنانچہ وہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور اس جنگ
 سے اپنا دامن بچا گئے۔ (اخبار الطوال ص ۱، البدایہ جلد ۲، ص ۲۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۰)

جنگ کا دوبارہ آغاز

رجب ۳۶ھ سے اخیر محرم ۳۷ھ تک دونوں طرف بالکل سکوت رہا، مصالحت
 کی بات چیت جاری رہی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ دونوں فوجیں اپنے اپنے شہروں
 کو واپس چلی جائیں اور جنگ کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے لیکن جب سب بے اثر
 رہا تو اشہر حرم و حرمت والے مہینوں کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ھ میں دوبارہ جنگ کا
 آغاز ہو گیا۔

اب بھی شروع شروع میں اگرچہ معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن اب کی جھڑپیں پہلے
 سے سخت تھیں۔ جب معاملہ نے طول کھینچا اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو ایک
 روز سیدنا علیؑ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی، ان کو دشمن کے خلاف ہوش دلایا
 اس تقریر نے یہ اثر کیا کہ آپ کی ساری فوج نے حضرت معاویہؓ کی ساری فوج پر حملہ کر
 دیا، نہایت شدت کا رن پڑا جس میں کافی آدمی شہید ہوئے۔ اس میں بھی ابتر اور
 سیدنا علیؑ کی طرف سے ہوئی اور سیدنا معاویہؓ صرف دفاع ہی کرتے رہے۔
 (منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۰، ۲۱۹) یہاں تک کہ جمعہ کی رات کو بہت شدت سے
 جنگ ہوئی، چوبیس گھنٹے تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، تلواروں کی چھنکار
 گھوڑوں کی ٹاپوں اور نیزوں کے شور سے کمرۂ ارضی تھڑا رہا تھا، دونوں فریقوں نے
 ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تلواں

کند ہو گئیں اور سیدنا علیؑ قلب لشکر میں کھڑے

”يحرص القبايل ويتقدم اليهم يأمر بالصبر والثبات۔

البدایۃ والنہایۃ ج ۱، ص ۲۷۱

اپنے لشکر میں شامل شدہ قبائل کو ابھارتے اور ان کو پیش قدمی اور صبر و ثبات کا حکم دے رہے تھے۔“

میمتہ پر مالک الاشتر اور یسیرہ پر سیدنا ابن عباسؓ اور قلب پر سیدنا علیؑ تینوں مصروف پیکار تھے، جنگ کی اس شدت اور گھن گرج کے لحاظ سے یہ رات تاریخ میں ”لیلۃ الہریز“ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ”ہریز“ عربی میں شور و غوغا اور گھن گرج کو کہتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

”واستمر القتال فی هذه اللیلة کما ہوا ہی من اعظم الالیام

شرًا بین المسلمین وتسمی هذه اللیلة لیلۃ الہریز“

البدایۃ والنہایۃ ج ۱، ص ۲۷۱، ۲۷۲

اور اس رات لڑائی ساری رات جاری رہی، چنانچہ اس رات کا شمار مسلمانوں

کے درمیان نہایت پرفتن اور بڑی راتوں میں سے ہے اور اس رات کو

”لیلۃ الہریز“ کہا گیا ہے۔“ (ازخبار الطوال ص ۱۹۵، طبری جلد ۶ ص ۲۶،

مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۷۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶، البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۲۷۱، ۲۷۲)

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جنگ کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے یہ جو کچھ

ہو رہا تھا سب آپؐ کی مرضی کے برعکس ہو رہا تھا، اب یہ لیلۃ الہریز کی خونریز جنگ

آپؐ کو اور زیادہ پریشان کیے ہوئے تھی، آپؐ بہر صورت جنگ بند کرنا چاہتے تھے،

آپؐ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اس طرح ختم ہو، لہذا آپؐ نے سیدنا

عمر بن العاصؓ قاص مصر کے مشورے سے سیدنا علیؑ والی تدبیر اختیار کی یعنی قرآن حکیم

کونیزوں پر بلند کر دیا، یہی تدبیر سیدنا علیؑ نے جنگ جمل میں بند کروانے کے لیے کی تھی۔

(ملاحظہ ہو، طبری جلد ۵ ص ۲۷۱) اسی تدبیر کو سیدنا معاویہؓ نے جنگ صفین بند کروانے

کے لیے استعمال کیا، لیکن اُس وقت یہ تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی اور اب کارگر ہو گئی، آپ نے دونوں شکروں کو قرآن دکھا کر کشت و خون سے روکا اور کہا کہ جب کتاب اللہ موجود ہے تو پھر قتل و غارت کا کیا فائدہ؟ اللہ کی یہ کتاب ہمارے اختلافات بطریق آسان مٹا سکتی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کی اس تدبیر سے جنگ رُک گئی اور اشریت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن پاک کو حکم بنا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر قرآن پاک کو حکم نہ مانا گیا تو ہم آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے، چنانچہ ابن کثیرؒ اور ابن الاثیرؒ کے الفاظ ہیں:-

”ذَقُّوا بِلَاكُ كَمَا فَعَلْنَا بِابْنِ عَفَّانٍ“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، البدایۃ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۴۳)
ہم تمہارے ساتھ وہی کریں گے جو ہم نے عثمان بن عفان سے کیا تھا۔

تاریخ اسلام میں غلط روایات

طبری، مسعودی اور کئی دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچ سو قرآن نیزوں پر ادا پڑھاٹے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس چیز کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپ نے اپنے شکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو، یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ، یہ عمرو بن العاصؓ، یہ ابن ابی معیطؓ، یہ حبیب بن مسلمہؓ، یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاک بن قیسؓ

لیسوا باصحاب دین ولا قران انا اعراف ہم منکم وصحبتمہم
رجالاً فکانوا شر اطفال وشر رجال وینحکم واللہ ما رفعوها انہم
یقرأونہا ولا یعملون بما فیہا وما رفعوها الا خدیعة ودهار ومکیدۃ۔
(طبری جلد ۶ ص ۲۷، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۱۶)

اے سیدنا علیؓ کے شکریوں کے اس جملہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلین عثمان وہی تھے۔ (ظفر)

ابداً یہ والنہایہ جلد ۲، ص ۲۴۳۔ ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں، میں انہیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گذاری اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں، وائے بے تم پر، بخدا انہوں نے (صدق دل سے) ان کو نہیں اٹھایا، یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں اور اب جو انہوں نے قرآن کو نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے یہ محض دھوکہ دہی، مکاری اور غیاری کے لیے ہے۔

ابو مخنف کا حد درجہ

اس روایت اور اس جیسی ہزاروں روایات کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے بلکہ طبری، ابن الاثیر، انساب الاشراف بلاذری وغیرہم میں اس نام کی تکرار آتی ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کون تھا اور اس کا حد و درجہ کیا تھا؟ اس کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کا فیصلہ پڑھئے :-

(۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں :-

لَا يُوثَقُ بِهِ دِمِيزَانُ الْاِعْتِدَالِ جلد ۲، ص ۳۶۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) علامہ محمد طاهر بیہقی صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں :-

لوط بن یحییٰ کذاب۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶ دمشق) لوط بن یحییٰ کذاب ہے۔

(۳) اسی طرح "کشف الاحوال فی نقد الرجال ص ۹۲" پر منقول ہے :-

هو كوفي وليس حديثه بشيء - (معجم الادباء جلد ۲ ص ۱۱)

وہ کوفی ہے اور اس کی روایات کسی کام کی نہیں۔

(۴) علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں :-

وقد كان شيعة وهو ضعيف الحديث عند الأئمة - (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۲)

وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔

(۵) علامہ ابن حجر العسقلانیؒ جو کہ حدیث اور نقد حدیث میں اپنی مثال آپ ہیں فرماتے ہیں :-
لا یوثق بہ - اعتبار کے قابل نہیں۔

پھر فرماتے ہیں :-

(۶) ترکہ ابو حاتم وغیرہ - ابو حاتم اور دیگر ائمہ (جرح و تعدیل) نے متروک کہلے۔

(۷) وقال الدارقطنی ضعیف، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔
پھر فرماتے ہیں کہ :-

(۸) وقال یحییٰ بن معین لیس بثقة - امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔
پھر فرماتے ہیں :-

(۹) وقال ابن عدی شیعہ محترق صاحب اخبارہم - (لسان المیزان جلد ۴ ص ۲۹۲،
میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶) ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جلا بھتا (کٹر) شیعہ تھا اور انہی کی
خبریں جانتا اور روایت کرتا تھا۔

ایسا ناقابل اعتبار شخص جس کو تمام بڑے بڑے محدثین نے کذاب، متروک، ضعیف،
لیس، بثقة اور کٹر شیعہ کہا ہو اس کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کے خلاف
لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا اور اصل قرآن و حدیث کی ثقاہت کو مخدوش کرنا ہے، ایسے
شخص کی روایات پر تو آبِ گل کا کوئی خود ساختہ منکر اسلام ہی اعتماد کرے گا، کوئی صاحب
عقل و ہوش اور علم و فراست کا حامل ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات پر اعتماد نہیں
کر سکتا۔

سیدنا علیؑ کے لشکر میں انتشار

بہر حال جنگ رُک گئی، لیکن جنگ رکنے کے ساتھ ہی سیدنا علیؑ کے لشکر میں بھوٹ
پڑ گئی۔ طبری اور الفخزئی وغیرہ مؤرخین نے یہاں بھی تاریخ کے اوراق میں اپنے انداز فکر

پر حالات کو لاتے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ تدبیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے کی تھی اور اس سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں تشنّت اور تفرقہ پیدا کر دیا جائے کیونکہ اس بات کو اگر وہ متفقہ طور پر مان لیں گے تب بھی ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور اگر متفقہ طور پر نہیں مانیں گے تب بھی ان کی فکری اور ذہنی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۶، اخبار الطوال ص ۲۲۱، الفخری ص ۸۲، طبقات جلد ۲ ص ۲۵۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶)

جنگ بند کرنے کی اس تجویز سے سیدنا علیؓ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا، مالک الاشتر اور اس کے سپاہی گروہ نے اس کو مکاری نہا ہر کر کے دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہا لیکن ایک بہت بڑی جماعت اس تجویز سے متاثر ہو گئی اور انہوں نے سپاہیوں کے علی الرغم لڑائی کو بند کر دیا۔

کچھ لوگوں نے کہا اور بڑی سختی سے کہا کہ ہمیں قرآن کی اس دعوت کو رد نہیں کرنا چاہیئے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے الگ ہو جائیں گے بلکہ سیدنا علیؓ کا مقابلہ کریں گے۔

سیدنا علیؓ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس نے کہا:-

”امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں لیکن

میری اپنی رائے یہ ہے کہ ہمیں اس وقت کتاب اللہ کو حکم مان لینا چاہیئے“

لیکن اشتر نخعی اس بات کو نہیں مان رہا تھا اور برابر جنگ لڑتا رہا، سیدنا علیؓ نے

جب اپنے لشکر کا یہ رنگ دیکھا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کی یہ رائے سنی تو

آپ نے مالک الاشتر نخعی کو لڑائی بند کرنے کا پیغام بھیج دیا تو اس نے بادل خواستہ جنگ بند

کی اور اپنی فرودگاہ پر واپس آنے کے بعد ابن الکوار اور معمر بن فدی وغیرہ کے ساتھ بہت

تلخ گفتگو کی اور قریب تھا کہ گشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی لیکن سیدنا علیؓ نے درمیان

میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کروادیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۷، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸،

ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶)

نہایت تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا علی جنگ بند کروانے کے لیے قرآن پاک کو نیزوں پر چڑھائیں اور کتاب اللہ کو حکم بنانے کا واسطہ دیں تو وہ مخلص اور ان کی تدبیر سراپا اخلاص پر مبنی اور اگر بھی تدبیر سیدنا معاویہ جنگ صفین میں سیدنا علیؑ کی تقلید اور مسلمانوں کی غیر خواہی اور ان کو خونریزی سے بچانے کے لیے کریں تو وہ (معاذ اللہ مکار، عیار اور فریبکار کہلائیں! کسی نے سچ کہا ہے کہ ۛ

عين الرضا عن كل عيب كليلۃ

کما ان عين السخط تبيد المساديا

خوشی کی آنکھ ہر عیب پر (بھی) بند رہتی ہے جس طرح کہ غصہ کی آنکھ صرف عیوب ہی کو دیکھتی ہے۔“

آپ کے خلوص اور ملت مسلمہ کے لیے ہمدی کا اندازہ اسی آواز ہی سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے میدان جنگ میں جنگ بند کروانے کے لیے لگائی، آپ نے اور آپ کے لشکر نے قرآن پاک کو نیزوں کی آٹیوں پر اٹھاتے ہوئے کہا :-

”هَذَا حَكَمُ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ مِنْ لَتَغُورِ

الشَّامُ بَعْدَ أَهْلِهَا مِنْ لَتَغُورَ الْعِرَاقُ بَعْدَ أَهْلِهَا -

(ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، اتمام الوفاء ص ۲۳۲)

یہ اللہ کی کتاب تمہارے اور ہمارے درمیان حکم ہے، اہل شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا اور اہل عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون نگرانی کرے گا؟

مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کئے ہیں :-

”وَمِنْ لَجَهَادِ الرُّومِ وَمِنْ لَلتُّرْكِ وَمِنْ لَلْكَفَّارِ - (مروج الذهب جلد ۲ ص

رومیوں سے کون جہاد کرے گا اور ترکوں اور اہل کفر سے کون جنگ کرے گا؟

ۛ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :-

وكان اهل الشام ستين الفا فقتل منهم عشرون الفا وكان اهل العراق

ان الفاظ ہی سے آپ کے قلب کی گہرائیوں کا جذبہ ظاہر ہو رہا ہے اور پتہ چل رہا ہے کہ کس مقدس جذبہ کے تحت آپ نے اس خونریز جنگ کو بند کروایا ، آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کی آپس کی خونریزی کچھ روز اس طرح اور رہی تو اسلام کی ترقی کا سلسلہ جو کہ جہاد کے ذریعے ہو رہا ہے بالکل منقطع ہو جائے گا ، دوسرے آپس کی اس خاتہ جنگی سے مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے گی جس سے دشمنان اسلام کو ہو سکتا ہے کہ مقبوضات اسلامی پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے۔ آپ نے صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی خاطر اس جنگ کو بند کروایا۔

کتاب اللہ کو حکم مانتے ہی دونوں طرف پھر آفت و محبت پیدا ہو گئی اور بغض و عناد جو کہ جنگ کی تلخیوں کی وجہ سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا ایک قائم کا فور ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال ص ۱۹۲، ۱۹۳) لیکن سیدنا علیؑ کے لشکر کی ایک جماعت نے جس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی اس حکیم کو کفر اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) مائتہ وعشرون الفا قتل منهم اربعون الفا۔ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۲، ص ۲۴۴) اہل شام کی تعداد ۶۰ ہزار تھی جن میں سے ۲۰ ہزار قتل ہو گئے اور اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جن میں ۴۰ ہزار مقتول ہوئے۔

مسلمانوں کا اتنی تعداد میں قتل ہو جانا سیدنا معاویہؓ کو بہت شاق گذر لہذا آپ نے شفقت علی المسلمین کے جذبہ کے تحت اس لڑائی کو بند کرنے کی یہ تجویز کی۔

قد فنی الناس فمن للشغور ومن للجهاد المشرکین والکفار۔ لوگ جب یوں فنا ہو گئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا۔

اس اُقت اور ہمدردی اسلام کے جذبہ کو سیدنا معاویہؓ کی جنگی چال پر محمول کرنا سبائی فکر کی غمازی کرتا ہے۔

گناہِ عظیم قرار دیا اور سیدنا علیؑ کو اس سے توبہ کرنے کے لیے کہا، آپ ان کی دلیل کے جواب میں فرماتے :-

”کلمۃ حق اريد بها باطل۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۶۹)

بات تو حق ہے لیکن مراد اس سے باطل ہے۔
لیکن اس جماعت کے دو سرداروں زرعر بن برج الطائی اور خرقوص بن سعید السعدی نے

اسے یہی وہ جماعت تھی جو بعد میں خوارج کہلائی کیونکہ انہوں نے سیدنا علیؑ کے خلاف خروج یعنی بغاوت کی اور کافی عرصہ تک سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کے لیے دردمر بنی رہی اور آخر سیدنا علیؑ کی شہادت کا باعث بھی یہی جماعت بنی۔ اس جماعت کے آپ کے لشکر سے علیحدہ ہونے کے بعد آپ نے سیدنا ابن عباسؓ کی معرفت ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی بلکہ سیدنا ابن عباسؓ نے تو ان سے ساتھ ان الحکمہ الا للہ کے موضوع پر مناظرہ بھی کیا جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن یہ جماعت راہِ راست پر نہ آئی۔ بعد میں اسی جماعت نے ایک فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور عقائد ایک سلسلہ شروع کر دیا۔

ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، اُن کے اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہوتا وہ ان کے نزدیک مباح المال والدم ہوتا یعنی اس کا مال اور اس کا خون ان کے لیے حلال ہو جاتا تھا، چنانچہ عبد اللہ بن خیاب اور ان کی اہلیہ ام سنان اور عارت بن مرہ اسی تیغِ ستم کے قتل تھے۔ اس جماعت کا تعلق بھی دراصل قاتلانِ عثمانؓ ہی سے تھا اور یہی لوگ پہلے تحکیم پر راضی ہوئے اور بعد میں سیدنا علیؑ کی پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ تحکیم کو کیوں اختیار کیا گیا، اس معاہدہ کو جلد از جلد توڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کے مزاج کے موافق نہیں، سیدنا علیؑ نے جواب دیا کہ میں عہد شکنی کر کے قبل از وقت جنگ شروع کر دوں بخدا یہ نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کو حضرت علیؑ کے ساتھ اس قدر دشمنی اور کد ہو گئی کہ انہوں نے کوفہ میں رہنا بھی پسند نہ کیا اور حوراء نامی بستی میں اقامت اختیار کی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸

اپنی بات پر اصرار کیا اور آپ کو توبہ کرنے کے لیے کہا لیکن آپ ان کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوئے، آخر میں، خوارج نے آپ کو الٹی میٹم دیا کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لیے آپ کے ساتھ لڑیں گے، آپ نے فرمایا: "میں بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں، اور یاد رکھو تمہاری لاشیں خاک و خون میں تر پیں گی" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۵، ۱۶۶، اخبار الطوال ص ۲۰۲، ۲۱۱، طبری جلد ۶ ص ۴، ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۷۸، ۱۷۹، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۹)

تحکیم

غرض جنگ بند ہو جانے کے بعد باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے اور متنازعہ فیہ مسئلہ ان دونوں کے سپرد کیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ کریں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو جو قرین اس فیصلہ کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے کی امداد کی جائے۔

اس قرارداد کے پاس ہو جانے کے بعد اہل شام نے متفقہ طور پر سیدنا عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا، سیدنا علیؓ نے اہل عراق کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہا لیکن آپ کے اپنے لشکر نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا: "لا نرضی الا بابی موسیٰ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۶)

ہم سوائے ابو موسیٰ کے اور کسی پر راضی نہیں ہوں گے۔"

لے شاید اس معاملہ میں بھی مالک الاشتر مخالفت کرتے والوں کے پیش پیش تھا کیونکہ اس نے اُس وقت بھی سخت مخالفت کی تھی جب سیدنا علیؓ نے سیدنا ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا بلکہ غضبناک ہو کر سیدنا علیؓ کو دھمکی بھی دی تھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۴) اور عبداللہ بن عباسؓ کے نام کے بعد آپ کا مالک الاشتر کے نام کو تجویز فرمانا بھی اسی بات کی غمازی کرتا ہے۔

ہیثم ابن عدی نے "کتاب الخوارج میں لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریٰ کا نام سب سے پہلے اشعث بن قیس نے تجویز کیا تھا پھر اس کی متابعت میں اہل یمن بھی انہی کا نام لینے لگے اور دلیل یہ دی کہ وہ اس سارے حادثے سے الگ تھلگ رہے ہیں اور وہ اس معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہیں لیکن سیدنا علیؑ نے اشعث بن قیس کے تجویز کردہ نام کی مخالفت کی اور اصرار کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ ہی کو حکم مقرر کیا جائے، آپ کے لشکر نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ آپ کے خاص عزیز ہیں حکم غیر جانبدار اور غیر متعلق ہونا چاہیے، سیدنا علیؑ نے پھر دوسرا نام مالک الاشتر کا تجویز کیا اس پر اشعث بن قیس اور اس کے ساتھیوں نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ یہ ساری آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے اور اس کی رائے یہ ہے کہ جب تک آخری نتیجہ برآمد نہ ہو ہر فریق دوسرے سے برسر پیکار رہے اور لڑائی کسی صورت بند نہ ہو اب تک ہم اسی شخص کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہو گا، سیدنا علیؑ نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر یا مرجبوری سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کو حکم مان لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۲، طبری جلد ۶ مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸، اخبار الطوال ص ۱۹۲، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۲۸)

۱۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا علیؑ کی فوج آپ کی کس قدر فرمانبردار تھی وہ شاذ و نادر ہی آپ کی کسی بات سے اتفاق کرتی بلکہ اکثر یہی کوشش کرتی کہ اپنی بات سیدنا علیؑ سے منوائیں اس کے مقابلہ میں سیدنا امیر معاویہؓ کے لشکر میں فرمانبرداری کا خاص شعور تھا جو بات آپ کے لبوں سے نکلتی آپ کے لشکر کے آدمی اس کی فوراً تعمیل کرتے، اسی وجہ سے سیدنا علیؑ اپنے لشکریوں سے تنگ آ کر کبھی کبھی ایسا بھی فرماتے۔

— "خدا سو گند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھالیں، پھر فرمایا: خداوند! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے، میں ان سے ملوں ہوں اور یہ مجھ سے ملوں ہیں خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھوں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔ (جلال یعون باب ۳ فصل ۲) اسی وجہ سے تاریخ میں لکھا ہے کہ فیصلہ حکیم کے بعد امیر معاویہؓ کی طاقت میں اضافہ ہو کر وہ مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے لیکن سیدنا علیؑ کی جماعت پھوٹ اور انتشار کی وجہ سے کمزور تر ہو گئی۔ (ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۷۸)

قبل اس کے کہ ہم تجکیم کے بارہ میں کچھ عرض کریں جنگِ صفین کے مقتولین کے بارہ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں ان کا کیا مقام تھا؟ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ دونوں حضرات ہی جنگ نہ کرنے کے درپے تھے، آپس میں اُن کی جو کشمکش پیدا ہو چکی تھی اس کو سبائیوں نے ہوا دے کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا یہاں تک کہ جنگ برپا ہو گئی جس کا دونوں حضرات یعنی سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کو از حد افسوس اور صدمہ تھا، لیکن یہ حضرات اس قتال میں حدودِ شرعیہ سے متجاوز نہ ہوئے، یعنی نہ کسی عورت کا پردہ اٹھایا نہ کسی کا مال لوٹا نہ کسی مسلمان مرد کو غلام بنایا اور نہ ہی کسی عورت کو لونڈی نہ قیدیوں کو قتل کیا اور نہ ہی فریقین کے مال کو مالِ غنیمت سمجھا، بلکہ جب سیدنا علیؑ سے ان مقتولین کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا :-

”قتلانا وقتلاہم فی الجنة۔ (کنز العمال جلد ۶، سیر اعلام النبوی جلد ۳ ص ۹۵،

مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷) ہمارے اور معاویہؓ کی فوج کے مقتولین دونوں

جنت میں ہیں۔“

ایسے ہی ایک روز سیدنا علیؑ جنگ کے دوران باہر نکلے آپ کے ساتھ صحابی رسول سیدنا عدی بن حاتمؓ تھے انہوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو پڑا ہوا پایا، سیدنا عدیؓ کے منہ سے نکلا: افسوس مسلمان تھا اور آج کافر ہو کر مرا پڑا ہے۔“ سیدنا علیؑ نے جب ان کے منہ سے یہ بات سنی تو فرمایا :-

”کان امس مؤمناً وھو الیوم مؤمن۔ (ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲)

یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔“

سیدنا علیؑ کے ساتھیوں نے سیدنا علیؑ سے پوچھا کہ معاویہؓ کے جو ساتھی جنگِ صفین میں مارے گئے ہیں اُن کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ مومن تھے یا کافر؟ آپ نے بلا جھجک فرمایا :-

”ھم المؤمنون۔ (ابن عساکر جلد ۱، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۶۱)

زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں سیدنا علیؑ نے جو فرمایا وہ یہ تھا :-

”اخوانتا بغوا علینا۔ وہ ہمارے بھائی تھے لیکن انہوں نے ہمارے
 خلاف بغاوت کی“ (تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۲۳۴، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۴۳)
 شرح المقاصد جلد ۲ ص ۲۲۳

باغی کافر نہیں ہوتا، پھر وہ بغاوت اجتہادی تھی جس میں ایک طرف سے بغاوت
 نہ تھی بلکہ دونوں طرف سے بغاوت تھی۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؑ نے ان کے حق میں خود بھی کلمہ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں
 کو بھی کلمہ خیر کہنے کی تلقین فرمائی اور ان کے بارہ میں نازیبا یا خلاف شرع الفاظ کہنے
 سے سختی سے روکا بلکہ فرمایا :-

”فانہم زعموا انا یغینا علیہم ونا عمتا انہم بغوا علینا۔

انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ
 سمجھا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے“

(ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲۹، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۶۱)

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا معاویہؓ کے مقتول ساتھیوں کی سیدنا علیؑ نے
 تجہیز و تکفین کی اور خود ان پر نماز جنازہ پڑھی جو ان کے مومن ہونے پر شاہدِ ناطق ہے۔

تالشوں کا اجمالی تعارف

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر
 صحابی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابو موسیٰ تھی، آپ یمن کے قبیلہ اشعر سے
 تعلق رکھتے تھے اسی نسبت سے اشعری کہلاتے تھے۔

سیدنا ابو موسیٰ یمن سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گئے۔ آپ یمن سے پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت
 کی معیت میں بحری جہازی پر سوار ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے لیکن

بادِ مخالف نے جہاز کو حجاز کی بجائے حبشہ پہنچا دیا، یہاں آپ مہاجرین حبشہ سے مل گئے اور مدینہ منورہ میں عین اُس وقت ہجرت فرمائی جبکہ مجاہدین اسلام فتحِ خیبر سے واپس آئے تھے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ مرحمت فرمایا۔ (بخاری شریف جلد ۲، طبقات جلد ۴ ص ۱۰۱)

آپ نے فتح مکہ، غزوہ خنین اور غزوہ تبوک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان کو بہت عائیں دیں۔ آپ علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں کے مالک تھے، چنانچہ ابوالاسود بن یزید فرماتے ہیں:-

”لحراری با لکوفۃ اعلم من علی و ابی موسیٰ۔“

میں نے کوفہ میں سیدنا علیؑ اور سیدنا ابو موسیٰؑ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ (تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۶)

امام مسروقؒ فرماتے ہیں:-

”کان القضاء فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ستۃ

عمر و علی و ابن مسعود و ابی زید بن ثابت و ابو موسیٰ۔“

قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہ میں منحصر تھی۔ عمر، علی، عبد اللہ بن

مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری میں۔ (رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین)۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۷)

اسی وجہ سے کتابوں میں آتا ہے کہ:-

”صان ابو موسیٰ احد الفقہاء الستۃ۔“

ابو موسیٰ چھ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے۔“ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۵)

ابوالخثری کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا علیؑ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ خصوصی طور پر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؑ کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:-

”صیغ فی العلم صیغۃ ثم خرج منه۔ وہ علم میں رنگ کر لیا

گئے تھے۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۷)

اما ذہبیؒ نے ان کے متعلق جو بیمار کس دیئے ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں :-
 ”وكان من اجلاء الصحابة وفضلاتهم“

ابو موسیٰ اشعریؒ جلیل القدر اور فاضل صحابہ میں سے تھے :-

(تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۵)

آپ کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بمن
 کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳، العواصم من القواصم ص ۱۷۲، زرقانی جلد ۳ ص ۹۹،
 حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۵۴، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

حجۃ الوداع میں آپ بمن ہی سے شرکت کے لیے تشریف لائے۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی، پھر سیدنا عمرؓ
 نے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۴)
 ۲۹؎ میں بصرہ کے مفسدہ پردازوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمانؓ
 نے انہیں معزول فرما کر ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر فرما دیا لیکن ۳۴؎ میں اہل کوفہ
 کی درخواست پر سیدنا سعید بن العاصؓ کی جگہ ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

شہادت عثمانؓ کے بعد جنگ جمل کے موقع پر جب سیدنا علیؓ کے داعی لوگوں کو
 آپ کے لشکر میں شرکت کے لیے ابھار رہے تھے تو آپ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی،
 کیونکہ آپ خونِ مسلم کی ارزانی پسند نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے مسجد میں فتنہ کی
 احادیث بیان کرنا شروع کر دیں اور فرمایا کہ جناب رسالتنا علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات
 نے فرمایا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں القائد فیہا خیر من القائم، بیٹھا ہوا کھڑے رہنے
 والے سے بہتر ہے، لہذا تم لوگ غیر جانبدار رہو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۵)۔

اشتر تختی بھی یہ باتیں سن رہا تھا یہ اسی وقت موقع پا کر جلدی سے دارالامارت چلا آیا
 اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جب مسجد سے فارغ ہو کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ دارالامارت کی طرف
 تشریف لائے تو اشتر نے ان کو دارالامارت میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آپ
 ہماری گورنری سے معزول ہو جائیے۔ آپ نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر نہایت تہیہ

سے کام لیا، آپ نے سمجھا کہ اگر اس وقت میں نے مداخلت کی تو دارالامارت میں تو داخل ہو جاؤں گا لیکن ہزاروں سرتنوں سے جدا ہو جائیں گے، لہذا آپ واپس تشریف لائے اور ”عرض“ نامی گاؤں میں گوشہٴ خلوت کی زندگی بسر کرنے لگے، جب لوگ خوزیری سے سیر ہو گئے تو اس وقت ان کو سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے کہی تھیں، اسی وجہ سے لوگوں نے اب صفین کے موقع پر ان کو حکم مقرر کرنے پر اصرار کیا۔ (العواصم من القواصم ص ۱۷۱، ۱۷۲ تعلیقہ)

آپ عوام کے صلح پسندانہ جذبات کے نمایاں مظہر تھے، اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی فوج کے دورانہش اور حقیقت پسند لوگوں نے انہیں تحکیم میں اپنا ثالث مقرر کیا کیونکہ وہ گوشہٴ گمنامی میں غیر جانبداری اور صلح پسندی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کسی اور کو ثالث مقرر کیا گیا تو شاید وہ جانبدار ہونے کی وجہ سے اُمت کو پھر جنگ کی بھٹی میں نہ جھونک دے، چنانچہ انہوں نے اپنی بصیرت و زندگی سے عوام کی توقعات کے مطابق ایسا فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی بے نیام تلواریں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیام میں چلی گئیں۔

دوسرے ثالث جن کو اہل شام نے متفقہ طور پر ثالث مقرر کیا سیدنا عمرو بن العاصؓ تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ مکہ کے بنو سہم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، قریش میں مقدمات کے فیصلوں کا عہدہ اسی قبیلہ میں تھا، یہ قبیلہ اہل اسلام کی ایذا رسانی اور دشمنی میں پیش پیش تھا چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کسی سے پیچھے نہ تھے، چنانچہ یہ حبشہ کے اس وفد میں شامل تھے جو مہاجرین کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا۔

غزوہ خندق تک آپ قریش کے ساتھ رہے لیکن اس غزوہ کے بعد آپ اسلام سے متاثر ہونا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی کرنے لگے، چنانچہ فتح مکہ سے پہلے خالد بن ولیدؓ کے ساتھ جو انہیں مدینہ کے راستہ میں ملے، بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳۸، ۲۳۹، خصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۱ ص ۲۳۸)

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ کے بیعت کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیں، آپ نے یہ سن کر فرمایا عمرو! بیعت کرو اور جان لو کہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو معدوم کر دیتا ہے اور ہجرت بھی تمام گناہوں کو معاف کر دیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کر لی اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۱۹۸)

طبیعت میں انتہا پسندی تھی چنانچہ کفر میں بھی شدید اور جب اسلام لائے تو پھر اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

اکثر کہا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا اگر اسی حالت میں مرجاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا اور جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو آپ سے زیادہ کوئی ذات میری نگاہ میں وقیع اور باعزت نہ تھی اور میں پوری زندگی آنکھ بھر کر آپ کے روئے نور کو دیکھ بھی نہ سکا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۲۹)

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بہت سی جنگوں میں شرکت فرمائی، مصر، اسکندریہ اور طرابلس الغرب کی فتح آپ ہی کی جرأت ایمانی کی مرہونِ منت ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں بھی انہوں نے اپنے نمایاں جوہر دکھائے فتوحات شام، أجنادین، دمشق، فحل، یرموک وغیرہ میں بھی اپنی بہادری کی داد پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حاکم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور آپ کے خط سے متاثر ہو کر وہاں کے دونوں حاکم عبید اور حبیر مشرف باسلام ہو گئے، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہاں کا حاکم بھی مقرر فرمایا۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷) اپنی خلافت کے آخری سالوں میں سیدنا عمرؓ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے انہیں وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا، آپ نے اس بات کا برا نہ منایا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ نہایت ذہین اور رسا ذہن کے مالک تھے اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ ان خطاب

اور سیدنا عثمان بن عفانؓ اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے خصوصی طور پر سیدنا عثمانؓ تو ہر مشکل موقع پر ان ہی کے مشورہ کو ترجیح دیتے تھے۔ شورش کے زمانے میں حبیب باغیوں نے اپنے مطالبات متوانے کے لیے تخریبی درائع استعمال کرنے شروع کئے تو سیدنا عثمانؓ نے ایک مشاورتی کونسل منعقد کی جس کے ایک رکن آپ بھی تھے۔ تمام اراکین کونسل کے مشورہ کے بعد آپ نے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۹)

کئی اور موقعوں پر بھی آپ نے باغیوں کے سامنے سیدنا عثمانؓ کی صفائی پیش کی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۲، ۲۰۳، ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۵)

شہادت عثمانؓ کے بعد یہ بھی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرح عزالت کی زندگی بسر کرنے لگے اور جنگِ جبل کا قیامت خیز واقعہ بھی انہیں گوشہ عزالت سے باہر نہ نکال سکا لیکن حبیب سیدنا علیؓ نے شام پر چڑھائی کی تو سیدنا معاویہؓ نے اس بہترین دماغ کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ان کو خط لکھ کر شام بلا لیا۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۱ ص ۳۷۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آپ کی بہت تعریف کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضورؐ انورؑ نے فرمایا: "عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔" (اصابہ جلد ۵ ص ۷۳)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصال نہیں ہے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو؟ آپ نے فرمایا اس کی سعادت اور نیک خصلت میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟ وہ بولا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۷۵، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱)

قوتِ ایمانی میں ایک مینار کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ رسالت نے ان کے بارے میں جو ریمارکس دیئے ہیں وہ تنبیہی ہیں، ایک مرتبہ حضورؐ انورؑ نے فرمایا:-

"اسلم الناس وامن عمرو بن العاص۔" (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۵)

لوگ تو اسلام لائے ہیں لیکن عمرو بن العاصؓ ایمان لائے ہیں۔

ایک اور موقع پر لسان رسالتؑ نے فرمایا :-

”ابنا العاص مومنان یعنی ہشام و عمرو (مستد احمد جلد ۴ ص ۳۵۳)

عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو بچے مؤمن ہیں“

تدبیر و سیاست میں اپنی مثال آپ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خود ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ :-

”تم اسلام میں ایک صائب الراء آدمی ہو“ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶)

چنانچہ ان کی اس تربیت کی اور تدبیر کی وجہ سے اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ یگانہ کو امیر بناتے - (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۵۶)

سیدنا عمرؓ جیسا ذہین اور صاحب تدبیر انسان بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتا تھا - (اصابہ جلد ۵ ص ۲۷)

معاہدہ حکیم

فیصلہ کے مطابق سیدنا علیؑ نے اپنے آدمی بھیج کر سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کو ”عرض“ سے بلوایا جہاں وہ عزالت نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب ابوموسیٰ اشعریؓ سے جا کر کہا گیا کہ دونوں گروہوں نے آپس میں صلح کر لی ہے تو آپ نے فرمایا ”الحمد للہ“ اور جب یہ کہا گیا کہ آپ کو تنازعات کو ٹپکانے کے لیے ثالث بنایا گیا ہے تو فرمایا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“۔ (ابداً جلد ۲ ص ۲۷، تفسیر ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۹)

بہر حال آپ کو بلا یا گیا، ادھر سے سیدنا عمرو بن العاصؓ پہلے ہی سے موجود تھے، دونوں ثالثوں کی باہمی گفت و شنید کے بعد ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کو الیہ بنوریؒ نے ”انبار الطوال“ طبری نے اپنی ”تاریخ الامم والملوک“ اور الخضری نے ”محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ“ اور اور دوسرے مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا

۳۱۱
ہے، وہ معاہدہ حسب ذیل تھا:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَذَا مَا تَقاضی علی بن ابی طالب ومعاویہ بن ابی سفیان قاضی
على الكوفة ومن معهم من شیعتهم من المؤمنین والمسلمین وقاضی معاویہ
على اهل الشام ومن كان معهم من المؤمنین والمسلمین۔

انا ننزل عند حکم اللہ عزوجل وکتابہ ولا یجمع بیننا غیرہ وان
کان اللہ عزوجل بیننا من قاتحتہ الی خاتمتہ فحیی ما حی و تمیت ما
امات، فما وجد الحکمان فی کتاب اللہ عزوجل وهما ابو موسیٰ الاشعری
عبد اللہ بن قیس وعمرو بن العاص القرشی عملاً به وما لم یجد افی
کتاب اللہ عزوجل فالسنة العادلة الجامعة غیر متفرقة۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

— ”یہ ہے وہ معاہدہ جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے مابین ہوا، یہ معاہدہ
نے یہ معاہدہ تمام اہل کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مؤمنین کی طرف سے اور
یہ معاہدہ نے یہ معاہدہ تمام اہل شام اور سب اہل ایمان ساتھیوں کی طرف سے کیا۔
ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآن حکیم کے سامنے تسلیم خم کرتے ہیں
اور اس کے ماسوا اور کسی پر متحد نہیں ہوں گے، اللہ رب العزت انجام سے انتقام تک
ہم میں حاضر و ناظر ہیں، پس یہ دونوں ثالث عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) اور عمرو بن
عاص جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے اور اگر اس تنازعہ کے
فیصلہ کے بارہ میں کتاب اللہ میں کچھ نہ پائیں گے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
عادلہ، جامعہ غیر متفرقہ پر عمل کریں گے۔“

پھر فریقین کے سربراہوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ عہد کیا:-

— ”میں اس ثالثی نامہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں
اور مؤمنین پر اس فیصلے کی پابندی ضروری قرار دیتا ہوں نیز عہد کرتا ہوں کہ جہاں کہیں

یہی یہ جائیں یہ خود ان کے اہل و عیال، ان کے اموال، ان کے شاہد و غائب سب امن و عافیت میں رہیں گے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا جائے گا۔ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ پر اللہ رب العزت کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس امت میں ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور اس کو جنگ کی آگ میں نہ دھکیلیں اور نہ ہی اس میں تفریق کی صورت پیدا کر کے گنہگار بنیں، فیصلے کا اعلان رمضان المبارک تک کریں اور اگر اس مدت میں اور تاخیر مقصود ہو تو باہمی رضامندی سے اس میں توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔

اگر ثالثوں میں سے کوئی رقصائے الہی سے فوت ہو جائے تو ہر گز وہ کا سربراہ اس کے بجائے کسی دوسرے کا تقرر کر سکتا ہے، لیکن وہ نیا ثالث عدل و انصاف کی صفات سے مزین ہو، ان ثالثوں کے فیصلہ کی جگہ جہاں وہ بیٹھ کر فیصلہ مرتب کریں اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان ہو اور ان دونوں کی مرضی کے خلاف کوئی ان کے پاس نہ جائے، ہاں جسے وہ بلائیں وہ ان کے پاس جاسکتا ہے، پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلمبند کریں گے اور جو آدنی اس ثالثی نامہ کو نہ ملے اور اس میں کسی قسم کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔“ (طبری جلد ۶ ص ۲۹، ۳۰، اخبار الطوال ص ۱۹۵، اتمام الوفاء ص ۲۳۳، ۲۳۴، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۶)

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنے گواہیاں بھی ثبت کر دیں، اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے، یزید اعلیٰ کو قرین اپنی فوجوں کے ساتھ واپس چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ شام چلے گئے اور جا کر اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا اور سب فوجی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ (مرج الذہب جلد ۲ ص ۱۲۱)

اس معاہدہ ۱۳ ماہ صفر ۳۳ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۳ھ میں یعنی ۶ ماہ بعد ثالثوں کا اذرح میں اجتماع ہوا، گویا چھ ماہ تک ثالثوں نے تحقیقات کیں، مختلف لوگوں کی شہادتیں قلمبند کیں پھر ان کی چھان بھٹک کر کے اس فیصلہ کو سنایا جس پر دونوں پارٹیاں مطمئن ہو گئیں اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ہمیشہ کے لیے رک گئی، اس معاہدہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (ظفر)

انحضری کے بیان کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ ثالثی نامہ سننے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر یعنی سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ وہاں نہ آئیں گے بلکہ ان کی طرف سے ان کے اعیان و انصار اور معتدین میں سے چار چار سو نمائندے وہاں حاضر ہوں گے۔
 رمحاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۱۷، طبری جلد ۶ ص ۲۹
 اب یہ دونوں ثالث اکٹھے ہو کر ملت اسلامیہ کی بہتری کے لیے غور و فکر کرنے لگے،
 دونوں حضرات ایک بلند مقام کے مالک تھے اور تقویٰ، تدبیر، خشیت الہی میں اپنی مثال آپ
 لیکن بعض دشمنان اسلام نے ایک ثالث (سیدنا عمرو بن العاصؓ) کو انتہائی مکار، عیار اور
 قریب کار ثابت کیا ہے اور دوسرے ثالث (سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ) کو انتہائی سادہ بیوقوف
 ابلہ صفت ثابت کرنے کی انتہائی قبیح حرکت کی ہے اور دونوں کے متعلق ایسی ایسے
 روایات وضع کی گئی ہیں جن کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ نقلی طور پر ان میں صداقت
 کا شائبہ معلوم ہوتا ہے۔

فیصلہ سنائے کا مقام

اغرض متعدد مجلسوں میں ثالثوں نے اپنا فیصلہ مرتب کر لیا اور اس کو تحریری طور
 پر مرتب کیا کیونکہ معاہدہ تحکیم ہی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں حکم مل کر جو فیصلہ کریں

لے ابن ابی الحدید اور طبری نے لکھ بھی دیا ہے "کان ابو موسیٰ مغللاً" (طبری جلد ۶ ص ۳۹، ابن ابی الحدید جلد ۳
 ص ۲۵۶) پھر یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو گالیاں بھی دیں۔ (جلد ۶ ص ۲۷) طبری
 کا صریح بہتان ہے، سیدنا ابو موسیٰؓ کوئی مغل اور ابلہ صفت بزرگ نہیں تھے بلکہ نہایت جہانگیر اور فقیہ فی الدین
 اور صاحب فتویٰ بزرگ تھے۔ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں
 امام شعبیؒ اور ابن المدینیؒ کے اقوال سے انہیں سیدنا عمروؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ کے مقام کا حامل
 لکھا ہے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۶، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳)۔

وہ زبانی نہ ہو بلکہ تحریری طور پر مرتب ہو۔ (طبری جلد ۶ ص ۳۰۰، محاضرات جلد ۲ ص ۲۹)
اور فیصلہ سناتے کی جگہ پر وہ صرف سنا دیا جائے۔

فیصلہ مرتب کرنے میں کئی لوگوں سے پوچھ گچھ ہوئی، کئی مرتبہ سیدنا معاویہؓ کے پاس ان دونوں ثالثوں کا ایلچی مختلف استفسارات کے جوابات معلوم کرنے کیلئے گیا اور کئی مرتبہ سیدنا علیؓ سے مختلف باتوں کے متعلق پوچھا گیا۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۲۹)
طے یہ ہوا کہ جب دونوں ثالث اپنا فیصلہ مرتب کر لیں تو دومۃ الجندل کے مقام اذرح یراس کو سنائیں۔ دومۃ الجندل وہ مقام ہے جس کے متعلق دونوں ثالثوں نے عزم کر لیا تھا کہ اسے اس کانفرنس کا مرکز بنائیں گے کیونکہ یہ مقام شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور اذرح کو بھی انہوں نے ہی منتخب کیا تھا کیونکہ یہ خوارج کا مرکز تھا اور بقاء عمان کے اطراف سے یہ حجاز کے قریب تھا جو کہ جریما سے ایک میل دور۔ (معجم البلدان لیا قوت الحموی جلد ۲ ص ۲۸۸، طبری جلد ۳۲) یعنی آجکل یہ مقام معان اور بصرہ (وادی موسیٰ) کے درمیان واقع ہے۔ عہد رسالت میں اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی کیونکہ قریش کے جو قافلے شام کی طرف جایا کرتے تھے، یہ مقام انکی اقامت گاہ تھا، رومی دور میں بحرا حمر کے لیے یہ رومیوں کی جلے اقامت اور مرکز مواصلات تھا، چونکہ یہاں پانی کی افراط تھی لہذا شرق اردن جانے والے قافلے یہاں آکر ٹھہر کرتے تھے، سیدنا حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان بھی اسی جگہ کیا تھا، سوریا پر صلیبی حملوں کے زمانہ میں یہ برباد ہو گیا تھا، اسی وجہ سے عیسائی مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا نام نہیں لیتے حالانکہ وادی موسیٰ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

قریباً سب مؤرخین نے اس کانفرنس کا مقام دومۃ الجندل میں ہونا نقل کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقام اذرح تھا اور دومۃ الجندل بنانے والے مؤرخین چونکہ گمے ہیں۔ ابو بکر ابن العربیؒ نے بھی اذرح ہی نقل کیا ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۱۷۱) مختلف شعراء نے بھی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اذرح کے مقام کا نام لیا ہے، چنانچہ ذوالرمہ شاعر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے پوتے ہلال کو

مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

ابولک تلافی الدین والناس بعد ما

تشاء و ابیت الدین منقطع الکسر

فشدا صار الدین ایا م اذرح

وراد حروبا قد لقحن الی عقر

یعنی تیرے دادا ابانے دین کو بچا لیا جبکہ لوگ آپس میں بد دل ہو گئے

تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا چاہتی تھی۔ انہوں نے اذرح کے ایام میں

دین کے خیمہ کی طنابیں کس دیں اور ان طنابیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا جو اسلام

کو بانجھ کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔ (معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۳)

بعض مؤرخین کی روایت کے مطابق یہ کانفرنس ہونی تو دومۃ الجندل ہی میں تھی لیکن

وہاں یہ اس لیے نہ ہو سکی کہ سیدنا علیؑ یہ چاہتے تھے کہ اس کانفرنس کی تاریخیں پیچھے ہٹ

جائیں تاکہ وہ خوارج کو جو ان کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے اپنے ساتھ ملا لیں اس لیے

سیدنا علیؑ نے اپنے مندوب کو کانفرنس میں جانے سے روک رکھا اور وہ وقت معینہ

پر وہاں نہ پہنچ سکے۔ (طبری جلد ۶ ص ۱۰۰) لیکن آپ ہی کے دوستوں نے انہیں کانفرنس

میں شرکت پر مجبور کر دیا، البتہ اس کے بعد اہل کوفہ اور اہل شام نے متفقہ طور پر یہ طے

کیا کہ کانفرنس اذرح میں ہونی چاہیے کیونکہ وہاں پانی کی افراط ہے اور دومۃ الجندل

میں اس قدر فراوانی نہیں، پھر سیدنا معاویہؓ کو یہ توقع تھی کہ خیر جانبدار حضرات بھی

کثیر تعداد میں اس میں شرکت فرمائیں گے۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۱، طبری جلد ۶ ص ۱۰۰)

فیصلہ کے متعلق مشہور روایات

دونوں فریقوں کے چار چار سو نمائندے رمضان المبارک ۳۶ھ (بعض روایتوں

میں شعبان آتا ہے) میں اذرح کے مقام پر ثالثوں کا تحریری فیصلہ سُنتے کے لیے

تشریف لائے۔ سیدنا علیؑ کے چار سونہو بہن کی قیادت آپ کے چچا زاد بھائی سیدنا
عبداللہ بن عباسؓ کے ہاتھ میں تھی، اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی طرف سے بھی چار سونہا سونہ
اس فیصلہ کو سننے کے لیے آئے، لیکن خود یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہؓ اور سیدنا علیؓ
اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد اول) چونکہ یہ
فیصلہ بہت اہم تھا اور ملت اسلامیہ کی موت و حیات کا معاملہ تھا، اس لیے سیدنا معاویہؓ کی
توقع کے مطابق غیر جانبدار صحابہ جیسے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا
مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا عمران بن حصیلؓ وغیرہم بھی اس اہم فیصلہ کو سننے کے لیے مقام اذرح
پر تشریف لائے۔

طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک میں، الدینوری نے اخبار الطوال میں، الخضری نے
محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں، مسعودی نے مروج الذهب میں، ابن الاثیر نے الکامل میں،
بیہقی نے تاریخ الخلفاء میں اور دیگر کئی مؤرخین نے اپنی اپنی تواریخ میں اس مقام پر وہ
غلط بیانیوں کی ہیں کہ قلم کو تاب ناکارش نہیں اور سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ابو موسیٰ
اشعریؓ کی تصاویر اس قدر غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں کہ اس کو پڑھ کر کوئی
شخص ان بزرگوں کے ساتھ محسن ظن نہیں رکھ سکتا، یہ سب سازشیں ہیں ان لوگوں کی جو
اپنی اسلام دشمنی کا اظہار صحابہ کرام کے وقار کو مخدوش کرنے سے کرتے ہیں۔ بہر حال اس پر
ہم بعد میں بحث کریں گے کہ ان مؤرخین نے کیا کیا گُل کھلائے ہیں اور اپنی خود ساختہ روایا
کے تبر سے نخل اسلام کو کس طرح کاٹنے کی کوشش کی ہے، ابھی ہم صرف وہ واقعات قلمبند
کرتے ہیں جو ان کذاب راویوں نے بیان کیے ہیں۔

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حضرات نے اذرح کے تاریخی مقام پر اپنا فیصلہ سنایا۔
یہ جو مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ سے
کہا کہ پہلے آپ فیصلہ سنائیں، انہوں نے کہا: ولک حقوق کلہا واجبة لیسئلک و
صحبک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانت ضیف۔ اور تمام حقوق
آپ ہی کے ہیں، عمر کے اعتبار سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

زیادہ عرصہ رہنے کے لحاظ سے اور پھر آپ ہیں بھی ہمارے ہمان ۔

(مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۱، طبری جلد ۶ ص ۳۹)

اور اسی طرح سے بقول جلال الدین سیوطی، عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو دھوکہ اور چال بازی سے فیصلہ سنانے میں آگے کر دیا، "فقدم عمرو اباموسیٰ الاشعری مکیدۃ منہ" (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۳)

چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا :-

"حضرات! ہم نے اس مسئلہ پر بہت غور و خوض کیا ہے، ہمیں اس امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح کی، اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے شوریٰ جسے اہل سمجھے اُسے منتخب کیا جائے، لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ جسے تم پسند کرو یا بھی مشورے سے اپنا خلیفہ بنا لو"

اس کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اپنا فیصلہ سنایا اور کہا :-

"حضرات! ابو موسیٰ اشعریؓ کا فیصلہ آپ نے سن لیا، انہوں نے اپنے امیر کو جس کی طرف سے وہ حکم ہیں معزول کر دیا ہے میں بھی ان کی تائید کرتے ہوئے ان کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں لہذا ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ حقدار ہیں"

۱۔ اس قسم کی روایات کو نقل کرنے کے بعد قاضی ابوبکر ابن العربی صاحب "احکام القرآن" لکھتے ہیں :-

هذا كله كذب صراح ما جرى منه حرف قط وانما هوشى اخير عنه المبتدعة ووضعتہ التادینة للملوك فتوارثته اهل المجانة والجهالة معاصی اللہ والیہ ۔ رالعواصم من القواصم مكال۔ یہ سب صریح کذب ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ فیصلہ سنکر ابو موسیٰ چلا گئے کہ یہ بے ایمانی اور منکار می ہے اور کہا کہ :-
 ”انما مثلک مثل الکلب ان تحصل علیہ یلہث او تتول یلہث۔
 تمہاری مثال کتے کی ہے اگر اس پر بوجھ لا دو تب بھی ہانتا ہے نہ لا دو تب
 بھی ہانتا ہے۔“

اب عمرو بن العاصؓ کو غصہ آگیا اور جواب میں فرمایا :-
 ”مِثْلُکَ کَمِثْلِ الْجَمَّارِ یَحْمِلُ اسْفَارًا۔ تمہاری مثال گدھے کی
 ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔“

اس کے بعد دونوں پارٹیوں کی آپس میں کالم گلوچ ہوئی اور ہاتھ پائی شروع ہوئی۔
 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال ص ۲۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، مروج الذهب
 جلد ۲ ص ۳۳، طبری جلد ۶ ص ۲۰، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۸۳، طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۲۵۶
 اس قسم کی سب روایات جن میں صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارا گیا
 ہے عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط اور صحابہؓ کے خلاف ایک خاص سازش کے نتیجے کے
 طور پر ہیں۔ ایسی روایات کو یاں لوگوں نے اس سادگی سے بیان کر دیا ہے کہ اچھے
 اچھے لوگ بھی ان کے اس دام فریب میں آگئے ہیں اور اردو اور عربی کے اکثر تاریخ نگار

(بنیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا یہ واقعات ہیں جن کو اہل بدعت نے
 نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے اس کو وضع کیا جو یاد شاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور معینون اور اس قسم
 کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں ان روایات کو تسللاً بعد تسللاً
 روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

حاشیہ صفحہ ۱۷۱ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فیصلہ حکیم سے
 قبل سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بہت جوش دلا یا اور کہا :-

واعلم یا ابا موسیٰ ان معاویۃ طلیق الاسلام وان اباہ داس الاحزاب وانه یدعی
 الخلافۃ من غیر مشورۃ ولا بیعة۔ (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۲۶) اے ابو موسیٰ! آپ کو پتہ ہو چاہیے کہ
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایسی باتوں کو بغیر عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھے صرف تقلیداً اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے ایک جگہ خود اقرار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:-

”لو کان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والا ئمة ذکرہ ماسقته واكثره من رواية ابی مخنف لوط بن یحیی وقد کان شیعة وهو ضعیف الحدیث عند الا ئمة۔ (البدایة والنهاية جلد ۸ ص ۲۰۲)

اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ اور حفاظ نے وہ روایات نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے اور اکثر تو ان (غلط) روایات میں سے ابی مخنف لوط بن یحیی کی روایات ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک وہ

دقیقہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) معاویہؓ طلقائے اسلام (یعنی وہ لوگ جن کو فتح مکہ کے روز معافی دی گئی تھی) میں سے ہے اور اس کا باپ (سیدنا ابوسفیانؓ) جنگ احزاب کا کمانڈر اور رئیس تھا اور وہ بغیر مشورہ کے اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کرتا ہے۔

ابن ابی الحدید کی یہ بات صریحاً غلط ہے، نہ معاویہؓ طلقائے میں سے تھے اور نہ ہی انہوں نے بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ صرف قاتلانِ عثمان سے قصاص کے طالب تھے نہ انہوں نے خلافت کی خواہش کی اور نہ ہی وہ اس کے مدعی تھے، چنانچہ جب میدانِ صفین میں سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا ابوامامہؓ صلح کی خاطر سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے تو آپ نے اُن کے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ میں خلافت کا دعویٰ نہیں ہوں بلکہ میں تو صرف:-

”اقاتله علی دم عثمان وانه ادى قتلته فاذهب اليه فقول له فليقتلنا من

قتله عثمان ثحرا نا اول من بايعه من اهل الشام۔ (البدایة والنهاية جلد ۸ ص ۲۵۹)

میں تو صرف قاتلانِ عثمان سے قصاص کی خاطر لڑ رہا ہوں اور قاتلانِ عثمان کو انہوں نے پناہ دی ہوئی ہے آپ دونوں حضرات علیؓ کے پاس جائیے اور اند سے کہیے کہ وہ قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں پھر (دیکھیں) کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اہلِ شام میں سے آپ (علیؓ) کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔“

ضعیف الحدیث ہے۔“

اگر ذرا بھی عقل و درایت سے کام لیا جائے تو ان روایات کی حقیقت صاف کھل جاتی ہے اور دشمنان اسلام کے مکر و فریب کا پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے تاریخ میں کیا کیا گُل کھلائے ہیں۔

اس روایت کے متعلق سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اتنا اہم فیصلہ جو پوری ملت اسلامیہ کی موت و حیات کا فیصلہ تھا کیا اس کا اعلان اس طرح کیا جانا تھا کہ جس طرح کسی مسجد کے منبر پر وعظ کیا جاتا ہے کہ پہلے ایک اُٹھا اور اس نے اعلان کر دیا اور بعد میں دوسرے نے اٹھ کر اعلان کر دیا۔

جیسا کہ معاہدہ تحکیم میں درج تھا کہ :-

”ثم یکتبان شہادۃ ھما علی ما فی ھذہ الصھیفۃ۔“

رطبری جلد ۶ ص ۲۹، ایام العرب ص ۳۶۹، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۹

پھر یہ دونوں ثالث ثالثی نامہ کے معاملہ میں اپنا فیصلہ تحریراً مرتب کریں گے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے فیصلہ تحکیم تحریری شکل میں مرتب کیا تھا،

صرف زبانی نہیں تھا۔

یہ بات ساری دنیا جانتی ہے اور جب سے تحریر یا بجا ہوئی ہے اُس وقت سے

لے کر اب تک یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ دو منصف یا ثالث باہمی طور پر جب کوئی تحریر

مرتب کرتے ہیں تو جن امور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے ان کو لکھ لیا جاتا ہے، پھر حقنے گروہوں

کے درمیان وہ فیصلہ ہوا ہو اُس تحریر کی اتنی ہی کاپیاں بنائی جاتی ہیں اور ہر کاپی پر ان

مندوبین اور فیصلہ کنندگان کے دستخط ہوتے ہیں جو اُس فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں۔

پھر وہ تحریر یا فیصلہ کسی کو سنانا ہو تو اُس فیصلہ کو جس پر کہ دونوں فریق کے مندوبین یا

ثالثوں کے دستخط ہوتے ہیں صرف پڑھ کر سنایا جاتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کے

مابین ثالثوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلہ پر ثالثوں اور گروہوں کے دستخط موجود

ہیں اور کسی کو اب جلتے فرار نہیں۔ اگر ثالثوں میں سے کسی ایک کی دیانت مشکوک

ہو تو شہادتوں کے ذریعہ فیصلہ کو مزید نچتہ کیا جاتا ہے تاکہ کوئی ثالث یا پارٹی اس سے فرار نہ کر سکے۔

نہ خود سنت میں اس کی مثال موجود ہے کہ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے عمرو بن مسعود ثقفی نمائندہ تھے اور ادھر سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی فرما رہے تھے، معاہدہ مرتب ہوا، بعد میں دونوں نمائندوں کے دستخط ہو گئے، اب نہ قریش اس سے انکار کر سکتے تھے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا۔ اسی طرح اہل کفر کے ساتھ آپ نے اور معاہدے بھی کیے۔

لیکن یہ بات کس قدر دراز عقل ہے کہ اتنا بڑا فیصلہ ہو اور معاہدہ میں اور شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہو کہ دونوں نمائندے جو بھی فیصلہ کریں وہ تحریری طور پر مرتب ہو اور اس پر باقاعدہ شہادتیں ثبت ہوں اور اس کو چھ ماہ کی تحقیق اور چھان بھیک کے بعد مرتب کیا گیا ہو، ثالث حضرات اور سب شرائط تو پوری کریں لیکن یہ شرط ہو کہ معاہدہ کی جان ہوتی ہے اور اگر معاہدہ میں نہ بھی لکھی ہوئی ہو تب بھی محذوف ہوتی ہے اور یہاں تو صاف لکھی ہوئی تھی، اس کا کوئی لحاظ نہ کریں، پھر وہ مقام اذرح پر جہاں اس فیصلہ کو سنایا جاتا تھا اور وہ بھی ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں تو وہ بجلئے تحریر فیصلہ پڑھ کر سننے کے صرف زبانی فیصلہ سنانا شروع کر دیں اور ہزار ڈیڑھ ہزار حاضرین میں سے کوئی اُن پر اعتراض نہ کرے کہ وہ تحریری فیصلہ پڑھ کر سناؤ جو تم دونوں نے مرتب کیا ہے۔

پھر اس پر زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول ان روایات کے گھڑنے والوں کے کہ سیدنا علیؑ کو سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ پر پہلے ہی اعتماد نہیں تھا اور وہ (معاذ اللہ) ان کو نہایت بیوقوف، ابلہ صفت اور عمرو بن العاصؓ کے مقابلہ میں ایک اچھا انسان سمجھتے تھے (طبری جلد ۲ ص ۳۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۵۵ وغیرہم)، جب سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کی (معاذ اللہ) یہ حالت تھی تو سیدنا علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو تو اور زیادہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے تھا کہ فیصلہ تحریری ہو صرف زبانی اور تقریری نہ ہو

تاکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کوئی چالاکی نہ کر سکیں اور نہ ہی ٹکڑے کر سکیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ہمیں تو یہ ملتا ہے کہ جب دونوں ثالث پتہ بالوں پر متفق ہو گئے اور مقام اذرح پر اپنا فیصلہ سنانے لگے اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو پہلے فیصلہ سنانے کو کہا اور سیدنا ابو موسیٰؓ اٹھ کر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو علوی مندوبین کی قیادت فرما رہے تھے کہا :-

”وَبِئْسَ مَا لَكَ يَا لَظَنَةٍ قَدْ خَدَعَكَ اِنْ كُنْتَ تَتَّقِي تَفْقَهُمَا عَلٰی اَمْرٍ

فَقَدْ مَهْ فَلَيْتَ كَلَّمْتَهُ قَبْلَكَ ثُمَّ تَكَلَّمْتَ بِهِ بَعْدَهُ فَانَّهُ رَجُلٌ

غَادِرٌ۔۔۔۔۔ الخ

افسوس ہے تم پر! بخدا مجھے یہ گمان تھا کہ تم سے دھوکا کرے گا اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہو گئے ہو تو بات کرنے میں اس کو مقدم کیجئے اور آپ بعد میں بات کریں کیونکہ (معاذ اللہ) یہ ایک عہد کو توڑنے والا آدمی ہے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸)

لیکن تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ سیدنا عباسؓ یا کسی اور علوی مندوب نے یہ کہا ہو کہ آپ وہ فیصلہ سنائیں جو آپ دونوں حضرات نے چھ ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد مرتب کیا ہے تاکہ کسی جھگڑے کا شائبہ نہ اٹھ کھڑا نہ ہو۔

لیکن مخالفت کی لگن آدمی کو عقیدت اور محبت کی لگن سے زیادہ اندھا بنا دیتی ہے جن مخالفین نے روایات کے ذریعہ صحابہ کی یہ تصویر پیش کی ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسے پاکیزہ انسان کے منہ سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے متعلق ”فَاِنَّهُ رَجُلٌ غَادِرٌ“ کا ناپاک جملہ وضع کیا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے اللہ اور آخرت کے خوف اور ایمان کی روشنی کی ایک ہلکی سی کرن سے بھی یک قلم خالی تھے۔

روایات پر اجمالی بحث

اس کافرنس میں کیا فیصلہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق میں اصل حقیقت کو گم کر دیا گیا ہے۔

تاریخ میں روایات کا ایک ایسا گورکھ دھندا بنا دیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے پھر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں بھی بہت اختلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۲ ص ۳۵۰، یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۲، مسعودی جلد ۲ ص ۳۶۱، الفخری ص ۱۲۷، وغیرہم) بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہو گا کہ اسلام کی تاریخ میں جس قدر کذب بیانی اور غلو واقعہ تحکیم اور واقعہ کربلا کے بارہ میں کیا گیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور واقعہ میں کیا گیا ہو مسعودی، خضریٰ اور طبری وغیرہ مؤرخین اس بات کو مستلیم کرتے ہیں کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ثالثوں کا فیصلہ تحریری ہو گا اور حسب فیصلہ وہ تحریر بھی لکھی گئی تھی لیکن فیصلہ کی تحریر کو ایک خاص سازش کے تحت حرف غلط کی طرح کتابوں کے اوراق سے مٹا دیا گیا، اور آج باوجود بحسب تفحص کے وہ تحریر تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتی اور اس کے بجائے صرف یہی لکھ دیا ہے کہ فیصلہ زبانی سنایا گیا اور پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا اور بعد میں عمرو بن العاصؓ نے اصل فیصلہ کو مڑتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کو سمجھے گا جنہوں نے واقعات کو اس طرح مسخ کر کے امت میں فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ سیدنا معاویہؓ نے اس زمانہ میں ابھی تک خلافت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا وہ تو صرف قاتلان عثمان سے قصاص کے مدعی تھے اور اسی کے لیے وہ اٹھتے تھے اور انہوں نے بار بار اپنے خطوط اور علوی نامہ پروں کے ساتھ اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ میں سب سے پہلے سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں گا اگر وہ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۵۹) سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا ہی نہیں تھا کہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ ان کو خلیفہ بنایا جائے یا انہیں معزول کیا جائے اور نہ ہی ثالثوں کا تقرر اس لیے ہوا تھا

لے حالانکہ مسعودی جیسے شیوخ نے بھی لکھا ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے بھی زبانی تقریر نہیں کی۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۱۷)

وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ دونوں میں خلیفہ کون ہو، اور اگر یہ دونوں اُن فٹ ہو تو تیسرا کون ہونا چاہیے؟ بلکہ ان کا تقرر تو صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ سیدنا معاویہؓ قاتلانِ عثمان سے قصاص کے مدعی ہیں اور اس کے عکس سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ :-

”میں اس وقت ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتا پہلے تم میری بیعت کرو پھر جب میں مناسب سمجھوں گا یا اپنے کو اس قابل جانوں گا کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لے سکوں اُس وقت ان سے قصاص لوں گا۔“

لیکن سیدنا معاویہؓ اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ پہلے قصاص لو پھر میں بعد میں بیعت کروں گا کیونکہ ان کے خیال میں خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ کی بیعت ابھی تک ان کی گردن میں تھی اس لیے کہ وہ مظلوم شہید کئے گئے تھے اور طبعی طور پر وفات نہیں پائی تھی، اس بارہ میں اس سے قبل فریقین میں کئی بار گفتگو بھی ہو چکی تھی، یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں کہاں تک صحیح ہیں اور ان دونوں میں مصالحت کی صورت کیا ہے تاکہ اُمت بہت بڑی خونریزی سے بچ جائے۔

یہ تھا فریقین کا مابہ النزاع مسئلہ، اور اسی کے فیصلے کے لیے حکمین کا تقرر ہوا تھا، دونوں ثالث اپنی اپنی جگہ ایک خاص علمی مقام کے مالک تھے، کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہمارا تقرر کس فیصلہ کے لیے ہوا تھا اور ہم کہ کیا فیصلہ رہے ہیں پھر جب انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو اُس وقت حاضرین میں سے ایک آدمی بھی نہ بولا کہ جناب ہم نے آپ کا تقرر کس بات کے لیے کیا تھا اور آپ فیصلہ کیا کر رہے ہیں؟ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فیصلہ ہوا کچھ اور تھا لیکن تاریخ میں کچھ ایسا ہیر پھیر کیا گیا ہے کہ حقیقت ان روایات کے نیچے چھپ گئی ہے اور مابعد کے مؤرخین مکھی پر مکھی مارتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں نے اس بات کی ٹوہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس راکھ کے ڈھیر سے اس اصل ہیر کی جوت لگائیں جو اس کے اندر چھپا ہوا ہے۔

بعض لوگوں نے کچھ ایسی روایات بھی وضع کی ہیں کہ :-

”جب ثالثوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو مجمع میں گڑ بڑ پیدا ہو گئی اور شریح بن ہانی
نے سیدنا عمرو بن العاصؓ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے اور ابو اشعرؓ کہیں
چھپ گئے۔“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲۱)

یہ ایسی خرافات ہیں کہ ان کو تاریخ کی کتابوں میں بیان کرنا یا تاریخ کہنا خود تاریخ
کی توہین ہے، مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی گڑ بڑ نہیں ہوئی تھی بلکہ
سب لوگوں نے ثالثوں کے فیصلہ کو سراہا اور مسلمانوں کے مابین نزاع بہت حد تک کم ہو
گیا اور کسی کو گڑ بڑ کرنے کی جرأت تک پیدا نہ ہوئی۔ یہ کہنا کہ عمرو بن العاصؓ نے دھوکا
دیا اور ابو موسیٰ اشعرؓ نے اپنی بیوقوفی اور سادہ لوحی کی وجہ سے ان سے دھوکا کھایا، یہ
سب روایات ردی کی لٹری میں ڈالنے کے قابل ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین پر بہتان تراشیاں ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی کتابوں کے لکھے جانے سے قبل
کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکہ دیا
اور سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ نے دھوکہ کھایا، اور اگر سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ نے دھوکہ کھایا
ہوتا تو تاریخ میں ان پر بیوقوفی اور ملامت کی بوچھاڑ ہوتی، لیکن تاریخ کی ورق گردانی
سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر نے ان کے موقف کو سراہا ہے اور بڑے فخر سے ان کے اس
فیصلے کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک مشہور شاعر سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ کے پوتے
بلال سے ان کے دادا کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

ابولک تلافی الدین والتاس بعد ما

تشاروا بیت الدین منقطع الکسر

فشد اصار الدین ایام اذ رُح!

وما دحرو بًا لقد لقن الی عتیم

یعنی آپ کے دادا ابیاد سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ نے دین اور لوگوں کی شیرازہ
بندی فرمائی جبکہ لوگ آپس میں بد دل اور پر اگندہ خاطر تھے اور دین کی عمارت
منہدم ہو رہی تھی، انہوں نے ایام حج (یعنی اذرح) کا نفرنس میں دین کے خمیہ

کی طنائیں کس دیں اور جنگوں کے سلسلہ کو بالکل روک دیا جو کہ دین و ملت کو بچھا اور عظیم کر دیتے والی تھیں۔“ معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۳۰

العواصم من القواصم ص ۷۶ تعلیقہ معاویہ از انیس زکریا نصولی مہری ص ۳۱
پھر تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کے بارے میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا علیؑ نے
اس کا نفرتس کے فیصلہ پر یہ اعتراض کیا کہ ان ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا
ہے۔ راخبار الطوال ص ۲۰۷، ۲۰۸، الفخری ص ۸۲، طبری جلد ۶ ص ۱۰۰) لیکن آپ نے
یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاویہؓ کے حکم و عمرو بن العاصؓ نے میرے حکم ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ
دھوکہ کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی نے اس کا نفرتس میں دھوکہ دیا اور نہ کسی
نے دھوکہ کھایا، صرف مسلمانوں کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع کرنے کے لیے اس
قسم کی روایات وضع کی گئی ہیں۔

اگر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکہ اور قریب سے سیدنا معاویہؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ دوسرے ہی روز اس بات کا اعلان فرما دیتے کہ اب سیدنا علیؓ خلیفہ نہیں ہیں بلکہ اہل حل و عقد نے مجھے خلیفہ بنایا ہے لہذا میں علیؓ کو الٰہی میثم دیتا ہوں کہ یا تو وہ میری خلافت قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں جس طرح کہ سیدنا علیؓ نے ابیر معاویہؓ کو الٰہی میثم دیا تھا کہ ”تم میری بیعت کر لو عاقبت اور سلا متی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ“ (اخبار الطوال ص ۱۴۱)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایسا کوئی الٹی میٹم نہیں دیا اور نہ آپ نے اپنی فوج کو عراق کے کسی محاذ پر بھیجا بلکہ آپ آرام کے ساتھ دمشق میں رہے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا۔

”ولحق معاویۃ بد دمشق من ارض الشام و فرق عسا کرہ

فلحق کل جند منهم ببلدہ۔ (مروج الذهب جلد ۳)

حضرت معاویہؓ سرزمین شام میں دمشق تشریف لے گئے اور اپنے لشکروں کو علیؓ پر بھیج دیا، ان میں سے ہر کھڑی ریلٹن، الگ الگ شہر چھاؤنی میں چلی گئی۔

اور اپنے زیر نگیں علاقے میں پہلے کی طرح حکومت کرتے رہے اس عرصہ میں آپ نے کبھی بھی سیدنا علیؓ کو بیعت کی دعوت نہیں دی بلکہ جب کبھی بات چلی آپ نے قاتلان عثمان سے قصاص ہی طلب فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ دھوکے سے کسی کی خلافت چھینی گئی اور نہ دھوکہ سے کسی کو خلیفہ بنایا گیا بلکہ جس بارہ میں دونوں کو حکم بنایا گیا تھا اس بارہ میں انہوں نے نہایت دورانہشی، معاملہ فہمی اور غور و فکر سے فیصلہ کیا اور ایسا علیؓ فیصلہ کیا کہ دین کی شیرازہ بندی ہو گئی، لوگوں کی منتشر خیالی اور پراگندگی دور ہو گئی اور دین کی عمارت جو کہ منہدم ہونے کے قریب تھی پھر اپنی پہلی حالت پر آ گئی اور ان جنگوں کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا جو کہ ملت اسلامیہ کو عظیم ربا نچھ کر ڈالنے والی تھیں، کچھی ہوئی تلواریں نیاموں میں چلی گئیں اور ملک میں امن و سلامتی کا پودا پھر سے سرسبز و شاداب ہو گیا۔

مثالتوں کا اصل فیصلہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مثالوں نے اگر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا تو پھر آخر ان کا فیصلہ ہوا ذرح کے مقام پر سنایا گیا وہ تھا کیا؟ اُمت کی بدقسمتی اور دشمنان اسلام کی سازشوں

سے وہ اہل تحریری فیصلہ آج ہمارے پاس موجود نہیں۔ لیکن مسعودی وغیرہ مؤرخین کو اس بات کا اقرار ہے کہ:-

”انہما لم یخطبا وانما کتبا صحیفۃ۔ (مسعودی جلد ۲، عمرو بن العاص از حسن ابراہیم ص ۴۲)

ان حضرات نے زبانی خطاب نہیں فرمایا تھا بلکہ فیصلہ تحریر کیا تھا۔

اور فیصلہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات جن سے بنو امیہ کی ذرہ برابر بھی حمایت ہوتی ہے مسلم نمائندوں نے تاریخ کے اوراق ہی سے گم کر دی ہیں اور اصل حقیقت کے بجائے ایسے ایسے افسانے تاریخ میں بھر دیئے ہیں جو عقل اور نقل و روایت و درایت دونوں کے لحاظ سے غلط ہیں، خصوصی طور پر حکیم اور کربلا کا واقعہ۔ ان دونوں واقعات میں سیدنا علیؑ اور سیدنا حسینؑ کے مخالف رائے رکھنے والوں کا کرکٹر اس قدر گھناؤنا پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھ کر شاید فرعون و ابوجہل بھی ان سے اچھے نظر آئیں، اور اس معاملے میں یہاں تک زیادتی کی گئی ہے کہ اگر خود اہل بیت کے کسی فرد نے بھی ان کے ذرا خلاف اپنی رائے دی تو اس کو بھی مذل المؤمنین، مسود وجوہ المؤمنین قسم کے توہین آمیز القابات سے یاد کیا گیا۔

امام سیدنا حسنؑ نے جب سینا معاویہ کی بیعت کی تو آپ کے لشکر کے بعض لیڈروں نے سیدنا حسنؑ سے مل کر اس معاملہ میں گفتگو کی اور آپ کو اسلام علیہ یا مذل المؤمنین کہہ کر سلا کیا۔ (خيار الطوال، العوام من القوام ص ۱۹۷ میں مسود وجوہ المؤمنین مومنوں کے چہروں کو سیاہ کرنے والا آیا ہے۔ اسی طرح جلاء العیون از ملا باقر مجلسی میں بھی ص ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۶۔ یہ معاملہ صرف طعن و تشنیع تک ہی نہ رہا بلکہ ان لوگوں نے کہا کہ ”معاذ اللہ“ یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا، یہ کہہ کر بلوہ کیا اور امام حسنؑ کا اسباب لوٹ یا یہاں تک کہ جلے نماز آپ کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور رداء دوش مبارک سے اتار لی، پس امام حسنؑ نے اپنا گھوڑا طلب کیا، جراح بن سنان اسدی شقی نے لجام اسپ آنحضرتؐ پکڑ لی اور ایک خنجر ان مبارک پر مارا کہ استخوان تک نہ گاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا کہ (معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو۔ جلاء العیون ص ۳۱۳) یہ ساری سزا صرف اس وجہ سے تھی کہ آپ نے بنی امیہ (اور وہ بھی مومنوں کا مونسیدنا معاویہؓ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاں اگر موجودہ روایات ہی کی ذرا چھان بھٹک کی جائے اور ان میں ذرا تنقیدی نگاہ سے ٹوہ لگائی جائے تو اصل حقیقت کی کچھ پرچھائیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے اس کا نفس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔

(۱) دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں مخلص ہیں، معاویہؓ طلب قصاص میں اور علیؓ طلب بیعت میں، اور ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف نگاہ شریعت میں ایسا اختلاف ہے کہ جس میں صواب و خطا دونوں میں ثواب ملتا ہے، ہاں جو راہ صواب اختیار کر کے اصل مقصد کو پہنچ گیا اس کو راہ خطا پر کا مزن ہونے والے سے دو گنا ثواب ہے، حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی معصوم نہیں، غلطی کا ہر بشر سے امکان ہے، ہاں اس میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گنہگار اور واجب القتل ہیں اور انہیں کے قتل کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ کر رہے تھے لہذا سیدنا علیؓ کی خلافت بالفعل صحیح ہے اور سیدنا معاویہؓ کا قاتلان عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ صحیح ہے، اس وجہ سے دونوں کو اپنے موقف سے معزول کیا جائے یعنی معاویہؓ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیدنا علیؓ تلوار روکیں۔

دہلیہ ہاشمیہ صفحہ گزشتہ) کی طرف میلان فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دور وہ بھی تھا کہ جس میں بڑے بڑے آدمی جیسے سیدنا حسنؓ کے منہ سے بھی بنو امیہ کی معمولی تعریف یا ان کی طرف معمولی میلان بھی برداشت نہ کیا جاسکتا تھا تاریخوں میں بھی اسی تعصب کے اثرات ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

رہا شیعہ صفحہ ۱۷۱، کیونکہ دونوں نے خطائے اجتہادی کی تھی، ایک نے قصاص عثمانؓ کو ہاتھ میں لکیر اور دوسرے نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر۔

اس موقف کی معزولی ہی کو مؤرخین نے خلافت سے معزولی پر محمول کیا ہے حالانکہ خلافت کے دعویدار صرف سیدنا علیؓ تھے نہ کہ دونوں حضرات، لہذا دونوں کی معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر خلافت کے دعویدار ہوتے تو پھر فیصلہ میں دونوں کو معزول کیا جاسکتا تھا، اس لیے اگر ثالث خلافت سے معزول (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(ب) اس امر خلافت کا فیصلہ ایسے صحابہؓ کے اجتماع میں ہو جن سے اللہ کا رسول اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا۔ (العواصم من القواصم ص ۱۷۸)

کیونکہ اتنے بڑے قضیے کا فیصلہ ہمارے بس کاروگ نہیں اس کے فیصلے کے لیے سب سے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنا ضروری ہے اور اگر ہم ابھی فیصلہ کر بھی دیں تو ایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کو منوانے کے لیے پشت پر طاقت نہ ہو، اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ بہت جلد نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ بیانیوں نے امت کے متفق علیہ امام کو دن دیا اور مدینہ منورہ کی پاک و مقدس سرزمین میں بغیر کسی قصور کے ظلماً شہید کر دیا اور پھر وہی قاتلان عثمان سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں ان سے قصاص کس طرح لیا جائے۔ اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات اور اپنی کوششوں سے قائم کی۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے صراحت سے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) اور کتب تواریخ میں یہ جملہ بھی آتا ہے "اول من بايعه الاشتر" سب سے پہلے اشتر نے سیدنا علیؓ کی بیعت

القیہ ہاشمیہ صفحہ ۱۷۷ شتہ کرتے تو ایک کو کرتے یعنی سیدنا علیؓ کو نہ کہ دونوں کو۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان ثالثوں نے دونوں کو اپنے اپنے موقف سے معزول کیا تھا، سیدنا علیؓ نے تلوار چلائی تھی ان کو تلوار چلانے سے روکا گیا اور سیدنا معاویہؓ نے قساص کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا لہذا ان سے کہا گیا کہ آپ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں، یہ بھی اپنے موقف سے دونوں کی معزول جس کو کر کے یہ لکھ دیا گیا کہ۔

ثم اصطلحوا علی ان یخلع معاویۃ وعلیاً ویتروکا الامر شورى بین الناس
لیتفقوا علی من یختار وہ لا ینفسہم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۸۳)

پھر دونوں ثالث اس بات پر متفق ہو گئے کہ علیؓ اور معاویہؓ کو خلافت سے معزول کیا جائے اور اس امر خلافت کو لوگوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ متفق ہو کر جس کو چاہیں اپنے لیے بطور خلیفہ اختیار کریں۔ (عمر بن العاص ص ۱۷۱ از حسن ابراہیم حسن مروج الذهب جلد ۱ ص ۱۷۱ وغیرہم)

پھر ایک نے دوسرے کو دھوکہ دے کر اپنے کو امیر المومنین بنادیا اور دوسرے کو اسی طرح معزول کر دیا، یہ سب سازش یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے، صحابہ کا دامن اس قسم کے خرافات سے پاک ہے۔

کی (سبائیوں کے سیدنا علیؑ کو اس طرح ہنگامی طور پر خلیفہ بنا کر پھر ان کی فوج میں داخل ہو جانے سے اُمت بہت بڑے تفرقہ کا شکار ہو گئی اور سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہؓ نے آپؐ کو بیعت نہ فرمائی۔ اسی تفرقہ کے سبب نوبت شمشیر کشی اور قتال تک پہنچ گئی، ثالثوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیق اور چھان پھٹک کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلان عثمان کے اثرات اور ان کے شمول سے سیدنا علیؑ کا انتخاب غیر آئینی ہے لہذا یہ انتخاب منسوخ ہو کر کل اُمت کے نمائندہ حضرات اور اربابِ حل و عقد کے مشورے سے از سر نو انتخاب ہو، اس اجتماع میں جس میں اس امر خلافت کا فیصلہ ہو صرف وہی حضرات صحابہ شامل ہوں جن سے جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے، یہ ارباب حل و عقد جب کوئی فیصلہ کریں گے تو ان کی پشت پر اس فیصلہ کو منوانے کے لیے رائے عامہ کی بے پناہ طاقت ہوگی۔ (العواصم من القواصم ص ۱۶۱، ۱۶۲) تفصیل کے لیے کتب توارخ ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) جب تک ارباب حل و عقد کے باہمی مشورے سے از سر نو انتخاب عمل میں نہیں آتا اُس وقت تک دونوں فریق اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم و نسق چلاتے رہیں اور آپس میں امن و سلامتی سے رہیں۔ اما التصرف العملي في اداة البلاد التي كانت تحت يد كل من الرجلين المتحاربين فبقی كما كان علی متصرف في البلاد التي تحت حكمه و معاوية متصرف في البلاد التي تحت حكمه۔ (العواصم من القواصم ص ۱۶۱ تعلیقہ)

یہ تھا ان دونوں ثالثوں کا فیصلہ جس کو سبائی راویوں نے کیا کیا رنگ دے دیا ہے اور ان واقعات کو منسوخ کر کے اُمت کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ صحابہ کے بارہ میں ان کے معتقدات صحیح نہ رہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے مکر و فریب سے کام لیا، اس کے متعلق علامہ محب الدین الخطیبؒ فرماتے ہیں:-

فالتحکیم لم یقع فیہ خداع ولا مکروہ ولم تتغلله بلاهة ولا
 غفلة وكان یكون محل للمکرا والغفلة لو ان عمرا اعلن فی
 نتیجة التحکیم انه ولی معاویة امارة المؤمنین وخلافة
 المسلمین وهذا مال لم یعلنه عمرو ولا ادعاه معاویة ولم یقل
 به احد فی الثلاثة عشر قرناً الماضية وخلافة معاویة لم
 تبدأ الا بعد الصلح مع الحسن بن علی وقد تمت لبایعة الحسن
 لمعاویة ومن ذلک الیوم فقط سُمی معاویة امیر المؤمنین
 فعمرو لم یقالط ایاموسى ولم یجدعه لانه لم یعط معاویة
 شیئاً جدیداً ولم یقرر فی التحکیم غیر الذی قد مر
 ایوموسى ولم یرجع عما اتفقا علیه معاً. ^{معاویة} راعوا من القوا ^{معاویة} تعلیقه
 یعنی مسئلہ تحکیم میں کسی مکروہ فریب کی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی غفلت و
 بیوقوفی کا صدور ہوا ہے ہاں فریب اور غفلت کا محل جب ہوتا اگر سیدنا
 عمرو و تحکیم کے فیصلہ میں یہ اعلان فرماتے کہ وہ معاویہ کو مسلمانوں کی خلافت
 اور مؤمنین کی امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے، اور سیدنا عمرو نے اس
 بات کا اعلان کیا ہی نہیں اور نہ ہی سیدنا معاویہ نے اس کا دعویٰ کیا ہے
 اور نہ ہی گزشتہ تیرہ صدیوں میں کسی نے یہ چیز کہی ہے، اور سیدنا معاویہ کی
 خلافت تو سیدنا حسن بن علیؓ کی صلح کے بعد شروع ہوئی اور اس کا اتمام
 سیدنا حسنؓ کے بیعت کرنے سے ہوا اور اس روز سے انہیں امیر المؤمنین کہا
 جانے لگا، لہذا نہ ہی سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ کو دھوکہ دیا اور
 نہ ہی ان سے کوئی دھوکہ کھایا کیونکہ انہوں نے اپنے اعلان میں معاویہ کو
 کوئی نئی شے دی ہی نہیں اور نہ ہی فیصلہ تحکیم میں اس چیز کا اظہار فرمایا
 جس کا اظہار سیدنا ابو موسیٰؓ نے نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی اس بات کے سوا
 کوئی اور بات کہی جس پر دونوں ثالثوں کا اتفاق ہوا تھا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک

اسی فیصلے کی رو سے اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حق پر تھے اور دونوں سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ سیدنا معاویہؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے قاتلانِ عثمان سے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور سیدنا علیؑ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لیا اور اس طرح قضیہ نبٹنے کے بجائے اور طویل ہو گیا، سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئیں، اچھے اچھے لوگ مخالفت ہو گئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

”دوم آنکہ قصاص حق است وحضرت مرتضیٰ قادر است براخذ قصاص ذی التورین و اخذ آل نمی کند بلکہ مانع آنست وحضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء جلد ۲، اعلیٰ السنن جلد ۲ ص ۲۳۸)

یعنی دوسرا یہ کہ قصاص حق ہے اور جناب علی المرتضیٰ جناب عثمان ذی التورین کا قصاص لینے پر قادر تھے لیکن لیتے نہیں تھے بلکہ لینے سے منع کرتے تھے اور جناب مرتضیٰ نے خطائے اجتہادی کے ساتھ حکم فرمایا :-

عدالت صحابہ کی بحث

باوجود خطائے اجتہادی کے دونوں حضرات مخلص تھے ان کی کوئی بات بھی دین میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ امن و سلامتی کے لیے تھی، صرف اندازِ فکر میں اختلاف تھا۔ کوئی معاملہ کو کسی پہلو سے سوچا اور کوئی کسی زاویہ سے مگر مقصد سب کا دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی تھی، اسی لیے ہر صحابی رسولؐ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ :-

الصحابہ کا ہم عدول۔ (فتح المغیث ص ۳۷۵)

صحابہ سب عادل ہیں۔

چنانچہ خطیب بغدادی عدالت صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم فمن ذلك قوله: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. وقوله: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا. وقوله: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. وقوله: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ. وقوله: يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَيَرْضَوْنَ أَنَا وَيَتَصَرُّونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ. في آيات يكثر إيرادها ويطول تعدادها وجميع ذلك تقتضي طهارة الصحابة والقطع على تعديلهم ونزاهتهم فلا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله لهم إلى تعديل أحد من الخلق۔

راکفایہ ص ۴۶، ۴۹، فتح المغیث للسخاوی ص ۳۷۵

صحابہ کا عدول ہونا خود نصوص قرآنی سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعویل خود فرمائی ہے، جیسے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ... الخ اور وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا... الخ اور لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ... الخ اور السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ... الخ یَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَيَرْضَوْنَ أَنَا... الخ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں ان سب عدالت صحابہ کا ثبوت ملتا ہے، پس جب صحابہ کی تعویل خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی تو تعویل ایزدی کے بعد صحابہ کو عدول ثابت کرنے کے لیے کسی مخلوق کو تعویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

علامہ ابن عبد البر بھی ان آیات قرآنیہ کا تعلق براہ راست صحابہ کرام ہی سے ثابت کرتے ہیں اور اس تعلق کی نسبت ابن سیرین، امام احمد بن حنبل، سعید بن مسیب،

امام شعبی وغیرہ ائمہ کی تصریحات نقل فرمائی ہیں اور آخر میں لکھا ہے :-

”ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل عليهم وثناء رسوله
عليه السلام ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل اكمل منه۔

(الاستيعاب ج ۱ ص ۶۱)

اللہ عز وجل اور اس کے رسول کی طرف سے ان سب حضرات کی تعديل اور
ان کی مدح و ثناء فرمادی گئی، لہذا اس تزکیہ سے افضل کوئی تزکیہ نہیں اور
اس تعديل سے کامل تر اور کوئی تعديل نہیں۔“

علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے عدول ہونے کا مسئلہ متفقہ
ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رجال اسناد میں نہ شمار ہوتے ہیں نہ وہ زیر بحث آتے ہیں
ان کے الفاظ ہیں :-

”واما الصحابي فانه وان كان عن رجال الاسناد الا ان المحدثين
لم يعدوه منه لانهم كلهم عدول على الاطلاق من خالط
الفتن وغيرهم لقوله تعالى: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔
ای عدولاً۔ (ظفر الامانی ص ۱۲۱)

صحابی اگرچہ حدیث کی اسناد میں ہوتا ہے لیکن محدثین اسے اسناد میں
کبھی زیر بحث نہیں لاتے کیونکہ سارے صحابہ علی الاطلاق عدول ہیں جو فتن اور
باہمی جنگوں میں شریک ہوئے ہیں وہ بھی عدول ہیں، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا یعنی عدولاً۔“
اسی شے کو علامہ سخاویؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

”الصحابة كلهم عدول مطلقاً كبيرهم وصغيرهم كلهم
الفتن ام لا وجوباً لحسن الظن ونظراً الى ما تمهد لهم من
الماثر۔ (فتح المغيبات ص ۳۷۵)

صحابہ کرامؓ مطلقاً سب کے سب عادل و نہایت با اعتماد ہیں چاہے چھوٹے

ہوں یا بڑے، اختلافات میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، کیونکہ ان سے حسن ظن واجب ہے اُن کی وہ فضیلتیں دیکھتے ہوئے جو معین ہو چکی ہیں۔
علامہ طاہر پٹنی فرماتے ہیں :-

”ثم انهم كلهم عدول وكبيرهم وصغيرهم من لابس
الفتن وغيرهم بالاجماع۔ (مجمع البحار ج ۳ ص ۵۲۷)
”تمام چھوٹے بڑے فتن میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے
سارے کے سارے عدول ہیں اور ان کی عدالت و صداقت پر پوری
امت کا اجماع ہے۔“

حافظ ابن الصلاحؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ صحابہ عدول و صدوق ہیں کہ باہمی
مشاجرات و فتن کے موقع میں بھی انہوں نے عدالت و صداقت کے دامن کو ہاتھ سے
نہیں چھوڑا اور اس پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے، فرماتے ہیں :-

”ثم ان الامة مجتمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لابس
الفتن منهم۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲۷)
تمام امت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور وہ صحابہ بھی عدول ہیں
جنہوں نے جنگی فتن اور مشاجرات میں شرکت کر لی تھی۔“

صحابہ کرامؓ کی عدالت کے بارہ میں خطیب بغدادیؒ نے حافظ ابو ذرؓ کا ایک
واضح قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں :-

”اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله
عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذلك ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم عندنا حق والقرآن حق وانما اذى ايناهذا القرآن
والسنن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون
ان يجرحوا شهودنا لبيطلوا الكتاب والسنة والجرح يهمل
اولى وهم زنادقة۔ (الكفاية ص ۲۹) از خطیب بغدادی (

”جب تو کسی کو دیکھے کہ وہ اصحاب رسول میں سے کسی کی تہقیر کرتا ہے تو سمجھے کہ وہ زندیق ہے کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قرآن و سنت کو ہمارے تک پہنچانے کا باعث یہی اصحاب رسول ہیں اور یہ زندیق لوگ ہمارے ان گواہوں کو خیر و خیر کرنا چاہتے ہیں تاکہ پھر قرآن و سنت کو باطل کر سکیں۔“

عدالت صحابہ کی اس بحث کو مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۵، التقیید و الايضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح للعراقی ص ۲۲۹، ۲۳۲، فتح المغیث للسخاوی ص ۳۴۴، ۱۲۳، ص ۳۷۵، ن ظفر الامانی ص ۳۱۳، اصابہ لابن حجر جلد ۱ ص ۱، ارشاد الفحول للشوکانی ص ۶ پر بالتفصیل بیان کیا گیا ہے جس کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

عدالت صحابہ کا مطلب

بعض حضرات عدالت صحابہ کو صرف روایت حدیث تک محدود رکھتے ہیں اور دوسرے معاملات کے بارے میں صحابہ کے کردار اور ایک عام آدمی کے کردار میں کوئی فرق نہیں سمجھتے حالانکہ یہ چیز درست نہیں، یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دنیا میں کوئی معصوم نہیں، بڑے سے بڑا صحابی بھی بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں۔ لیکن الصحابة کلمہ عدول کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صحابہ اپنی دنیوی و جاہلیت، سر بلندی، اور تفوق کی خاطر ہر قسم کی خلافت اسلام تدبیر کرنے سے نہیں چھوکتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن وہ غلطیاں جن سے اسلام کی اہانت ہو یا جن سے ملت اسلامیہ کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے صحابہ کرام کا کبر مکیٹر اس سے یک قلم مبرا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض دفعہ غلط فہمی میں ایسا بڑے سے بڑا کام جسے قرآن کریم میں گناہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو معصوم اور غیر معصوم دونوں سے ہو جاتا ہے لیکن وہ صرف صورت گناہ کہلاتا ہے حقیقتاً گناہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً اس کو گناہ کہا بھی

نہیں جاسے گا جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا کہ داڑھی بھی ایک پیغمبر کی تھی اور ہتھ بھی بڑے بھائی، بظاہر یہ کتنی سخت اہانت ہے ایک پیغمبر کی، جو کہ اگر کوئی دوسرا کرے تو کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا۔ چنانچہ محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبلی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی لیکن ہارون علیہ السلام کا معاملہ اس وقت بھی باعثِ خوف نہ ہوگا۔ دیکھا جائے تو وہ قبلی کا فر تھا، ملک دار الحرب تھا اور وہ خدا کے رسول کے دشمن کا ہم قوم تھا اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریق پر بتی اسرائیل پر غلبہ کرتے ہوئے ستارہا تھا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، پھر اس کے بعد آپ نے معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

قَالَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرْتَهُ اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ
الرحيمُ

کہا اے اللہ بے شک میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر لہذا مجھ کو بخش دے
پس اللہ نے اس کو بخش دیا، بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

مگر حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں۔

پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی الواح کو تختیوں کو (پٹک یا رسوۃ الاعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس کے کتاب اللہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں، بظاہر کتاب بڑا گناہ ہے، مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کوئی مواخذہ نہیں ہوا کیونکہ یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی تھے جو ان کو سیدنا ہارون علیہ السلام سے ہوئی اور اس جوش نے بلا ارادہ یہ سب کچھ کرایا تھا جو محبت خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر کر دی گئی تھی :-

فَاِنَّا قَدْ قَتَلْنَا قَوْمَكَ مِنْ اَبْنِكَ وَاَصْلَهِمُ السَّامِرِيُّ۔ (سورة طہ - ۷۱)

ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو بچلا دیا اور سامری نے اس کو بہکا دیا۔
 اس لیے اگر معصوم سے غلط فہمی میں ایسی باتیں ہو سکتی ہیں تو غیر معصوم سے خواہ وہ
 کتنی ہی بڑی متقبت والا کیوں نہ ہو اس قسم کی باتیں کیوں نہیں ہو سکتیں اور اگر اس
 غلط فہمی کی وجہ سے نبی سے کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھ پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو
 کیا سیدنا علیؑ سے جنگ و جدال پر مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا؟ اور اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام
 کا اپنے بڑے بھائی پر غصہ قرابت فریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے تو سیدنا علیؑ پر
 سیدنا معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا؟ کیونکہ یہ دونوں آپس میں بچا زاد بھائی ہی
 تو ہیں۔ (از افادات شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کما صرح فی مکتوبات
 شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴

موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے وہ قرآن سے ثابت ہے جو کہ قطعی
 اور متواتر ہے اور صحابہ کرام کے متعلق جو کچھ دشمنان صحابہ پیش کرتے ہیں وہ حدیث سے
 بھی نہیں بلکہ تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات سے ثابت ہے جن میں اکثر ابو مخنف
 لوط بن یحییٰ اور اس جیسے دوسرے راویوں کی روایات ہیں اور صحابہ کی شان میں جو قرآنی
 آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ قطعی ہیں
 مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے بالکل ہیچ ہیں
 لہذا اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ
 کو غلط کہنا پڑے گا۔

چنانچہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں :-
 ”یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور
 نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی
 ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و
 نغین سے اور ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن الاثیر ہو یا ابن قتیبہ
 ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد، ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے“

اور بے موقع ہے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق ان قطعی اور متواتر
نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی موجود
ہوئیں تو وہ بھی مؤول یا مردود قرار دی جائیں چہ جائیکہ روایات تاریخ ،
اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے ۔
(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۵)

عدالت صحابہؓ کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر عدالت صحابہؓ
کو صرف روایت حدیث تک محدود رکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے
کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کوئی غلط روایت نہیں لگا سکتا ہے ؟
اس کا جواب مقدمہ ابن الصلاحؒ میں دیا گیا ہے ، فرماتے ہیں کہ تمام صحابہؓ پر حدیث
مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدٍ فَلْيَتَّخِذْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ كَانُوفٍ طَارِي تَحَا ،
اور یہ حدیث صحابہ کرامؓ میں سے باسٹھ صحابہؓ سے مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل
ہیں ۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۵) اور یہی جواب حافظ عز الدین بن
عبد السلام نے دیا ہے ۔ (ملاحظہ ہو فتح المغیث للسخاوی ص ۱۲۳)

معلوم ہوا کہ صرف خوف جہنم صحابہؓ کو مانع تھا جس کی وجہ سے وہ کذب علی النبیؐ کے
مترکب نہیں ہوتے تھے ، کیا یہ خوف دوسرے گناہوں سے مانع نہیں تھا ؟ یقیناً تھا ، اور
صحابہؓ ہر وقت اس خوف کو اپنے سامنے رکھتے تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے کو
محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ، اور یہ خوف تمام امت میں سب سے زیادہ تھا بھی صحابہؓ
میں ، اسی وجہ سے ان کو بارگاہ خداوندی سے رَضِيَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کا
سرٹیفکیٹ عطا ہوا جو کہ ساری امت میں سے کسی کو نہیں ملا ، اور جس نے صحابہؓ
کے تقدس اور تزکیہ باطن پر نہر تصدیق ثبت کر دی ۔ اب اگر اس تصدیق خداوندی کے
بعد بھی ہم ان سب روایات کی تصدیق کریں جو کہ صحابہؓ کی تنقیص کے بارے میں تو ابیح
میں نقل کی گئی ہیں تو پھر رَضِيَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کا کوئی مطلب نہیں نکلتا
بلکہ اس کی تکذیب لازم آتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عام آدمیوں

کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا ۔

کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ لَهُ أَدْنَى مِنَ الْعَقْلِ وَالْفَهْمِ

فتنہ کے اصل بانی

درمیان میں بات عدالت صحابہؓ کی چل نکلی تھی تو زیادہ طویل ہو گئی، بات یہ ہو رہی تھی کہ صحابہ کرام کی کوئی بات دین میں فتنہ پیدا کرنے والی نہ تھی بلکہ امن و سلامتی کے لیے تھی، لیکن اس کے برعکس قاتلان عثمان ایسے گروہ سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگی کا مقصد ہی دین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے مخصوص لوگوں نے سیدنا عمر الفاروقؓ کے زمانہ ہی سے اندرون ملک کام کرنا شروع کر دیا تھا اور عبداللہ بن سبا، حکیم بن جبلة، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر، النافعی بن حرب، خالد بن ولید اور سودان بن جمران وغیرہم اس میں لیڈنگ پارٹ لے رہے تھے اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس میں شریک ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ تحریک سیدنا عثمانؓ کے آخری ایام میں کچھ کامیاب ہوئی اور شہادت عثمانؓ کا جائگاہ واقعہ پیش آیا، بعد میں ان لوگوں نے ایک طرف سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا کے لشکر میں داخل ہو کر کچھ لوگوں کو سیدنا علیؓ کے خلاف بھڑکایا اور سیدنا علیؓ کے لشکر میں داخل ہو کر ان کو اصحابِ جبل کے خلاف مشتعل کیا اور جنگِ جبل کا حادثہ فاجعہ پیش آیا، جنگ سے ایک روز قبل مخلصین اور خیر خواہان امت کے دخل سے دونوں پارٹیوں میں صلح ہوئے ہی والی تھی اور سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو مان چکے تھے کہ ان دشمنانِ اسلام نے صبح اندھیرے منہ ہی جنگ شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ اور کئی دوسری قیمتی جانیں تلف ہو گئیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۳۹، طبری جلد ۵، ص ۲۰۲، ۲۰۳) — انہی لوگوں نے بعد میں جنگِ صفین کرادی اور اس میں بھی بہت سی قیمتی جانیں تلف ہو گئیں۔

اگر غور سے سوچا جائے تو شہادت عثمانؓ کے بعد سب شہداء اور جملہ صفین کا
ثون انہیں قاتلان عثمان کے سر پہے جنہوں نے فتنہ کا دروازہ کھول کر اتنی قیمتی جانوں کو
ضائع کر دیا، ایسے لوگوں کو فوراً کیفر کر دیا تاکہ پہنچانا چاہیے تھا، ایک تو قاتلان عثمان
ہونے کی وجہ سے اور دوسرے امت مسلمہ میں فتنہ کا دروازہ کھولنے کے باعث!
کیونکہ اسلام فتنہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا۔

خود قرآن حکیم کہتا ہے کہ:-

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ — فتنہ قتل سے بھی بدتر چیز ہے۔

سیدنا علیؓ سے ان سے قصاص نہ لینے میں اجتہادی غلطی ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲
ص ۲۴۹، اعلام السنن جلد ۲ ص ۲۳۸) لیکن قدرت نے ان لوگوں سے خود انتقام لیا اور
ان میں کے ہر آدمی کو قتل کر دیا، کچھ لوگ تو سیدنا علیؓ کے عہد کی جنگوں میں مارے گئے
اور جو باقی بچ گئے ان کو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک زندہ رکھا اور بطور انتقام
اس کے ہاتھوں قتل کروایا۔ جَزَاءُ بِمَا قَدَّمَتْ آيِدِيهِمْ وَاللَّهُ أَعَدُّ الْحَاكِمِينَ
اہل سنت میں سے کوئی شخص بھی سیدنا علیؓ کو متہم نہیں کرتا کہ آپ کا قتل عثمان میں

اے جن ظالموں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیا میں شہادت عثمانؓ کا مزہ چکھایا اور
قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مجنون اور پاگل ہو کر نہ مرا ہو یا جس کو قتل نہ کیا گیا ہو۔ (البداۃ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸۶)
علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ”عَامَّتُهُمْ جُنُودًا“ ان میں سے اکثر پاگل ہو گئے اور قدرت کے منتقم ہاتھوں نے اسی
دنیا میں ان سے انتقام لے کر چھوڑا۔

(۱) محمد بن ابی بکر: جس نے آپ کے گھر میں گھس کر آپ کی داڑھی پکڑی اور آپ کے خلاف فساد کو
مکدر کیا کرتا تھا، جنگ صفین کے بعد سیدنا معاویہؓ کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور حضرت معاویہ بن خدیج کے
کے ہاتھوں قتل ہوا پھر اس کی لاش کو گدھے کی گلی ٹری ہوئی لاش میں ڈال کر جلادیا گیا۔ (البداۃ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۱۲)
(۲) دوسرا سب سے بڑا مخالف اور دشمن جان محمد بن ابی حذیفہ تھا، سیدنا عثمانؓ نے اگرچہ اس کے باپ کی
شہادت کے بعد اس کو پالا تھا اور اس پر بڑے احسانات کئے تھے، آخر وہ بھی سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں کے
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاتھ تھا، نہ اس زمانہ میں یہ کسی کا مذہب ہے اور نہ ہی زمانہ ماقبل میں اس پر کسی کا اعتقاد تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ عبداللہ بن سبا، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر نخعی، حکیم بن جبلة، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ سارے کے سارے قاتلان عثمان آپ (سیدنا علیؓ) کے لشکر میں موجود تھے بلکہ اشتر کو کمانڈر انچیف اور محمد بن ابی بکر کو آپ نے گوزری تک کا عہدہ دے دیا اور دوسرے قاتلان عثمان بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، یہ بھی درست ہے کہ شروع شروع میں آپ کو قصاص لینے پر قدرت نہ تھی لیکن بعد میں آپ کو قدرت بھی حاصل ہو گئی اور آپ ان سے قصاص لے بھی سکتے تھے۔ (کما صرح النشاء ولی اللہ فی انالہ الخفاء عن خلافة الخلفاء جلد ۲ ص ۲۴۹)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ہاتھوں گرفتار ہو کر جیل میں ڈالا گیا اور بعد میں وہاں سے بھاگ نکلا، ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا تعاقب کیا اور پکڑ کر اس کی گردن مار دی۔ (ابدا یہ والہا یہ ص ۳۱۵)

(۳) فتنہ کی اس ساری تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا بھی نہایت ذلت کی موت مرا، اُس نے سیدنا علیؓ کے زمانہ میں سیدنا علیؓ کے رب ہونے کا دعویٰ کیا، آپ نے اس کو توبہ کے لیے کہا لیکن اس نے توبہ سے انکار کیا اس پر آپ نے اس کو آگ میں زندہ جلادیا۔ (رجال کشی ص ۷۷)

(۴) مالک الاشتر جو عبداللہ بن سبا کا دست راست تھا اور قتل عثمانؓ کے بعد جیل اور صحن میں بھی مسلمانوں میں مخالفت کی خلیج وسیع کرنے میں لیڈری کے فرائض سرانجام دے چکا تھا، پھر سیدنا ولید بن عقیہؓ پر اس نے شراب نوشی کا الزام لگایا، سیدنا سعید بن العاصؓ کے خلاف اس نے پروپیگنڈہ کیا، آخر ۳۸ھ میں کسی نامعلوم شخص کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (اصباہ ج ۳ ص ۲۸۲)

(۵) حکیم بن جبلة جس نے سیدنا عثمانؓ پر پتھراؤ کیا تھا، خط کی سازش بھی اس نے مالک الاشتر کے ساتھ مل کر بنائی تھی قاتلان عثمانؓ میں ایک یہ بھی تھا، پھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو بھی گایا دی تھیں، لیکن آخر کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا، بلکہ ایک روایت کے مطابق اس کا سر مروڑ ڈالا گیا اور وہ چمڑے سے لٹکا رہ گیا اور اس کا منہ گدی کی طرف ہو گیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۷۷)

اسی طرح دوسرے قاتلوں کا حال ہوا، جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمان شخصیت اور کردار"

میں بیان کی ہے۔ (م، و، ظ)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نہ تو سیدنا معاویہؓ کو برا کہنے کا ہے اور نہ سیدنا علیؓ کو جس طرح کہ ہم سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ کہہ سکتے ہیں اور نہ سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حضرات حق پر تھے اور اہل حق میں سے تھے، اور واجب الاحترام ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے واجب الاحترام تھے اور ہیں۔

اہل عراق اور سب و شتم

اہل عراق میں سے کچھ لوگوں نے فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکر کے متعلق دشنام آمیز زبان استعمال کرنی شروع کر دی۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ (CIRCULAR) اپنے زیرِ تصرف علاقہ میں لوگوں کو بھیجا اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے بلند وارفیع مقام سے آشنا کروا کر اس فعل شیع سے سختی سے منع فرمایا، اس سرکلر میں آپ نے تحریر فرمایا:-

”من کتاب لہ علیہ السلام الی الامصار یقتض فیہ ما جرى
بینہ و بین اهل الصنین و کان بدأ امرنا التقینا و الفتوم
من اهل الشام و الظاہرات ربنا و احد و نبینا و احد و دعوتنا
فی الاسلام و احدة و لا نستزیدہم فی الایمان باللہ و بالتقدیق
برسولہ و لا یستزید و ننأ الامر و احد الا ما اختلفنا فیہ من
دم عثمان و نحن منه براء۔ (منہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۸)

جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ہے جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا، اس فرمان میں اُن تمام واقعات کو بیان فرماتے ہیں جو اُن کے اور اہل صفین کے درمیان واقع ہوئے اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور

ان کا رب ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام
 بھی ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور
 نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے، صرف خون عثمانؓ
 کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔
 ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو
 سب و شتم کرنا شروع کر دیا، آپ کو جب پتہ چلا تو آپؓ انہیں سختی سے منع فرمایا بلکہ
 ابوہنیفہ دینوری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سب و شتم کرنے والے حجر بن عدی اور
 عمرو بن الحمق وغیرہ تھے، آپؓ نے انہیں فرمایا کہ اپنی زبانیں بند رکھو وہ بولے امیر المؤمنینؓ
 ”السنا علی الحق وهم علی الباطل؟“

کیا ہم حق پر نہیں اور وہ غلطی پر نہیں؟
 آپؓ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم ہم حق ہیں! وہ کہنے لگے کہ آپؓ ہمیں ان پر
 سب و شتم اور لعن و طعن کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ آپؓ نے فرمایا:-
 ”کرہت لکھ ان تکونوا شامیت ولعانین۔“
 میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالی دینے والے اور لعن کرنے
 والے بنو۔“

بلکہ ایسا کہو کہ اے اللہ! ہم دونوں کو خونریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے دبیان
 اصلاح فرما اور انہیں ہدایت دے حتیٰ کہ ناواقف حق سے آشنا ہو جائے اور
 جھگڑنے والا شخص نزاع سے باز آجائے۔ (الاخبار الطوال ص ۱۶۵)

۱۔ بخاری سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، سیدنا ابو میرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا: لا تقوم الساعة حتی تقتل قُتْنَانِ دَعَاہِمَا وَاحِدٌ۔ (بخاری جلد ۵ ص ۵۰۹)
 قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک میری امت کے دو گروہ آپس میں قتال نہ کریں اور ان کا
 دعویٰ ایک ہوگا لیکن غلط فہمی سے اختلاف ہو جائے گا اور نوبت قتال تک پہنچ جائے گی۔ (۱)

کچھ اس قسم کا مضمون ”منہج البلاغہ“ میں بھی منقول ہے۔ (منہج البلاغہ جلد ۱ ص ۴۲)
عبد اللہ بن صفوان الجمعی کہتے ہیں کہ صفین کے شرکار میں سے ایک شخص نے کہا :-
”اللَّهُمَّ الْعَن أَهْلَ الشَّامِ - اے اللہ! اہل شام (معاویہؓ اور ان کے
ساتھیوں) پر لعنت فرما۔“

سیدنا علیؑ نے جب یہ سنا تو فرمایا :-

”لَأَتَّسِبَ أَهْلَ الشَّامِ فَإِنَّ بِهَا الْإِبْدَالَ فَإِنَّ بِهَا الْإِبْدَالَ
فَإِنَّ بِهَا الْإِبْدَالَ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۷۲)
اہل شام کو گالی مت دو کیونکہ وہاں ابدال رہتے ہیں وہاں ابدال رہتے
ہیں وہاں ابدال رہتے ہیں۔“

اس مضمون کی ایک روایت امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ سیدنا علیؑ
کے سامنے ایک بار اہل شام کا ذکر کیا گیا، حاضرین میں سے ایک شخص کہنے لگا امیر المؤمنینؑ
کیا میں ان پر لعنت بھیجوں؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپؐ فرماتے تھے :-

”أَلَا يَدَّالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، كَلَامَاتٍ رَجُلٍ
أَبْدَالَ اللَّهِ مَكَانَهُ، رَجُلًا يُسْقَى بِهِمُ الْفَيْتُ وَيَنْتَصِرُ بِهِمُ الْأَعْدَاءُ
وَيَصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ -

ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہیں ان میں جب کبھی کوئی
انتقال کر جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے، انہی
کے وسیلہ سے ان پر بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح و نصرت بھی انہی کے سبب
سے ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے ان سے عذاب ٹالا جاتا ہے۔“

مسند احمد جلد ۲ ص ۱۷۱ حدیث نمبر ۸۹۶، مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۷۲، مشکوٰۃ ص ۵۸۲

اس بارہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوامامہؓ،
اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ جناب

رسالت مآب عالیہ افضل الشفاء والتجیات نے فرمایا ہے کہ:-

”بینما اَنَا نَاثِرٌ رَادِیْتُ الْكِتَابَ اِحْتَمَلَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِی فُطِنْتُ
اِنَّهُ مَذْهُوْبٌ بِهِ فَاتَّبَعْتَهُ بِصُرَى فَمَدَّ بِهِ اِلَى الشَّامِ وَ اِنْ
الْاِيْمَانِ حِيْنَ تَقَعُ الْفِتْنَةُ بِالشَّامِ - (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰)
میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میرے سر کے نیچے سے کتاب اٹھالی گئی ہے
مجھے معلوم ہو گیا کہ اس کو کسی جگہ لے جایا جا رہا ہے چنانچہ میری نگاہ نے
اس کا تعاقب کیا، دیکھا کہ وہ شام کی طرف جا رہی ہے اور جب فتنہ
پہا ہوگا تو ایمان ملک شام میں ہوگا۔“

شام کی فضیلت کے بارہ میں بخاری کتاب الفتن میں بھی ایک حدیث آتی ہے۔
یہ دونوں حضرات حق پر ہوں بھی کیسے نہ؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ
واما در رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے اور سیدنا معاویہؓ آپؐ کی زوہد محترمہ سیدہ ام حبیبہ
سلام اللہ علیہا کے حقیقی بھائی اور اس لحاظ سے کل امت کے ماموں ہیں اور خود حضورؐ اور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ہادی مہدی اور ہدایت کا ذریعہ بننے کی وعادی ہے۔
(ترمذی کتاب المناقب ص ۲۴۷، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۷)
لہذا معلوم ہوا کہ دونوں اہل خیر میں سے تھے اور ان میں سے کسی کے متعلق بھی
زبان طعن دراز کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا، اگر ان میں سے کسی نے زیادتی بھی کی تو ہم
اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتے ہیں۔

ابن خلدون کا نظریہ

علامہ عبدالرحمن بن خلدون الحضرمی اللندسیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المقدمہ“ میں
سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-
”دیکھ لیجئے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین عصییت کی بنا پر حجب

فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی تو اس میں بھی فریقین نے حق و اجتہاد کے دامن کو نہیں چھوڑا اور انہوں نے اپنی لڑائیوں میں کبھی دنیوی غرض، باطل پرستی یا کینہ پروری کو پیش نظر نہ رکھا جیسا کہ بعض کو وہم ہو جاتا ہے اور ان کے خیالات بہک جاتے ہیں، دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر ایک فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا اسی بنا پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے، مانا کہ سیدنا علیؑ حق بجانب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ بھی کسی باطل ارادہ سے ان کے مقابلے میں نہیں آئے تھے ان کے پیش نظر بھی حق ہوئی تھی، گواہوں نے حق کے پانے میں خطا کی، اسی طرح سبھی مسلمان اپنے نقطہ نظر سے حق پر جمے ہوئے تھے، باطل طلبی ان میں بھی نہ تھی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

یہی ابن خلدون ایک اور مقام پر ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”بیسرا امر یہ ہے کہ جو جنگیں ابتدائی دور اسلامی میں صحابہؓ یا تابعینؓ میں لڑی گئیں وہ کن اغراض و مقاصد کے پیش نظر تھیں؟ توہیوں سمجھئے کہ ان بزرگوں کے تمام تر اختلافات دینی امور میں تھے نہ کہ دنیوی امور میں تھے اور آلہ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلافات رونما ہوئے تھے اور مجتہدوں میں جب اجتہادی اختلاف پیدا ہوا اور ہم یہ مانیں کہ اجتہادی مسائل میں حق بہر حال ایک طرف ہوگا، اب جس مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ مخفی، اور چونکہ حق کی ہمت متعین نہیں لہذا اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا اور کسی خاص مجتہد کو بالیقین محطی قرار نہیں دیا جاسکے گا اور کوئی مجتہد بھی گتہ کار اور قابل گرفت نہ ہوگا۔ اجماع امت اسی پر ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہدین حق پر ہوتے ہیں اور ہر مجتہد با صواب ہوتا ہے تو پھر تو گناہ اور خطا کی نسبت کسی کی

طرف بھی نہیں کی جاسکتی۔ اب صحابہؓ اور تابعینؓ کا اختلاف ظاہر ہے کہ اجتہادی اختلاف تھا اور مسائل دینیہ طنیہ میں وہ آپس میں مختلف رائے تھے لہذا مذکور حکم کے مطابق گناہ اور خطا کی نسبت کسی مجتہد کی طرف نہیں کی جاسکتی، اس قسم کے اجتہادی اختلافات پر اسلام میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ یہ تھیں: مثلاً سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدہ عائشہؓ اور سیدنا طلحہؓ کی لڑائیاں یا وہ جنگ جو سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان، اور عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان ہوئی۔

ان میں سیدنا علیؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان کی حقیقت محض اس قدر ہے کہ جس وقت سیدنا عثمانؓ نے جام شہادت نوش فرمایا زیادہ تر صحابہؓ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کیلئے حاضر نہ ہوئے اور جو مدینہ طیبہ میں موجود تھے ان میں بھی دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ جس نے بیعت میں توقف کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ سب لوگ کسی امام پر مجتمع ہو جائیں اس گروہ میں یہ لوگ تھے: سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، قدامہ بن مظعونؓ، ابوسعید الخدریؓ، کعب بن عجرہؓ، کعب بن مالکؓ، نعمان بن بشیرؓ، حسان بن ثابتؓ، مسلم بن مخلدؓ، فضالہ بن عبیدؓ وغیرہم، اور جو صحابہ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے بھی اس لیے بیعت سے ہاتھ کھینچا تھا کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کا قصاص لیا جائے اور پھر بیعت کا مسئلہ سامنے آئے، گویا ان لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کے قصاص تک مسلمانوں کو بغیر امیر و خلیفہ کے چھوڑے رکھنا گوارا کیا تا آنکہ مسلمان باہمی مشورے سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں ان کو یہ خیال بھی ہو گیا تھا کہ سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیتے ہیں سکوت کر رہے ہیں نہ کہ پناہ بخدا آپ قتل عثمانؓ کے محرک ہیں چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کو جب کھلم کھلا برا دیا تو صرف یہ کہا کہ آپ

قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے میں سکوت برتتے ہیں نہ یہ کہ ان کے قتل میں آپ کا کوئی ہاتھ ہے۔

ادھر سیدنا علیؓ اس نقطہ خیال پر جمے ہوئے تھے کہ میری بیعت سب پر لازم ہو گئی ہے کیونکہ جب مدینہ کے باشندگان نے آپ کی بیعت پر اتفاق کر لیا ہے جو حضور علیہ السلام کی دعوت کا مرکز اور صحابہ کا مقام سکونت تھا تو ان لوگوں پر بھی آپ کی بیعت لازم ہو گئی جو مدینہ سے باہر ہیں، آپ کا خیال یہ تھا کہ جب تک لوگ مجتمع نہ ہوں اور حالات سکون پذیر نہ ہوں اس وقت تک قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ عرض التوا میں رکھا جائے۔ دوسرے صحابہؓ اس نظریہ پر قائم تھے کہ چونکہ صحابہؓ میں اربابِ حل و عقد مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں اور بہت کم مدینہ طیبہ میں موجود ہیں لہذا بیعت ابھی تک صحیح معنوں میں منعقد ہی نہیں ہوئی کیونکہ بیعت اس وقت منعقد ہوتی ہے جب اہل حل و عقد متفق و متحد ہو جائیں اور اگر چند لوگ بل کر کسی کو خلیفہ بنالیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، ان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت لوگ بغیر امام و خلیفہ کے ہیں لہذا ضروری یہ ہے کہ پہلے سب قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ کریں اور اس سے فراغت کے بعد اتفاق رائے سے کسی کو اپنا امام یا امیر منتخب کر لیں چنانچہ سیدنا عائشہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا محمد بن طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ، سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم و دیگر حضرات اسی موقف کے قائل تھے اور مدینہ طیبہ کے وہ صحابہ جو ان کے ہمنیال تھے وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بھی بیعت سے دست کش رہے۔۔۔۔۔ عصرِ ثانی میں اس تمیز کے باوجود اس پر بھی سب کا اتفاق تھا کہ چونکہ فریقین صاحبِ اجتہاد ہیں لہذا ہر دو فریق گناہ اور گرفت سے بری ہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ سیدنا علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ جنگ جمل اور جنگ
صفین میں جو لوگ قتل ہوئے اُن کی نسبت آپؐ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ناجی
ہیں یا قابل گرفت؟ آپؐ نے فرمایا واللہ ان لڑائیوں میں جو بھی مرا وہ جتنی
ہے بشرطیکہ اس کا دل پاک ہو۔ اس سے قاتلان عثمان اس بشارت سے خارج
ہو گئے کیونکہ وہ دلی کھوٹ کے ساتھ محض فتنہ و فساد کی خاطر ان لڑائیوں میں شریک ہوئے
تھے۔ ”ظہر“ گویا آپؐ فریقین کے مقتولین کے بارے میں حکم لگا رہے ہیں۔
طبری و دیگر مؤرخین نے یہی الفاظ نقل کیے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جن کے
اقوال و افعال شریعت میں سند ہیں اور اہل السنۃ و الجماعت کا ان کے
عدالت پر فیصلہ ہے، مگر چند معتزین جو اس بارہ میں اختلاف کرتے ہیں،
اہل حق نے ان کے قول کو کوئی وقعت نہیں دی، اگر آپؐ بنظر انصاف ان
حالات کا مطالعہ کریں تو آپؐ سیدنا عثمانؓ کے بارے میں اور ان کے
بعد دیگر معاملات میں اختلاف کرنے والے سب صحابہ کو معذور جانیں گے
اور کسی کو اِزام تہیں دے سکیں گے اور یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ
سب کچھ جھگڑا فساد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس سے
اس امت کو جانچا اور پرکھا تھا۔ (المقدمہ بن خلدون الحضرمی ص ۲۲۵)

علامہ ابن خلدون کے ”مقدمہ“ سے اتنے طویل اقتباسات ہم نے صرف اس وجہ سے
نقل کیے ہیں تاکہ یہ معاملہ بالتفصیل قارئین کے سامنے آجائے کہ مشاہرات صحابہؓ میں

اے علامہ ابن خلدونؒ (۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) بقول پروفیسر فلکٹ جو علم تاریخ کا بانی ہے ابن خلدون کے متعلق
قریباً تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ:-

”ابن خلدون تاریخ نگاری میں جانبداری کا قائل نہیں اس کے نزدیک مؤرخ کو اپنے ذاتی اعتقادات سے
الگ ہو کر تاریخ نگاری کرنی چاہیئے، وہ مؤرخوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ کسی روایت کو قبول نہ کریں
جب تک اسکی اچھی طرح تصدیق نہ کر لیں۔ (ابن خلدون از لفظ حسین ص ۶۲)۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل سنت والجماعت کا کیا موقف ہے! اور حقیقت یہ ہے کہ یہی موقف صحیح ترین موقف ہے اور جو لوگ سیدنا علیؑ کے مخالفین کو ضلالت اور گمراہی پر سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع میں زبان درازی کرتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور سیدنا علیؑ کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں کیونکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ:-

”ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول کی تصدیق میں معاویہؓ سے زیادہ نہیں اور نہ ہی معاویہؓ ان چیزوں میں ہم سے زیادہ ہیں“ (منہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۸۱)

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابی زرعہ رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میں معاویہؓ کو بُرا جانتا ہوں، آپ نے پوچھا کیوں؟ وہ بولا اس لیے کہ انہوں نے سیدنا علیؑ سے جنگ و قتال کیا تھا۔ امام ابی زرعہؒ نے اس سے فرمایا تیرا بُرا ہو، معاویہؓ کا رب رحیم اور معاویہؓ کا مد مقابل (سیدنا علیؑ) کریم، اور اے بد بخت! تیرا ان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کا کیا مطلب؟ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔

رالبدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۰

سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کی ابتداء

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں علامہ ابن خلدون کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ کے متعلق طعن و تشنیع، زبان درازی اور سودا دہی دوسری صدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس ابن خلدون کی تاریخ نگاری کے متعلق یہ نظریہ ہے اسی ابن خلدون نے تمام واقعات کی ذاتی اعتقادات سے بالاتر ہو کر چچان بھٹک کر نہ کے بعد یہ کچھ لکھا ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں کیا گیا ہے، اب بھی اگر کوئی سر بھرا سیدنا معاویہؓ کے متعلق زبان طعن و دراز کرے تو وہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے صحیح واقعات سے بھی جاہل اور نا آشنا ہے۔ (م، و، ن، ظ)

تک بالکل نہ تھی۔ (المقدمہ ص ۲۲۵)

ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں ہوئی۔ دوسری صدی میں عباسی دورِ خلافت میں ان کے محاسن و مفاخر کو لیس پشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کئے گئے اور ایسے غلط واقعات تاریخ میں بھر دیئے گئے جن سے سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر کئی مطاعن قائم کیے جاسکیں پھر آپ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور آپ کی کردار کشی کی پوری کوشش کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کاموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بنو امیہ کا آخری فرمانروا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان تھا، اس سے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح نے خلافت چھینی تھی اور اس کو قتل کروا دیا تھا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ:-
”ابوالعباس السفاح کی افواج کا کمانڈر عبداللہ بن علی شہر دمشق میں شمشیر برہنہ کے ساتھ داخل ہوا، اُس نے شہر میں قتل و غارت کو تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا یعنی جس کو چاہو قتل کرو، شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر شردن تک استعمال میں رکھا۔“

دمشق کی جامع مسجد الجامع الکاموی ”کو بطور اصطبل استعمال کرنا ذلت اور عداوت کی آخری حد ہے، وہ مسجد خدا کا گھر تھی بنو امیہ کا محل نہ تھی کہ وہ اس میں سکونت پذیر تھے، لیکن خدا کے اس گھر کو صرف اس وجہ سے شردن، دن تک بطور اصطبل استعمال کیا گیا کہ اس کے بنانے والے بنو امیہ تھے۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ لکھا ہے کہ عباسیوں نے بنو امیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنو امیہ سیدنا معاویہؓ، عبدالملک بن مروانؓ، ہشام بن عبدالملکؓ وغیرہم کی قبروں کو اکھیر ڈالا اور ان کی سخت بے حرمتی کی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے کہ:-

”عبداللہ بن علی مذکور نے خلفاء بنو امیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔“
یہ سب کچھ بنو عباس کے پہلے حکمران کے عہد میں اس کے کماندار عبداللہ بن علی کے

ہاتھوں ہٹوا، یہ سب کچھ ابوالعباس کے حکم سے ہٹوا، اسی وجہ سے مؤرخین نے اُسے ”السفاح“ کے لقب سے اپنی کتابوں کے اوراق میں یاد کیا ہے، جس کا مطلب ہے ”بہت خون بہانے والا“ گویا کہ اس نے بنو امیہ اور اس کے حامیوں اور بے گناہ لوگوں کا نہایت بے دردی سے خون بہایا اور اس طریقہ سے بنو امیہ سے اپنی دلی دشمنی کا انتقام لیا۔ جب بنو عباس کے پہلے حکمران نے بنو امیہ کے ساتھ یہ کچھ کیا اور ان کے انتقال شدہ اکابر (جن میں سیدنا معاویہؓ بھی شامل تھے) کی نعشوں کو قبروں سے نکال کر بے حرمت کیا تو دوسرے حکمرانوں کے زمانوں میں بھی دشمنی کا یہ جذبہ اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہٹوا، ہو گا بعض حکمرانوں نے بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنے اپنے زمانے میں خاموشی اختیار کی لیکن ان کے حواریوں اور اس زمانہ کے مؤرخین جنہوں نے تاریخ کو مرتب کیا، ان کی اس دشمنی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور وہ یہ کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسی روایات بھردیں جن سے بنو امیہ اور سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے بلکہ بعض خلفاء کے زمانہ میں یہ کام حکومتی سطح پر ہوا۔ چنانچہ مامون الرشید کے بارہ میں حافظ ذہبیؒ اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ :-

”۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور سرکاری طور پر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر سیدنا علیؓ ہیں۔ اور پورے ملک میں اس بات کا اعلان بھی کروایا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیانؓ کے حق میں کلمہ خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں“ (دول الاسلام ص ۹۷)

مشہور شیعہ مؤرخ مسعودی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ :-

”۲۱۲ھ میں مامون نے اعلان کروادیا کہ جو شخص بھی معاویہؓ کو کلمہ خیر کے ساتھ یاد کرے گا یا ان کو کسی صحابی پر مقدم جانے کا اُس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے یعنی اس کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار نہیں ہے“ (مروج الذهب جلد ۴ ص ۷۷)

جب حکومت کا رویہ یہ ہو کہ کوئی شخص سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کوئی کلمہ خیر نہیں کہہ سکتا تو عوام تو حکومت سے دو ہاتھ آگے ہوتے ہیں۔ تاریخ بھی چونکہ اسی زمانہ میں مرتب ہو رہی تھی، اس وجہ سے ایسی روایات کو وضع کر کے تاریخ میں گھسیٹ دیا گیا جن سے سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کی اسلام دشمنی، اہلبیت دشمنی اور بنو ہاشم دشمنی کا اظہار ہوتا ہوتا کہ وقت کے حکمران خوش ہو کر انہیں زیادہ انعام و اکرام سے نوازیں۔ ان مؤرخین نے یہ سب کچھ تفسیر کی آڑ میں کیا یعنی یہ اندر سے بچے شیعوں تھے لیکن اوپر سے لوگوں کے سامنے اپنے کو اہلسنت و الجماعت ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ایسے راویوں سے اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخ کا ایک بہت بڑا راوی محمد بن عمرو الواقدی ہے، تاریخ طبری اس کی روایات سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے علماء نے اس کی کئی روایات کو قبول کیا ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اسے کذاب کہا ہے، امام شافعیؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ واقدی کی ساری کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص جھوٹا ہونے کے ساتھ احادیث میں کئی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔

زہدیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۲، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱

مختلف علماء نے الواقدی کو اپنی جرح سے بچلنی کر دیا ہے، ملاحظہ ہو۔ کتاب المجروحین لابن حبان، لسان المیزان لابن حجر، المغنی للذہبی، کتاب الضعفاء للعقيلي، الکامل لابن عدي، کتاب الضعفاء لابن نعیم اصفہانی وغیرہم۔ لیکن ”الواقدی“ تھا کون؟ ابن ندیم الشیعی نے لکھا ہے کہ:-

”محمد بن عمرو الواقدی اچھے مذہب والا شیعوں بزرگ تھا اور تقیہ کا ببادہ اوڑھے ہوئے تھا، یہی وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی اور کئی باتیں اُس نے نقل کی ہیں۔“

(الفہرست لابن النديم ص ۵۱، تحت اخبار الواقدی)

ابن ندیم باوجود خود شیعہ ہونے کے واقدی کے بارہ میں ”حسن المذہب“ اور تقیہ کو لازم کرنا ”ریلزم التقیۃ“ اس نے الواقدی کی عمدہ صفات میں سے ذکر کیا ہے۔ اب اس الواقدی سے کوئی غیر کی توقع بنو امیہ کے لیے اور اہل سنت کے لیے کیسے کی جاسکتی ہے۔ شیعہ ہو، کذاب ہو اور تقیہ باز ہو اور اہل سنت کا غیر خواہ ہو! یہ ناممکن ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کی روایات سے احادیث و تواریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور بعض حضرات نے اس کی تعدیل بھی کی ہے۔

یہ شیعہ بزرگ الواقدی ہارون الرشید اور دوسرے عباسی خلفائے دور میں اپنے فن تاریخی روایات میں یگانہ روزگار تھا اور اس دور میں اس کو دس دس ہزار درہم انعام ملا ہے، یہ بغداد میں رہائش پذیر تھا اور سیاسی طور پر بنو امیہ کے سخت خلاف تھا۔ المامون نے جب اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا تو اس الواقدی کی قدر و منزلت دربار میں اور بھی بڑھ گئی، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ بنو امیہ کی مذمت اور بنو عباس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سیدنا معاویہؓ اور دوسرے خلفائے بنو امیہ کی مذمت میں خوب روایات وضع کیں اور خلفاء بنو عباس سے انعام و اکرام کی شکل میں خوب دولت کمائی۔

اسی طرح کے ایک اور بزرگ ابن شہاب الزہری تھے، ان کی روایات سے بھی نہ صرف تاریخ بلکہ حدیث کی کتابیں بھی بھری ہوئی ہیں، یہ بھی تقیہ باز بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے بارہ میں ہم نے مولانا پیر فخر الدین سیالویؒ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اس کے شیعہ ہونے کے بارہ میں لکھا ہے، پھر واقعاتی شہادتیں بھی پیر صاحب کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح کے اور کئی شیعہ مؤرخ تقیہ کی آڑ میں بنو امیہ اور خلفائے ثلاثہ کے خلاف روایات وضع کر کے کتابوں میں گھسیٹ دیتے تھے اور حکومت کی پوری پوری تائید انہیں حاصل ہوتی تھی، خلفائے بنو عباس کے علاوہ ان کے وزراء و برامکہ وغیرہ کی پوری پوری تائید ان لوگوں کو حاصل ہوتی تھی، چنانچہ الواقدی خالد بن یحییٰ برکی کا خاص درباری تھا اور یہ برامکہ ایرانی النسل تھے اور اسلام اور اہل اسلام سے ان کے دلوں میں خاص کدورت تھی۔

مختصر یہ کہ عباسی دور میں سیدنا معاویہؓ کی مخالفت کی اینٹ رکھی گئی لیکن کھلم کھلا ان کو طعن و تشنیع کا ہدف نہیں بنایا جاتا تھا جیسا کہ بعد کے ادوار میں ہوا۔

بنو عباس کے بعد آل بویہ نے سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کی دشمنی اور ان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر کام شروع کیا، خصوصاً معز الدولہ دہلی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا، آل بویہ سارے کے سارے کٹر رافضی تھے اور سیدنا علیؓ کے خاندان سے وہ اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے تھے اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دشمنی۔

ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں ہوئی اور اس میں خصوصی طور پر آل بویہ کا ہاتھ تھا جنہوں نے سرکاری طور پر صحابہؓ اور خصوصی طور پر بنو امیہ کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے کام کو حکومتی سطح پر شروع کیا، خصوصاً معز الدولہ دہلی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا، آل بویہ سارے کٹر رافضی تھے اور خاندان علیؓ ان کو بے پناہ عقیدت تھی اور دوسرے تمام صحابہؓ سے بے پناہ بغض، خود معز الدولہ دہلی بھی رافضی

امہ صفوی خاندان اور خصوصی طور پر اسماعیل صفوی نے بھی اپنے زمانہ حکومت (۱۵۰۰ء - ۱۵۲۴ء) میں شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت میں حکومت کے سارے ذرائع سے کام لیا اور لوگوں کے ساتھ لوگوں کو مذہب شیعہ میں داخل کیا بلکہ اس تشدد کے باعث خود شیعوں نے بھی تشویش لاحق ہوئی، چنانچہ اسماعیل کی تخت نشینی سے ایک روز قبل رات کے وقت یہ لوگ اس کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم قربان جائیں تبریز کی ۳۲ ہزار عایا کے پاروں طرف سب سنی ہیں اور شروع سے لے کر اب تک اس خطبہ کو کسی نے نہیں پڑھا، اور ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ کے اس تشدد کے باعث لوگوں نے اگر یہ کہہ دیا کہ ہم شیعہ بادشاہ کو نہیں چاہتے اور نعوز باللہ اگر عایا برگشتہ ہو گئی تو اس کا کیا تدارک ہو گا؟ بادشاہ نے ان کی یہ درخواست سن کر کہا:-

”خداے عالم باحضرات ائمہ معصومین ہمراہ منند و من از یسج کس باک ندارم، بتوفیق اللہ تعالیٰ اگر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۴) اُس نے فضائل صحابہ بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۶)

اس حکم انتہائی کے علاوہ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر صحابہ کرام پرست و شتم کے الفاظ لکھوا دیئے گئے لیکن مسلمان رات کو ان الفاظ کو مٹا دیتے

رقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) رعیت حرفے بگویند شیری کشم و یک کس را زندہ نمی گذارم۔“

(تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر براؤن جلد ۴ ص ۸۶، ۸۷)

”اللہ تعالیٰ ائمہ معصومین کے ہمراہ میرے ساتھ ہے اور مجھے کسی سے بھی خوف نہیں ہے اگر رعیت

ایک حرف بھی زبان سے نکالے گی تو میں تلوار کھینچ لوں گا اور ایک متنفس کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

اور اسی اسماعیل صفوی نے صرف سیدنا علیؑ اور ان کی اولاد کی منقبت اور فضیلت کو منوانے پر ہی اکتفا نہ

کیا بلکہ حکم دے دیا کہ پہلے تین خلفاء سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ پر عام مجمعوں میں تبرک کیا جائے اور حاضرین

جلسہ اسے سنکر بہ آواز بلند ”بیش باد، کم مباد“ کہیں اور جو نہ کہے اُسے قتل کر دیا جائے۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۸۷)

جنگ میں نعرہ ایجا دیا ”اللہ اللہ و علیؑ ولی اللہ“ (تاریخ ادبیات ایران ص ۸۷) تخت نشین ہوتے ہی اُس نے

پورا ارادہ کر لیا کہ شیعت کو نہ صرف سلطنت کا مذہب قرار دیا جائے بلکہ یہی ایک مذہب ایران میں باقی ہے۔ (الایضاح ص ۸۷) چنانچہ

اس نے تمام خطبوں کو حکم دیدیا کہ خالص شیعہ کلمہ اشہد ان علیاً ولی اللہ کو قرار ایمان باللسان کا اور حتیٰ علی خیر العمل کو تکبیر کا جزو بنایا

جائے۔ (الایضاح ص ۸۷) بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفائے راشدین پر تبرک ابائی کا حکم دیا اور عدل حکمی کا سزا قتل قرار دی۔ (۸۸) کازدن کے

علیؑ کی ہلاکت و الجماعت پر بہت مظالم کئے گئے ان میں اکثر تیغ کیے گئے اور ان کے اسلاف کے مقابر اور درویش بنائیں مسمار کر دی گئیں۔

کتنی بے انصافی اور ظلم ظریفی کی بات ہے کہ ان سب مظالم کیلئے رحمتہ للعالمین (۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء) مادہ تاجی نکالا گیا۔ (۹۱)

سنیوں کے حق میں وہ بہت ظالم تھا اس نے نہ تو فرید الدین احمد حبیب جلیل القدر عالم کو چھوڑا جو مشہور محقق عالم

سعد الدین تغنارانی کے پوتے تھے اور تیس سال تک ہرات میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہ چکے تھے اور نہ بنائی

جیسے ظریف اور بذلہ شیخ شاعر پر رحم کیا۔ (ص ۱۰۲)

خاندان صفویہ میں سے حیرت انگیز ایک بادشاہ کے ظلم و تشدد کا اجمالی تذکرہ ہے ورنہ ان لوگوں کے ظلم و تشدد سے

تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور وہ مظالم اس قدر شدید ہیں کہ آدمی سن نہیں سکتا جو شیعہ مذہب کو پھیلانے کے لیے

سینوں پر کئے گئے، اسی کے مظالم کا نتیجہ ہے کہ آج ایران میں سنی مذہب نظر نہیں آتا۔ ع

ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

تھے۔ چنانچہ انحضری نے شیعہ ہونے کے باوجود لکھا ہے کہ:-

”فَقَدْ كَانَ أَهْلُ بَغْدَادَ قَبْلَ الدَّوْلَةِ الْبُيُوتِيَّةِ عَلَى مَذْهَبِ
أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَيُفَضِّلُونَ الشَّيْخَيْنِ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ عَلَى
سَائِرِهِمْ وَلَا يَقْدَحُونَ فِي مُعَاوِيَةَ وَلَا غَيْرِهِ مِنْ سَلَفِ
الْمُسْلِمِينَ فَلَمَّا جَاءَتْ هَذِهِ الدَّوْلَةُ وَهِيَ مُشَبَّعَةٌ غَالِيَةٌ نَمَّا
مَذْهَبُ الشَّيْعَةِ يَبْغِدَادَ وَوَجَدَ لَهُ مِنْ قُوَّةِ الْحُكُومَةِ أَنْصَارًا

(محاضرات تالیف الاثم الاسلامیہ جلد ۳ ص ۳۹۲)

اہل بغداد بویہی حکومت سے پہلے اہلسنت والجماعت کے مذہب کے پیرو
تھے اور شیخین یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کو سب صحابہ پر فضیلت دیتے تھے اور یہ معاویہؓ
کی شان میں سودا دینی نہ کرتے تھے اور نہ سلف میں سے کسی مسلمان کے متعلق طعن و
تشنیع کرتے تھے لیکن جب اس حکومت کا دور آیا اور یہ حکومت کثر شیعہ تھی تو
بغداد میں شیعہ مذہب کو فروغ ہوا اور حکومت کے بل بوتے پر ان کے
ایمان و انصار بنائے گئے۔“

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

”وَفِيهَا كَتَبَتِ الْعَامَّةُ مِنَ الرِّوَاظِ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ لَعْنَةُ
مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَتَبُوا أَيْضًا وَلَعْنَةُ اللَّهِ
مَنْ غَضِبَ قَاطِمَةَ حَقِّهَا وَكَاتُوا يُعْنُونَ أَبَا بَكْرٍ وَمَنْ أَخْرَجَ
الْعِيَّاسَ مِنَ الشُّوَرَى يُعْنُونَ عُمَرَ وَمَنْ نَفَى أَبَا ذَرٍّ يُعْنُونَ عُثْمَانَ...
وَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ جَمِيعُهُ مَعَرَّ الدَّوْلَةَ لَمْ يُكْرَهُ وَلَمْ يُخَيَّرْ
تَحَرَّ بَلَغَ أَهْلُ السُّنَّةِ مَعَهُ ذَلِكَ - (ابن ابیہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۷)

(محاضرات تالیف الاثم الاسلامیہ جلد ۳ ص ۳۸۲)

اور اسی سنہ یعنی ۳۵ھ میں رافضیوں کے عوام نے مسجدوں کے دروازوں پر
لکھ دیا کہ لعنت ہو معاویہ بن ابی سفیانؓ پر اور اسی طرح یہ بھی لکھ دیا کہ لعنت

ہو اسی پر جس نے فاطمہؓ کا حق غصب کیا مراد اس سے سیدنا عمرؓ تھے اور جس نے عباسؓ کو شوریٰ سے نکالا اور مراد اس سے سیدنا عمرؓ تھے اور جس نے ابوذرؓ کو شہر بدر کیا اور مراد اس سے سیدنا عثمانؓ تھے..... ان سب باتوں کی اطلاع جب معز الدولہ کو ہوئی تو اس نے نہ تو ان باتوں سے منع کیا اور نہ ان کو تبدیل کیا، پھر جب اہل سنت کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے مٹا دیا۔“

یہ ساری حرکات رافضی عوام نے معز الدولہ کے حکم سے کی تھیں اور جب ان فقرات کو مسجد کے دروازوں سے اہل السنۃ نے مٹا دیا تو معز الدولہ نے اس کو پھر لکھا چاہا لیکن اس کے وزیر ابو محمد مہلبی نے مشورہ دیا کہ سٹائی ہوئی عبارت کو دوبارہ نہ لکھا جائے بلکہ اس کے بجائے صرف یہ لکھ دیا جائے :-

”لَعْنُ اللّٰهِ الظَّالِمِيْنَ لِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا يَذْكُرْ أَحَدٌ فِي اللّٰعْنِ اِلَّا مُعَاوِيَةَ۔ (محاضرات ج ۳ ص ۳۸۲)
اللہ تعالیٰ آل رسول پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے اور سوائے معاویہؓ کے
کسی اور یعنی اصحاب ثلاثہ پر نام لے کر لعنت نہ کی جائے۔“

تاریخ اسلام میں بنی بویہ کا دور ایک تاریک ترین دور ہے جس میں اسلام کے ان محسنوں پر سب و شتم کا گند اُچھالا گیا جنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں تک اسلام کی راہ میں نثار کر دیں، نیز اسلام میں فتنوں کا دروازہ کھولنے کے لیے نئی بدعات ایجاد کی گئیں جو آج تک پوری ملت اسلامیہ کے لیے وبال جان بنی ہوئی ہیں۔

۱۰۔ محرم الحرام کو بازار بند رکھ کر ماتی جلوس نکالتا، اپنے بال پر اگتہ کرنا، ان میں راکھ ڈالنا اور سیدنا زین العابدینؓ پر ماتم کرنا اس قسم کی ساری بدعات اسی بد باطن معز الدولہ الدیلمی کے زمانہ عروج کی یادگار ہیں اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مذہب شیعوں میں ان چیزوں کو رواج دیا، چنانچہ موجودہ صدی کا شیعوں کا مورخ سید امیر علی لکھتا ہے :-

Mulz - ud - dawlad though apatlon of

اَلِ بُوَيَّہ نے اپنے دورِ حکومت میں صحابہ کے بارہ میں جو ہر افشانی کی اس کی اجمالی تصویر آپ کے سامنے بیان کی جا چکی ہے لیکن بایں ہمہ ظلم و تشدد کے علمائے اہل سنت نے اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود بھی ملتِ اسلامیہ کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت کے اس چراغ کو مدہم نہ ہونے دیا جس کو جناب رسالتِ مآب علیہ افضل الثناء والتحيات نے اپنے ۲۳ سالہ تبلیغی دور میں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

Arts and Literature was cruel by nature. He was a shiah and it was he who established the 10th day of Muharram as the day of Mourning commemoration of the massacre of Karbla (History of Saracens page 303)

(ترجمہ) معزاللہ اگرچہ علم و ادب اور فنونِ کامرانی اور سرپرست تھا لیکن اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت ظالم تھا وہ شیعہ تھا اور اسی نے سانحہ کربلا کی یاد میں دسویں محرم کو ماتم کا دن منانا شروع کیا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۲۲۳، تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر براؤن جلد ۴ ص ۵۱-۵۲، ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہٹی (انگریزی) ص ۲۷۱، مجاہد اعظم از شاکر حسین نقوی شیعہ ص ۳۳۲)

بلکہ شاکر حسین نقوی نے تو باوجود شیعہ ہونے کے ان بدعات پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کیا ہے :-

”فاطمی حکومت کی مصر میں بنیاد پڑی یا دلمی خاندان (بنی بوئیہ) کو بغداد میں عروج ہوا اُس وقت سے

شیعوں نے بطور انتقام یہ طریقہ اختیار کیا پھر شیعوں میں اس کا رواج ایسا عام ہوا کہ جو آج تک

کم و بیش جاری ہے حالانکہ یہ ان کے پیشوایانِ دین کی تعلیمات بالکل خلاف ہے۔ (مجاہد اعظم ص ۲۱۴)

پھر لکھا ہے: ”اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں برا کہنے کی اجازت نہیں دیتی

مذہبی احکام سے قطع نظر کہ دیکھا جائے تو حقیقتاً بھی کوئی ضمیر دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں

دیکھ سکتا۔“ (مجاہد اعظم ص ۲۲۲)

مسلمانوں کے دلوں میں روشن کیا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں معزالدولہ الدلمی نے فضائل صحابہ کو بیان کرنے کے متعلق حکم اتنا بھی صادر کیا تھا اس وقت بھی علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ الشافعی نے اپنا وطیرہ بنالیا تھا کہ ایک روز بغداد کی جامع مسجد المنصور میں اور دوسرے روز مسجد باب الشام میں اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر علی الاعلان فضائل صحابہ بیان فرماتے اور معزالدولہ کی اس قدر سختی بھی ان کو اپنے اس کام سے نہ روک سکی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۶)

اسی طرح ایک اور ناہد شب زندہ دار اور عابد متراض بزرگ ابو عبد اللہ محمد بن حسین الحسینی نے جو ابن الداعی کہلاتے تھے معزالدولہ کے اس فعل شنیع کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور بلاد دہلیم میں ہر جگہ لوگوں کو اس تحریک میں شرکت کی تحریری دعوت بھی دی اور کافی لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۶)

آل بویہ کی صحابہ کے متعلق اس گمراہ کن پالیسی نے اہل سنت کے دلوں کو پھیلنی کر دیا تھا لیکن وہ ان کی حکومت کے جبر و استبداد کے پنجہ میں سوائے کراہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے جبر و استبداد کا جوان کی گردنوں سے اتر ا تو صحابہ کے متعلق مسلمانوں نے پھر اپنے انہی جذبات کا اظہار کیا جس کا ذکر علامہ ابن خلدون نے ”مقدمہ ص ۲۴“ میں کیا ہے کہ بغداد کی سب مسجدوں میں اصحاب ثلاثہؓ اور سیدنا معاویہؓ پر لعنت بجائے اب یہ لکھا گیا ہے۔
 ”خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ
 عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ ثُمَّ مُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ ط (العوام من القوام ص ۲۱۳)
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے بہتر ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ،
 پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر معاویہؓ جو کہ تمام مومنوں کے مامول ہیں۔“

لکھوانے والے بنو عباس تھے اور انہوں نے لکھوایا بھی کسی اور جگہ نہ تھا بلکہ اپنی حکومت کے دار الخلافہ بغداد مدینۃ السلام میں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ بنو عباس اور بنو امیہ کے درمیان کس قدر اختلاف تھا۔



سیدنا معاویہؓ کا مصر پر قبضہ

مصر سیدنا عمر الفاروقؓ کے زمانہ میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو فتح کیا، اسی روز سے سیدنا عمرؓ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے چند روز قبل جب مصر کے سپاہی عبداللہ بن سبا، محمد بن ابی بکر اور دوسرے سرغنوں کی قیادت میں حج کے بہانہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کے دربار خلافت میں اطلاع کر دی، اس سے کچھ دن بعد آپؐ بعض انتظامی امور کے سلسلے میں امیر المؤمنینؓ سے چند ایک ضروری مشورے کرنے کی خاطر مدینہ طیبہ تشریف لارہے تھے کہ راستہ ہی میں آپؐ کو امیر المؤمنینؓ کی شہادت کی خبر مل گئی چنانچہ آپؐ راستہ ہی میں رک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے (طبری جلد ۱۲، البدایہ جلد ۲، ص ۲۵) آپؐ کی عدم موجودگی میں محمد بن ابی حذیفہؓ نے جو کہ سپاہیوں کا سرغنہ بن چکا تھا مصر پر بدستی قبضہ کر لیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵) چند ہی روز بعد سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ مصر میں نہیں ہیں تو انہوں نے ایک مقتدر صحابی سیدنا قیس بن سعدؓ کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا کیونکہ محمد بن ابی حذیفہؓ پر آپؐ کو اعتماد نہیں تھا۔ سیدنا قیسؓ نے مصر پہنچ کر بڑی حکمت عملی سے محمد بن ابی حذیفہؓ سے گورنری کا چارج لیا، آپؐ نہایت مدبر اور مصلحت شناس آدمی تھے لہذا بڑے تدبیر اور حکمت سے انہوں نے مصر کے لوگوں سے سیدنا علیؓ کی خلافت کی بیعت لی، لیکن مصر کے ایک علاقہ بحر بیت کے لوگوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا کیونکہ یہ لوگ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے اور انہوں نے مصر کے لوگوں کا سیدنا علیؓ کی بیعت نہ کرنا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کنانہ ابن بشر اور دوسرے قاتلان عثمانؓ مصر میں دندناتے پھر رہے ہیں اور کوئی ان سے مواخذہ نہیں کرتا بلکہ قاتلوں میں سے اکثر علوی خلافت کی کلیدی آسامیوں پر قائم ہیں اسلئے ان کے خیالات علوی خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

سیدنا علیؑ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا۔

”یہ لوگ مصر کے چہرہ نہرہ ہیں اور یہاں کے اہل عز و شرف سے تعلق رکھتے ہیں میں نے یہ جانتے ہوئے کہ اندر سے ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں لیکن ظاہر میں وہ غیر جانبدار ہیں، خود ہی روزینے اور عطیے جاری کیے ہوئے ہیں، آپ مجھے ان سے جنگ کا حکم دے رہے ہیں جبکہ ان میں بسربن ارطاة، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے لوگ موجود ہیں اگر ان کو ذرا بھی چھیڑا گیا تو یہ آپ کے خلاف اور دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے جس سے بہت نقصان ہوگا، میں نے ان کا مناسب انتظام کر دیا ہے لہذا آپ میرا مشورہ قبول فرمائیے اور ان سے فی الحال تعرض نہ کیجئے“

(طبری جلد ۵ ص ۲۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۸)

لیکن چونکہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر طیار دونوں کی رائے سیدنا علیؑ کی رائے پر غالب آچکی تھی لہذا آپ نے سیدنا قیسؓ کے مشورے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی اثنا میں محمد بن جعفر طیار نے امیر المؤمنین کو مجبور کر کے قیس بن سعد کو معزول کروادیا اور محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا پروانہ دلو کر مصر بھجوا دیا، سیدنا قیسؓ کو اگرچہ طبعی طور پر یہ بہت ناگوار گذرا لیکن وہ بغیر کوئی مزاحمت کے گورنری کا چارج دے کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۳۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۹، ابدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۲)

سیدنا قیسؓ اگرچہ محمد بن ابی بکر کی تقرری سے بد دل ہو گئے تھے لیکن پھر بھی امیر المؤمنین سیدنا علیؑ کا احترام اور ان کی خیر خواہی ان کے دل میں موجود تھی لہذا انہوں نے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکر کو تمام نشیب و فراز اور داخلہ پالیسیاں سمجھا دیں اور ضروری ہدایات گوش گزار کر دیں۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

محمد بن ابی بکر بالکل نوجوان، نا تجربہ کار اور حکمت عملی سے نا آشنا تھا، علاوہ ازیں سبائیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے اس کا ذہن پہلے ہی قیس بن سعد کی پالیسی کے خلاف تھا مزید یہ کہ کنانہ بن بشر جیسا فتنہ باز اور قاتل عثمان سبائی اس کو اپنا مشیر مل گیا لہذا اس نے گورنری سے ہی

اہل خربت کو نوٹس دے دیا کہ یا تو وہ سیدنا علیؑ کی بیعت کریں یا ملک چھوڑ دیں ورنہ ان کے خلاف جارحانہ کاروائی کی جائے گی۔ (راہن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴)

یہ لوگ بڑے تڈر اور بہادر تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم بالکل امن سے ہیں اور سابق گورنر مصر سیدنا قیس بن سعد سے اپنی امن پسندی کا وعدہ کر چکے ہیں لہذا آپ بھی ہمیں چھڑیں اور ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو کوئی اطمینان بخش جواب دیا جاتا لیکن کنانہ بن بشر کے اکسانے سے محمد بن ابی بکر نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا جس سے محمد بن ابی بکر کو شکست فاش ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

اس سے سیدنا علیؑ کی خلافتی پالیسی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ محمد بن ابی بکر کے ناعاقبت اندیش طرز عمل نے مصر کے اور لوگوں کو بھی سیدنا علیؑ کا مخالف بنا دیا اور مصر کی فضا سیدنا علیؑ کے اس قدر خلاف ہو گئی کہ معاویہ بن خدیج کنڈی نے اعلانیہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ محمد بن ابی بکر نے متعدد بار اہل خربت پر حملہ کیا لیکن ہر دفعہ اس کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا اسی دوران سعودی وغیرہ مؤرخین کے مطابق سیدنا علیؑ نے اشتراختی کو محمد بن ابی بکر کی مدد کے لیے بھیجا لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اسی اثناء میں سیدنا معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو سرکاری طور پر لکھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے بانا جائے لیکن وہ باز نہ آیا، تنگ آکر آپ نے معاویہ بن خدیج کنڈی اور سلمہ بن مخلد انصاریؓ سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی، انہوں نے فوراً فوج کشی کا مشورہ دیا اور اپنے کھلی تعاون کا یقین دلایا۔ سیدنا معاویہؓ نے فوراً چھ ہزار کا لشکر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں مصر روانہ کر دیا، جب یہ لشکر مصر کی سرحد پر پہنچا تو وہ لوگ جن کی ہمدردیاں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھیں فوراً اس لشکر کے ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں نے بھی محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے ساتھ بالکل تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اگر جنگ کی نوبت پہنچی تو تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اور خود سیدنا

اے صحیح بات تو یہ ہے کہ الاشتراختی مرضی سے گیا تھا سیدنا علیؑ نے اسے نہیں بھیجا تھا۔ (م۔ و۔ ظ)

عمر بن العاصؓ نے ذاتی طور پر بھی محمد بن ابی بکر کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ :-
 ”میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے
 تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرا ہاتھ سے تمہیں کسی قسم کی
 تکلیف پہنچے“ (طبری جلد ۶ ص ۵۸/۵۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۹)

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان کے اس خط کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی بلکہ چار ہزار فوج
 کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں آگیا، مقدمہ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر قاتل
 عثمان کو رہا تھا، کنانہ نے شروع شروع میں بڑے جوش اور بہادری کے جوہر دکھانے کی
 کوشش کی لیکن تھوڑی ہی دیر میں معاویہ بن خدیجؓ نے عمرو بن العاصؓ کے اشارہ سے کنانہ کو
 گھیر لیا اور جلد ہی اگلی دنیا میں پہنچا دیا، محمد بن ابی بکر نے بھاگ کر ویرانہ میں پناہ لی، سیدنا
 عمرو بن العاصؓ قسطنطنیہ کے دار الحکومت) پہنچ گئے اور معاویہ بن خدیجؓ نے محمد بن ابی بکر
 کی تلاش میں نکلے اور اس ویرانہ سے اُسے نکالا، وہ مارے پیاس کے جاں بلب تھا، محمد بن
 ابی بکر نے ان سے پانی کی درخواست کی، معاویہ بن خدیجؓ نے کہا کہ اگر میں تجھے پانی کا ایک
 قطرہ بھی پلاؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے پانی کبھی نہ پلائے تم نے ہی حضرت عثمانؓ کو پانی پینے سے
 روک دیا تھا یہاں تک کہ ان کو روزہ کی حالت میں شہید کر دیا۔

”فَعَدَّ ذَلِكَ غَضَبَ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُذَيْفٍ فَقَدْ مَهْ قَتَلَهُ ثُمَّ جَعَلَهُ
 فِي جُفَّةٍ حِمَارٍ فَأَحْرَقَهُ بِالنَّارِ (البداية والنهاية ج ۷ ص ۳۱۲)
 اس پر معاویہ بن خدیج غصیب ناک ہو گئے اور آگے بڑھ کر محمد بن ابی بکر کو
 قتل کر دیا پھر اس کی نعش کو گدھے کی لاش میں ڈال کر آگ سے جلا دیا“

(ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ ص ۵۹، مرجع الذهب، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۹، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۲)

۱۔ علامہ خیر الدین زکریاؒ محمد بن ابی بکر کی لاش کے جلانے کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 لم يحرق ودفنت جثته مع رأسه في مسجد يعرف بمسجد زمام خارج مدينة
 القسطنطية قال ابن سعيد وقد زرت قبوة في القسطنطية - (الاعلام جلد ۷ ص ۷۹)
 محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا بلکہ اس کے جسم کو ایک مسجد میں جس کو مسجد زمام کہتے ہیں اور جو قسطنطنیہ شہر سے
 باہر کے پاس دفن کر دیا گیا، چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس کی قبر کو قسطنطنیہ میں دیکھا ہے۔

مصر کا یہ علاقہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا عمر الفاروقؓ کے دور خلافت میں فتح کیا تھا اور آپ نے انہیں کو یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا تھا اس عہدہ پر آپ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی کئی سال تک رہے لیکن بعد میں سیدنا عثمانؓ نے ان کو معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے اب دوبارہ بھی مصر کے اس قصبہ نامر صبیہ کو آپ نے ہی فرو کیا اسلئے یہ معاویہؓ نے اب پھر ان کو یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

شہادت عثمانؓ کے بعد مصر سابیوں کا مرکز بن گیا تھا، کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی حذیفہ کی ساری پالیسیاں یہیں مرتب ہوتی تھیں، سیدنا عمرو بن العاصؓ چونکہ پہلے ہی اس تحریک سے بخوبی آشنا تھے لہذا آپ نے جلد ہی ان کی ساری تخریبی کاروائیوں کا سد باب کر دیا اور مصر کا سارا علاقہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔ محمد بن ابی بکر کی غیر دانشمندانہ پالیسی اور جلد بازی سے یہ علاقہ سیدنا علیؓ کے مقبوضات سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں داخل ہو گیا جس سے امیر المؤمنین کی خلافت کو بہت بڑا دھچکا لگا۔

محمد بن ابی حذیفہ کا انجام

محمد بن ابی حذیفہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ابو حذیفہؓ کے بیٹے تھے سیدنا ابو حذیفہؓ سرزمین حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی اہلیہ سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیق سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۱) حضرت ابو حذیفہؓ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے محمدؓ کی پرورش سیدنا عثمانؓ نے کی، جب سیدنا عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہؓ نے آپ سے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی درخواست کی، چونکہ اس سے قبل اس پر شراب نوشی کی حد لگ چکی تھی لہذا درخواست مسترد ہو گئی۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۱ ص ۱۳۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵) بلکہ ابن الاثیرؒ کی روایت کے مطابق سیدنا عثمانؓ نے فرمایا :-

”کُوْنْتُ اَهْلًا لِذٰلِكَ کَوْلَيْتُكَ۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۳۵)

اگر تم اس کے اہل ہوتے تو ضرور تمہیں گورنر بنا دیتا۔“

محمد سیدنا عثمانؓ کی طرف سے یہ جواب ملنے پر امیر المومنینؓ سے ناراض ہو گیا اور سیانیوں کے ساتھ مل کر آپ کی شدت سے مخالفت شروع کر دی، امیر المومنین کی شہادت کے وقت سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی عدم موجودگی میں مصر کی گورنری پر قبضہ کر لیا، سیدنا معاویہؓ کے حکم سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی تاکہ محمد بن ابی حذیفہ کو وہاں سے نکالا جائے، ویسے قدرت بھی اب اس کو سزا دینا چاہتی تھی۔

”لَا تَهْ مِنْ اَكْبَرِ الْاَعْوَانِ عَلٰی قَتْلِ عُثْمَانَ مَعَ اَنَّهُ قَدْ رِيَاةٌ وَكَفَلَةٌ
وَاحْسَنَ اِلَيْهِ۔ (البداية والنهاية ج ۷ ص ۲۵)

کیونکہ قتل عثمان کا وہ سب سے بڑا معاون تھا حالانکہ سیدنا عثمانؓ نے اس کی کفالت اور پرورش کی اور اس کے ساتھ بہت احسان کئے تھے۔“

سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت محمد بن ابی حذیفہ ایک ہزار فوج کے ساتھ عریش کی طرف نکلا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے ایک منجیق (ایک نوپ جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھروں کو قلعہ وغیرہ توڑنے کے لیے چلایا جاتا تھا) نصب کر کے قلعہ پر سنگباری شروع کر دی، محمد نے یہ حال دیکھ کر باہر نکلتا چاہا چنانچہ اپنے تیس آدمیوں کی معیت میں باہر نکلا لیکن عمرو بن العاصؓ نے اُن سب کو پکڑ کر قتل کر دیا۔
(البداية والنهاية جلد ۷ ص ۲۵)

ابن کثیرؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ محمد بن ابی بکر کے قتل کے بعد پکڑا گیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیج دیا کیونکہ وہ سیدنا معاویہؓ کا ماموں زاد بھائی تھا، سیدنا معاویہؓ نے اس کو فلسطین میں ایک قید خانہ میں قید کر دیا لیکن کچھ دنوں کے بعد قید خانہ سے بھاگ نکلا، ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن طلحہ نے اس کا تعاقب کیا، محمد بن ابی حذیفہ ایک غار میں چھپ گیا، کچھ جنگلی گدھے اس غار میں پناہ لینے کے لیے آئے لیکن محمد بن ابی حذیفہ کو غار میں دیکھ کر پیچھے بھاگ

گئے، جب کسانوں کی ایک جماعت نے ان گدھوں کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوئے لہذا وہ اس غار کے پاس آئے دیکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ اس میں چھپا ہوا ہے انہوں نے اسے پکڑ لیا اور عبداللہ بن عمرو بن ظلام کے حوالے کر دیا، عبداللہ نے اس خیال سے کہ اگر اسے معاویہ کے پاس لوٹا دیا گیا تو شاید وہ کہیں اسے معاف نہ کر دیں خود ہی اس کی گردن مار دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۵)

نقد و نظر

مصر کا یہ ہنگامہ کب پیش آیا؟ اس کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے، کچھ لوگ اس کو فیصلہ تحکیم سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں اور کچھ فیصلہ تحکیم کے بعد کا۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اہل خربتہ پر معاہدہ تحکیم کے وقت محمد بن ابی بکر نے یہ سب سختیاں شروع کر دی تھیں اور فیصلہ تحکیم کے اعلان کے بعد عمرو بن العاص نے باقاعدہ حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا کیونکہ اہل خربتہ نے سیدنا معاویہ کے پاس محمد بن ابی بکر کے تشدد کی متعدد شکایتیں کی تھیں۔

یہ ہنگامہ بھی دراصل سیاستوں کا بپا کردہ تھا، سیدنا قیس بن سعد بڑے اچھے طریقے سے وہاں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کنانہ بن بشر نے خواہ مخواہ محمد بن ابی بکر کی معرفت امیر المؤمنین سیدنا علیؑ کے کان بھرے اور آپ نے محمد بن ابی بکر جیسے نا تجربہ کار اور جذباتی آدمی کو وہاں کا گورنر بنا دیا جس کی سختی اور نا عاقبت اندیشانہ پالیسی نے مصر کے موافقین کو بھی مخالفین کی فہرست میں داخل کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے امیر المؤمنین کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل خربتہ پر یہ حملہ محمد بن ابی بکر نے امیر المؤمنین کے مشورہ سے کیا تھا، یہ چیز بالکل غلط ہے، امیر المؤمنین نے ان کو صرف وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے جو پالیسی وہاں وضع کی وہ کنانہ بن بشر کے ذہن کی پیداوار تھی کیونکہ وہاں کے سیاستوں کی زمام کار اس کے ہاتھ میں تھی اور محمد بن ابی بکر کو اس پر بہت اعتماد تھا وہ سیدنا علیؑ

جیسا عالی دماغ، عاقبت اندیش اور موقع کی نزاکت کو سمجھنے والا انسان اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کا بھی حکم نہیں دے سکتا کیونکہ اگر آپ صرف غیر مبایعین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو سب سے پہلے اہل مدینہ کے اُن اصحاب سے برسرِ پیکار ہوتے تہوں نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔

دوسرے اگر آپ محمد بن ابی بکر کو اہل خربتہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے کچھ کمک بھی بھیجتے لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی آدمی کو بھی فوج دے کر محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے نہیں بھیجا۔ مالک الاثر نخعی کے متعلق جو بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنینؓ نے ان کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے ولایت کا پروانہ دے کر بھیجا تھا، چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں ولایت کے پروانے کا مضمون بھی نقل کیا ہے۔ ۱ طبری جلد ۶ ص ۵۵، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۹۹ لیکن اگر تاریخ کا تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واقعہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اول اس لیے کہ جو پروانہ امیر المؤمنین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اشتر نخعی کو لکھ کر دیا تھا وہ بالکل جعلی ہے اور امیر المؤمنین کی طرف اس کی نسبت غلط ہے، چنانچہ انخضری جیسا مؤرخ بھی اس کو جعلی اور زمانہ مابعد لکھا ہوا بتاتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

”وَالظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا الْعَهْدَ قَدْ كُتِبَ يَعْدَ ذَلِكَ بِأَرْصَاتٍ -

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۷۷)

یہ شے صاف ظاہر ہے کہ تقرری کی یہ سند بعد کے زمانوں کی لکھی ہوئی ہے۔ دوسرے اگر اشتر کو آپ بھیجتے تو کچھ فوج بھی ساتھ بھیج دیتے، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے اس کے ساتھ فوج بھی بھیجی، حالانکہ محمد بن ابی بکر نے سیدنا علیؓ کو لکھا بھی تھا کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں اور شہر کے سب لوگ عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ہو گئے ہیں لہذا اگر آپ کو مصر کی ضرورت ہے تو فوج اور دیگر مال و متاع سے جلد میری مدد فرمائیے۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا یہ قضیہ وہاں کا مقامی قضیہ تھا اور سیدنا علیؓ نے

معادہ تحکیم کا احترام کرتے ہوئے وہاں مطلق کوئی فوج نہ بھیجی اور مالک الاشتر بھی وہاں اپنی مرضی سے گیا تھا سیدنا علیؑ نے اس کو نہیں بھیجا تھا، کیونکہ اتنے بڑے معاہدے کا احترام اگر سیدنا علیؑ جیسا انسان نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ آپ کی ذات ان تمام نقائص سے بالاتر تھی جو آپ کے دوست و دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ باقی معصوم سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ آپ سے کچھ سیاسی فروگزاشتیں اور اجتہادی خطائیں بھی ہوئیں، لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کی یا دوسرے صحابہ پر ان کی اجتہادی غلطیوں کے بارے میں زبان طعن دراز کرے۔

مصر پر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وساطت سے جو قہر کیا تھا وہ جنگ صفین کے بعد کا واقعہ ہے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری کا لالچ دے کر سیدنا معاویہؓ نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا، یہ دشمنانِ صحابہ کی طرف سے آپ کے اخلاقِ فاضلہ پر ایک ناجائز حملہ ہے، صحابہ ایسے رذائل اور طمع و لالچ سے یک قلم بری تھے، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کی سند رذائل میں منہمک ہونے والوں کو نہیں ملتی۔



۱۔ ابن جریر نے واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ فتح مصر صفر ۳۱ھ میں ہوئی اور ازدح کا نفرنس شعبان ۳۸ھ میں ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۷، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۱) واقدی کا یہ قول صحیح نہیں ہے اس لیے کہ محمد بن ابی بکر اور مالک الاشتر فیصلہ تحکیم کے وقت زندہ تھے لیکن واقدی کے بیان کے مطابق ان کو مرا ہوا ہونا چاہیے تھا۔

فیصلہ حکیم کے بعد

خوارج کی سرکشی

ادھر مصر کی فتح کے بعد سیدنا معاویہؓ کے زیر تسلط شام کے ساتھ مصر کا علاقہ بھی آگیا جس سے ان کی سلطنت میں وسعت پیدا ہو گئی، ادھر فیصلہ حکیم کے بعد سیدنا علیؓ کی ممد و معاون سبائی پارٹی کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ سیدنا علیؓ نے معاہدہ حکیم پر دستخط کر کے اپنے کو شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا، اس وجہ سے ان کی فوج میں خلفشار اور افتراق پیدا ہو گیا اور آپ کی فوج کے دو آدمیوں حرقوص بن زہیر سعدی اور زرعہ بن برج الطائی کی قیادت میں بہت سے لوگ صرف اس بناء پر آپ کے لشکر سے الگ ہو گئے کہ آپ نے خدا کے علاوہ انسان کو اپنا حکم بتایا ہے۔ راخبار الطوال ص ۲۰۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۹) اس معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ وہ گمروہ جنگ کیلئے میدان میں اتر آیا، آپ نے ہر طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی اور اللہ کا خوف دلا کر دعوت اتحاد و اتفاق دی، نیز اپنے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بھی ان کو سمجھانے کے لیے بھیجا لیکن یہ سب باتیں بے سود ثابت ہوئیں، آخر آپ کو بھی چار و ناچار میدان میں اترنا پڑا، دونوں طرف سے لڑائی ہوئی، خارجی اس بہادری سے لڑے کہ ان کے اعضا کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ لڑتے تھے، چنانچہ خارجی فوج کے سپاہی شریح بن ابی اوفی کا پاؤں کٹ گیا اور وہ پاؤں کٹنے کے باوجود بھی لڑتا رہا۔ راخبار الطوال ص ۱۶۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۰) آخر ایک خونریز جنگ کے بعد خارجیوں کو شکست فاش ہوئی۔

اس لڑائی سے بھی آپ کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اب کسی صورت بھی کسی جنگ میں شمولیت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے کناہ بن بشر محمد بن ابی بکر مالک الاشتر اور دوسرے کئی سردار صفین اور مصر کے معرکوں میں کام آچکے تھے، تیسرے آپ کی فوج کی اکثریت جو کہ سبائوں پر مشتمل تھی اور فیصلہ حکیم کے بعد اگرچہ آپ کی فوج سے خارجیوں کی طرح الگ نہیں ہوئی تھی لیکن قلمی طور پر وہ اب آپ کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار نہیں تھے، چنانچہ اب ہر مقام اور ہر موڑ پر انہوں نے

امیر المؤمنین سیدنا علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ آپ کی فوج کے ایک بہت بڑے سردار اشعث بن قیس کنہی نے خارجیوں سے جنگ کے فوراً بعد امیر المؤمنین سے یہ کہنا شروع کر دیا۔
 ”ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی انہاں خراب ہو گئی ہیں لہذا آپ ہمیں اب گھر جانے کی اجازت دیجئے۔“
 رابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار الطوال ص ۲۱۱

یہ سب غدرنگ تھے، اصل بات یہ تھی کہ وہ آپؐ سے تعاون کرنے میں اب گریز کر رہے تھے، آپ ان لوگوں کی اندرونی کیفیت سے بخوبی آشنا تھے لیکن آپ ان کے ہاتھوں مجبور تھے کہ بھی کیا سکتے تھے، ایک زوجہ ان لوگوں نے بہت پریشان کیا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:-
 ”بھلا سو گندا مجھے یہ منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھائے پھر فرمایا خداوند اٹو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں میں ان سے ملول ہوں، خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھ میں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔“ (جلد العیون باب ۲ فصل ۲ ص ۲۲۹)
 پھر لکھا ہے کہ:-

”اور میں ان سے تنگدل ہوا ہوں اور یہ مجھ سے تنگدل ہوئے ہیں، میں ان کا دشمن ہوں اور میرے دشمن ہیں۔“ (جلد العیون از ملاباقر مجلسی باب ۳ فصل ۳ ص ۲۳۶)
 ایک اور موقع پر آپ اپنی فوج اور اپنے شیعوں کی بزدلی کی شکایت ان الفاظ میں کرتے ہیں:-
 ”اگر گرم موسم میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو بڑی گرمی ہے ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے، جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے زیادہ بھاگو گے، اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو کاش میں تم کو بھی نہ دیکھتا اور نہ

۱۔ تاریخ روضۃ الصفاد کے مؤلف لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کی یہ دعا آخر قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف پیدا ہوا۔ وازو کوفیاں رسید آنچه رسید (روضۃ الصفاد ص ۵۲۲) اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں کوفیوں پر جو ظلم و ستم گزرے ہیں تاریخ سے آشنا حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ (م، ل، نط)

تم کو پہچانتا، میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو تم نے غصہ سے بھر دیا ہے
اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا۔“

رحلۃ المتقین باب ۱۲ فصل ۳۶۲ لکھنؤ

ابو حنیفہ الدینوریؒ اور ابن الاثیرؒ نے بھی کچھ اسی طرح کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

راہن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار السطوال ص ۲۱۲

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں :-

”و حاصل کلام آنکہ آنحضرتؐ مادر اں ایام نام خلافت بیش نہ بودہ ہموار اوفتد
تسکن و تقاعد انصار و تخاذل اعدان شکایت می نمودند (مجالس المؤمنین مجلس اول ص ۲۲۷ ایران)
ان دنوں سیدنا علیؑ کی خلافت برائے نام ہی تھی ہمیشہ اپنی کمزوری اور اپنے اعدان و
انصار کی دوں بہتی اور دوستوں کی پہلو تہی کی شکایت فرماتے رہتے تھے :-
پھر لکھا ہے کہ جب قاضیوں نے آپ سے پوچھا کہ فتویٰ اور فیصلے کس طرح کیا کریں؟

تو آپ نے مایوسانہ طور پر فرمایا :-

”اِقْضُوا بِمَا تَقْضُونَ حَتَّى يَكُونَ النَّاسُ جَمَاعَةً أَوْ أُمُوتَ كَمَا مَاتَ

أَصْحَابِي - (مجالس المؤمنین مجلس اول ص ۲۲۷)

جس طرح فیصلے دیئے جاتے ہو دیتے جاؤ یہاں تک کہ لوگ میری خلافت پر اتفاق
کریں یا میں بھی مرجاؤں اسی طرح جس طرح میرے اصحاب مر گئے :-

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا :-

”لوگ تو اپنے حاکموں سے ڈرتے ہیں لیکن میں اپنی رعیت (شکر) کے ظلم سے

ڈرتا ہوں“ (نہج البلاغہ ص ۳۵۲)

نہج البلاغہ ہی میں جس کو سیدنا علیؑ کے خطبات کی کتاب بتایا جاتا ہے، لکھا ہے :-

”فَنَظَرْتُ فَإِذَا لَيْسَ لِي مُعِينٌ إِلَّا أَهْلُ بَيْتِي فَضَنَنْتُ بِهِمْ

عَنِ الْمَوْتِ (نہج البلاغہ ص ۴۷)

پس میں نے دیکھا کہ میرا کوئی مددگار اور معین نہیں ہے سوائے میرے گھر والوں کے

سو میں نے انہیں موت سے بچا لیا۔“

پھر آپ انہیں شکریوں کو بدعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-
 ”قَاتَلَكُمْ اللَّهُ لَقَدْ مَلَأْتُ قُلُوبَكُمْ قِيَاهَا وَسَخَنْتُكُمْ صُدُورِي غِيْظًا“ (ترجمہ البلاغہ)
 اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے
 سینہ کو غصہ سے۔“

عبد الملک بن عمیر، عبد الرحمن بن ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں
 نے سیدنا علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا:-
 ”مَا لَقِيَ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ مَا لَقِيْتُ ثَمَرُ بَكِي“ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۲۶)
 لوگوں میں سے کسی کو بھی وہ مصیبت پیش نہ آئی جو مجھے (تم لوگوں سے) آئی،
 یہ فرما کر آپ رونے لگے۔“

ایک روز بڑے پڑ مردہ خاطر تھے اور اپنے ان شکریوں اور شیعوں کا جنہوں نے پہلے تو
 آپ کو جنگ جمل اور صفین میں اپنوں سے لڑایا لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں
 کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، کلمہ کرتے ہوئے فرمایا:-

”وَقَدْ نَزَعَمْتُ قُرَيْشًا أَنْ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ شُجَاعٌ وَلَكِنْ لَا عِلْمَ لَهُ
 بِالْحُرُوبِ تَرَبَّتْ أَيْدِيهِمْ وَهَلْ فِيهِمْ أَشَدُّ مَرَأًسًا لِّهَامِنِي
 لَقَدْ نَهَضْتُ فِيهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِينَ وَهَذَا أَنَا ذَا قَدْ أُرْبَيْتُ
 عَلَى نَيْفٍ وَسَيِّئٍ وَلَكِنْ لَا رَأْيَ لِمَنْ لَا يُطَاعَ“ -

مروج الذهب جلد ۲، حلیۃ المتقین باب فصل ۱۳ ص ۳۶۲، اخبار الطوال، کتاب اللغات جلد ۱ ص ۲۱۲

قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی فنون سے نا آشنا ہے،
 خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ! کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ میں تو جنگوں
 میں اُس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور اب میں
 زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے
 اُس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔“

بات دراصل یہ تھی کہ سیدنا معاویہؓ کے لشکر کی خلوص نیت کے ساتھ آپ کا ساتھ دے رہے تھے لیکن سیدنا علیؓ کے ساتھی اور شیعوہ ایک خاص سازش کے ماتحت صرف قتال باسلمین کے لیے آپ کا ساتھ دے رہے تھے لہذا وہ آپ کے ہر مکتوب اور آپ کے ہر خط کو انہی نگاہوں سے دیکھتے، اسی انداز سے وہ آپ کی سیاست پر چھلٹے ہوئے رہتے، حالات بتا کر جو چاہتے آپ سے کروا لیتے، کبھی سیدنا قیس بن سعد جیسے نیک طینت اور تجربہ کار گورنر کو ہوا کر اس کی جگہ محمد بن ابی بکر جیسے نا تجربہ کار نوجوان کو گورنر لگوا دیتے، چاہتے تو زبیر و طلحہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ جیسی بزرگ ہستیوں سے سیدنا علیؓ جیسے بزرگ انسان کو لڑوا دیتے۔ اسی لیے تو مشہور شیعہ محقق ملا عبدالرزاق لاہجی کو کہنا پڑا کہ :-

”خلافتے او بعد از ثلاثہ خلافتے نہ بود کہ در آن خلافت عمل بہ مقتضائے علم او

خواہد کرد“ (گوہر مراد ص ۱۲۵)

اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے بعد ان کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے۔“

اگر سیدنا علیؓ کو کہیں سے کوئی خط آتا تو اس بات کی ٹوہ میں رہتے کہ آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں، کیا کوئی ایسا جواب تو نہیں دیتے جو ہماری مرضی کے خلاف ہو، اگر جواب کا پتہ نہ چلتا تو اٹکل سے کوئی اچھا سا جواب سوچ کر حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دیتے۔ چنانچہ الحنفی جیسے شیعہ مزاج مؤرخ کو اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھنا پڑا کہ :-

”سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا، شام کا کوئی شخص اس بارہ میں کچھ دریافت نہ کرتا، لیکن جب سیدنا علیؓ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ سیدنا ابن عباسؓ و جو حضرت علیؓ کے معتمد تھے، کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المومنین علیؓ نے آپ کی طرف کیا لکھا ہے، اگر آپ ان سے خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی اٹکل پیچھ لڑا یا کرتے کہ ہماری رائے میں

امیر المؤمنین نے فلاں فلاں بات لکھی ہوگی، اس پر سیدنا ابن عباسؓ ان سے فرمایا کرتے تھے کبھی عقل بھی آئے گی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاویہؓ کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا، نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سناؤ دیتا ہے، مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر انکل بچو مارا کرتے ہو؟ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۷، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۱۹۷، اخبار الطوال ص ۱۹۷، ایام العرب فی الاسلام ص ۳۷۵)

ان کی یہ باتیں جب حضرت علیؓ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ ان کو ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر ابن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:-

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ یسر بن ارطاة اب یمن پہنچ گئے ہیں، واللہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور تم پر صرف اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے امام کے تابع اور فرمانبردار ہیں، تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں، تم زمین میں فساد پکارتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں۔“

”میں نے فلاں کو گورنر بنا کر بھیجا اُس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا، فلاں کو بھیجا اُس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہؓ کو بھیج دیا، میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پیلے پر امین بناؤں تو وہ اسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔“ پھر بڑے دلگیر انداز میں اپنے حواریوں اور شیعوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:-

”اللَّهُمَّ سَلِّمْهُمْ وَسَلِّمْوْنِي وَكِرْهُمْ وَكِرْهُوْنِي اللَّهُمَّ فَارِحْهُمْ

مَتْنِي وَأَرْحِنِي مِنْهُمْ۔ (البیہ والنہایہ جلد ۲ ص ۳۲، ابن الاثیر جلد ۲ تعلیقہ)

اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے بچا۔“

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں اور شیعوں کی انہی غداریوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی

آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو پکٹتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے :-
 ”وَاللّٰهُ اِنَّ مُعَاوِيَةَ صَارَ فِتْنِيْ بِكُمْ صَرَفَ الدِّينَارِ بِالدِّرْهَمِ فَاخَذَ مِنِّيْ
 عَشْرًا مِّنْكُمْ وَاَعْطَانِيْ رَجُلًا مِّنْهُمْ۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۵۴)
 بخدا میری آرزو ہے کہ کاش معاویہ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح
 دینار راشرنیاں (درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیے جاتے ہیں مجھ سے وہ تمہارے
 دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دے دیں۔“
 شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”وَكَانَ عَلِيًّا عَاجِزًا عَنِ قَهْرِ الظُّلْمَةِ مِنَ الْعَسْكَرِيِّينَ وَلَمْ تَكُنْ
 اَعْوَانُهُ يُوَافِقُوْنَهُ عَلَى مَا يَأْمُرُ بِهِ وَاَعْوَانُ مُعَاوِيَةَ
 يُوَافِقُوْنَهُ۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۲)
 سیدنا علیؑ اپنے ظالم سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز و مجبور تھے اور ان کے
 ساتھی ان کے حکموں کو نہیں مانتے تھے اور اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ
 کے ساتھی آپ کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔“
 علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر سیدنا علیؑ نے نہایت
 حسرت و یاس کے انداز میں فرمایا کہ :-
 ”وَاعْجَبًا اَعْصَى وَاُطَاعَ مُعَاوِيَةُ۔“

ر تاریخ الاسلام ذہبیؒ ج ۲ ص ۱۶۹)
 بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ساتھی میری نافرمانی کرتے ہیں اور معاویہؓ
 کے ساتھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔“
 یہ تھا ان لوگوں کا کیریکٹر جو اپنے کو محبوبان علی کہتے تھے اور سیدنا عثمانؓ کو شہید
 کر کے آپ کے معاون و مددگار بنے ہوئے تھے۔



سبائیوں کی مختلف علاقوں میں رش پسندی

فیصلہ تحکیم کے بعد جہاں انہوں نے سیدنا علیؑ کے ساتھ غداری کی اور ان کے احکام کی نافرمانی اور بے حرمتی کرنا شروع کی وہاں ان کے مقبوضہ علاقوں میں بھی عوام کو تاخت و تاراج کر کے ان کے مالوں کو لوٹنا کرنا شروع کر دیا۔ ان علاقوں کے لوگ جب دیکھتے کہ شام کے لوگ نہایت امن و امان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور مصر کی شورش کے بعد اب وہاں بھی سیدنا معاویہؓ کے گورنر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے لوگوں کی زندگی بڑے اچھے طریقے سے گذر رہی ہے اور ان کو اب کسی فتنہ و فساد کا خوف نہیں تو وہ بھی خفیہ طریقے سے سیدنا معاویہؓ سے خط و کتابت شروع کر دیتے اور ان سے درخواست کرتے کہ خدا را ہمارے علاقے بھی اپنے زیر تصرف لے کر ہمیں ان سبائیوں کی آئے روز کی فتنہ پردازیوں سے محفوظ و مصئون فرمائیے، ادھر سیدنا علیؑ بھی ان سے تنگ آئے ہوئے تھے اور خلافت کی اس ذمہ داری سے دستبردار ہونا چاہتے تھے۔

سیدنا معاویہؓ کا بعض علاقوں پر قبضہ

شروع شروع میں تو سیدنا معاویہؓ نے ان لوگوں کی عرضداشتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا لیکن جب اصرار زیادہ ہوا تو آپ نے فیصلہ تحکیم سے اگلے برس یعنی ۳۹ھ میں نعمان بن بشیرؓ، سفیان بن عوفؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ضحاک بن قیسؓ وغیرہ کو تھوڑی تھوڑی فوج کے ساتھ ان علاقوں کے عوام کی جنہوں نے آپ کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجی تھیں تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ چنانچہ جس جس علاقے میں یہ لوگ گئے وہاں کے عوام کو پہلے ہی سے منتظر پایا، ان بزرگوں کا پہنچنا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے علوی گورنروں کو اپنے علاقوں سے نکال دیا، سیدنا علیؑ نے بھی اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ ایک سال کی قلیل مدت میں عین التمر، انبار، مدائن و تیما اور عجم کے دوسرے علاقے سیدنا علیؑ کے قبضہ سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے قبضہ میں آ گئے۔

۳۲ھ میں آپ نے بسربن ارطاة کو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ حجاز و یمن کی طرف بھیجا، آپ سیدھے مدینہ طیبہ پہنچے، وہاں سیدنا ابوالیوب انصاریؓ میرباہن سول سیدنا علیؑ کی طرف سے گورنر تھے، آپ بسرب کے مدینہ پہنچنے پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ سیدنا معاویہؓ کے زیر تصرف آ گیا، پھر بسرب مکہ گئے وہاں کے لوگوں نے بھی بخوشی سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں آنا قبول کر لیا۔ پھر آپ یمن گئے وہاں کے گورنر سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کو خبر ہوئی تو وہ عبید اللہ بن عبد الممدان کو اپنا قائم مقام بنا کر خود کوفہ چلے گئے وہاں کے لوگ بھی چشم براہ تھے انہوں نے بھی فوراً اطاعت قبول کر لی۔ غرض کہ ایک سال کی قلیل مدت میں علوی مقبوضات کا کافی علاقہ سیدنا معاویہؓ کے زیر تصرف آ گیا۔

۱۔ فیصلہ تحکیم کے بعد جو علاقے سیدنا معاویہؓ کے قبضہ میں آئے ان کے متعلق المسعودی، الخضری، ابن جریر طبری اور ابن الاثیر وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں بڑی بے سرو پا باتیں لکھ دی ہیں لیکن لکھان وایات کی تصحیح کی جگہ تو وہ سب وایات مبانیوں کی وضع کی ہوئی ثابت ہوتی ہیں، نہ نقلی طور پر انہیں صحیح کہا جاسکتا ہے اور نہ عقلی طور پر انہیں صحیح کہا جاسکتا ہے۔ پھر بسربن ارطاة کے ظلم و ستم کی بھی فرنی داستانیں وضع کی گئی ہیں اور کھلبے کہ انہوں نے یمن میں عبید اللہ بن عباسؓ کے دو معصوم بچوں کو موت گھاٹ اتار دیا تھا، محققین کے نزدیک ان داستانوں کا کوئی مقام نہیں۔ چنانچہ مھر کے مشہور مؤرخ اور محقق اور بااثر محقق کی پی۔ ایچ۔ ڈی (درجہ تخصص) کے استاذ الشیخ عبد الوہاب النجار فرماتے ہیں :-

”قال الحافظ ابن کثیر فی البدایہ والنہایہ ویقال ان یسر قتل خلقاً من شیعۃ علیؑ فی میسرہ ہذا والخبر مشہور عند اصحاب المغازی والسیرو فی صحیحہ عندی نظری۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۳ تعلیقہ)“

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بسرب نے شیعیان علیؑ کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور یہ بات مؤرخین کے نزدیک بہت مشہور بھی ہے لیکن ان واقعات اور وایات کی صحت میر نزدیک درست نہیں۔“

یہ فرنی داستانیں جن سے ان مؤرخوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کیا ہے اور شاید اپنے نامہ اعمال کو بھی داغدار بنادیا ہے، اگر تاریخ کے اوراق سے نکال دی جائیں اور صحیح روایات پر تاریخ کو مدون کیا جائے تو ہمارے بہت سے اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔ (م، ل، ظ)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؑ اپنے اعوان و انصار سے تنگ آ چکے تھے اور آپ پر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ جبل و صفین کا قتل و خون محض انہیں لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جنہوں نے میری بیعت کی تھی، پھر ان کی غداریاں بھی آپ کے سامنے تھیں کہ جب تک انہوں نے اپنی سازش کو کامیاب نہ ہوتے دیکھا میرا ساتھ دیا اور اب جبکہ میں ان کی حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوں اور ان کو اپنا مطلب حل ہوتا نظر نہیں آتا انہوں نے میرا حکم بھی ماننا چھوڑ دیا ہے اور میری ہر بات کا خلاف بھی کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں اور شیعوں کی وفاداری اور اطاعت کیشی ان کے لیے باعث رشک اور باعث تمسخر تھی۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۲)

لہذا ان مسلسل فائدہ جنگیوں سے گھبرا کر کئی گھنٹے میں سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی اس صلح کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ سیدنا علیؑ کے پاس رہا، مصر اور مغرب کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے حصہ میں آیا اور شرط یہ قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ میں دست اندازی نہیں کرے گا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۳۲۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا

بصرہ کی گورنری سے استعفاء

شمار ۴۶ میں ابوالاسود دؤثلی نے سیدنا علیؑ کے پاس سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خورد و برد کیا ہے۔ سیدنا علیؑ نے اس بارہ میں گورنر بصرہ سیدنا ابن عباسؓ کو لکھا، آپ نے جواب دیا:-

”میرے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غلط ہے اور جو کچھ میرے پاس بیت المال کا روپیہ وغیرہ ہے میں اس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں، ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھرھیے۔“

سیدنا علیؑ نے اس خط پر یقین کرنے کی بجائے اپنے جوانی خط میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے تفصیل طلب فرمائی اور لکھا:-

”فَاعْلَمْتَنِي مَا اخَذْتَ مِنَ الْجُزْئِيَّةِ وَمِنْ اَيْنَ اخَذْتَ

وَفِيْمَا وَضَعْتَ - (ابن الاثير جلد ۳ ص ۱۹۲)

مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزئیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں سے لیا ہے

اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے؟

سیدنا علیؑ کے اس خط سے سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ

نے سیدنا علیؑ کو لکھا:-

”فَايَعْتُ اِلَى عَمَلِكَ مَنْ اُجِبْتُ فَاِنِّي طَارِعٌ عَنْهُ -

(ابن الاثير جلد ۳ ص ۱۹۲)

اپنے جس گور کو آپ چاہیں یہاں بھیج دیجئے کیونکہ میں اس کو چھوڑنے

والا ہوں۔“

یہ خط لکھ کر سیدنا ابن عباسؓ نے سرہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

ابن الاثير جلد ۳ ص ۱۹۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے ترجمان القرآن، فقیہ الامت اور بہترین

خبر خواہ سے محروم ہو گئے۔



تاریخ کانیا دھارا

شہادت امیر المؤمنینؑ

جنگ نہروان میں خارجیوں نے اگرچہ بڑی شجاعت اور پامردی سے سیدنا علیؑ کی فوج کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے لیکن پھر بھی وہ لڑتے رہتے اور میدان نہ چھوڑتے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۱، اخبار الطوال ص ۲۱)

آپ کی فوج بھی مقابلہ پر ڈٹی رہی اور کشتوں کے پستے لگا دیئے، بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو شکست فاش ہوئی اور ان کے کافی سے زیادہ آدمی مارے گئے۔

خوارج کو ایک تو اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا تھا دوسرے اپنی دانت میں وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ ان تینوں نے ملت اسلامیہ کے امن کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور ملت مسلمہ کی خیر خواہی کی خاطر اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے تھے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے، علاوہ ازیں وہ نہ تو سیدنا علیؑ کو حکومت کا اہل سمجھتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ کو۔ چنانچہ خوارج کی مجلس میں اتفاق رائے سے یہ پاس ہوا کہ ان تینوں آدمیوں کو شہید کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ اس "نیک" کام کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے، چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمن بن ملجم نے سیدنا علیؑ کو، برک بن عبداللہ نے جس کا اصلی نام حجاج بن عبداللہ تھا سیدنا امیر معاویہؓ کو اور

لے طبری اور سعودی وغیرہم نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن ابن ملجم کا ایک عورت سے معاشقہ تھا اس کا بھائی اور پاپ جنگ نہروان میں سیدنا علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اس لیے اس کے دل میں سیدنا علیؑ کے خلاف سخت عناد تھا۔ ابن ملجم نے اس عورت (باقی حاشیہ ص ۳۸۲ پر)

گیا آپ کو مسجد میں لایا گیا، امامت کے فرائض آپ کے بھانجے جعد بن ہبیر نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتدار میں نماز فجر ادا کی، نماز کے بعد ابن بلعم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اس سے چند سوال کئے، پھر فرمایا کہ اس کو آرام سے رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۶، ۳۲۷) اس کے بعد آپ نے لوگوں کو وصیت کی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ انتقال کر جاؤں تو اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق اسے قصاص میں قتل کر دینا لیکن اگر میں جانبر ہو گیا تو پھر اس کے معاملہ پر خود غور کروں گا، اس کے بعد سیدنا حسنؑ سے فرمایا کہ:-

”قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ہی ضرب لگانا کیونکہ اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے اور اس کا مثلہ زناک، کان اور منہ وغیرہ کاٹنا، نہ کرنا کیوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔“
(طبری جلد ۶ ص ۸۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۶، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۳۳)

نصیحتیں

زخم کاری لگاتھا پھر خنجر بھی زہر آلود تھا لہذا معالجہ کے باوجود زہر کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا، جندب بن عبد اللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے پوچھا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جائیے، بعض حضرات نے تو سیدنا حسنؑ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ:-

”وَمَا أُمْرُكُمْ وَلَا أَنَّهُمْ كُفَرُوا أَن بَصُرُوا“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۶، طبری جلد ۶ ص ۸۵، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۲۱)

نہ میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں تم اس بارہ میں زیادہ سمجھتے ہو۔“

لیکن محققین نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :-
 ”لَا وَلَیْکُنْ اَثَرُکُمْ کَمَا تَرُکُکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ یُرِیْدِ اللّٰهُ بِکُمْ
 خَیْرًا یَّجْمَعْکُمْ عَلٰی خَیْرِکُمْ کَمَا جَمَعْکُمْ عَلٰی خَیْرِکُمْ لَعَدَّ رَسُوْلُ
 اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۷، جلد ۳ ص ۳۲۳)
 السنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۲۹، مروج الذهب جلد ۲ ص ۴۳

نہیں! بلکہ میں تمہیں اُس طرح چھوڑے جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ گئے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بھلائی منظور ہوگی تو تمہیں ایک بہترین آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہیں ایک بہترین آدمی (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) پر جمع کر دیا تھا۔
 اپنی بصیرت اور لوگوں کے اطوار سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے بعد سیدنا حسنؓ کو خلیفہ بنایا جائے گا، اس وجہ سے آپ نے خلوت میں ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں کیونکہ آپ سمجھ رہے تھے کہ میری وفات کے بعد تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے والی ہے، سیدنا معاویہؓ کی انتظامی، فکری، نظری اور عملی صلاحیتیں بھی آپ کے پیش نظر تھیں، عالم اسلامی میں حضرت معاویہؓ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو بھی آپ بصیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، اپنے شیعوں اور ساتھیوں کی بے وفائی اور غداری اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں کا اخلاص اور ان کی اطاعت کیشی بھی آپ کے سامنے تھی، اسی وجہ سے آپ نے سیدنا حسنؓ کو چند ضروری وصیتیں فرمائیں، آپ نے فرمایا :-

(۱) بیٹا! میرے بعد امت اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے امت میں تشدد و انتشار پیدا ہو کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: دَاعَتْصُمُوا بِجَبَلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۲۷، طبری جلد ۶ ص ۸۵)

(۲) پھر فرمایا بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا اور ان کے خلیفہ المسلمین ہونے سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو پھر امت

میں ایسا اختلاف و انتشار واقع ہو گا جس کے تلخ ترین نتائج تمہیں بھی ٹھکتے پڑیں گے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۶، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳)

بعض تواریخ میں ہے کہ یہ نصیحت عام مسلمانوں کو فرمائی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صغیرین سے واپس لوٹ کر حالات کا گہری نظر سے مطالعہ فرماتے ہوئے کہا:۔
 ”أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةً مُعَاوِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَوْ فَقَدْتُمُوهُ زَالَيْتُمْ
 الزُّوُوسَ تَتَدْرَعُونَ كَوَاهِلَهَا كَأَنَّهَا الْخُظْلُ۔ (البدایہ والنہایہ
 ج ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۲، تاریخ الاسلام للذہبی ج ۲ ص ۲۶۶، ص ۳۲۰)
 اسے لوگو! معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو کھو
 دیا تو تم دیکھو گے کہ شانوں پر سے سر خنظل کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے۔“
 اس کے بعد کچھ اور وصیتیں فرمائیں۔

زہرِ لمحہ یہ لمحہ اپنے زہریلے اثرات دکھا رہا تھا، ۱۷ رمضان المبارک ۳۵ھ کو آپ
 پر حملہ ہوا تھا اور تین روز کی موت و حیات کی کشمکش کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۳۵ھ پیر
 کی رات کو آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ
 وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی اور مدتِ خلافت ۴ سال ۹ ماہ۔ سیدنا حسنؓ،
 سیدنا حسینؓ، سیدنا محمد بن الحنفیہؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہ حضرات نے غسل دیا،
 سیدنا حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں پھر آپ کو دارالامارت میں
 سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس سانحہ عظیمہ کی خبر پورے عرب اور دوسرے اسلامی شہروں میں آنا فانا پھیل گئی اور
 ہر آدمی کا دل خون کے آنسو روئے لگا، آپ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی کہ جس کو

۱۔ طبریؒ ابن الاثیر اور ابن کثیر وغیرہ نے ۹ بحیرات نقل کی ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۳۲۹)

لیکن ابن کثیرؒ نے ایک اور روایت میں چار تکبیریں نقل کی ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳)

فراموش کر دیا جاتا، ہر موافق و مخالف کو اللہ کے اس ولی کی شہادت کا اس قدر افسوس ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

آپ کے سیاسی فکر سے خواہ کتنا ہی کسی کو اختلاف کیوں نہ ہو لیکن آپ کا تقویٰ، آپ کا فضل و کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت ہر ایک کے نزدیک مسلم تھی، عام نگاہوں میں بظاہر آپ کے سب سے زیادہ مخالف سیدنا معاویہ ہی تھے لیکن جب ان کو آپ کی شہادت کی جانکاہ خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ سیدہ فاختہ بنت قریظہ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے، خبر سنتے ہی آپ فوراً اٹھ بیٹھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اس کے بعد رونا شروع کر دیا۔ آپ کی اہلیہ سیدہ فاختہ نے کہا کل تو آپ ان کے مخالف تھے اور آج آنسو بہا رہے ہیں؟ فرمایا میں تو اسلئے روتا ہوں کہ ہم نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و حلم اور عمل و فضل میں فقید المثال تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۴)

بعد میں بھی آپ اکثر ان کا ذکر کر کے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدیقی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علیؑ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا، اُس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علیؑ کی یاد آگئی، فرمایا ضرار! سیدنا علیؑ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب و محترم کی یاد میں اپنے قلب کو نمناک کریں، لیکن سیدنا معاویہؓ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا لہذا آپ نے اصرار فرمایا، آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو کہ شنیدنی ہے، اس نے کہا:-

”حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے، نپنی تلی بات کہتے تھے، عالانہ فیصلہ کرتے تھے، سراپا علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا، حکمت کا دریا موجزن تھا، دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ متنفر تھا، رات کو نیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا، آخرت کے لیے بہت فکر مند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے، لباس کی سادگی و بدنی تھی، کھانا لطفات سے یکسر خالی سادہ اور موٹا جھوٹا، ہم ہی کی طرح رہتے تھے کچھ امتیاز نہیں تھا

جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم اُن سے وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب و داب اور آپ کی سیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے، مُتدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب میں تھی اور غرہ باد کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا، اکثر مواقع پر میں نے خود دیکھا ہے کہ کاروانِ شب رختِ سفر باندھنے کو ہے، چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے اپنی منزلِ مقصود کی جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغِ سحری کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کمر بستہ رہے ہیں لیکن وہ اپنی دائرہ ہی مٹھی میں لے کر مار گزریہ اور عاشقِ خواب تادیدہ کی طرح بے قرار اور اشکیارِ دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اے دنیا! اے قریب دینے والی دنیا! یہ قریب کسی اور کو دے، تو مجھ سے اپنی چاہت اور اُنسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے میں کبھی بھی تیری طرف آنے کا نہیں تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل لیکن راستہ اور سفر طویل اور زاوِ راہ بالکل حقیر و قصیر ہے۔“

سیدنا معاویہؓ کا یہ سننا تھا کہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں

کی ندیاں رواں ہیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:-

”اللہ تعالیٰ الیواحسن (سیدنا علیؓ کی کنیت تھی) پر رحم فرمائے، واللہ“

ایسے ہی تھے، وہ ایسے ہی تھے، (روسۃ النظرہ جلد ۲ ص ۲۱۲)

نیا دھارا

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نے تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا کیونکہ آپ کی شخصیت ایک جامع الصفات شخصیت تھی، آپ کے بلند مقام کی وجہ سے اچھے اچھے لوگوں کو آپ سے عقیدت اور وابستگی تھی، آپ کے علم و فضل اور آپ کی جلالت و منزلت کے پایہ کا اس زمانہ میں کوئی اور نہ تھا، لیکن آپ کی شہادت کے بعد سپہماندگان میں سے اس مرتبت اور عظمت کا کوئی انسان نہیں تھا جو کوئی تھے اُن میں سے کچھ تو مقابل پارٹی میں تھے اور کچھ غیر جانب دار تھے لہذا ضروری تھا کہ خلافت کا مرکز اب بجائے کوفہ کے دمشق بنے اور لوگوں کی عقیدت کے رشتے اب سیدنا معاویہ سے وابستہ ہوں کیونکہ اب اسلام میں اس پایہ اور اس فکری، نظری اور عملی قوتوں کا شاید ہی کوئی بطل جلیل ہو اور اگر کسی میں یہ اوصاف تھے بھی تو اس کی تجربات اور انتظامی زندگی صفر کے برابر تھی، لیکن آپ کے بیس سالہ گوندی کے دور نے آپ کی انتظامی اور فکری صلاحیتوں کا سکہ ہر موافق و مخالف کے دل پر بٹھا دیا تھا اور مستقبل کے ۲۰ سالہ دورِ خلافت نے اس کی پوری پوری تصدیق کر دی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔



خلافت

سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ

سیدنا علیؓ نے بستر مرگ پر لوگوں کے کہنے کے باوجود بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمایا تھا بلکہ اس عظیم کام کی ذمہ داری شوری کے سپرد کر دی کہ میرے بعد امت کا اجماع جس کو خلیفہ مقرر کرے وہی خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد تمام وابستگان دامن مثنوی نے

اے سیدنا علیؓ کے اس عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ شوری والی خلافت بالکل صحیح ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ صحیح نہ ہوتی تو سیدنا علیؓ کبھی بھی سیدنا حسنؓ کی خلافت کا مسئلہ لوگوں کے انتخاب پر نہ چھوڑ کر جلتے، خود آپ کی زندگی بھی اس بات پر شاید ناطق ہے۔ سیدنا معاویہؓ نے جب آپ کی بیعت نہ کی تھی تو آپ نے ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں اپنی خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل ہی یہ دی تھی کہ میں ہاجرین و انصار کی طرف سے منتخب خلیفہ ہوں، خط کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

من کلام له عليه السلام الى معاوية انه بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكر
وعمر وعثمان علي ما بايعوهم عليه ولهم يكن للشاهد أن يختاروا ولا للغائب
أن يرد انما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل و
سموه إماما كان ذلك لله رضى فان خرج عن امرهم خارج بطعن
او بدعة ردوه الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه على اتباعه غير سبيل
المؤمنين وكلاهما لله ما تولى (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۸، اخبار الطوال ص ۱۵۸)

سیدنا علیؓ کے ان خطوط میں سے جو انہوں نے معاویہؓ کو لکھے یہ بھی تھا کہ میری بیعت اس قوم نے انہیں
شرائط پر کی ہے جن شرائط پر انہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی اب کسی حاضر یا غائب کو
کوئی اختیار نہیں کہ اس بیعت کو رد کرے۔ اور شوری صرف ہاجرین و انصار کا حق ہے اگر وہ کسی شخص پر
اتفاق کر لیں اور اس کو امام بنالیں تو اللہ تعالیٰ کو بھی وہی منظور ہوتا ہے پھر جو شخص اس متفق علیہ خلیفہ کی طاعت

(باقی ماحشیہ اگلے صفحہ پر)

متفقہ طور پر سیدنا حسنؑ کو مستند خلافت پر متمکن کر دیا لیکن آپؑ نے عہدہ خلافت کو قبول فرمانے سے پہلے یہ شرط لگا دی کہ مجھے ہر معاملہ میں کُلّی اختیار ہوگا کہ جس سے چاہوں صلح کر لوں جس سے چاہوں جنگ کروں، آپؑ کی یہ شرط قبول کر لی گئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۱، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۳۶)

سب سے پہلے سیدنا قیس بن سعد انصاریؓ نے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر تمام اہل کوفہ نے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ آپؑ رمضان المبارک ۳۰ھ کو باقاعدہ طور پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ الامم والملوک للطبری جلد ۶ ص ۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

سیدنا حسنؑ کو پہلے ہی آپؑ کے والد ماجد سیدنا علیؑ یہ وصیت فرما چکے تھے کہ میرے بعد

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کسی طعن یا بدعت کی وجہ سے انحراف کرے تو اہل شوری کا حق ہے کہ اسے اس

خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے لڑیں۔“

ایک اور مقام پر اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

”اے لوگو! خلافت کا اقتدار سب سے زیادہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اس پر قابو رکھنے والا ہو اور اللہ

کے حکم کو اس کے متعلق جانتا ہو پھر اگر جھگڑنے والا جھگڑا کرے تو اس کو سمجھایا جائے نہ سمجھے تو اس سے

قتال کیا جائے، اور قسم ہے مجھے اپنی جان کے مالک کی اگر امانت بغیر اس کے منعقد نہ ہو کہ تمام لوگ

بیعت کریں تو اس کی کوئی سبیل نہیں بلکہ جو اس کام کے اہل ہیں وہ غائبین پر بھی حکم لگا دیں گے پھر نہ حاضر کو

اختیار ہے کہ اس سے جو عہد کرے اور نہ غائب کو اختیار ہے کہ کسی اور کو منتخب کرے۔“ (نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علیؑ خلافت کو مخصوص من اللہ نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو ارباب حل و عقد اور

اصحاب مشورہ کے سپرد کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علیؑ نے فرمایا کہ میں عنقریب اس دنیا سے انتقال کر

جاؤں گا، تو آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیجئے، آپؑ نے فرمایا نہیں! بلکہ میں تم کو اسی

طرح چھوڑ جاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا، تو انہوں نے کہا کہ آپؑ اپنے رب کو کیا جواب

دیں گے؟ فرمایا میں اپنے اللہ سے کہوں گا اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان میں رکھا جب تو نے مجھے موت دے

(باقی حاشیہ لکے صفحہ پر)

سیدنا معاویہؓ کی امارت تسلیم کرنے میں ذرا بھی ناگواری محسوس نہ کرنا ورنہ مرمونڈھوں سے غنفل کی طرح گریں گے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۶، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۲)۔ یہ آپؐ نے ایک تو اس لیے فرمایا تھا کہ میرے شیعوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ تمہارا ساتھ بھی نہیں دیں گے۔ دوسرے آپؐ بخوبی جانتے تھے کہ اس وقت امت کی کشتی منجھڑھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور موجودہ لوگوں میں سوائے سیدنا معاویہؓ کے اور کسی میں اتنی فکری صلاحیت اور عملی قابلیت نہیں ہے کہ وہ امت کی اس ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچا سکے، لہذا آپؐ نے بیعت کے بعد ایک مجمع عام میں بیعت کرنے والوں کو مخاطب کر کے صاف الفاظ میں اپنے آبا جان کی اس نصیحت کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میرے آبا جان فرمایا کرتے تھے :-

”لا تکرہوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرأیتم الرؤس تتدبر“

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) اب تو ان میں ہے اب جیسے چاہے ان سے معاملہ کر، خواہ ان میں صلح و آشتی پیدا فرما اور خواہ ان میں فتنہ فساد برپا فرما دے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳۰، ص ۱۵۶)

شعیق بن سلمہ تابعی فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ سے پوچھا گیا کیا آپؐ ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمائیں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تو میں کیسے مقرر کروں؟ اگر اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کا ارادہ فرمائیں گے تو میرے بعد تمہیں کسی بہترین آدمی پر مجتمع فرما دیں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو ایک بہترین آدمی (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) پر مجتمع فرما دیا تھا، یہ حدیث جمیدہ اسناد ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۵۵، ۲۵۱) تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۳۰، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۱۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا علیؓ کے ان اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ معاملہ امت کے اربابِ حل و عقد پر چھوڑ دیا تھا اور اہل حل و عقد نے متفقہ رائے سے اپنے میں سے بہترین شخص (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ (والتفصیل فی ازالۃ الخفاء عن خلافة الخلفاء و قرة العینین فی تفصیل الشیخین کلاهما من تصانیف حکیم الامت الدہلویؒ)

عن کواہلہما کالحنظل - (ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۶۱، ازالۃ الخفاء جلد ۳ صفحہ ۲۸۳)

تاریخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

معاویہؓ کی بیعت سے ناگواری محسوس نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ رامت میں اس قدر بد نظمی ہو جائے گی (لوگوں کے سر حنظل کی طرح شانوں سے کٹ کٹ کر گریں گے۔“

شیعانِ حسنؓ کی مخالفت

اس بات کا اعلان کرنا ہی تھا کہ تمام شیعانِ علیؓ ماہی بے آب کی طرح تلملائے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کے خلاف جس سازش کا انہوں نے آغاز کیا تھا سیدنا حسنؓ کی اس تدبیر سے اس کا بیک قلم خاتمہ ہو جائے گا انہوں نے سمجھا کہ سیدنا علیؓ نے شاید یہ نصیحت ہمارے عدم تعاون کی وجہ سے فرمائی ہوگی، لہذا انہوں نے سیدنا حسنؓ سے تعاون کا وعدہ فرمایا اور چند ہی روز میں کئی ہزار فوج آپ کے گرد جمع ہو گئی اور آپ کو سیدنا معاویہؓ کے ساتھ لڑائی کے لیے بادلِ نحواستہ آمادہ کر لیا۔

جنگِ صفین کے اختتام کے بعد سیدنا معاویہؓ مستقل طور پر دمشق ہی میں سکونت پذیر تھے اور یہاں سے آپ کسی بھی جنگ وغیرہ کے لیے باہر نہ نکلے تھے لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ شیعانِ علیؓ نے اب پھر سیدنا علیؓ کی طرح سیدنا حسنؓ کے گرد ہالہ بنا لیا ہے اور ان کو جنگ کے لیے اکسار رہے ہیں تو آپ نے بھی مدافعتی طور پر اپنی منتشر فوج کو جمع کیا اور عراقیوں پر رعب ڈالنے کے لیے دمشق سے باہر نکل کر عین التمر اور مدائن کی جانب بڑھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ لڑنے کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ کا نکلنا صرف مدافعتی تھا کیونکہ آپ شروع ہی سے جارحانہ پالیسی کے سراسر خلاف تھے اور اب بھی آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔

سیدنا علیؓ کی شہادت سے قبل چالیس ہزار آدمیوں نے موت پر سیدنا علیؓ کی

بیعت کی ہوئی تھی، جب سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کی نیت میں بالکل کسی سے لڑنا نہیں تھا بلکہ

قیس بن سعدؓ نے جو آذربائیجان کے گورنر تھے، اصرار کیا کہ اہل شام سے لڑائی پھر چھڑی جائے، آپ نے یہ سنتے ہی قیسؓ کو معزول کر کے عبید اللہ بن عباسؓ کو ان کے بجائے آذربائیجان کا گورنر بنا دیا لیکن آپ کے لشکر ہی آپ کی رائے پر غالب آگئے اور آپ کو جنگ کی تیاری کے لیے مجبور کر لیا، بادلِ نخواستہ آپ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا، قیس بن سعد بن عبادہؓ کی زیرِ قیادت ۱۲ ہزار لشکریوں کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا اور خود اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

جب آپ مدائن پہنچے تو آپ کی فوج میں کسی نے مشہور کر دیا کہ سیدنا قیسؓ قتل کر دیئے گئے ہیں، بس اس خبر کا اڑنا تھا کہ آپ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگوں نے سیدنا حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اُسے چھین لیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۳، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۶۸)

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ قیس بن سعد کے جانے کے بعد آپ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور کوئی آدمی بھی جنگ میں شریک ہونے کو تیار نہ تھا، آپ نے ان کو بہتیری و عطا و نصیحت کی اور ہر قسم کی ترغیب دی لیکن وہ اُس سے مس نہ ہوئے، آخری عدی بن حاتم نے اُٹھ کر ڈانٹا، اُن کے ڈانٹنے پر کچھ لوگ تیار ہوئے لیکن دوسرے ہی روز جب لشکر کے چلنے کا وقت آیا تو ان میں سے اکثر بھاگ گئے، یہ دیکھ کر سیدنا حسنؓ

اے اگرچہ بعد میں آپ کی فوج کی اکثریت نے آپ سے یوفا کی پھر بھی چالیس ہزار نفوس آپ کے لیے مرنے مارنے پر تیار تھے، لیکن آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے کام آئے بغیر کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے لہذا آپ چند شرائط پر سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ (تہذیب الاسلام جلد ۱ ص ۱۵۹)

جس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ سطور میں آ رہا ہے۔

نے فرمایا :-

”مجھے فریب دیا جس طرح تم نے اپنے پہلے امام کو فریب دیا اور نہیں معلوم کہ میرے
بعد تم کس امام سے مقابلہ کرو گے“ (جلاء العیون باب فضل ۵ ص ۳۱۲)
آپ نے اپنی فوج کا جب یہ رنگ دیکھا تو فوراً باب کی نصیحت یاد آگئی اور آپ سیدنا
معاویہؓ سے صلح کرنے پر تیار ہو گئے۔

سیدنا حسنؓ کے ساتھیوں کی منافقت

اگرچہ آپ کو پہلے ہی سے اپنے شیعوں کی بے وفائی کا یقین تھا لیکن آپ پھر بھی ان
کے یقین دلانے پر بلکہ اتمام حجت کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقابلے میں آگئے مگر ابھی
مقابلہ کی نوبت بھی نہیں پہنچی تھی اور آپس میں دونوں فوجوں کا آمتاسا متنا بھی نہیں ہوا تھا کہ
آپ کے شیعوں اور ساتھیوں نے آپ کے ساتھ بے وفائی کرنی شروع کر دی بلکہ
یہاں تک کرنا شروع کر دیا کہ دن میں آپ کے لشکر میں ہوتے اور رات سیدنا معاویہؓ
کے لشکر میں گزارتے۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا ارادہ ہرگز جنگ کرنے کا نہیں تھا،
اور اگرچہ جنگ سفین ہو بھی چکی تھی پھر بھی آپ کے قلب میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ اور
خاندان رسالتؑ کے دوسرے افراد کا بھی اسی طرح احترام تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانے میں تھا، آپ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اسلام میں فتنہ
پھیلانے والے اور باہر سے تحب علیؓ اور اندر سے بغض علیؓ کا مظاہرہ کرنا والے لوگ
خاندان رسالت کو اس طرح ذلیل و خوار کریں کہ ان کا کوئی پرسان حال تک نہ ہو۔

چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے آپ کی خیر خواہی اور اطلاع کے لیے سیدنا حسنؓ کو خط لکھا
کہ حضرت! یہ لوگ جو آپ کے سامنے تو آپ کی محبت اور خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی
جان تک آپ پر بچھاؤ کرنے کو تیار ہوتے ہیں یہ رات میرے لشکر میں گزارتے ہیں اور

میرے سپاہیوں کو آپ کے خلاف اُکساتے ہیں گویا کہ یہ لوگ آپ کے لیے مارا ستین ہیں آپ ان سے بچ کر رہیے اور ان کے دام فریب میں نہ آئیے، یہ بات آپ نے اٹکل بچو ہی سے نہیں کی تھی بلکہ ایسے منافقین کے ناموں کی مکمل فہرست بھی آپ کے پاس بھیج دی، چنانچہ شیعوں نے مؤرخ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:-

”معاویہؓ نے دوسرا خط امام حسنؓ کے پاس بھیجا اور فہرست اسماء منافقین اصحاب آنحضرت (سیدنا حسنؓ) جنہوں نے اسے (سیدنا معاویہؓ کو) لکھا تھا اور اظہار اطاعت و انقیاد کیا تھا اور اپنے نامہ میں ملفوف کر کے حضرت حسنؓ کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ تمہارے اصحاب نے تمہارے باپ سے موافقت اور تعاون نہ کیا اور تم سے بھی موافقت و تعاون نہ کریں گے“ (جلد العیون باب فصل ۵ ص ۳۱۲)

سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ سے صلح پر آمادگی

اپنے شیعوں اور شکریوں کی نامساعدت اور عدم تعاون کو دیکھ کر آپ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے کا تہیہ کر لیا، لہذا آپ نے اپنے لشکریوں اور اصحاب کو جمع کیا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

”لوگو! مخلوق خدا پر اللہ کے فضل سے میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں اور کسی مسلمان کی طرف سے میرے قلب میں کوئی کینہ نہیں اور نہ ہی کسی طرف سے میرے دل میں کوئی ارادہ بد ہے میں تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں امید ہے کہ تم اسے ستر نہ نہیں کرو گے جس اتحاد و یکجہتی کو تم لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے بدرجہا بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ

جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہو لہذا میں تمہاری مرضی کے برعکس نہیں مجبور نہیں کرتا چاہتا ہے (جلال العیون باب فصل ۳۱۳، اخبار الطوال ص ۲۱۴) چنانچہ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مجلس میں ایک بلچل مچ گئی، سبائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور سیدنا حسنؑ کے خلاف بلوہ کر دیا۔ شیعی مجتہد ملا باقر مجلسی کی زبانی ہی اس واقعہ کو سنئے :-

جب منافقین نے یہ کلام حضرت سے سنا تو ایک دوسرے پر نظر کی اور کہا اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہ سے صلح منظور ہے اور چاہتے ہیں کہ منصب خلافت معاویہ کو دیدیں پس سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاذا اللہ یہ شخص اپنے باپ (سیدنا علیؑ) کی طرح کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوہ کیا اور آپ کا سب اسباب ٹوٹ لیا، یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور چادر دوش مبارک سے اتار لی، پس امام حسنؑ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے اور اہل بیت آنحضرت نے تھوڑے سے شیعوں کے

لے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح کو آپ نے اپنے لشکر کے سامنے پہلے بطور تجویز پیش فرمایا کیونکہ آپ اس کا رد عمل دیکھنا چاہتے تھے، اس سے قبل کے حالات آپ کے سامنے تھے کہ یہ لوگ معمولی بات پر آتش برپا ہو جاتے تھے، سیدنا علیؑ کے زمانہ میں ان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے تھے بلکہ کچھ عرصہ چلاتے بھی رہے۔ اب اگرچہ مالک الاشتر، حکیم بن حبیلہ، کنانہ بن بشر اور سبائی تحریک کے دوسرے بڑے قائدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سبائیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ نے پھر بھی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے پہلے بطور تجویز اس صلح کو پیش کیا، اس پر بھی لشکر میں ایک شدید رد عمل ہوا لیکن بہر حال اس پر قابو پایا گیا اور سیدنا حسنؑ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے۔ (۴، ۱، ظ)

۲۔ خطبہ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت میں تشتت و افراق کی پالیسی ساری کی ساری انہیں لوگوں کی وضع کردہ تھی جو سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد سیدنا علیؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے، ان لوگوں نے سیدنا علیؑ کی موافقت صرف اس لیے کی تھی تاکہ اُمت دو گروہوں میں بٹی رہے، سیدنا حسنؑ کو اس بات کا احساس تھا چنانچہ آپ اپنے ابا کی زندگی میں بھی کئی بار ان کو اس بارہ میں بڑے مفید مشورے دے چکے تھے۔ (۴، ۱، ظ)

ہمراہ حضرت کو درمیان میں لے لیا اور جب سبابا طے سے مدائن پہنچے تو خراج بن
سنان اسدی شقی نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور خنجران مبارک
پر مارا کہ ہڈی تک شکاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا
(معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو،

(جلد العیون باب فصل ۵ ص ۳۱۳، اخبار الطوال ص ۲۱۴)

اگرچہ آپ پر خنجر سے وار کیے گئے اور آپ کا مال و متاع سب لوٹ لیا گیا لیکن آپ
بھی اپنے عزم کے پکے تھے کیونکہ ایک تو آپ کے ابا جان آپ کو وصیت کر گئے تھے کہ
میرے بعد معاویہؓ سے صلح کر لینا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، الاصابہ جلد ۶ ص ۱۱۲،
شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳) دوسرے اپنی صلح جو یا نہ اور امن پسندانہ طبیعت کے
پیش نظر آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی جمیعت پراگندگی سے بہتر ہے۔
(جلد العیون باب فصل ۵ ص ۳۱۳)

اے سیدنا معاویہؓ کو کافر کہنے والے ذرا اپنے سابقین کے اس جملہ کو ملاحظہ فرمائیں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی ان کی
مرضی کے خلاف کوئی بات کی وہی ان کے نزدیک کافر اور گردن زدنی ہو جاتا ہے خواہ وہ معاویہؓ ہوں یا حسنؓ؛
اے جلد العیون کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے اختلاف کے باوجود سیدنا حسنؓ پھر بھی سیدنا
معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان ہی سمجھتے تھے اور ان کو آجکل کے مجانب علی کی طرح دائرہ اسلام سے
فارغ نہ سمجھتے تھے۔ یہی حال سیدنا علیؓ کا تھا وہ بھی سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ: ”نہ ہم
ایمان باللہ اور تسبیح بالرسالت میں معاویہؓ سے زیادہ ہیں اور نہ معاویہؓ ہم سے۔“ (منہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۱۸)
اور یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہؓ کو مسلمان کیوں نہ سمجھتے جبکہ ان کے اور ہمارے آقا و مولا سیدنا و سیدہ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے متعلق مومن کا لفظ استعمال فرما چکے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے :-

ان ابی ہذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین
فتین عظیمین من المسلمین -
میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے
دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(بخاری جلد ۳ ص ۲۴۵، جلد ۲ ص ۵۳، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۶، ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۱۲، ۲۱۱،
مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۷۱)
(باقی حاشیہ لکھے صفحہ سپریم)

مسلمانوں کی گزشتہ پانچ سالہ تاریخ آپ کے سامنے تھی کہ جبل و صفین میں کس طرح مسلمانوں کے خون کی ازرانی ہوئی، ملتِ اسلامیہ کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہوئی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں مستقبل میں بھی مسلمانوں کے خون سے دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی حنا بندی نہ ہو۔ آپ یہ بھی سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہؓ کا کیا مقام ہے اور اس وقت ملتِ اسلامیہ کو ان کی خدمات کی کس قدر ضرورت ہے! لہذا آپ نے امت کی خیر خواہی کے لیے منصبِ خلافت سے دستبرداری کا مصمم ارادہ فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ)
اس حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ جن دو گروہوں کے مابین سیدنا حسنؓ مصالحت کر لیں گے وہ دونوں مسلمان ہوں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی سیدنا حسنؓ ہی کی خلافت میں پوری ہوئی جبکہ آپ نے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح فرما کر مسلمانوں کو آپس میں کئی سال کی خانہ جنگیوں سے نجات دلائی اور ان لوگوں کو قاتل و غاسر کر دیا جو سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:-

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا
فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا
عَلَى الْأُخْرَىٰ فَفَاكِلُوا إِلَيْهَا تَبْغِي حَتَّىٰ
تَفْقِدَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَازَتْ فَأَصْلَحُوا
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

(سورۃ الحجرات آیت ۹) کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی آپس کی ناچاقی خواہ قتل و خوریزی تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

اوپر والی بیان کردہ حدیث کی شرح میں علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-
یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دونوں فریق باوجودیکہ ایک
دلِ الحدیث علیٰ ان کلا الفریقین کا نا علیٰ
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احباب سے مشورہ

چند روز بعد آپ نے اپنے تایا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار سے اس ارادہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا :-

”بھیا! میں نے ایک رائے قائم کی ہے اس بارہ میں میں تم سے مشورہ لیتا ہوں امید ہے کہ تم ضرور میری تائید کرو گے۔ دیکھئے ملک میں فتنہ و فساد کی آگ برابر بڑھ رہی ہے، کشتی ملت منجھار میں، بچکولے کھا رہی ہے، جل و خفین کے میدان مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن چکے ہیں، آپس کے تعلقات کا کوئی پاس نہیں رہا، راستوں میں سے امن و امان اٹھتا جا رہا ہے، سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں لہذا میں مسند خلافت کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلا جانا چاہتا ہوں۔“

(ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۱۲، التہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۹)

ان کے علاوہ اور حضرات سے بھی آپ نے مشورہ کیا ہر ایک نے یہی کہا کہ: امیر المؤمنین! آپ ہم سے اس معاملہ میں بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کی طبیعت سے ہر ایک واقف ہے اور آپ کی اس روش سے بھی آشنا ہے جو سیدنا معاویہؓ کے متعلق سیدنا علیؓ کے زمانہ میں آپ کی تھی، آپ اُس وقت بھی جنگ و قتال کے سخت خلاف تھے، آپ کی اُس وقت بھی

(لقبہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

ملت الاسلام مع کون احد ہما مصیبتہ
والاخری مخیبتہ و صلح الحسن مع
معاویہ و استقرار دواہ علی ذلک دلیل
علی صحۃ امارتہ۔ (اشعۃ)

اجتہاد دی غور پر راہ صواب پر تھا اور دوسرا راہ خطا پر
ملت اسلام پر ہی تھے اور سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ
کے ساتھ صلح اور اس پر آپ کا استقرار و دوام اس بات
کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح تھی۔

ایسا ہی آپ نے مشکوٰۃ کی شرح فارسی ”اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۸۸“ پر لکھا ہے۔ اور شیخ الاسلام علامہ

ابن تیمیہؒ نے بھی ”منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۲۲“ پر اس کی تائید فرمائی ہے۔

یہی پالیسی تھی کہ اختلافات کا فیصلہ جنگ و قتال کے بجائے مشورہ و مصالحت سے کیا جائے، اپنے آبا کے زمانے میں آپ نے ان کو بھی ہمیشہ جنگ و قتال سے روکا لیکن اس زمانے میں سیاٹی لیڈروں مالک الاشتر، کنانہ بن بشر اور حکیم بن جبلة وغیرہ کی وجہ سے آپ کے مشورے درخور اعتناء نہیں سمجھے جاتے تھے، آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیدنا علیؑ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے جنگ کرنے کے لیے یا ہر نکلیں یا مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنائیں، اب جبکہ اقتدار کی کلید آپ کے اپنے ہاتھ میں آئی ہے اور صلح و جنگ کے کئی اختیارات آپ کو تفویض ہوئے ہیں تو آپ اپنے ان ارادوں کو جامہ عمل پہناتا چاہتے ہیں جو مالک الاشتر، کنانہ بن بشر، عبداللہ بن سبار، حکیم بن جبلة وغیرہ المحرضین علی القتال کی وجہ سے سیدنا علیؑ کے زمانے میں صرف تجاوز اور مشوروں کی حد تک رہے۔“

”وَكُنَّا لَكَ الْحَسَنَ دَائِمًا يَشِيرُ عَلَى أَبِيهِ وَآخِيهِ بِتَرْكِ الْقِتَالِ وَلَمَّا صَادَرَ الْأُمُورَ إِلَيْهِ تَرَكَ الْقِتَالَ وَاصْلَحَ اللَّهُ بَيْنَ الطَّائِفَتَيْنِ الْمُقْتَتِلَيْنِ وَعَلَىٰ فِي الْآخِرِ كَمَا مَرَّتَيْنِ لَهُ أَنَّ الْمَصْلَحَةَ فِي تَرْكِ الْقِتَالِ أَعْظَمُ مِنْهَا فِي فِعْلِهِ“ (منهاج السنة ج ۲ ص ۲۴۳)

اور اسی طرح سیدنا حسنؑ اپنے آبا اور بھائی کو ہمیشہ یہی مشورہ دیتے تھے کہ جنگ و قتال چھوڑ دیا جائے لیکن ان کی بات نہیں مانی جاتی تھی، جب زمام حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے جنگ بند کر دی اور اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے آپس میں جنگ و جدل کرنے والے دو گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے صلح کرادی اور خود سیدنا علیؑ کو بھی آخر الامر اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جنگ بند کرنے میں (امت کیلئے) زیادہ بہتری ہے بجائے جنگ کرنے کے۔“

سیدنا حسینؑ سے مشورہ

آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؑ سے بھی اس بارے میں مشورہ فرمایا کہ میں معاویہؓ

سے صلح کرنا چاہتا ہوں، آپ کو یہ بات بہت شاق گذری اور اپنے بھائی کا یہ ارادہ آپ کو درست نظر نہ آیا، آپ نے سیدنا حسنؑ پر زور دیا کہ وہ سیدنا معاویہؓ اور اہل شام سے جنگ و قتال کریں، لیکن سیدنا حسنؑ اپنے بھائی کی جذباتی طبیعت سے بخوبی آشنا تھے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رائے ان کی اپنی نہیں بلکہ اور لوگوں کی ہے مگر نکل ان کے منہ سے رہی ہے، لہذا آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؑ سے فرمایا :-

”وَاللّٰهُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَسْجُنَكَ فِي بَيْتٍ وَّاطْبِقَ عَلَيْكَ بِابٍ مَّحْشِيٍّ
اَفْرَغَ مِنْ هَذَا الشَّانِ ثُمَّ اَخْرَجَكَ فَلَمَّا رَأَى الْحُسَيْنَ ذَلِكَ سَكَتَ

وسلّم۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۳)

بخدا اگر تم نے میرے اس ارادے کی مخالفت کی تو میں تم کو گھر میں قید کر دوں گا اور گھر کا دروازہ اس وقت تک تم پر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اس کلمہ (معاویہؓ سے صلح) سے فارغ نہ ہو جاؤں، پھر تمہیں باہر نکالوں گا، حسینؑ نے جب بھائی کا یہ عزم دیکھا تو خاموش ہو گئے اور بھائی کی رائے کو تسلیم کر لیا۔

ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۸ پر بھی سیدنا حسینؑ کی مخالفت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے معاویہؓ سے صلح کرنے پر کی۔ ایسے ہی طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۶۱ پر بھی مرقوم ہے۔

غرض کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حالات کا پورا جائزہ لیا اور اپنے گروہ مخالفوں کے پہاڑ دیکھے، خود اپنے بھائی کو بھی اپنا مخالف پایا لیکن آپ اپنے عزم کو بہر صورت پورا کرنا چاہتے تھے اور سازشوں اور بُرے منصوبوں کی اُس باڑ کو توڑنا چاہتے تھے جو دشمنانِ اسلام نے دو مسلمان گروہوں کے ارد گرد گار کھی تھی، چنانچہ آپ نے نہایت سوچ و فکر کے بعد چند شرائط کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مسندِ خلافت سے دستبرداری کا اعلان فرما دیا۔

سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش

بخاری اور تواریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی صلح کے متعلق پہلے سیدنا معاویہؓ ہی نے پیشکش فرمائی تھی۔ اس سے قبل بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ صفین کے موقع پر آپ کی بالکل خواہش نہیں تھی کہ جنگ کی جائے، آپ میدانِ صفین میں صرف دفاع کے لیے آئے تھے۔ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

”ولہ یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یكون قتالٌ وکان غیرہ احد ص علی القتال منہ۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)
سیدنا معاویہؓ جنگ کی ابتداء کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسری پارٹی جنگ کی خواہاں تھی۔“
اس چیز کا ثبوت سیدنا معاویہؓ نے ایک تو جنگِ صفین کے موقع پر دیا جب آپ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر قرآنِ پاک کو نیروں پر اٹھاتے ہوئے فرمایا تھا :-
”هذا حکم کتاب اللہ عزوجل بیننا و بینکم من لتغور الشام بعد اہلہ ومن لتغور العراق بعد اہلہ“ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۶۱)
یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے مابین ثالث ہے اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا اور اہلِ عراق کے ختم ہو جانے کے بعد عراق کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا؟“
مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کیے ہیں :-

”ومن لجہاد الروم ومن للترك ومن للکفار۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۶۱)
رومیوں سے جہاد کون کرے گا اور ترکوں اور اہلِ کفر سے کون برسرِ پیکار ہوگا؟“
اُس وقت آپ کی اپیل پر جنگ بند ہو گئی اور اس معاملہ کو صلح و امن سے نبٹانے

کی کوششیں شروع ہو گئیں جو بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔

اس سے قبل بھی آپ نے بہت کوشش کی تھی کہ بغیر خون بہے معاملہ کا تصفیہ ہو جائے لیکن آپ مصالحت کی جو بات بھی کرتے سبائی لیڈر مالک الاثر، کنانہ بن بشر جیسے لوگ سیدنا علیؑ کو اپنے سیاسی زور کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کی کوئی بات سننے نہیں دیتے تھے اور اگر آپ سن لیتے تو اس کی اس طرح تاویل کر کے آپ کو بتاتے کہ آپ اس کو معاویہؓ کے اخلاص پر مبنی نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اب ماحول بالکل تبدیل ہو چکا تھا، سیدنا حسنؑ کے مندرائے خلافت ہونے سے پہلے ہی تمام سبائی گھاگ اگلی دنیا میں پہنچ چکے تھے، اب معاویہؓ کے مشوروں کی قبولیت کے راستے میں روڑے اٹکانے والا کوئی موجود نہیں تھا لہذا اب ہر مشورہ بغیر کسی تاویل کے امیر المؤمنین سیدنا حسنؑ کے کانوں تک پہنچتا۔

جنگ صفین میں جبکہ لڑائی کی آگ بھڑک چکی تھی، سیدنا معاویہؓ نے اپنے تدبیر اور حکمت عملی سے اس کو ٹھنڈا کیا لیکن اب جب پھر جنگ کے انگاروں کو سلگتے دیکھا تو آپ نے ان کو اپنی حکمت عملی سے اس طرح ٹھنڈا کیا کہ پھر یہ آگ بھڑکنی تو درکنار سلگ بھی نہ سکی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ نے فرمایا :-

”استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتاب امثال الجبال فقال عمرو بن العاص اني لارى كتاب لا تولي حتى تقتل اقرانها فقال له معاوية..... ان اقتل هؤلا وهؤلا وهؤلا وهؤلا من لي بامور الناس من لي بنسائهم من لي بضيعتهم فبعث اليه رجلين من قریش من بني عبد شمس عبد الرحمن بن سمرة وعبد الله بن عامر فقال اذهبا الى هذا الرجل فاعرضا عليه وقولا له واطلبا اليه فاتيا به قد خلا عليه فتكلما وقالاه وطلبا اليه فقال لهما الحسن بن علي انا بنو عبد المطلب قد اصينا من هذا المال وان هذه الامة قد عانت في دماؤها قالافانه يعرض عليك كذا وكذا

وَيُطْلَبُ إِلَيْكَ وَيُسْأَلُكَ قَالَ فَمَنْ لِي بِهِذَا قَالَ تَحْنُ لَكَ بِهِ
فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالَ تَحْنُ لَكَ بِهِ فَصَالِحُهُ قَالَ الْحَسَنُ
وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى الْمُنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَقْبَلُ عَلَى النَّاسِ
مَرَّةً وَعَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُولُ إِنَّ ابْنِي هَذَا أَسِيدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ
أَنْ يَصْلَحَ بِهِ بَيْنَ قَتْنَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ -

(بخاری شریف ج ۳، ص ۳۷۲، ج ۲ ص ۱۵۳)

خدا کی قسم سیدنا حسن بن علیؑ سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح
فوجیں لے کر آئے تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میں یہ فوجیں ایسی دیکھ
رہا ہوں جو اپنے برابر والوں کو جب تک نہ مار لیں گی پیچھے نہ پھیریں گی،
سیدنا معاویہؓ نے ان سے کہا اگر انہوں نے ان کو مار لیا انہوں نے ان کو
تو ان کے امور کا کون ذمہ دار ہوگا اور ان کی عورتوں کی کون خبر گیری کرے گا
اور ساز و سامان کا کون ذمہ دار ہوگا؟ پس انہوں نے قریش کے دو آدمی
جو بنی عبد شمس میں سے تھے عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو سیدنا حسنؑ
کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کے پاس جا کر صلح کی پیشکش کرو اور ان سے گفتگو کرو
اور جو کہیں وہ مان لو، پس یہ دونوں ان کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کر کے
صلح کر طلبگار ہوئے، سیدنا حسنؑ نے فرمایا ہم عبد المطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں
مال خرچنے کی عادت ہو گئی ہے اور ہمارے ساتھ جو یہ لوگ ہیں یہ خون خرابہ
کرنے میں طاق ہیں (یعنی بغیر روپیہ دیئے ماننے والے نہیں) انہوں نے کہا
کہ معاویہؓ آپ کو اتنا روپیہ ضرور دیں گے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں
جو آپ چاہیں وہ منظور کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اس کی ذمہ داری کون
لیتا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں، آپ نے جو کہا انہوں نے
یہی کہا کہ ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں، پس آپ نے معاویہؓ سے صلح کر لی۔

حسن بصریؒ نے کہا کہ میں نے ابوبکرؓ (صحابی) سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ حسن بن علیؓ آپ کے پہلو میں تھے، آپ کبھی لوگوں کی طرف منہ کرتے اور کبھی سیدنا حسنؓ کی طرف اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امیر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا،

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ صفین کی طرح اب بھی صلح کی پیشکش میں پہل سیدنا معاویہؓ کی طرف سے ہوئی اور آپ ہی نے فوجوں کے ٹھٹ دیکھ کر صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کے تحفظ کے لیے صلح پر آمادگی کا اظہار کیا اور اپنے دو سفیروں کو سیدنا حسنؓ کی خدمت میں بھیجا، چنانچہ خاتمہ الحفظ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدث ابن بطلال کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:-

”هذا يدل على ان معاوية كان هو الراغب في الصلح وانما عرض على الحسن المال ورغبة فيه وحته على رفع السيف وذكر ما وعد به جده صلى الله عليه وسلم من سيادته في الاصلاح - (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۴)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معاویہؓ ہی (پہلے) صلح پر راغب تھے اور انہوں نے حسنؓ پر مال کی پیشکش کی اور اس کے قبول کرنے کی آپ کو ترغیب دی اور تلوار کے روکنے کو کہا اور آپ کو آپ کے نانا کی وہ بیگونی یاد دلائی جس میں ان کی سیادت میں اصلاح کے متعلق فرمایا گیا تھا،

بہر حال آپ نے مسلمانوں کے خون کے تحفظ کے لیے صلح کی پیشکش فرمائی اور سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی اس کے خواہاں تھے لہذا پیشکش فوراً قبول ہوئی اور ربیع الاول ۴۱ھ کو مندرجہ ذیل شرائط پر ایک تحریری معاہدہ مرتب ہوا۔

صلح کی شرائط

جیسا کہ بخاری کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے عبدالرحمن بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عامر بن کریرہؓ کو کئی اختیارات دے کر سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجا تھا ان دونوں حضرات نے آپؐ سے گفتگو کی اور سیدنا حسنؓ صلح پر راضی ہو گئے لیکن شرائط کی منظوری کا ضامن مانگے ان دونوں نے ضمانت دی، چنانچہ سیدنا حسنؓ نے یہ شرائط ایک کاغذ پر لکھ کر ان دونوں کے ہاتھ سیدنا معاویہؓ کے بھیج دیں جو سیدنا معاویہؓ نے فوراً قبول کر لیں، وہ شرائط حسب ذیل تھیں:-

(۱) سیدنا معاویہؓ کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے صالحینؓ

اے "سیرت خلفائے صالحین" کے الفاظ صرف شیعہ مؤرخؓ ملاً باقر مجلسی نے نقل کیے ہیں اور اسی مؤرخ نے اپنی فارسی تصنیف "جلاء العیون" میں اس کا ترجمہ "سیرت خلفاء ثلاثہ" کے الفاظ میں کیا ہے۔ فتح الباری میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے الفاظ ابن بطلال کے حوالہ سے نقل کیے گئے ہیں۔ شیعہ مؤرخؓ کے "سیرت خلفائے صالحین" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافتوں کو بالکل صحیح سمجھتے تھے اور ان کو خلفائے صالحین میں شمار کرتے تھے اور ان کی سیرت کے مطابق امور خلافت کے چلانے کو عین سعادت تصور کرتے تھے، تبھی تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ ان کی سیرت پر چلنے کی شرط بھی آپؐ نے سیدنا معاویہؓ سے لکھوائی۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خلفائے صالحین سے مراد اصحاب ثلاثہ نہیں ہیں، اگر اس سے مراد یہ حضرات نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ وہ کون ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "خلفائے صالحین" کہلائے؟ اور اگر کہا جائے کہ اس سے مراد سیدنا علیؓ ہیں، تو وہ تو ایک تھے اور یہاں "خلفاء" جمع کا لفظ ہے جو کم سے کم تین پر دلالت کرتا ہے، لہذا اصح یہی ہے کہ اس سے مراد خلفاء راشدین سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ ہیں۔ اور جو اصحاب ثلاثہ کو خلفائے صالحین کے زمرہ سے نکالتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ سیدنا حسنؓ نے یہ شرط اپنے جد امجد جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے مطابق خلافت کے امور کو سرانجام دیں گے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴ طبع ایران،
جلد العیون ص ۳۱۵ کلاہما من تصانیف ملا باقر مجلسی اشعری، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۳ ص ۵)
بحار الانوار کے الفاظ یہ ہیں :-

”صَلَّحَهُ عَلَىٰ أَنْ يَسْلُمَ عَلَيْهِ وَلَا يَتَّخِذَ أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ عَلَىٰ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِمْ بِكِتَابِ
اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ وَسِيرَةِ الْخُلَفَاءِ الصَّالِحِينَ۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴، ایران)
سیدنا حسنؑ نے سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کرتے ہوئے اس شرط پر خلافت
ان کے سپرد کی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے صالحین
کی سیرت کے مطابق امور خلافت کو چلائیں گے۔“

(۲) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیا جائے۔ (طبری جلد ۷ ص ۴۱، فتح الباری جلد ۲
ص ۴۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴، ص ۴۱)

(۳) دارا بجزد کا کل خراج آپ کو دیا جائے۔ (ایضاً)
ابن الاثیر، طبری وغیرہ نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ: ”سیدنا علیؑ پر برسر عام سب و
شتم نہ کیا جائے۔“

یہ شرط سرسمر غلط ہے نہ تو سیدنا معاویہؓ کے ہاں سیدنا علیؑ پر سب و شتم ہوتا تھا اور
نہ سیدنا حسنؑ نے اس فعل کو برسر عام کرنے کی ممانعت کی شرط لکھوائی تھی، سیدنا حسنؑ اگر یہ شرط

واقیہ حاشیہ از ہفتہ گذشتہ کرتے ہوئے لکھوائی تھی کیونکہ آپ نے پوری امت کو ان کی سیرت اور سنت کی تابعداری کا
حکم فرمایا تھا۔ عَلَیْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ بِالتَّائِيْدِیْنِ الْمَهْدِیَّتَيْنِ (ترمذی جلد ۲ ص ۹۲)
ابوداؤد جلد ۲ ص ۴۹، ابن ماجہ شریف ص ۵، مسند احمد جلد ۴ ص ۲۴، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۵)

(حاشیہ صفحہ ۷۵۱) اے توار تخی میں آتا ہے کہ دارا بجزد کے لوگوں نے سیدنا حسنؑ کے خلافت سے دستبردار
ہونے کے بعد خراج دینا بند کر دیا، لیکن سیدنا معاویہؓ چونکہ شرائط میں یہ لکھ کر دے چکے تھے اس لیے
آپ اپنی شرط کے ایفاء میں اس کے عوض میں اپنے پاس سے ساٹھ لاکھ درہم اور اسی کے علاوہ دوسرے تحائف
اور ہدیے ادا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴)

لکھواتے تو ایسے نہ لکھواتے کہ برسرِ عام سب و شتم نہ کیا جائے، بلکہ یہ لکھواتے کہ مطلقاً سب و شتم نہ کیا جائے۔ شرط میں ”برسرِ عام“ کی قید صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ شرط بعد کے ذہنوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اُس وقت سیدنا معاویہؓ آپ کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھے اور سیدنا معاویہؓ کے دونوں بیوروں نے اس بارہ میں آپ کو یقین بھی دلایا تھا۔ ان حالات میں اگر واقعی سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرتے تھے تو سیدنا حسنؓ کو یہ شرط رکھنی چاہیے تھی کہ سیدنا علیؓ پر مطلق سب و شتم نہ کیا جائے لیکن تواریخ میں ایسا نہیں ہے، اور طبری نے جو اسے نقل کیا ہے وہ صرف اپنے میلانِ تشیع کی وجہ سے نہ کہ حقیقت کی بناء پر، اور دوسرے مؤرخین نے صرف طبری کی متابعت میں اسے نقل کر دیا ہے۔

اس کے برعکس تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سب و شتم کا یہ سلسلہ خود سیدنا علیؓ کے لشکر میں جاری تھا، آپ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے فوراً ایک گشتی مراسلہ (CIRCULAR) جاری فرمایا جس میں سیدنا معاویہؓ کی فضیلت اور اسلام میں ان کا مقام بتلا کر اپنے لشکریوں کو اس قبیح فعل سے منع فرمایا۔

ہنج البلاغہ کے خطبوں میں آپ کا ایک مراسلہ اسی سے متعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:-

”ہمارا معاملہ اس طرح شروع ہوا کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا رسول ایک اور ہماری اور ان کی اسلام کے متعلق دعوت ایک ہے، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس معاملہ ایک ہی ہے مگر یہ کہ ہم میں اور ان میں صرف عثمانؓ کے خون کی بابت اختلاف ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں“

(ہنج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۸)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہؓ،

سیدنا عمرو بن العاصؓ اور ان کے دیگر رفقاء پر سب و شتم اور لعن و طعن کرتے تھے بلکہ نمازوں میں بھی ان پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ طبری نے نقل کیا ہے کہ تحکیم کے فیصلہ کے بعد ابن عباسؓ اور شمر بن ہانیؓ سیدنا علیؓ کے پاس چلے گئے، اب ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ فجر کی نماز میں معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوالاعور السلمیؓ، حبیبؓ، عبدالرحمن بن خالد بن ولیدؓ، صہبائی بن قیسؓ اور ولید بن عقیلؓ بھیجتے۔ جب سیدنا معاویہؓ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی علیؓ، ابن عباسؓ، مالک الاشترؓ، حسنؓ اور حسینؓ پر سب و شتم شروع کر دیا۔
(طبری جلد ۶ صفحہ ۱۶۸)

طبری ہی نے ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کو الفاجر بن الفاجر اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو الفاجر بن الکافر کہا۔
(طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

مصنف عبدالرزاق اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک شخص نے کہا :-

”اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما“

سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ شام والوں کو سب و شتم نہ کرو، کیونکہ :-

”فان بہا الابدال، فان بہا الابدال، فان بہا الابدال۔“

اہل شام میں ابدال ہیں، اہل شام میں ابدال ہیں، اہل شام میں ابدال ہیں۔“

(المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۹، تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۳۲۳،

البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲)

علاوہ ازیں اور بھی کئی کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدنا علیؓ کے ساتھی یعنی سبائی

اصحاب رسولؐ اور خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو سب و شتم کرتے تھے اور سیدنا علیؓ انہیں بار بار روکتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،

الامالی للشیخ طوسی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، طبری، ابن اثیر، البدایہ والنہایہ وغیرہم)

تواریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا علیؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدی اور

عمر بن الحق، سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس بات پر اُکساتے ہیں تاکہ وہ بھی اہل شام پر لغتیں بھیجیں اور سب و شتم کریں، آپ نے ان دونوں کو ایک آدمی کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ ان باتوں سے اپنی زبان کو روکیں۔ سیدنا علیؓ کا یہ پیغام سنکر وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم! یہ بالکل درست ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہمیں انہیں گالیاں دینے سے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ، بلکہ ایسا کہا کرو کہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خوریزی بند فرما اور ہمارے مابین اُلفت و محبت پیدا فرما اور ان کو راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرما یہاں تک کہ وہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔

(اخبار الطوال ص ۱۶۵، نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۱۲۲)

طبری کی سی روایات اگرچہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں لیکن وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ہم ان پر اعتبار کر کے صحابہ کے اخلاق کے بارہ میں اپنے ذہن کے گوشوں میں بدظنی کے جراثیم پالیں اور پھر صحابہ کے متعلق بدزبانی اور توہین و تنقیص آمیز کلمات سے کام لیں حقیقت یہ ہے کہ نہ سیدنا علیؓ سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کے بارہ میں کسی قسم کی گستاخی سے کام لیتے تھے بلکہ یہ گالیوں کا مشن سیدنا علیؓ کے اُن لوگوں کا تھا جو سبائی تحریک کے رکن تھے اور جنہوں نے خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا تھا، اور وہ بھی سیدنا معاویہؓ کو گالیاں سیدنا علیؓ رضی اللہ عنہ کی محبت کی وجہ سے نہیں دیتے تھے بلکہ اس وجہ سے دیتے تھے کہ قاتلان عثمانؓ سے سیدنا معاویہؓ قصاص لینا چاہتے تھے اور وہ خود قاتلان عثمانؓ تھے یا اُن لوگوں سے اُن کا تعلق تھا جو قتل عثمانؓ میں شریک تھے۔

بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے بعد سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ یہ شرط بھی بعد کے قہنوں کی وضع کردہ ہے۔ یعقوبی، طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر، مسعودی، ابن خلدون وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس کا بالکل تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ

ملا باقر مجلسی نے اس کے خلاف لکھا ہے اور آپ کے شکریوں کی طرف سے آپ پر یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی؟ (جلال العیون ص ۳۲۵) البتہ ابن عبد البر نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حسنؒ صرف معاویہؓ کی زندگی ہی تک کے لیے ان کے حق میں دستبردار ہوئے تھے۔ (الاستیعاب تذکرہ حسنؒ) لیکن ابن عبد البر کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا اس کو علماء کا متفقہ بیان کیسے کہا جاسکتا ہے؟ طبری، مسعودی، یعقوبی وغیرہ مؤرخین جو اپنی تواریخ میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات نقل کر دیتے ہیں وہ بھی اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں کرتے، یہ چیز اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسری دلیل اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے جب سیدنا معاویہؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شروع میں بعض حضرات نے اس کی مخالفت کی اور مخالفت کے حق میں اور سیدنا معاویہؓ کے خلاف دلائل بھی دیئے، اگر یہ شرط ہوتی تو یہ حضرات دوسرے دلائل کے ساتھ اس کو بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں پیش کرتے اور نہیں تو سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا حسینؓ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور اپنے دشمن کی تائید میں بہت سے دلائل دیئے اور یزید کی مخالفت کے اسباب بہت سے بیان کیے تو آپ نے اس شرط کو بطور دلیل کبھی پیش نہیں کیا کہ چونکہ میرے بھائی سیدنا حسنؓ سیدنا معاویہؓ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے، اس لیے اصولاً تواریخ کی رو سے ان کی جانشینی کا حق مجھے یا ان کی اولاد کو پہنچتا ہے، حالانکہ یہ دلیل یزید کی حکومت کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل تھی۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے اور یہ روایت صرف مخالفین معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ کی وفات میں سیدنا معاویہؓ کا ہاتھ ثابت کرنے کے لیے وضع کی ہے، وہ اس طرح کہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سیدنا حسنؓ صرف سیدنا معاویہؓ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور سیدنا معاویہؓ اپنے خاندان میں حکومت چاہتے تھے تو پھر ان دونوں مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ نکل آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ

کو سیدنا معاویہؓ ہی نے زہر دوا کر شہید کروایا تھا اور یہ الزام ایسا مکر وہ ہے کہ جس سے
سیدنا معاویہؓ ہمیشہ کے لیے طعن و تشنیع کا ہدف بن جاتے ہیں اور ان کے کیرکٹیر پر ایک
ایسا بدنامہ لگ جاتا ہے جس سے اُن کی اخلاقی تصویر نہایت بھیا نک اور اک ورڈ
(AWKWARD) ہو جاتی ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے جو شرائط سیدنا معاویہؓ کو لکھ کر
بھیجی تھیں اُن کے دُشمن پنہنے سے قبل سیدنا معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر
آپ کے پاس کوفہ بھیج دیا اور لکھا کہ جو شرائط آپ لکھا چاہیں اس کاغذ پر لکھ دیں وہ سب
قبول کی جائیں گی۔ چنانچہ آپ نے اس سے دُگنی شرائط اس پر لکھ کر بھیج دیں جو قبول ہو گئیں۔

لے یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ ان شرطوں کی رقم کے علاوہ سیدنا معاویہؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی مختلف
تخائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارات کرتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱) چنانچہ سیدنا معاویہؓ دس دس لاکھ درہم
دونوں بھائیوں کو دیتے اور ان کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے، اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا
عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو دی جاتی۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲۳) ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور
بہت سے ہڈیے بھی سیدنا حسنؓ کو بھیجے جاتے۔ (مقتل ابی مخنف شیعہ) سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی
سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ ان کی بہت عزت افزائی کرتے اور بہت عطیات اور
تخائف ان کو دیتے اور سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو بہت سے عطیات
وغیرہ دیتے اور ان کی بہت عزت افزائی کرتے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۵، ۱۱۶) بلکہ ایک دفعہ سیدنا حسنؓ کو چالیس
لاکھ درہم دیئے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷)
اور ایک روایت میں ہے کہ کبھی کبھی چار لاکھ دیتے اور ایک لاکھ درہم تو بطور وظیفہ ہر سال دیتے تھے۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۱۳۷)
اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ اہلبیت نبویؐ کو
آئے دن مختلف قسم کے عطیات اور تخائف سے نوازتے اور ان کے اخراجات اور ضروریات زندگی کے لیے بڑی بڑی
رقومات ہدیہ کے طور پر پیش کرتے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا حسنؓ کی دُگنی شرائط قبول نہ فرمائیں ؟
(باقی مآشیہ اگلے صفحہ پر)

اور بقول بعض مؤرخین قبول نہ ہوئیں کیونکہ آپ اس سے قبل بھی ایک کاغذ پر اپنی شرائط لکھ کر بھیج چکے تھے، سیدنا معاویہؓ نے کہا کہ چونکہ آپ نے پہلے اور شرائط لکھ کر بھیجی تھیں جو قبول کر لی گئی تھیں لہذا آپ کی بعد کی شرائط قبول نہیں ہوں گی۔

سیدنا حسنؓ کا خلافت سے

دست برداری کا اعلان

مصالحات کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے کہا کہ اب آپ درازبانی بھی اس مصالحت کے متعلق بیان فرمادیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ اپنی خوشی سے مسند خلافت سے دستبردار ہوئے ہیں نہ کہ کسی جبر و اکراہ سے، آپ کو اس میں اعتراض بھی کیا تھا، چنانچہ آپ فوراً اُٹھے اور حمد و ثناء کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک اعلان فرمایا :-

”اما بعد! فان اکیس التقی وان اعجز المعجز الفجور، الا وان هذا الامر الذی اختلفت فیہ انا و معاویة حق لامری کان احق پہ منی او حق لی ترکته لارادة اصلاح المسلمین وحقن دمائہم وان ادمی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) پھر جب کہ خود ہی سفید کاغذ پر ٹھہر لگا کر بھیجا ہو، ٹھہر لگانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کچھ اس کاغذ پر لکھا جائے گا وہ قبول ہے۔ اس صورت میں قبولیت پہلے تھی اور شرائط بعد میں۔ لہذا مؤرخین کا ایک دوسرے کی اتباع میں یہ لکھنا کہ سیدنا معاویہؓ نے وہ شرائط قبول نہ کیں بالکل عقل کے خلاف بات ہے اور سیدنا معاویہؓ کی پوزیشن کو مخدوش کرنے کی ایک گہری سازش ہے۔

ہمارے خیال میں تو مؤرخین کا یہ لکھنا بھی عقل و نقل اور خانوادہ رسول اور خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ کے خلاف ایک گہری سازش ہے کہ سیدنا حسنؓ نے پہلے کچھ شرائط لکھیں اور دوسرے کاغذ پر اسے دگنی لکھ دی حالانکہ موت جب ایک بات کرتا ہے تو اس پر قائم رہتا ہے اور جو انسان جنت کے سردار کا مقام تو اس سے بہت اونچا ہے۔ کمالا یخفی علی من له ادنی من الفہم۔

لعلہ فتنہ لکم ومناغ الى حين۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۵۳، اسد الغابہ لابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۴۷، تذکرہ حسن، مستدرک جلد ۳ ص ۱۵۵، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۱۹)
 اما بعد! لوگو! دانیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ ہے اور عجز میں سب سے بڑا عجز بد اعمالیاں اور فسق و فجور ہے، خلافت کا معاملہ جس میں مجھ میں اور معاویہ میں اختلاف ہے یہ حق صرف ایک ہی آدمی کا ہے یا تو معاویہ مجھ سے زیادہ
 مقدار حقے یا میں زیادہ حقدار تھا، لیکن میں نے عام مسلمانوں کی بہتری اور انہیں
 خونریزی سے بچانے کے ارادہ سے اس خلافت کو چھوڑ دیا ہے اور میرا خیال
 ہے کہ یہ تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ سرمایہ ہے۔“

مشہور شیعہ مؤرخ ٹلا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؑ نے نہ صرف خلافت سے
 دستبرداری کا اعلان فرمایا بلکہ ایک مجمع عام کے سامنے اُن کی بیعت بھی فرمائی، چنانچہ
 وہ سیدنا جعفر صادقؑ کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ سیدنا حسنؑ، سیدنا حسینؑ اور سیدنا قیس
 بن سعد بن عبادہ انصاریؑ جب شام تشریف لائے تو:-

”فَاذِنْ لَهُمْ مَعَادِيَةَ وَاعِدْ لَهُمُ الْخَطِيَاءَ فَقَالَ يَا حَسَنُ قُمْ فَبَايِعْ
 فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَيْنِ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ..... الخ
 (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴، ایران)

سیدنا معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت فرمائی اور ان کی عزت افزائی میں
 خطیبوں کو بلایا اور سیدنا حسنؑ سے کہا کہ اُٹھئے اور بیعت فرمائیے، سیدنا
 حسنؑ کھڑے ہوئے اور مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر بیعت کی پھر سیدنا
 حسینؑ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیے چنانچہ انہوں نے بھی کھڑے
 ہو کر سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی۔“

سیدنا معاویہؓ کے ساتھ آپ کی یہ صلح جہاں آپ کے اصلاح بین المسلمین کے جذبہ
 کی توثیق کرتی ہے وہاں اس بات کی توثیق بھی کرتی ہے کہ سیدنا معاویہؓ مسلمانوں کیلئے
 بڑے شفیق اور رعیت کے لیے بڑے نرم دل تھے، اس کے علاوہ ملک کے انتظامی اور

ترقیاتی معاملات میں بھی آپ بڑے دقیق النظر اور معاملات کے عواقب و انجام پر نگاہ رکھنے والے تھے۔ تبھی تو نواسۂ رسولؐ سیدنا حسنؑ نے پوری ملتِ اسلامیہ کی زمام کار آپ کے ہاتھ میں دے دی، اگر دعاؤ اللہ آپ ایسے تھے جیسے دشمنانِ صحابہ کہتے ہیں تو پھر نواسۂ رسولؐ پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے ایک غلط کار آدمی کے ہاتھ چند روپوں کے عوض پوری ملتِ اسلامیہ کے اختیارات کیوں دے دیئے۔ چنانچہ سیدنا حسنؑ کی اس صلح کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں :-

”فيه فضيلة لا صلاح بين الناس ولا سيما في حق
دعاء المسلمين ودلالة على باقة معاوية بالرعية
وشفقته على المسلمين وقوة نظره في تدبير
الملك ونظره في العواقب :-

(فتح الباری ج ۳ ص ۵۶)

اس بات و صلح سے اصلاح بین الناس اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خونریزی روکنے کی فضیلت ہے (اور سیدنا حسنؑ کا یہ فعل) اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ معاویہؓ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور تدبیر سلطنت پر گہری نگاہ کے مالک تھے، نیز معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ پہنچتی تھی :-

ابو نعیم اصفہانیؒ اور امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ صلح ۴۱ھ مہرہ ماہ ذی الحجہ الآخر یا جمادی الاولیٰ میں نجیلہ کے مقام پر ہوئی اور اس موقع پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-

”تركت لمعاوية ارادة اصلاح المسلمين وحقن
دمائهم۔

میں نے یہ خلافت اہل اسلام کی بہتری اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے ترک کی ہے :- (حلیۃ الاولیاء جلد ۲، السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۱۷۳)

حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں، ابن عبد البر نے الاستیعاب میں، ابن الاثیر نے
اسد الغابہ میں اور ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سے سیدنا
حسنؓ نے صلح کر لی اور امر خلافت ان کے سپرد کر دیا اور معاہدے اور شرائط پیش کر کے
ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔

خلافت کی سپردگی کے لیے جو شرائط دونوں بزرگوں کے مابین طے ہوئی تھیں
سیدنا معاویہؓ پوری زندگی ان پر کاربند رہے۔ حتیٰ کہ شیمی مؤرخ ابو حنیفہ الدینوری
کو یہ لکھنا پڑا کہ:-

”سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ نے پوری زندگی سیدنا معاویہؓ سے کوئی بُری بات
نہ دیکھی اور سیدنا معاویہؓ نے ان حضرات سے طے شدہ شرائط میں سے کسی
شرط کو نہ توڑا اور نہ ہی کسی احسان اور بھلائی کی بات کو تبدیل کیا۔“
(الاخبار الطوال ص ۲۲۵)

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ نہ تو حضرت معاویہؓ ہی غلط تھے اور نہ سیدنا علیؓ
نے غلطی کی، بلکہ معاملہ سب غلط فہمی پر مبنی تھا اور اس آگ کے بھڑکانے میں سیاسی
غناصر کی گہری سازش تھی جس سے جبل و صفین کے میدان لالہ زار بنے، ورنہ نیت اور
ایمان کے لحاظ سے علیؓ اور معاویہؓ میں کوئی فرق نہیں تھا۔



مخالفت کا طوفان

سیدنا امام حسنؑ نے ابھی اس صلح کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ آپ کے لشکریوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان بدتمیزی اٹھا دیا، آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے اور آپ کے خیمے کو ٹوٹ لیا گیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲) آپ کی ران پر خنجر مارا گیا جس سے ہڈی تک شکاف ہو گیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۷، جلاء العیون ص ۳۱۳) لیکن جب آپ نے مجمع عام میں سیدنا معاویہؓ سے اپنی صلح کا اعلان فرمایا اور آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت فرمائی تو فوراً ہی آپ کے خلاف مخالفت کا ایک شدید طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے لشکری اور شیعہ آپ سے سخت ناراض ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے خلاف مختلف قسم کے آوازے کئے گئے اور آپ کے اس فعل کو مسلمانوں کے لیے شرم و ذلت کا باعث قرار دینے لگے، چنانچہ حافظ ابن جریر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ :-

”فكان اصحاب الحسن يقولون له يا عار المؤمنين -

(فتح الباری جلد ۱۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸، تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۰۸)

سیدنا حسنؑ کے ساتھی آپ سے کہتے تھے کہ اے مومنوں کے لیے شرم و ذلت کے باعث“

لیکن آپ جواب میں فرماتے :- (ایضاً)

”العار خیر من التار - (ایضاً)

یہ عار میرے لیے جہنم کی آگ سے بہتر ہے“

ابن الاثیرؒ اور علامہ ابو بکر بن العربیؒ نے مَسْوَدٌ وَجُودُ الْمُؤْمِنِينَ (مومنوں کا منہ سیاہ کرنے والے) کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۸،

العواصم من القواصم ص ۱۹)

شیعی مؤرخ ملا بابا قری مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ :-

”شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک سوار آیا اسے سفیان بن یسلی کہتے تھے، اُس نے کہا:-

أَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا مَذَلَّ الْمُؤْمِنِينَ - (جلاء البیون، اخبار الطوال ص ۲۲۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۱، الامامة والسیاسة جلد ۱ ص ۱۷۱)

مجلسی نے اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں، ایک روایت کتاب احتجاج سے نقل کی ہے کہ:-

”جب امام حسنؑ نے معاویہؓ سے صلح کی تو لوگ حضرت کی خدمت میں آئے اور بعضوں نے معاویہؓ سے بیعت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کی، حضرت نے فرمایا تم پر واٹے ہو، تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کام کیا ہے بخدا سو گند! جو کچھ میں نے کیا ہے میرے شیعوں کے لیے اس سے بہتر ہے کہ آفتاب جس پر طالع ہوتا ہے!“ (جلاء البیون ص ۳۲۲)

اسی مجلسی نے اپنی دوسری کتاب ”بحار الانوار“ میں امام محمد باقرؑ کا ایک اسی طرح کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:-

”وَالَّذِي صَنَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ كَانَ خَيْرًا لِهَذِهِ الْأُمَّةِ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ - (بحار الانوار ج ۱ ص ۱۶۲)

سیدنا حسنؑ نے جو کچھ کیا وہ اس اُمت کے لیے بہتر ہے ہر اُس شے سے جس پر سورج طلوع ہوا!“

ایک شخص جسے ابو سعید کہتے تھے امام حسنؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ نے کیوں سستی کر کے معاویہؓ سے صلح کی حالانکہ معلوم تھا کہ حق آپ کا ہے اور وہ ظالم و باغی - (جلاء البیون ص ۳۲۲)

ملا باقر مجلسی بحوالہ احتجاج طبری لکھتے ہیں کہ:-

”ایک شخص امام حسنؑ کی خدمت میں آیا اور کہا ہماری گردنوں کو آپ نے ذلیل کیا

اور ہم شیعوں کو آپ نے غلامانِ بنی امیہ بنایا، حضرت نے فرمایا کیونکر؟ اُس نے کہا اس وجہ سے کہ خلافت آپ نے معاویہؓ کو دے دی، حضرت نے فرمایا بخدا سوگند! میں نے کوئی یا ورنہ پایا، اگر میں یا ورنہ پاتا تو رات دن معاویہؓ سے جنگ کرتا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان حکم کرتا لیکن میں نے اہل کوفہ کو پہچانا اور امتحان کیا اور جان لیا کہ یہ لوگ میرے کام نہیں آئیں گے اُن کی زبانیں میرے ساتھ اور دل بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔

(جلال العیون ص ۳۳۶)

پھر بروایت سید مرتضیٰ علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ :-

”جب امام حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی تو شیعہ آپس میں اظہارِ تاسف و حسرت کرتے تھے اور آرزوئے قتل رکھتے تھے، جب صلح کے بعد دو سال گزرے تو حضرت کی خدمت میں آئے اور سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا تعجب معاویہؓ سے صلح کرنے سے برطرف نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردانِ کارزار اہل کوفہ آپ کے ہمراہ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے اور اپنے گھروں میں تھے اور اسی قدر اُن کے فرزند ان و اتباع آپ کے ساتھ تھے بلکہ بغیر اُن شکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے باوجود اس کے آپ نے معاویہؓ سے پیمانِ محکم صلح نامہ میں نہ لیا اور بہرہ کامل عطا میں

لے لیا معاویہؓ پر ایک الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنی فوج کو درہم و دینار کے لالچ میں اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے اس لیے وہ ان کے لیے بے جگری سے لڑتی تھی۔ یہ چیز معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ سیدنا علیؓ کی فوج آپ سے باقاعدہ تنخواہ لیتی تھی لیکن ان کے لیے لڑتی بالکل نہیں تھی جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی حوالہ جات اس بارہ میں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

لے ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے تھے لیکن وقت پر بالکل ساتھ چھوڑ دیتے تھے کہ بلا کامیدان اس کی شہادت دیتا ہے۔

نہ لکھوایا، اگر بوقت مصالحوہ اہل مشرق و مغرب کو آپ گواہ نہ کرتے اور نوشتہ اس سے جیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ میں ہوتی لے ہمارا کام آسان تھا لیکن ان کے اور آپ کے درمیان چند ایسے عہد ہوئے کہ لوگ ان پر مطلع نہ ہوئے؛ (جلد العیون ص ۳۲۵، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۷۲) حجر بن عدی نے بھی آپ کو اس صلح پر عار دلانے کی کوشش کرتے ہوئے آپ سے کہا:-

”اے رسول اللہ کے نواسے! کاش کہ میں اس دن سے پہلے ہی مر گیا ہوتا، آپ نے ہمیں عدل و انصاف سے نکال کر ظلم و جور میں پھنسا دیا ہے اور اس وجہ سے ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو جس سے کہ ہم بھاگتے تھے اختیار کر لیا اور ہمیں خست و دناوت کا سامنا کرنا پڑا، آپ نے فرمایا کہ: ”میں لوگوں کے درمیان اس خانہ جنگی کو ناپسند کرتا تھا اور میں نے اپنے ساتھیوں کی بہتری اسی میں دیکھی“

اس کے بعد وہ سیدنا حسینؑ کی خدمت میں گئے اور انہیں بھی اسی طرح بیعت معاویہؓ سے عار دلانی شروع کی، آپ نے جواب میں فرمایا:-

”انا قد یا یعتاہ وعاہدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔
(اخبار الطوال ص ۲۲)

ہم نے معاویہؓ کی بیعت اور اس سے وفاء کا عہد کر لیا ہے لہذا نقض عہد کی راہ نہیں:-

اے علامہ مجلسی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؑ نے جن شرائط کے تحت مسند خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کی تھی اس میں یہ شرط ہرگز نہیں تھی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت پھر سیدنا حسنؑ کی طرف لوٹ آئے گی اگر یہ شرط ہوتی تو سلیمان بن مردخزاعی اور آپ کے دیگر لشکری آپ پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی۔

اعتراضات کا جواب

جب آپ پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی اور ہر جانب سے آپ کے ساتھیوں اور شیعوں نے طعن و تشنیع شروع کر دی تو آپ نے معتزین کے جواب میں مختلف خطبات ارشاد فرمائے، ایک مقام پر فرمایا:-

”بخدا سوگند! اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا، میرا مال لوٹ لیا، بخدا سوگند! اگر معاویہ سے عہدوں اور خون حفظ کراؤں اور اپنے اہل و عیال میں امن ہو ہو جاؤں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہل و عیال اور عزیز واقارب ضائع ہو جائیں۔“

”بخدا سوگند! اگر میں معاویہ سے جنگ کروں تو یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ کو دے دیں، بخدا سوگند! اگر معاویہ سے صلح کروں اور عزیز رہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں آجاؤں اور وہ مجھے بخواری قتل کرے یا مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دے اور تار و ز قیامت بنی ہاشم میں یہ عار باقی رہے اور ہمیشہ فرزند ان معاویہ ہمارے فرزندوں اور ہمارے مردوں اور زندوں پر احسان کریں، راوی نے کہا یا بن رسول اللہ! اپنے شیعوں کو مثل ان گوسفندوں کے آپ چھوڑ دیتے ہیں جن کا کوئی محافظ نہ ہو، حضرت نے فرمایا کیا کروں، میں اس کام کو بہتر جانتا ہوں جو ثقات بہت اور سچوں سے مجھے پہنچا ہے۔“ (جلال العیون ص ۳۲۳)

اس خطبہ میں آپ نے صلح کرنے کی مصلحت صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کے ننگ و ناموس کی حفاظت ظاہر فرمائی لیکن دوسرے مقام پر یوں مرقوم ہے:-

”معاویہ نے اس امر میں جو مجھ سے مخصوص اور جس کا میں سزاوار تھا منازعہ کیا

اور جب میں نے کوئی یا ورنہ پایا تو بخیاں اصلاح و حفظ خون ہائے امت
خود دستبردار ہوا۔ (جلال العیون ص ۳۱۶)

ایک اور جگہ پر روایت کلینی بسند معتبر امام محمد باقرؑ لکھا ہے :-
”امام حسنؑ کا معاویہؓ سے صلح کرنا اس امت سے دنیا و مافیہا سے بہتر تھا۔“
(جلال العیون ص ۳۲۵)

سیدنا حسینؑ کا آپ کی مخالفت کرنا

اس بارہ میں آپ کی مخالفت نہ صرف آپ کے شیعوں نے کی بلکہ سیدنا حسینؑ بھی
بعض فتنہ پردازوں کی انیگخت پر آپ کے مخالف ہو گئے، چنانچہ جب آپ کو پتہ چلا کہ
سیدنا حسنؑ سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے والے ہیں تو آپ نے سیدنا حسنؑ سے کہا کہ کیا آپ قبر
میں اپنے باپ علیؑ کی تدفین کرنا چاہتے ہیں اور معاویہؓ کی تصدیق! سیدنا حسنؑ نے فرمایا:-

”بخدا جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی، بخدا میں

نہیں اُس وقت تک گھر ہی میں نظر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اپنے

ارادے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا دوں۔“ (تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی جلد ۲

ص ۲۹۹، علیؑ و بیہودہ از طہ حسین ص ۲۰۳، تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۲۲)

طبری اور ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسینؑ کی یہ بات سن کر سیدنا حسنؑ نے فرمایا:-

”اسکت فانا اعلیٰ بالامر منک۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۳)

چُپ رہو! میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔“

جب سیدنا حسینؑ نے اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو

فوراً عرض کی:-

”انت اکبر ولد علیؑ وانت خلیفۃ وامرنا لا امرک تبع فافعل ما

بدأ لک۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۲۲)

آپ سیدنا علیؑ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے خلیفہ ہیں، ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے؛“

چنانچہ صلح کے بعد جب سیدنا حسنؑ نے سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی تو سیدنا حسینؑ نے بھی بے چون و چرا سیدنا معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ (بحار الانوار جلد ۱۲۲، جلاء العیون ص ۳۶۹، نسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۶، مہج الاحزان ص ۴۸)

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے یہ صلح کی تو آپ کے ساتھیوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا جس کو آپ نے اپنی حکمت عملی اور فراستِ یمانی سے دبا دیا، یہ آپ ہی کا عزم تھا جس سے اس ساری مخالفت کا مقابلہ کیا اور آخر غالب آئے۔

۱۔ شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں بلکہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔ (حق الیقین) اور ائمہ کا دروازہ اس کی بان اس کاٹنے، اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ ہیں۔ (اصول کافی ص ۸۴) ان کو رسول جیسی فیصلت حاصل ہے، جبری لہ من فضل ماجد لرسول اللہ۔ (اصول کافی ص ۱۱۸) بلکہ بعض لحاظ سے رسول سے بھی افضل ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۵) پھر موت و حیات ان کے اختیار میں ہے۔ (اصول کافی ص ۱۵۸) اور مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کے غیب کے جاننے والے ہیں (اصول کافی ص ۱۵۹، ۱۶۰) ایسے معصوم امام کبھی بھی غلطی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ان سے سرزد ہوتا ہے وہ صحیح اور حق ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ جس امام معصوم صلح کرے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰، جلاء العیون ص ۳۲۲) بلکہ سیدنا حسینؑ امام معصوم بھی بیعت فرمائیں۔ (بحار الانوار جلد ۱۰، جلاء العیون ص ۳۶۹، مہج الاحزان ص ۴۸) اس شخص سے بغض و عناد رکھنا اور اس پر لعنتیں بھیجنا کیا ائمہ معصومین کی تکذیب کرنا اور ان کے احکام سے روگردان کرنا نہیں ہے؟ اب دو ہی باتیں ہیں:-

(۱) یا تو ائمہ معصوم نہیں تھے اور سیدنا حسینؑ اور سیدنا حسنؑ نے غیر معصوم ہونے کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ سے بیعت کر کے ایک غلط کام کیا۔

(۲) یا پھر ائمہ نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح تھا اور سیدنا معاویہؓ ایک نہایت متقی اور علمی و عملی، فکری اور نظری دینی اور سیاسی قابلیتوں کے حامل تھے کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ائمہ معصومین ایک غلط کار اور ظالم و جابر انسان کو خلافت جیسا مقدس منصب سپرد کر کے خود اس سے دستبردار ہو کر گوشہ خلوت میں بیٹھ جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؑ نے جو کچھ بھی کیا درست کیا اور ان کی نگاہ میں اُس زمانہ میں کشتی اُمت کو (باقی ماحشیہ اگلے صفحہ پر)

مسند خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا حسنؑ نے ہمیشہ کے لیے کوفہ کو خیر باد کہہ دیا اور مدینۃ النبیؐ
تشریف لے آئے اور یقینہ زندگی اپنے جد امجد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بسر فرمائی۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۸) کوفہ کو اپنے صرف اسلئے چھوڑا کہ وہ بانی تحریک کامرکز تھا، وہاں آپ کو اپنی جان کے
خطرہ کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ یہ سبانی لوگ پھر کہیں کوئی فتنہ برپا نہ کر دیں۔
تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب سیدنا حسنؑ نے اپنے اہل و عیال اور خاندان کے دیگر
افراد کے ساتھ سرزمین کوفہ کو چھوڑا تو کوفہ کے لوگ زار و قطار رو رہے تھے، کسی پوچھنے والے
نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔
”میں نے دنیا کو ناپسند کیا اور کوفہ والوں کو ایک ایسی قوم پایا جس پر کبھی بھی کوئی شخص
اعتماد نہیں کر سکتا اور اکثر ان میں سے ایک کی رائے دوسرے سے موافقت نہیں کرتی،
یہ برائی کے بجائے نیکی میں سست ہیں، میرا باکوان سے بڑی بڑی اذیتیں پہنچی ہیں
اور میرے بعد یہ کس سے اچھے سلوک سے پیش آئیں گے؟ اس وجہ سے یہ شہر بہت جلد
تباہ و برباد ہونے والا ہے“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۴)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ساجل مراد تک پہنچانے والا سیدنا معاویہؓ کے سوا اور کوئی نہیں تھا لہذا آپ نے امت کی بہتری اور
خیر خواہی کے پیش نظر مسند خلافت سیدنا معاویہؓ کو تفویض فرمادی۔

شیعہ حضرات کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صلح کی وجہ سے وہ سیدنا حسنؑ سے ناخوش ہیں اسی ناخوشی کا نتیجہ
ہے کہ سیدنا حسنؑ کی زندگی میں ہی ان کو بہت ذلیل کلمات کہے گئے۔ (جلاء العیون ص ۳۲) اور انہیں طرح طرح کی ایذاؤں دی گئیں
اور ان کے بعوان کا تذکرہ بھی بہت کم ہوا اور بہت کم ہوتا ہے، ان کی اولاد ایک مسلم امامت سے محروم کر دی گئی بلکہ باغی اور
جہنمی قرار دی گئی حتیٰ کہ امام مہدی بھی ان کی اولاد سے نہیں قرار دیئے گئے، خدا جلنے کیا وقتی مہارح در پیش تھے ورنہ
یہ لوگ تو سیدنا حسنؑ کو بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال ڈالتے اور جس طرح دوسرے امام زادوں میں سے کسی کو کذاب اور کسی کو جہنمی
کہا، جیسا کہ احتجاج طبرسی میں صاف لکھ دیا کہ ”ہم شیعوں کو ان امام زادوں سے نفرت ہے ہم ان پر برا بھلا کہتے ہیں“ یہی تریاؤں
امام حسنؑ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

ان حضرات کی کتابوں میں فضائلِ متعہ کی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سیدنا حسنؑ کا مقام سیدنا حسینؑ
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وفات

آپ ربیع الاول ۱۱؎ میں مسند خلافت سے دستبردار ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)
 ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۴ اور رمضان المبارک ۱۱؎ میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس لحاظ سے
 آپ ساڑھے پانچ ماہ مسند خلافت پر متمکن رہے۔ دست برداری کے سات سال بعد یعنی ۱۱؎
 میں مدینہ الرسول میں چالیس روز تک صاحب فراش رہ کر ہمیشہ کے لیے اس دار فانی سے رحلت
 فرما گئے۔ (تاریخ النخیس جلد ۶ ص ۲۲۶، صفۃ الصفوة لابن الجوزی ص ۳۲) الدیری نے
 بیماری کی مدت ۲ ماہ لکھی ہے۔ (حیوة النبیون جلد ۱ ص ۶۷)
 بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے آپ کو زہر دلوایا تھا جس سے آپ کی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کم ہے درجہ کی یہ کمی یا اس صلح کی وجہ ہے، چنانچہ ان حضرات کی ایک حدیث میں آتا ہے :-

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرة درجۃ کدرجۃ الحسن ومن تمتع مرتین
 درجۃ کدرجۃ الحسین ومن تمتع ثلاث مرات درجۃ کدرجۃ علی ومن تمتع اربع مرات
 درجۃ کدرجۃ حتی۔ (منہج الصالحین ص ۲۵۶ بحوالہ آفتاب ہدایت ص ۱۸۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ تمتع کرے وہ سیدنا حسنؓ کا درجہ پائے اور جو
 دو دفعہ تمتع کرے وہ سیدنا حسینؓ کا درجہ پائے اور جو تین دفعہ تمتع کرے وہ سیدنا علیؓ کا درجہ پائے اور
 جو چار دفعہ تمتع کرے وہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ پائے۔

ایک دفعہ تمتع کرنے والے کو سیدنا حسنؓ کا درجہ اور دو دفعہ تمتع کرنے والے کو سیدنا حسینؓ کا درجہ دینا اس بات پر
 دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سیدنا حسنؓ کا مقام سیدنا حسینؓ سے کم تر ہے، یہ صرف اسی وجہ سے کہ انہوں نے ان حضرات کی مرضی
 کے خلاف سیدنا معاویہؓ سے بیعت فرمالی تھی ورنہ اسلام میں سیدنا حسنؓ کا درجہ سیدنا حسینؓ سے زیادہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۸) اسے باختلاف روایت آپ کی خلافت کی مدت ۲۵ ماہ یا ۶ ماہ سے کچھ زائد یا سات ماہ سے کچھ زائد تھی۔
 آپ کی بیعت خلافت کی تاریخ تو متعین ہے لیکن دستبرداری کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ بعض ربیع الاول ۱۱؎،
 بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۰۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۸۰) بعض روایات میں
 ۱۱؎ سے دستبرداری بتائی گئی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۴۷)

موت واقع ہوئی، لیکن یہ بات ہر امر غلط ہے نہ اس پر کوئی شرعی شہادت ہے اور نہ کوئی معتبر اقرار! بلکہ علامہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ:-

”وما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع زوجته جعدة بنت الاشعث فحو
من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸۲)
یہ جو منقول ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ان کی اہلیہ جعدہ بنت الاشعث سے مل کر ان کو
زہر دلوایا، یہ شیعہ تحفرات کی وضع کردہ روایت ہے اور معاویہؓ کی ذات اس سے متبرک ہے۔
اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں جلد ثانی میں اس پر قدرے روشنی ڈالی جائے گی۔
ویسے تفصیل کے لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ”منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۵“ اور الذہبیؒ
کی ”المنتقى من منہاج الاعتدال فی نقص کلام اہل ارفض والاعتزال“ ص ۲۶۶ کا مطالعہ ضروری ہے۔

تیسرے موضوعین نے زہر خورانی کو اشارہ بھی ذکر نہیں کیا، جن لوگوں نے زہر خورانی کا ذکر کیا ہے ان میں
اثر نے زہر دینے والے کا نام نہیں لکھا اور جن لوگوں نے نام لکھا ہے انہوں نے ”قیل اور یقال“ وغیرہ
تصریف کے سیغوں سے ذریعہ ہے جو ضعیف روایت پر دلالت کرتے ہیں ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۶،
مرج الذہب جلد ۲ ص ۱۲۵، الاستیعاب جلد ۱ ص ۱۲۵، الغابہ جلد ۲ ص ۱۲۵، التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱،
البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۳۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۲، ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۳۔

سیوطی نے زہر کا الزام یزید بن معاویہ پر لگایا ہے کہ اس نے آپؐ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث
کی معرفت آپؐ کو زہر دلوایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱)

آپؐ کی وفات پر ہر آنکھ اشکبار تھی سیدنا ابوہریرہؓ کو دیکھا گیا کہ اس روز مسجد نبویؐ کے
صحن میں بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب فوت ہو گیا
ہے لہذا خوب روؤ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۲، التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ بقیع میں تل دھرنے کو مجبوری تھی، نماز جنازہ گوزنِ مدینہ طیبہ
سیدنا سعید بن العاصؓ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کے
پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۲، الاستیعاب ص ۱۰، الغابہ ترجمہ حسن بن علیؒ)



معاویہؓ

ایک خلیفہ کی حیثیت سے

۱۸ھ میں سیدنا زید بن ابی سفیانؓ کے انتقال کے بعد سیدنا عمرؓ نے آپ کو دمشق کی گورنری پر متعین فرما دیا تھا، ۱۸ھ سے ۲۰ھ تک آپ دمشق اور اس کے مملکت کے گورنر رہے، ۲۰ھ میں سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکت اسلامیہ کے امیر المؤمنین اور خلیفہ المسلمین مقرر ہو گئے۔ امت مسلمہ کے کئی اصحاب جیسے سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، محمد بن مسلمہؓ اور سعید بن زیدؓ وغیرہم جو اب تک غیر جانبداری کی زندگی بسر کر رہے تھے، فیصلہ حکیم کے بعد ان کی نظریں اس بات پر لگی ہوئی تھیں کہ اُن لوگوں کی شوریٰ کیا فیصلہ کرتی ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت ہوتے وقت راضی تھے۔ چنانچہ جب ربیع الاول ۲۰ھ میں مہر و جیل کے کنارے واقع شدہ موضع ”مکین“ میں سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور ان کی باقاعدہ بیعت فرمائی۔ (ابوابہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱) تو ان حضرات نے بھی سیدنا معاویہؓ کو امیر المؤمنین تسلیم کرتے ہوئے ان کی بیعت کر لی، کیونکہ اب پوری امت نے متفقہ طور پر ان کو خلیفہ المسلمین تسلیم کر لیا تھا اور عراقی اور شامی سارے کے سارے اُن کے حلقہ بیعت میں آچکے تھے لہذا انہوں نے بھی اب اپنے لیے شرعی طور پر ناگزیر سمجھا کہ سیدنا معاویہؓ کی بیعت کر لیں۔

(فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳)

سیدنا علیؓ کی بیعت خلافت ان لوگوں نے صرف اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ اہل حل و عقد آپ کی بیعت پر مجتہع نہیں ہوئے تھے، چنانچہ حکیم الامت دہلویؒ فرماتے ہیں :-

”خلافت برائے مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحتاً للمسلمین
بیعت نہ کردہ“ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹)

سیدنا علیؑ کی خلافت قائم نہ ہوئی تھی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد اور
مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے ان سے بیعت نہیں کی تھی“

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مرویہ بطرق متعددہ بیان
فرمودند کہ اُمت بر حضرت مرتضیٰ جمع نشود۔“ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث متواترہ
میں بیان فرمایا ہے کہ اُمت سیدنا علیؑ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی“

ایسے ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ”منہلج السنۃ جلد ۲ ص ۲۳۷ پر بصراحت نقل کیا

ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اب جبکہ سیدنا حسنؑ کے بیعت کرنے سے پوری اُمت سیدنا معاویہؓ کی خلافت
پر مجتمع ہو گئی تو ان حضرات نے پوری اُمت سے الگ رہنا اپنے لیے شرعی طور پر جائز نہ سمجھا۔
(تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۱۲ ص ۴۵، ص ۵۷ ملاحظہ فرمائیں)

سیدنا معاویہؓ ۲۳ سال کی گورنری کے بعد ۳۵ھ میں ایلیا دیر شلم کے مقام پر
خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔ (طبری جلد ۹ ص ۹۲، مروج الذهب جلد ۳ ص ۵۲، البدیع والنہایہ
جلد ۸ ص ۱۷۱، ۱۷۲) اور جن لوگوں نے فیصلہ حکیم سے قبل یا فیصلہ حکیم کے بعد ان کا امیر المؤمنین
ہونا لکھا ہے وہ سراسر غلط ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے متعلق یہ غلط فہمی مسلمانوں
سے اچھے اچھے ذہنوں میں چلی آ رہی ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب سیدنا علیؑ کے مقابلہ میں
کھڑے ہوئے تھے اُسی وقت سے وہ خلافت کے مدعی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ فیصلہ حکیم
کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ کے اعلان کے مطابق انہوں نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا
تھا، یہ دونوں باتیں پاؤں ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ سیدنا معاویہؓ شروع سے لے کر سیدنا
حسنؑ کے بیعت فرمانے تک اپنے آپ کو سیدنا عثمانؓ کا گورنر سمجھتے ہوئے ان کے قاتلوں

سے صرف قصاص کے دعویدار تھے، اس سے زیادہ نہ انہوں نے خود اپنی حیثیت جانی اور نہ اُن کے ساتھیوں نے انہیں اس سے زیادہ کبھی کوئی حیثیت دی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے خلافت کا اعلان سیدنا حسنؑ کی دستبرداری اور ان کے بیعت فرمانے کے بعد کیا۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور یہی صحیح ہے۔

اجتماعِ اُمت

اس سال کو "عام الجماعة" کہتے ہیں کیونکہ ملتِ اسلامیہ نے ۵/۶ سال کے تفرقہ اور تشتت کے بعد اس سال ایک خلیفہ پر اجماع کیا تھا۔ رُفح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳، طبری جلد ۶ ص ۱۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، ۱۳۱، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۲) سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد خارجی جنگوں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تعطل واقع ہو گیا تھا اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا، آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح جمع ہو گئے جس طرح سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ اسی لیے تو غیر مسلم مؤرخین تک نے کہا ہے کہ سیدنا معاویہؓ دولتِ اسلامیہ کے دوسرے مؤسس کبیر ہیں، آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک بلند پایہ حقیقی اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی سلطنت کی طرح صوفیانہ بھی تھی اور سیاسیانہ بھی۔ یہ نوجوان جس نے اپنے مشہور تاجرباب کی آغوش میں تربیت پائی تھی اس کی قوتِ نظم و مملکت پر یہ واضح دلیل ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کے قیام اور عراق کے خلفشار کو دور کرنے، پوری، قتل اور آگ لگانے کی روک تھام میں جو مشکلات عمرؓ و عثمانؓ کو پیش آئیں آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہل بصرہ اور اہل کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

پوری امت مجتمع ہو گئی، اختلاف بالکل ختم ہو گیا اور سیدنا معاویہؓ متفقہ طور پر پوری

ملت اسلامیہ کے امیر المؤمنین مقرر ہو گئے، مسلمانوں کی وہ قوت جو آپس میں جنگ و جدال میں ختم ہو رہی تھی اب ان دشمنوں کے خلاف صرف ہونے لگی جو اسلام کے خلاف تھے۔

خاندان بنو ہاشم نے بھی نہایت خوشدلی کے ساتھ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے ساتھ عملی تعاون شروع کر دیا۔ چنانچہ سیدنا حسینؓ کے رضاعی بھائی اور سیدنا علیؓ کے حقیقی چچا زاد بھائی سیدنا قثم بن عباسؓ سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں جہاد میں شرکت کے لیے خراسان تشریف لے گئے، پھر غزوہ سمرقند میں سعید بن عثمانؓ بن عفان کی ماتحتی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۱۱، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۹۱، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۲۹۲، شرح نہج البلاغۃ لابن علیؓ جلد ۵ ص ۲۷۷)

خود سیدنا حسینؓ نے یزید بن معاویہ کی زیر قیادت معرکہ قسطنطنیہ میں شرکت فرمائی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱، تہذیب تاریخ ابن عساکر جلد ۴) جس طرح خاندان بنی ہاشم نے سیدنا معاویہؓ کی حکومت سے تعاون کیا آپ کی حکومت نے بھی خاندان بنو ہاشم کے افراد سے نہایت اچھا سلوک کیا، مدینہ طیبہ میں ایک قاضی کی ضرورت تھی، سیدنا مروان بن الحکمؓ نے ایک ہاشمی بزرگ سیدنا عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا جو کہ بعض حضرات کے بقول مدینہ کے سب سے پہلے قاضی تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۱، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۶۹)

مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنی کم ہمتی اور کار خلافت کی دشواری کو واضح فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا:-

”اے لوگو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تم میں سے کئی ایسے ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمروؓ وغیرہما جو کہ علم و فضل کے ستون ہیں لیکن شاید میں سلطنت اور حکومت کے معاملات میں تمہارے لیے مفید ہو سکوں اور تمہارے دشمن کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی اعتبار سے تمہارے لیے زیادہ سود مند ہوں گا۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۲، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۳۲۲)

بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:-

”اے لوگو! بخدا سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے ہلانا نہایت آسان ہے لیکن میں تمہارے لیے ایسا طرزِ عمل اور طریقہ اختیار کروں گا جو میرے سے پہلے خلفاء سے تو کم درجہ میں ہو گا لیکن میرے بعد آنے والے اس کو نہیں پاسکیں گے“
(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۱۲)

اوصاف

گورنری کے ۲۳ سالہ دور میں ہر متنفذ آپ سے مطمئن تھا اور خلافت کے ۲۰ سالہ دور میں بھی کسی کو آپ کے خلاف شکایت کا کوئی موقع نہیں ملا۔ ہر ایک کا دل آپ سے مطمئن تھا حقیقت یہ ہے کہ اپنے دور خلافت میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ امت کی پوری تاریخ میں آپ کا نام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اسی وجہ سے سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ جیسے لوگ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:-

ما رأیت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ -

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۷، طبری جلد ۳ ص ۳۳۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۶۳

میر نے معاویہؓ سے زیادہ امور مملکت کے لائق اور کسی کو نہیں دیکھا۔

ایسا ہی عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:-

ما رأیت احدا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسود من معاویۃ

فقیل لہ ابو بکر وعمر وعثمان وعلى فقال كانوا والله خیرا من

معاویۃ وافضل ومعاویۃ اسود - (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۸۶)

میر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاویہؓ سے زیادہ امور مملکت

میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ سے کہا گیا کہ ابو بکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ

کو بھی، آپ نے فرمایا وہ سب معاویہؓ سے افضل اور بہتر تھے لیکن معاویہؓ

طریق جہاں بانی میں ان سے قابل تھے۔ (البدایۃ والنہایتہ جلد ۸ ص ۱۳۵)
 ایسا ہی ایک قول سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے۔
 (البدایۃ والنہایتہ جلد ۸ ص ۱۳۵)

امور مملکت کے بارہ میں آپ نہایت صاحب بصیرت اور نظر ثاقب کے مالک
 تھے اسی لیے فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے جو خطابت، قدرت کلام اور فکر و نظر
 کے لحاظ سے ایک خاص امتیازی شان کے حامل تھے سیدنا معاویہؓ کے متعلق فرمایا:۔
 میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جان سکوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر، کیونکہ جب آپ
 اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قتال کا ارادہ کر لیا ہے اور
 پھر جب آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر لیا ہے۔
 آپ نے سن کر فرمایا:۔

بخدا میں تو اقدام ہی اسی وقت کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ یہ اقدام کا
 وقت ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ یہ پیچھے ہٹنے کا
 کامقام ہے۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۷۱)

یہ سب چیزیں آپ کے سیاسی ذہن اور نظر ثاقب پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ثمرات
 ہیں تقویٰ اور ایمان کے، اسی لیے حدیث نبوی میں مومن کی تعریف یہ آئی ہے کہ:۔
 المؤمن لا یخدع ولا یخدع۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۰)

کامل مومن (تقویٰ اور پاکیزگی میں) اس قدر بلند مقام کا حامل ہوتا ہے کہ کسی
 کو دھوکا دیتا نہیں اور دفر است ایمانی اور بصیرت میں اس قدر ماہر ہوتا ہے
 کہ کسی سے دھوکہ کھاتا نہیں۔

بلکہ وہ تمام معاملات کے عواقب کو فراست ایمانی اور اللہ رب العزت کے ودیعت
 کردہ نور سے دیکھ لیتا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۴۱، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۵۵)
 اور اگر کسی سے ایک مرتبہ دھوکہ کھا بھی لے اور کسی سوراخ سے ایک دفعہ ڈسا بھی جائے
 تو دوسری مرتبہ اس سوراخ میں سے کبھی ڈسا نہیں جاتا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۹۰۵)

غرض کہ آپ کے دور خلافت میں سب لوگ شیر و شکر ہو گئے کسی کے قلب میں کوئی کبیرگی اور رنجش نہ رہی، آپس میں وہی محبت، وہی باہمی تعظیم و تکریم اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ اور جذبات کی وہی پاسداری پیدا ہو گئی جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اور سیدنا عثمان کے مبارک زمانوں میں تھی، جن لوگوں نے آپ کے خلاف سیدنا علیؑ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی تھی آپ نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی اور نہ ہی کسی سے کوئی انتقام لیا اور نہ ہی کسی کے متعلق دل میں کوئی میل رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہؓ اور اہل بیت اور دیگر حضرات کی محبت اور عقیدت کامرکز صرف اور صرف آپ ہو گئے۔

خواجه کی شورش اور اس کا قلع قمع

اگرچہ آپ کے خلیفۃ المسلمین ہوتے ہی ہر طرف امن و سلامتی کا دور دورہ شروع ہو گیا اور مسلمانوں کی سالوں کی باہمی چپقلش محبت و موافقت میں تبدیل ہو گئی، ادھر سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کے سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرنے سے سبائی تحریک بھی ظاہری طور پر نیم جان ہو گئی لیکن معاویہؓ حکیم کے وقت انہی لوگوں میں سے کچھ لوگ علیحدہ ہو گئے تھے جو خارجی کہلاتے تھے، ان لوگوں نے ملک میں کافی شورش برپا کر رکھی تھی، فیصلہ حکیم کے بعد ان کا زور بڑھنا گیا یہاں تک کہ ایک خاص سازش کے تحت ان لوگوں نے سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں سیدنا علیؑ تو شہید ہو گئے لیکن دوسرے دو حضرات بالکل مامون و محفوظ رہے۔

صحیحین کی حدیث کے مطابق یہ ایسے لوگ تھے جو قرآن تو پڑھتے تھے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا، آپ نے فرمایا:۔

يَهْرَقُونَ مِنَ الدِّينِ مَرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ
وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْتَانِ لِيُنَادِيَكَهُمْ لَا قَتْلَ لَهُمْ قَتْلُ عَادٍ بِخَارِ الْجِدَارِ
وہ دین سے اس طرح نکل جاتے ہیں گے جس طرح کمان سے تیراہل اسلام کو تو

قتل کریں گے لیکن بُت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں تے انہیں پالیا تو
انہیں اس طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد کو قتل اور فنا کیا گیا تھا۔

خارجیوں کی سرکوبی

باوجودیکہ وہ اسلام سے نکلے ہوئے تھے اور ملت اسلامیہ سے انہوں نے اپنے
آپ کو الگ کیا ہوا تھا، قریش کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت تھی اور جمہور صحابہ پر
لعن طعن کرتے تھے لیکن پھر بھی قرآن پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کا نام ہی ”قبراء“
پڑ گیا، نمازیں بہت طویل اور خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔

سیدنا علیؑ نے جنگ نہروان میں ان لوگوں کو خوب قتل کیا تھا اور قتل کے بعد ان
کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا اور ان لوگوں کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی لیکن چونکہ ان
لوگوں کو اسلام دشمنی و رشتہ میں ملی تھی کیونکہ یہ لوگ بھی اصل میں توسیائی ہی تھے اس لیے سیدنا
علیؑ کی خلافت کے بعد بھی انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو بدستور قائم رکھا، یہ لوگ سیدنا علیؑ اور
سیدنا معاویہؓ دونوں کو گمراہ سمجھتے تھے اور ان کے حامیوں کو مباح المال والدم متصور کرتے تھے۔

سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے بڑے زور شور سے سراٹھایا
اور اہم نہ میں ایک خارجی فردہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا
آپ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں لیکن انہیں شکست ہوئی، سیدنا معاویہؓ
یہ سمجھتے تھے کہ اس بغاوت میں کوفہ والوں کا بھی ہاتھ ہے لہذا انہوں نے کوفہ
والوں کو دھمکی دی، اس دھمکی پر اہل کوفہ نے فردہ بن نوفل خارجی کو گرفتار کر لیا لیکن اس
کے گرفتار ہوتے ہی خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحو ساء کو اپنا سردار بنالیا، اہل کوفہ
نے اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد حوثلہ ابن ودا ع بن مسعود الاسدی سردار سی
کے عہدہ پر متمکن ہو گیا، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۵، ۲۰۶، غرض کہ سرداروں کے مرنے
سے ان کی جاننازی میں کوئی فرق نہ پڑتا ایک سردار مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا

اور اس طرح ان کی شورش اور بغاوت کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، سیدنا معاویہؓ ان کے اس سلسلے سے ذرا پریشان ہوئے، آپ نے ان کی اس طاقت و قوت کو توڑنے کے لیے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جیسے بہترین مدبر کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا، آپ کی گورنری میں شیب بن بحرہ، معین بن عبداللہ اور ابی لیلیٰ وغیرہ نے سر اٹھایا لیکن آپ نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ان کے زور کو توڑ دیا، پھر ۳۳ھ میں مستور بن علقمہ خارجی نے خفجہ سازش کی کہ عید الفطر کے موقع پر لوگ نماز کے لیے جائیں تو ان پر دفعتہ حملہ کر دیا جائے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو اس کا علم ہو گیا آپ نے فوراً اس کا تدارک فرمایا اور جس گھر میں یہ سازش ہو رہی تھی اس گھر کا محاصرہ کر لیا، مستور و بذات خود نکل گیا لیکن سازش میں دوسرے شریک آدمی گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے۔ سیدنا معاویہؓ کی طرح سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا بھی یہ خیال تھا کہ تحار جیوں کی اس شورش میں اہل کوفہ کا ہاتھ ہے، اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے اہل کوفہ کا علاج کیا جائے، آپ کی حکمت عملی میں تلوار سب سے آخری شے تھی لہذا آپ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور فرمایا

لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لیے امن و عاقبت چاہتا ہوں اور مصائب کے لیے تمہارے راستہ میں روکاٹ نہیں بنتا چاہتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے اس طرز عمل سے کم عقل لوگ بد آموزہ ہو جائیں البتہ حلیم اور اہل عقل سے اس چیز کی امید نہیں ہے، بخدا مجھے اندیشہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ اور ناکردہ گناہ لوگوں کے مٹاؤں پر مجبور ہو جاؤں قبل اس کے کہ تم پر کوئی مصیبت آئے تم اپنے کم عقل آدمیوں کو روک لو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ منافقت اور مخالفت کا بیج بویں ہیں واللہ وہ لوگ عرب کے حبش قبیلے سے بھی متعلق ہوں گے میں ان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دوں گا اور ان کو ان کے بعد آئینوالوں کے لیے عذاب کا نمونہ بناؤں گا۔

د الکامل لابن الاثیر الخمری جلد ۳ ص ۲۱۲، طبری جلد ۲ ص ۱۰۶

اس تقریر کا بہت اثر ہوا تقریر کے فوراً بعد ہی ایک کوئی سردار معتقل بن قیس نے اٹھ

کہا کہ آپ ایسے کم عقل لوگوں کا ہمیں پتہ بتائیں ہم خود ان کا علاج کر لیں گے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ ایسے نا عاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کر دیں، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جواب دیا کہ میں ایسے لوگوں کے ناموں سے آشنا نہیں ہوں اس پر معقل بن قیسؓ نے کہا کہ پھر ہر قبیلہ کا ذمہ دار آدمی اپنے اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور سب سے پہلے میں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں اس معقول تجویز کو سب نے قبول کیا، لہذا تمام قبائل کے سرداروں کو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہو اور اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا اس دھمکی پر تمام سرداران قبائل نے اپنے اپنے قبیلہ کے ان نا عاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی، مستورد نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا، سیدنا مغیرہؓ نے معقل بن قیسؓ کی ماتحتی میں اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں دونوں میں کافی معرکے ہوئے لیکن میدان مستورد اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ ہی رہا، آخر میں مستورد اور معقل بن قیسؓ دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷)

ان معرکوں میں خارجیوں کی کافی تعداد کام آئی اور جو پکڑ گئے وہ بھی منتشر ہو گئے جس سے مستورد اور اس کے ساتھیوں کا کافی حد تک زور ٹوٹ گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۲، ۲۱۷)

بصرہ کی شورش

عراق کا پورا علاقہ سیدنا علیؓ کے ماتحت تھا اور سبائی تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا سیدنا حسنؓ نے جب امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی تو سبائیوں کو اس سے بہت دھکا لگا وہ ظاہری طور پر تو اب کچھ کہہ نہیں سکتے تھے البتہ اندرونی طور پر انہوں نے مختلف قسم کی شرارتیں اور سازشیں کرنا شروع کر دیں، کوفہ کی اس شورش کو تو مدبر اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنی حکمت عملی سے ختم کر دیا لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی یہاں کے گورنر

عبداللہ بن عامرؓ کچھ غیر معمولی حلیم الطبع اور نرم خو واقع ہوئے تھے وہ فسادوں اور فتنہ پرانوں پر بھی سختی کو روا نہیں سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔ زیاد بن ابی سفیان نے جو سیدنا معاویہؓ کے سوتیلے بھائی تھے بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو سختی کرنے کی ہدایت کی لیکن انہوں نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا، یہاں کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہو رہے تھے، اس لیے یہاں کی پبلک نے سیدنا معاویہؓ سے حالات کی درستگی کی اپیل کی، سیدنا معاویہؓ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ گورنر کی نرمی کی وجہ سے ہو رہا ہے اس لیے انہوں نے عبداللہ بن عامر کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن عبداللہ اشجریؓ کو گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ بھی بصرہ کے حالات کو رو بہ اصلاح نہ کر سکے آخر ہم ماہ کے بعد شکستہ میں زیاد بن ابی سفیان کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا اور سچی بات یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کیلئے یہ نہایت موزوں آدمی تھا یہ نہایت قادر الکلام مقرر اور شعلہ بیان خطیب تھے انہوں نے آتے ہی ایک ایسی تقریر کی جو زور بیان اور الفاظ کے شکوہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی اس تقریر کے آخر میں آپؓ نے فرمایا :-

میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ اور عداوت تھی وہ میں نے آج اپنے پاؤں تلے روند دی ہے میں کسی سے محض دشمنی کی وجہ سے مواخذہ نہیں کروں گا اور نہ کسی کے عیوب کی پردہ دری کروں گا مگر یہ کہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہو جائے۔ بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں یہی کوشش کروں گا کہ اس سے جہنم پوشی کروں تم میں اگر کوئی محسن ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے احسان میں زیادتی ہی کرے، اور اگر کوئی بُرا ہے تو اسے اپنی برائیوں سے یک قلم باز آ جانا چاہیے، تم لوگ اطاعت و فرمانبرداری سے میرے ساتھ تعاون کرو حتیٰ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا، اخبار الطوال ص ۲۱۹، ۲۲۰، ابن الاثیر نے الکامل میں یہ خطبہ کافی لمبا نقل کیا ہے جو کہ فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار بھی ہے۔ (جلد ۳ ص ۳۲۳)

یہ تو تھی زیبائی فہمائش، لیکن یہ لوگ زیبائی فہمائش سے سمجھنے والے نہیں تھے لہذا آپؓ نے ساتھ ہی بصرہ میں رات کا کر فیو لگا دیا، پولیس کی بھاری جمعیت راتوں کو گشت کرتی اور

وقت مقرر کے بعد جو شخص باہر نظر آتا اسے گرفتار کر لیا جاتا اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت بہت جلد درست ہو گئی اور مملکت اسلامیہ میں کافی حد تک فتنہ پروازوں کا خاتمہ ہو گیا۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے کوفہ کے حالات کو درست فرمادیا تھا لیکن ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا سیدنا معاویہؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں پھر فتنہ پرواز اپنی خفیہ سازشوں کو بروئے کار نہ لائیں، لہذا ضروری تھا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جلیبا مدبر ہی کوفہ کا گورنر بنایا جائے۔

زیاد کے تدبیر اور حکمت عملی کو سیدنا عمر الفاروقؓ نے مانا ہوا تھا۔ راہن عساکر جلد ۵ ص ۲۹

البدائیۃ والنہائیۃ جلد ۸ ص ۲۹ اور خود سیدنا علیؓ نے اس کے تدبیر اور ان کی عدل گستری کی وجہ سے ۲۹ھ میں ان کو فارس کا گورنر مقرر فرمایا تھا البدائیۃ والنہائیۃ جلد ۷ ص ۳۲ اس لیے سیدنا معاویہؓ نے کوفہ کی ولایت بھی ان زیاد ہی کے سپرد فرمادی اس لحاظ سے زیاد سب سے

۱۔ زیاد بن ابی سفیانؓ کے بارہ میں بھی لوگوں کے دہنوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، بتایا یہ جاتا ہے کہ وہ بہت ظالم تھے حالانکہ یہ غلط ہے، بصرہ اور کوفہ چونکہ سیائی مرکز تھے اور سبائی یہاں آئے روز خلافت اسلامیہ کے خلاف شورش برپا کرتے رہتے تھے ان کی شورش کو انہوں نے اپنی منتظمانہ قابلیت سے فرو کیا جس میں ہمیشہ کچھ سختی بھی کرنا پڑتی ہے لہذا انہی لوگوں نے ان کو درشت مزاج، سنگدل اور جلا دقلم کے الفاظ سے یاد کیا، حالانکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت نیکدل اور زاہد شب زندہ دار شخص تھے، چنانچہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں:

کان یعد فی الزہاد۔

وہ زاہدوں میں سے شمار ہوتے تھے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۲۶)

جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے۔

کان زیاد ممن اعتزل یوم الجمل ولم یشہد المعرکۃ وقعد فی بیت رافع

بن الحارث۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۲۸)

زیاد ان لوگوں میں ہیں جو جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے تھے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے اور

رافع بن الحارث کے گھر میں بیٹھے رہے۔

پہلے آدمی ہیں جو بیک وقت کوفہ اور بصرہ دونوں صوبوں کے گورنر تھے، آپ چھ مہینے کوفہ میں رہتے اور چھ مہینے بصرہ میں راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۸، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۳، کتاب الوسیط احمد الاسکندری ص ۱۱۱

کوفہ کے لوگ چونکہ ان کے مزاج سے واقف نہیں تھے لہذا ان کے گورنر ہوتے ہی انہوں نے معمولی سی شورش برپا کی زیادہ انی سفیان نے سختی سے ان کی شورش کو بالکل دبا دیا۔

بغاوتیں

ان اندرونی شورشوں کے علاوہ متعدد مقتوحہ علاقوں میں معمولی بغاوتیں بھی ہوئیں لیکن آپ نے ان بغاوتوں پر جلد ہی قابو پالیا، آپ کے امیر المومنین ہونے کے ساتھ ہی اہل نجد میں ہرات، بلخ، باوینس اور بلخ وغیرہ علاقوں کے باشندوں نے بغاوت کی، مشرقی ممالک کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے قیس بن مہشیم کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا، گورنر مقرر ہونے کے بعد قیس خراسان سے بلخ پہنچے اور یہاں کے باشندوں کی بغاوت کو فرو کیا اور بلخ کے مشہور آتش کدہ نو بہا کو ہمار کیا جس سے باغیوں کے قلوب پر بہت رعب پڑا، عبداللہ بن خازم نے ہرات اور دوسرے علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے میں کامیاب کیا۔ راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۸

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اہل اسلام نے کابل اور اس کے ملحقہ علاقوں کو بھی اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن بعد میں مسلمانوں کی آپس کی چمپلش نے ان لوگوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع دے دیا، چنانچہ ۳۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی، سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے عبدالرحمن بن سمرہ کو سبستان کا وال بنا کر بھیجا اور کابل اور اس کے ملحقہات کی بغاوت کو فرو کرنے کی خاص ہدایات دیں۔ آپ نے آتے ہی کابل کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں کے ذریعہ سنگ باری کر کے شہر کی فصیل کی دیواروں کو شق کر دیا، عباد بن حصین ساری رات ان شگافوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کہیں دشمن ان کو پرنہ کر دیں، شہر والوں نے جب کوئی چارہ رہا ہی نہ سمجھا تو شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کی

وقت کی تاب نہ لا کر شکست فاش کھائی راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷) یعقوبی نے لکھا ہے کہ
شہر نپاہ کے دربان نے شہر کا پھاٹک کھول دیا تھا یعقوبی جلد ۲ ص ۲۵۸

کابل کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے بست کا رخ کیا اور وہاں بھی وہ حالات کو جلد
اپنے قابو میں لے آئے، یہاں کے حالات پر قابو پانے کے بعد لشکر اسلام نے زران کا رخ
کیا یہاں کے لوگوں نے بغیر جنگ کے سپردال دی اور خون کا ایک قطرہ یہاں سے بغیر ہی شہر
پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد طخارستان کو زیر کیا گیا اور پھر رنج پر قبضہ کرتے ہوئے اسلامی
لشکر غزنہ پہنچا اہل غزنہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی، اس طرح پورے
باغی علاقے پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور سبستان سے لے کر غزنہ تک کا پورا علاقہ
جو بغاوت کی وجہ سے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا پھر مسلمانوں کی ماتحتی میں آ گیا۔

(راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷)

۳۸۰ھ میں غوریوں نے بغاوت کی لیکن حکم بن عمرو غفاری نے اسے جلد ہی فرو کر
دیا (راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۶) غرض کہ جہاں بھی فتنہ و بغاوت کے آثار نظر آئے فوراً اس
کا تدارک کیا گیا اور چارہ پانچ سال کے عرصہ ہی میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے ملک میں
فساد اور بغاوت کی جو ہوائیں اٹھی تھیں درشتی اور نرمی سے ان کے رخ کو پھیر دیا گیا اور
حالات یہاں تک خوشگوار ہو گئے کہ سیدنا ابو بکر رضہ، سیدنا عمر رضہ اور سیدنا عثمان رضہ کے
زمانوں کی یادیں مسلمانوں کے ذہنوں اور نظروں کے سامنے پھر سے پھرنے لگیں۔



إِصْلَاحَاتُ

سیدنا علیؑ کے زمانہ میں بیرونی فتوحات کا زمانہ یک قلم منقطع ہو چکا تھا کیونکہ مسلمانوں کو اپنی ان خانہ جنگیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی جو دشمنان اسلام نے ان کے درمیان پیدا کر دی ہوئی تھیں، اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی دشمن ایک دوسرے کو اکساتے اور اسلام کی اس خلافت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے جس کی بنیاد سیدنا صدیق اکبرؑ کے وجودِ باوجود سے پڑی تھی، چنانچہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جن دنوں جنگ صفین ہوئی تھی انہی دنوں قیصر روم نے اسلامی سرحدوں پر اپنی فوج کو مجتمع کرنا شروع کر دیا تاکہ مسلمانوں کے اس خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر اچانک حملہ کر دے سیدنا معاویہؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اسے لکھا:

یا لعین واللہ! لن نلحقک ولا نخرجک من بلادک ولا نصلحک انا
 وابن عمی علیک ولا نخرجک من جمیع بلادک ولا ضیقن علیک الارض
 بماد حیت۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۱۹)

اے لعین! بخدا! اگر تو اس کام سے، باز نہ آیا اور اپنے لشکروں کے ساتھ
 اپنے شہروں میں واپس نہ چلا گیا تو میں اور میرا چچا زاد بھائی (علیؑ) آپس میں
 تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال دیں گے
 اور زمین کو باوجود اس کی وسعت کے تجھ پر تنگ کر دیں گے۔

سیدنا معاویہؓ کے اس جواب سے قیصر روم بہت خوف زدہ ہو گیا اور واپس چلا
 گیا بلکہ صلح کے لیے ایک وفد سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا:

قبصر روم کو یہ جرأت صرف اس لیے ہوئی تھی کہ مسلمان باہمی خانہ جنگی کا شکار تھے اور
بیرونی فتوحات کا سلسلہ بالکل معطل ہو چکا تھا آخر پانچ چھ سال کے بعد جب زمام
خلافت سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ آئی تو آپ نے پھر وہی سلسلہ قائم کر دیا جو خلافت فاروقی
اور خلافت عثمانی میں تھا، چنانچہ علامہ ابن کثیر جن کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے فرماتے ہیں کہ :-

الجهاد في بلاد عدو وقائم وكلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من
اطراف الارض والمسلمون معه في مراحه وعدل وصبر وعفو۔

رسیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور
اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے
پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دور خلافت میں عدل و انصاف اور راحت
آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۹)

گویا ہر جانب مرقہ حالی کا دور دورہ تھا، سلطنت کی پہنائیوں میں ہر جانب
اضافہ ہو رہا تھا۔ بحری بیڑہ تو سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ہی آپ نے تیار کر لیا
تھا اب اس کو اچھی خاصی ترقی دی گئی جس کے باعث سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی
پھریرا لہرانے لگا، رعیت کی گرویدگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے
حسن سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے دل کو موہ لیا تھا اسی لیے تو ابن تیمیہؒ کو کہنا پڑا :-

كانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار امير الولاة وكان رعيته يحبونه
وقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه قال خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون
عليهم ويصلون عليكم وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم و
يبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم۔ (منهاج السنة ج ۳ ص ۱۸۹)

سیدنا معاویہؓ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا کو
آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت

کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔“
تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے جہاں بیرونی فتوحات کیں وہاں اندرون ملک بھی پبلک اور رعایا کی بہتری کے لیے مختلف اصلاحات نافذ کیں، چنانچہ شعی مؤرخ امیر علی کو مستعجب ہونے کے باوجود یہ لکھنا پڑا:-

On the whole Muawiyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad.
(History of Saracens, P. 82)

”مجموعی طور پر سیدنا معاویہؓ کی حکومت اندرون ملک بڑی خوشحال اور پر امن تھی اور خارجیہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔“
آپ نے ملک کے غیر منظم معاملات کو پچھلے منظم کیا، ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے کو خود کفیل بنایا، ہر صوبہ کی سالانہ آمدن کو اسی صوبہ کی ترقی پر خرچ کرنے کی ہدایات دیں سوائے ایک مختصر سی رقم کے جو ہر سال مرکز کو بھیجی جاتی تھی، ہر صوبے کی زکوٰۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہیں صرف ہوتی، اس سے یہ ہوا کہ ہر صوبے میں ترقی اور خوشحالی کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیت المال کے لیے رقم دیتے لیکن اس معاملہ میں آپ نے زیادہ تر فاروقی اصولوں کو اپنایا۔

رفاہ عام کے کام

آپ نے لوگوں کی بہتری کے بہت سے کام کیے لیکن اس معاملہ میں وہ بھی زیادہ تر فاروقی اور عثمانی اصولوں پر عمل کرتے رہے۔ رعایا کے بچوں کی پرورش کیلئے

و ظائف سب سے پہلے سیدنا عمرؓ نے مقرر فرمائے تھے خلافت عثمانی میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا مگر وقتاً فوقتاً اس میں کچھ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آپ نے بھی اپنے زمانہ میں اس چیز کو قائم رکھا البتہ اس میں یہ تبدیلی اور ترمیم فرمائی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ شروع ہو جاتا لیکن آپ نے دودھ چھڑانے کے بعد اس کا وظیفہ جاری فرمایا۔ (فتوح البلدان ص ۶۲) علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ یقریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے کہ کس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، وہ سرکاری ملازمین نہ صرف بچوں کی پیدائش کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خبر رکھتے کہ کسی کے ہاں کون مہمان آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ اور ان سب حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۲)

مساجد کی تعمیر

آپ نے اپنے عہد خلافت میں کثرت سے نئی مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سی پرانی مساجد کو از سر نو تعمیر کروایا، چنانچہ زیاد بن ابی سفیانؓ نے بصرہ کی جامع مسجد کو جو کہ بہت پرانی بھی تھی اور چھوٹی بھی، مسمار کروا کر از سر نو اینٹ اور پتھروں سے نہایت وسیع اور خوب صورت شکل میں بنوایا اور اس کی چھت ساکھو کی بنوائی۔

(فتوح البلدان بزازری، معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد ۴ ص ۳۲۳، ۳۲۴)

عبدالرحمن بن عمروؓ نے بصرہ میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی بصرہ کی مساجد میں ینارو کا بالکل رواج نہ تھا، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ نے تمام مساجد کے ینار تعمیر کرائے۔

(الاصابہ لابن حجر جلد ۴ ص ۲۱۹ تذکرہ مسلمہ بن مخلد)

قبرص میں جس کو خلافت عثمانی میں سیدنا معاویہؓ ہی نے فتح کیا تھا، بہت سی مساجد تعمیر کروائی گئیں۔ (فتوح البلدان ص ۱۶) سیدنا عقیب بن نافعؓ نے یروان کی آبادی میں ایک بہت بڑی جامع مسجد تعمیر کروائی۔ (فتوح البلدان معجم البلدان ذکر یروان)

مصر میں مسجدوں کے میناروں کا رواج بھی سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا۔
(مقریزی جلد ۲ ص ۲۴۸) اور عراق کی بصرہ مسجد میں بھی زیاد بن ابی سفیان نے سب
سے پہلے پتھر کے مینار بنوائے۔ (فتوح البلدان ص ۳۵۶)

غلاف کعبہ

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانوں میں بیت اللہ پر معمولی قسم کا غلاف چڑھایا
جاتا تھا۔ سیدنا عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں قیمتی غلافوں کا چڑھانا شروع کیا، لیکن آپ
نے ایک تو خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے متعدد غلام مقرر کیے دوسرے دیبا اور حریر کا بہترین
غلاف بیت اللہ پر چڑھایا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۸۳)

غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

مسلمان تو مسلمان آپ نے غیر مسلموں کے حقوق کی بھی حفاظت پوری طرح فرمائی،
ان کے معاہدات اور جذبات کا پورا پورا احترام کیا اور ان کے جان و مال کی اچھے
طریقے سے حفاظت فرمائی، چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس
ایک مسجد بنائی گئی تھی سیدنا معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں مسجد کو وسیع کرنے کے خیال سے
گرجا کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائی گرجا کی زمین دینے پر راضی نہ ہوئے، لہذا
آپ نے مسجد کی وسعت کا ارادہ ترک فرمادیا اور زبردستی گرجا کو مسجد میں شامل نہ کیا تاکہ
ان کے جذبات کو بھیس نہ پہنچے۔ (فتوح البلدان ص ۳۳۱)

آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت ہو اور ان کے
گورنروں اور حکام کے ہاتھوں کسی غیر مسلم کی جان اور مال کو کسی قسم کا کوئی نقصان
نہ پہنچے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ عقبہ بن عامر صحابی رسول کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا وہ مصر کے
ایک گاؤں میں اپنا رہائشی مکان بنواتا چاہتے تھے، اس غرض کے لیے سیدنا معاویہؓ نے

انہیں ایک ہزار جریب زمین دی، انہوں نے ایک غیر آباد زمین اس مقصد کے لیے منتخب فرمائی، آپ کے خادم نے کہا حضرت! یہ جگہ غیر آباد ہے مکان کی تعمیر کے لیے یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے اس لیے آپ کوئی عمدہ قطعہ زمین منتخب فرمائیے، سیدنا عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی ذاتی کی زمین اس کے قبضہ سے نکال کر اپنا مکان تعمیر کراؤں۔ (مقریزی جلد ۱ ص ۲۰۸)

زراعت اور اس کے وسائل کی ترقی

آپ نے زراعت اور اس کے وسائل کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی، چنانچہ آپ نے زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوائیں جن سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی جس سے ملک کی زراعت میں بہت ترقی ہوئی، چنانچہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہر نظامہ، نہر ارنق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص ۱۱، خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۶) زیاد بن ابی سفیان نے نہر معقل کو جو کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں سیدنا معقلؓ نے کھدوائی تھی دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔ (فتوح البلدان ص ۳۶۶) بخارا کے کوہستان سے عبید اللہ بن زیاد نے بھی ایک نہر کھدوائی۔ (طبری جلد ۶ ص ۱۶۱) نہروں کی کھدائی کے علاوہ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے گرد و بند بندھوا کر بڑے بڑے تالاب بنوائے گئے جن میں موسم برسات میں پانی جمع ہوتا اور ضرورت کے وقت آبپاشی اور دیگر کاموں میں لایا جاتا۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۳۲۱)

پانی کی اس فروانی سے ملک کی زرعی حالت میں کافی حد تک ترقی ہوئی، چنانچہ صرف مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہروں سے ڈیڑھ لاکھ وستی کھجوریں اور ایک لاکھ وستی گندم پیدا ہوتی تھی۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۲۳۷)

زراعت کیلئے پانی کی فراہمی

زراعت کے لیے پانی اشد ضروری ہے، زمینوں کو پانی وافر ملے تو وہ بہت جلد زرخیز ہو جاتی ہیں بلکہ سونا اگلنے لگتی ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں زراعت کے لیے اور لوگوں کے پینے کے لیے وافر پانی فراہم کیا، آپؐ نے مختلف علاقوں میں نہریں کھدوائیں اور پانی ذخیرہ کرنے کے لیے تالاب بنوائے اور عراق کے علاقہ میں ایک نہر بنوائی۔ روایات میں ہے کہ آپؐ نے زیاد بن ابی سفیان کو نہر کی کھدوائی کا حکم دیا، اور بعض روایات کے مطابق یہ کام عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے ذریعہ سرانجام دیا، جب نہر کی کھدائی مکمل ہو گئی تو پانی کے اجراء کے لیے زیادؓ نے صحابی رسولؐ سیدنا معقل بن یسارؓ کو اس کے افتتاح کے لیے زحمت دی، چنانچہ انہوں نے اگر اس نہر کا افتتاح فرمایا، اس نہر کا نام نہر معقل رکھا گیا۔

(فتوح البلدان ص ۲۶۶)

مدینہ طیبہ میں بھی اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر کھودی گئی، جب اس نہر کے کھدائی میدان احد میں سے ہوئی (کیونکہ اس نے یہاں سے گذر کر جانا تھا) تو حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقرباء یہاں مدفون ہیں وہ انہیں کہیں دوسری جگہ منتقل کر لیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے اپنے اعزاء و اقرباء کے مزارات کو کھولا تو دیکھا کہ ان شہداء کے جسم بالکل اسی طرح تروتازہ ہیں حالانکہ انہیں وہاں دفن ہوئے چالیس سال سے زائد عرصہ گذر چکا تھا۔ سیدنا حمزہؓ کے قدم مبارک پر کوئی چیز لگنے سے خون جاری ہو گیا۔ رابدیہ والنہایہ جلد ۴ ص ۴۳، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ ص ۲۹، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۳۹، المصنف لعبد الرزاق جلد ۳ ص ۵۵، کتاب التہذیب لابن عبد البر جلد ۱ ص ۱۴۲

مدینہ طیبہ سے قریب بیس میل دور چوپالیوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے

آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک تالاب بنوایا جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا، یہ ایک نشیبی علاقے میں تھا، لوگ اس سے اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے، لوگ اسے ”سد معاویہ“ کے نام سے پکارتے تھے۔ (بلاد العرب ص ۱۴۰، کتاب مناسک الحج ص ۳۳)

نئے شہروں کی تعمیر

پیداوار کی زیادتی سے ہلکی آبادی میں بھی اضافہ ہوا جس سے اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں کیونکہ زمین کے مزدور ہونے سے رہائشی زمین کم ہو گئی۔ چنانچہ ۱۴۳ھ میں انطاکیہ میں ایک نوآبادی قائم کی گئی۔ (فتوح البلدان ص ۱۵۲) روڈس اور کئی دوسرے جزیروں میں بھی جہاں غیر مسلم آباد تھے اہل اسلام کو بسایا گیا۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۲) علاوہ انہیں کئی دیگران شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا گیا، جیسے شام کا دیران شدہ شہر مرعش، اس کے علاوہ کئی نئے شہر بھی آباد کیے گئے۔ جیسے افریقہ میں ایک نیا شہر قیروان بسایا گیا، اس شہر کی تعمیر کی وجہ تاریخ کے اوراق میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے سیدنا عقبہ بن نافعؓ افریقہ کے گورنر تھے، اس سے قبل سیدنا معاویہ بن خدیجؓ نے افریقہ کے ان علاقوں کو فتح کیا تھا اور یہاں کی بربر قوم کو مطیع و منقاد بنایا تھا، اہل اسلام کی زبردستی کو دیکھ کر بربر زبردست تو ہو گئے اور وقتی طور پر انہوں نے اسلام کا حلقہ بھی اپنی گردن میں ڈال لیا لیکن جو یہی مسلمانوں کا لشکر وہاں سے ہٹا تو وہ سارے لوگ جو مسلمان ہوئے تھے مرتد ہو گئے اور اسلامی لشکر کے رہے ہے مسلمانوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا، معاویہؓ بن خدیج کے بعد عقبہ بن نافعؓ وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، انہوں نے بربروں کی اس آٹے دہی کی غارتگری سے اہل اسلام کو بچانے کے لیے وہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جس جگہ شہر اور فوجی چھاؤنی بنانا مقصود تھا وہاں ہیلوں میں گھنا جھنگل تھا اور اس میں نہایت موذی قسم کے سانپ اور جنگلی درندہ رہتے تھے اور انسانی فکر میں یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سانپوں اور درندوں سے اس گھنے جنگل

کو خالی کر کر وہاں شہر آباد کیا جائے گا، بربر لوگ مسلمانوں کے اس منصوبے کو حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی تکمیل کو بالکل ناممکن خیال کرتے تھے، ایک روز سیدنا عقبہ بن نافعؓ گوزرا فریقہ نے جنگل کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر ان جنگلی جانوروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اٰیتھا الحیات والسباع فمن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
ارحلوا عنا فاننا نازلون، ومن وجدنا بعد ذلك قتلناک۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۳)
اے سانپو اور درندو! ہم رسول اللہ کے صحابی ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ
ہم اس جنگل کو اپنا ٹھکانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد ہم جس جانور کو اس
جنگل میں دیکھ لیں گے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

اس روز ایک نہیں ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ جنگل کے وہ سانپ اور درندے
اور دوسرے موذی جانور اپنے بچوں کو چمٹائے اس جنگل کو چھوڑ رہے تھے اور اسی
روز وہ جنگل ان موذی جانوروں سے یک قلم خالی ہو گیا، یہ دیکھ کر بربروں کی ایک کثیر تعداد
خلوص دل سے مسلمان ہو گئی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۳، معجم البلدان جلد ۷ ص ۱۹۴،
البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵، ہسٹری آف دی سیریز ص ۹۷)

جنگل خالی ہونے کے بعد وہاں قیروان نامی ایک شہر آباد کیا گیا اور ایک جامع مسجد
تعمیر کی گئی، لوگوں نے بھی اپنے مکانات تعمیر کیے اور اپنے محلوں میں مساجد بنائیں جس سے
ان کو پانچ وقتی نماز میں سہولت ہو گئی۔ شہر کی وضع اس طرز کی تھی کہ شہر کے عین وسط میں
دارالامارت تھا اور اس کے ارد گرد چاروں طرف مسلمانوں کے محلے بنائے گئے، اس شہر
کی تکمیل ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ یہ شہر صرف ایسے بسایا گیا تھا تاکہ افریقی بربروں کو مطیع و متعاور رکھا
جاسکے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم تھے کہ جب تک ان کے سروں پر فوجی طاقت مسلط نہ
ہوتی وہ بغاوت سے باز نہ آتے تھے، یہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی قائم کی گئی۔

اس شہر نے بعد کے زمانہ میں اس قدر ترقی کی کہ یہ شمالی افریقہ کا ایک بہت بڑا
شہر بن گیا۔

نقل و حمل کا انتظام

آپ کے زمانہ میں نقل و حمل (Communication) کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا اور خصوصی طور پر ڈاک کے لیے ”البوید“ کے نام سے ایک مستقل محکمہ بنایا گیا کیونکہ اس سے قبل ڈاک اور خبر رسانی کیلئے کوئی باقاعدہ محکمہ نہیں تھا۔ (التظیم الاسلامیہ ص ۲۵۲) اس کا نظام یہ تھا کہ بارہ بارہ میل کے فاصلہ پر چوکیاں قائم کی گئیں جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے، علامت کے طور پر ان گھوڑوں کی دُموں کو تھوڑا سا کاٹ دیا گیا تھا تاکہ گھوڑے کو دیکھتے ہی لوگ سمجھ لیں کہ ڈاک جا رہی ہے، گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں بندھی ہوتی تھیں تاکہ چوکی پر پہنچنے سے قبل ہی چوکی کے ہرکارے کو پتہ چل جائے کہ ڈاک آرہی ہے، اس طرح سے ہرکاری ہرکارے منزل بمنزل ڈاک اور خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے اور لے جاتے۔ (الفخری ص ۹۷)

رعایا سے سلوک

بیت المال کا منہ رعایا اور اس کے آرام و آسائش کے لیے کھول دیا گیا تھا اور ہر حاجتمند و ہال سے اپنی حاجت کے مطابق لے سکتا تھا، خصوصی طور پر اہلبیت نبوت پر تو ہر وقت داد و دہش ہوتی رہتی تھی، چنانچہ دس دس لاکھ درہم سالانہ سیدنا حسنؑ، سیدنا حسینؑ، سیدنا عبداللہ بن عباسؑ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؑ کو دیا جاتا تھا۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۸ ص ۸۴۳)۔ اس کے علاوہ ان بزرگوں کو عطیات اور ہدیوں کی شکل میں بھی بہت کچھ دیا جاتا تھا۔ (مقتل ابی مخنف، ابدا یہ والنہایہ جلد ۸، ص ۱۵۱) بلکہ ایک دفعہ تو سیدنا حسنؑ کو چالیس لاکھ درہم دیئے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) بیت المال

کے سابق مصارف کو اسی طرح قائم رکھا، اکابر صحابہ کے جو وظائف جاری تھے ان کو بھی برابر جاری رکھا بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا۔

جس طرح دوسرے تمام خلفائے راشدین اُتھات المؤمنین کی خدمت کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے، سیدنا امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ کی رقم سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا اور دوسری اُتھات المؤمنینؓ کو پیش کر دی۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۲۵، اگرچہ آل ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان و اشراف آپ کے خلاف رہے تھے لیکن آپ کی فیاضی کا ابرہہ ہمیشہ ان پر برستار رہا۔ (الفخری ص ۵۵) ایک دفعہ سیدنا عقیلؓ کو جو کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے بڑے بھائی تھے، چالیس ہزار درہموں کی ضرورت تھی وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور انہوں نے فوراً ان کی مطلوبہ رقم ان کو دے دی۔ (اسد الغابہ لابن الاثیر تذکرہ عقیلؓ) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو کسی زمانہ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ساتھیوں میں سے ہونے کی وجہ سے آپ کے مخالف تھے ہمیشہ آپ کی تعریف کے گن گایا کرتے تھے کہ: "لوگ معاویہؓ سے بحرِ بیکراں کی طرح مستفیض ہوتے ہیں۔" (طبری جلد ۶ ص ۱۸۸) اس کے علاوہ بیت المال کی آمدن کو ملک کے دفاعی، زرعی اور وفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا۔ مثلاً بحریہ کو ترقی دی گئی، فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا، قلعے تعمیر کرائے گئے، البرید (ڈاک) کا محکمہ قائم کیا گیا، نہریں کھدوائی گئیں، مساجد تعمیر کروائی گئیں اور اسلامی نوآبادیات قائم کی گئیں جس سے ملک مستحکم اور رعایا خوشحال ہو گئی۔

اے بعض لوگوں نے بیت المال کے سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ پر بہت سے الزامات لگائے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ بیت المال کی اکثر آمدنی اپنی ذات پر صرف کرتے تھے۔ یہ بات عقلی اور نقلی دونوں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قضا و عدالت

آپ کے دورِ حکومت میں نہ صرف ظاہری رفاہی کام کیے گئے بلکہ معنوی طور پر بھی رعایا اور پبلک کو آرام و آسائش بہم پہنچائی گئی، یعنی ظلم و جور میں رعایا کی دادرسی کی گئی، عدل و انصاف کو ہر ممکن طریق سے قائم کیا گیا۔ آپ کو انصاف اور عدل کا اتنا اہتمام تھا کہ مسعودی جیسا شیعی ذہن رکھنے والا مؤرخ بھی لکھتا ہے کہ آپ دربار میں جانے سے قبل روزانہ مسجد میں جا کر کمزور، ناتواں اور نادار اور لاوارث بچوں تک

(بقیہ حاشیہ از گذشتہ صفحہ) لحاظ سے بالکل غلط ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ کی زندگی بالکل ہی سادہ تھی اور آپ منبر پر بھی پھٹی ہوئی قمیض سے خطبہ ارشاد فرماتے۔ کتاب الزہد للامام احمد بن حنبلہ (جلد ۱ ص ۱۷۲) بلکہ دمشق کے بازاروں میں بھی پھٹے ہوئے لباس سے جاتے۔ زالبیہ والنہایت جلد ۸ ص ۱۳۲) آپ کا یہی پھٹا ہوا لباس لوگ تبرک کے طور پر لے جاتے پھر جب وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر لوگ مدینہ طیبہ میں آتے تو یہاں کے لوگ بڑی بڑی قمیضیں دے کر ان کپڑوں کو خرید لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابی رسول سیدنا ضحاک بن قیسؓ ایک نہایت بوسیدہ چادر اوڑھے ہوئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، آپ روضہ اقدس اور منبر نبوی کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوالحسن البراد نے آپ پر اوڑھی ہوئی چادر کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ سیدنا معاویہؓ کی چادر ہے، ابوالحسن نے ان کو ایک عام آدمی سمجھنے ہوئے ان سے وہ چادر خریدنی چاہی اور تین سو دینار تک ان کو دینے چاہے مگر سیدنا ضحاکؓ نے نہ لیے، اس کے بعد سیدنا ضحاک بن قیسؓ نے اپنے دوست حویط بن عبد العزی کے گھر جا کر دوسری چادر اوڑھ لی اور یہ چادر لاکر ابوالحسن کو مفت ہی دیدی اور فرمایا: ”بدترین ہے وہ آدمی جو تبرک میں ملی ہوئی شے کو فروخت کرے، تو تم اسے پہن لو۔“ (ابن عساکر جلد ۷ ص ۷۱)

آپ کی سادگی اور لباس کی یہ بوسیدگی صاف صاف بتا رہی ہے کہ آپ بہت المال کی آمدنی اپنی ذات پر مطلق صرف نہیں فرماتے تھے اگر ایسا کرتے تو کم از کم اپنا لباس تو اچھا بنواتے۔

کی شکایتیں سنتے اور ان کا تدارک کرتے، بلکہ اشراف و اعیان تک کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جو لوگ کسی وجہ سے میرے پاس نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات مجھ سے بیان کیا کریں۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۸۱) سید امیر علی نے عوام کی شکایات سننے کے لیے مسجد میں جانا ظہر کا وقت لکھا ہے۔ (ہسٹری آف دی سیرسز ص ۸۲)

اس کا اثر یہ ہوا کہ مفلس اور تونگر، کمزور اور طاقتور اور چھوٹے بڑے سب کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہو گئیں اور آپ کو نہ کسی اندرونی خطرے کا اندیشہ رہا اور نہ بیرونی کا، اور ملک کا نظام گزشتہ ۵ سالہ سیاسی بحران کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔

عدلیہ کو بالکل آزاد رکھا گیا تھا یہاں تک کہ ایک قاضی امیر المؤمنین کو بھی عدالت میں طلب کر سکتا تھا، قاضی حقیرات کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا کام کرتے تھے۔ اس دور کے قاضی ہر قسم کے غلط لوازمات سے پاک، متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدود اللہ میں بڑے سے بڑے افسر سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، منصب قضا عموماً صحابہ کرام کے سپرد تھا۔ (التظیم الاسلامیہ ص ۲۳۲)

سیدنا معاویہؓ نے پہلے فضالہ بن عبد اللہ الانصاری کو اور ان کے بعد ابودریس الخولانی کو محکمہ قضا کا انچارج مقرر فرمایا تھا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۲)



عسکری نظام

آپ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاہی امور کی طرف توجہ دی بلکہ ایک بہترین عسکری نظام بھی قائم فرما کر ملک کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط ترین بنادیا، جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سپہ سالاری کا عہدہ کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلا آ رہا تھا، خود آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ ساری عمر فوج کے سپہ سالار رہے اور آپ نے بھی کئی مواقع پر فوج کی سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے اس وجہ سے آپ کے زمانہ میں فوج کے صیغہ میں خاصی ترقی ہوئی۔

افواج | بری فوج کا انتظام سیدنا عمر الفاروقؓ ہی کے زمانہ سے بڑا مستحکم تھا لیکن آپ نے پھر بھی اس میں بہت سے اضافے کیے، فوجیوں کی تنخواہیں دگنی کر دی گئیں اور ان کی ادائیگی میں خاص تاریخ کا تعین کر دیا گیا۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۵) فوج دوصوں میں تقسیم تھی، تنخواہ دار فوج اور رضا کار۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۸) لیکن آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج میں منتقل کر دیا۔ آپ کے عہد میں باقاعدہ فوج کی تعداد ۲ لاکھ بیس ہزار تھی جو کہ حسب ذیل چھاؤنیوں میں رہتی تھی:-

کوفہ کی چھاؤنی میں	۶۰ ہزار
بصرہ " "	۸۰ ہزار
مصر " "	۴۰ ہزار
شام " "	۶۰ ہزار

(التمدن الاسلامی از جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۲۶، ص ۱۲۸)

موسموں اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے فوج کے دوصے کر دیئے گئے تاکہ فوجی مہموں میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئے۔

(۱) شتائیمہ ————— (سرمائی فوج)

(۲) صائفہ ————— (گرمائی فوج)

علاوہ ازیں ایک ریزرو (Reserve) فوج کی تشکیل کی گئی، اس فوج کے سپہ سالار سیدنا معاویہؓ کے خصوصی فوجی مشیر تھے، ریزرو فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

(۱) بری (زمینی فوج)

(۲) بحری (سمندری فوج)

فوج میں زیادہ تر دو قبیلوں کے لوگ تھے۔ (۱) یمنی اور (۲) قیسی یمنیوں کو بحری ریزرو فورس میں اور قیسیوں کو بری ریزرو فورس میں شامل کیا گیا بعد ازاں ان دونوں کو یکجا کر دیا گیا۔ (التمدن الاسلامی جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۲۶) فوج کے اسلحہ میں بھی اضافہ کیا گیا اور منجنیق (ایک توپ جس میں پتھر استعمال ہوتا تھا) کا استعمال تو سب سے پہلے آپ ہی کی فوج نے کیا، چنانچہ کابل کے محاصرہ میں اسی منجنیق کے ذریعہ سنگ باری کر کے شہر پناہ کو مسمار کیا گیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۵۸)

اسلامی بحریہ | بحری فوج کی اگرچہ خلافت عثمانی میں آپ ہی نے تشکیل کی تھی لیکن اپنے دور خلافت میں آپ نے اس میں بہت اضافہ کیا، سیدنا عثمانؓ کے دور ہی میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا گیا تھا لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑا اس قدر طاقتور ہو چکا تھا کہ باز نطینی بیڑا بھی جو دنیا کا سب سے بڑا بیڑا سمجھا جاتا تھا اس کے سامنے بالکل گرد تھا، چنانچہ روڈس اور اروڈو وغیرہ جزائر کی مہمات پر اسلامی بحریہ ۷۰۰ جنگی جہازوں پر مشتمل تھی۔

والاسلام والمحاصرة العربیہ جلد ۱ ص ۱۵۸

مسلمانوں نے بحریہ کا مرکز بحیرہ روم کو ٹھہرایا۔ بحری فوج میں شامی، افریقی اور انڈی مسلمان شریک ہوئے، اسلامی بحری کشتیاں باز نطینی کشتیوں سے ضخیم ہوا کرتیں

لیکن رفتار میں ان سے کم تھیں، ہر جنگی جہاز کا ایک قائد ہوتا تھا جسے ”مقدم“ کہا جاتا تھا۔ (المنظم الاسلامیہ ص ۲۴۹، ص ۲۵۲)

جہاز سازی کے کارخانے | اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیش نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے، پہلا کارخانہ ۱۵۳۷ھ میں مصر میں قائم ہوا۔
(حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۱۹۹)

علامہ بلاذری رقمطراز ہیں کہ :-
”پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۳۷ھ میں مصر میں قائم ہوا، بعد ازاں اردن میں عسکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا، ملک کے تمام بڑھئی اور کاریگر جمع کر کے ان کو تمام ساحلی مقامات پر بسایا گیا تاکہ ان کارخانوں کے لیے یسبر کی کوئی دقت نہ رہے۔“

(فتوح البلدان ص ۱۲۴)

عبداللہ بن قیس الحارثی اور جنادہ بن أمیہ امیر البحر ہونے کے علاوہ ان کارخانوں کے نگران بھی تھے۔

قلعوں کی تعمیر | دفاع کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لیے بہت سے قلعے تعمیر کرائے گئے، شام کے علاقہ کو جس پر بازنطینی حکومت کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا قلعوں سے مضبوط کیا گیا، چنانچہ وہاں کئی نئے قلعے تعمیر کیے گئے اور کئی پرانے اور ویران قلعوں کو از سر نو آباد کیا گیا، رومیوں کے پرانے قلعے ”جبلہ“ کو جو فتح شام کے وقت ٹوٹ گیا تھا دوبارہ تعمیر کیا گیا، روڈس میں ایک قلعہ بنوایا گیا جو قریباً سات سال تک فوجی

۱۔ مقریزی کا بیان ہے کہ سب سے پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۳۷ھ میں ”جزیرہ روضہ“ میں قائم ہوا۔ (المخطوط جلد ۲ ص ۱۹، المنظم الاسلامیہ ص ۲۵۰)

مرکز رہا۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۲)

مدینہ طیبہ میں "قصرِ خُلّ" کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا گیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۶۰)
نیز افطرس، مرقیہ اور ملتیارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کرائے گئے۔

(فتوح البلدان ص ۱۶۰)

کمانڈر انچیف کا عہدہ | بحریہ میں اس سے قبل امیر البحر

عثمانی میں بحری اور بری فوج کا سپہ سالار ایک ہی فرد ہوا کرتا تھا لیکن سیدنا امیر معاویہؓ نے اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیش نظر بحریہ کے لیے امیر البحر کا الگ عہدہ قائم کیا، سب سے پہلے امیر البحر سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثیؓ مقرر ہوئے، آپ نے کم و بیش پچاس بحری لڑائیوں میں حصہ لیا تھا اور خوبی یہ ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثیؓ کے بعد سیدنا جنادہ بن ابی امیہؓ کو امیر البحر مقرر کیا گیا، یہ خلافت عثمانی سے دور یرید تک براہِ بحری لڑائیوں میں مصروف و مشغول رہے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت بحری لڑائیوں کے عروج کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں جس قدر بحری لڑائیاں لڑی گئیں ان کی نظیر تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملتی ہے۔



نظم مملکت

نظم مملکت کے بارہ میں آپ نے سیدنا عمر القادوقؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی بلکہ کافی حد تک چلے بھی۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۲۶)
چنانچہ اپنیوں کو نہیں بیگانوں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہؓ نے ایک بار پھر اسلامی مملکت کا نظم و نسق فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے باعث درہم برہم ہو چکا تھا۔ (تاریخ اقوام مسلمہ براکمن ص ۳۱) سیادت و امارت میں آپ نے ان اصولوں کی پیروی کی جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وضع کیے تھے، آپ نے مصلحت اُمت اور ضرورتِ تامہ کے سوا کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف نہیں فرمایا۔
(الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۲۶)

آپ امور مملکت میں ہمیشہ نرمی اور بردباری کے وسائل سے کام لیتے، جب نرمی کے تمام وسائل ناکام ہو جاتے تو پھر طاقت کا استعمال فرماتے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:-

”لا اضع سيفي حيث يكفيني سوطي ولا اضع سوطي حيث يكفيني لسانى ولوان يبنى وبين الناس شعر ما انقطعت قبل وكيف يا امير المؤمنين قال كانوا اذا امدوها خليتها واذا اخلوها امدوها۔“
(الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۲۳۸)

جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں اپنا کوڑا کام میں نہیں لاتا اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال برابر رشتہ بھی قائم ہو تو میں دھرم کی طرح (سے) اس کو بھی نہیں توڑتا، پوچھا گیا امیر المؤمنین! یہ کس طرح؟ آپ نے

فرمایا اس طرح کہ جب وہ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں
اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔“
ایک اور موقع پر ایسے ہی فرمایا۔

”اِنَّ لَا اَحَوْلَ بَيْنَ النَّاسِ وَالسَّنَنَہُمْ مَا لَمْ یَحْمِلُوْا بِیْنَنَا وَبَیْنِ
مَمْلَکَتَا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳، طبری ج ۵ ص ۳۳۶)

میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا
جب تک وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“
ملکی نظم و نسق کی بہتری کے لیے ہی آپ نے باہمی مشورے کیلئے ایک پارلیمنٹ
بنائی اور صوبجات میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشورہ کی بنیادوں پر چلانے
کی ہر ممکن کوشش کی۔ (قوافل العربیہ ومواقبہا ص ۵۲)

محکمہ جات

آپ نے ملک کو مختلف محکمہ جات میں تقسیم کیا تھا اور ہر محکمہ کا ایک سیکرٹری
مقرر تھا۔ سرجون رومی چیف سیکرٹری تھے، سرجون کا والد شام کی فتح سے قبل ہرقل کا
وزیر مال تھا اُس نے فتح شام کے سلسلہ میں مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی۔ (المخاضۃ العربیہ
جلد ۲ ص ۵۸) چنانچہ اس خاندان نے اسلام میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا اور
سرجون بن منصور رومی کی خداداد قابلیت کے پیش نظر آپ نے اُس کو چیف سیکرٹری
مقرر کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۲)

دوسرے محکموں کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

(ا) محکمہ مال کے سیکرٹری : عبید اللہ بن اوس غسانی

(ب) محکمہ خاتم کے سیکرٹری : عبید اللہ بن محمد حمیری

ان کے علاوہ عبدالرحمن بن دراج، جبیر بن حتی، مرواس سلیمان بن سعید جاسطی

سیکرٹری تھے۔ (کتاب الوزراء، الجہتیار ص ۲۵، ۲۶)

صیغہ پولیس ملک میں پولیس کا انتظام نہایت آسن طریق سے مقرر تھا، یہ عدلیہ کے ماتحت تھا اور اس کا کام قاضیوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانا تھا، جرائم کی روک تھام، سماج دشمن عناصر کی سرکوبی، حکومت کے احکام کے نفاذ میں تعاون اور حدودِ الہیہ کا قیام بھی پولیس کے فرائض میں شامل تھا۔

(التمدن الاسلامی جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۹۱)

چونکہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور حکومت کا نظم و نسق چلانے اور حدودِ الہیہ کے قیام کے لیے پولیس کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس لیے آپ نے اس صیغہ کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلے قیس بن حمزہ کو پھرزمل بن عمرو کو انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا گیا۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۶۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱)

ڈیفنس و لڑ خواجہ اور سبائی عناصر کی اگرچہ ظاہری طور پر سرکوبی ہو چکی تھی لیکن یہ دونوں تحریکیں اندرون ملک مخفی طور پر برابر چل رہی تھیں، ان میں سے اکثر افراد دہشت گردی کو بھی پسند کرتے تھے۔

چنانچہ امن وامان کے قیام کے لیے تمام مشتبہ افراد کے نام تھانوں میں درج کیے گئے اور ان کی نگرانی کے لیے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کیے گئے، چنانچہ سیدنا ابوالدرداء کو صوبہ شام کا نگران مقرر کیا گیا، اسی سلسلہ میں زیاد نے جہد بن قیس تمیمی کو عراق میں اس محکمہ کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔ (الادب المفرد ص ۲۳۴)

صیغہ عدالت اُس دور میں صیغہ عدالت حکام کے رعب و اثر سے بالکل آزاد تھا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا کام کرتا تھا، اس دور کے قاضی لوازمات سے پاک، متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدودِ اللہ میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ (النظم الاسلامیہ ص ۲۳۴) چنانچہ آپ نے فقہالہ بن عبید اللہ الانصاری کو اور ان کے بعد ابوالریس الخولانی کو محکمہ قضاء کا انچارج مقرر فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱)

ٹکسال زیاد بن ابی سفیانؓ کی تحریک پر دارالضرب (ٹکسال) کا قیام عمل میں آیا جہاں دینار، درہم اور قلوں بنائے جاتے تھے۔ دینار سونے کا، درہم

چاندی کا اور فلوس تانبے کے ہوتے جن پر ٹکسال کے نام اور تاریخ کے علاوہ قرآنی الفاظ بھی کندہ ہوتے۔ (خلافت از ولیم میورٹ ۳۳۹) صوبوں کی ٹکسال صرف درہم بنانے کی مجاز تھیں۔

تحریر و تقریر کی آزادی | آپ کے زمانہ میں تحریر و تقریر کی پوری آزادی آنادی تھی اور تعمیری نکتہ چینی کو ہر لمحہ خوش آمدید کہا جاتا تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:-

”انی لا حول بین الناس والسننہم مالہم یحولوا بیننا و بین سلطاننا۔ (الکامل لابن الاثیر ج ۳، الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۱۲۴) یعنی میں لوگوں کے اور ان کی زبان کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“
اظہار حق میں ایک گورنر تک اس قدر بیباک تھا کہ وہ خلیفہ وقت کے حکم کو ٹھکرانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا جبکہ اُسے اس کے خلاف حق ہونے کا یقین ہو جاتا۔ چنانچہ جب آپ نے گورنر مصر کو لکھا کہ ہر قبیلہ پر جزیہ میں ایک قیراط اضافہ کر دیا جائے تو گورنر نے جواباً تحریر کیا کہ میں اُن کے جزیہ میں اضافہ کا مجاز نہیں ہوں جبکہ معاہدہ میں عدم اضافہ کی شق موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گورنر اپنے صوبہ کی اصلاح میں آزاد تھا اور نہایت دیانتداری اور بیباکی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا تھا۔
(الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۱)

اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا مسور بن مخرمہؓ کسی ضرورت سے سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے، سیدنا معاویہؓ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا کہ: ”اے مسور! آپ حکومت کے احکام اور عمال پر تنقید اور طعن کیا کرتے تھے، مجھے فرمائیے کہ اب وہ کس طرح ہیں؟“ سیدنا مسورؓ نے کہا: ”امیر المؤمنین! اس بات کو رہنے دیجئے، میں جس مقصد کے لیے آیا ہوں اس کے بارہ میں مجھے بتائیے۔“ سیدنا معاویہؓ نے کہا: ”نہیں! بلکہ آپ جو

ملعون اور تنقید فرمایا کرتے تھے اور خود میری ذات پر جو عیب لگاتے تھے ان کے بارہ میں مجھے ضرور بتائیں۔“

سیدنا مسورؓ کہتے ہیں کہ میں اُن پر جو عیب لگایا کرتا تھا وہ میں نے اُن کے سامنے بیان کر دیا، اس پر سیدنا معاویہؓ نے فرمایا: ”میں گناہوں سے برأت کا دعویٰ نہ نہیں ہوں۔“ پھر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا مسورؓ سے کہا: ”کیا تمہارے بھی کچھ ایسے گناہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اگر معاف نہ فرمائیں تو تم ہلاکت کا خوف رکھتے ہو؟“ سیدنا مسورؓ نے کہا: ”ہاں! میرے بھی کئی گناہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف نہ کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔“

سیدنا معاویہؓ نے پوچھا: ”کس بنا پر تم مجھ سے حق تعالیٰ کی مغفرت کے زیادہ حق دار ہو؟“ جب کہ اللہ کی قسم! میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی اور ملی اہم کام سرانجام دیتا ہوں جن کو حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ (فواللہ! لما لی من اصلاح الرعیاء واقامة الحدود والاصلاح بیت الناس والجهاد فی سبیل اللہ والامور العظام التي لا یحصیہا الا اللہ) یہ سب چیزیں اُن عیوب و ذنوب سے جو تم ذکر کر رہے ہو، کثیر تعداد میں ہیں اور میں اللہ جل شانہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نیکیوں کو قبول کرتے ہیں اور خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ واللہ! اس بارہ میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خلاف اختیار دیا گیا ہے، تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا ہر شے کو ترک کر دیتا ہوں۔“

سیدنا مسورؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی یہ بات سُکر میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ معاویہؓ نے مجھے مورد الزام ٹھہرایا ہے اور مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔

اس کے بعد سیدنا مسورؓ جب کبھی بھی سیدنا امیر معاویہؓ کا ذکر فرماتے

تھے تو ان کے حق میں دُعا اور خیر کے کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۳، سیر اعلام النبلاء تحت ترجمہ معاویہؓ،

الاستیعاب تحت ترجمہ معاویہؓ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ناقد کو بھی اظہارِ رائے کے لیے پوری آزادی دیتے تھے اور اعترافِ حق میں انہیں کوئی خوف نہ تھا لیکن تعمیری تنقید کی آپ بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

پارلیمنٹ خلافت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی اساس سنتِ نبوی پر استوار ہو اور پیچیدہ مسائلِ مملکت کو حل کرنے کے لیے اربابِ حل و عقد پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ کا وجود ہو جس کے مصلحت آمیز مشوروں پر عمل کیا جائے۔ (یوم الاسلام ص ۶۶۔)

چنانچہ آپ نے دمشق میں ایک پارلیمنٹ (مجلس مشاورت) قائم کی اور مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشاورتی بنیادوں پر چلانے کی پوری کوشش کی۔ (قوافل العروبہ و مواکبہا ص ۵۴)

مالیات

ایک اسلامی حکومت کی آمدنی کی جو مددات ہوتی ہیں آپ کی حکومت کی بھی وہی مددات تھیں چنانچہ آپ کی حکومت کی آمدنی کی حسب ذیل مددات تھیں۔

۱۔ خراج شریعت کی اصطلاح میں خراج اس کو کہتے ہیں کہ جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین ہی کے قبضہ میں باقی رہنے دیں اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی اور وہ اسلامی حکومت کے

ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے تو ان کی زمین "خراجی" کہلاتی ہے اور خلیفہ

ان زمینوں پر جو مانگنداری مقرر کرتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کو خراج کہا جاتا ہے۔ (کتاب الخراج للإمام ابی یوسف ص ۶۹، رد المحتار جلد ۳ ص ۳۵۲)

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

فاما الفی یا امیر المؤمنین فہو الخراج عندنا۔ (کتاب الخراج ص ۲۳)

اے امیر المؤمنین! (یعنی ہارون الرشید) اور "فی" ہمارے نزدیک "خراج" ہی ہے۔

۲۔ جزئیہ | اہل کتاب اور مشرکین عجم اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور سالانہ حقوق اسٹیکس ادا کر کے اس شرط پر اسلامی حکومت کے زیر اقتدار آجائیں کہ حکومت ان کے جان و مال اور آبرو کی محافظ رہے تو ایسے ٹیکس کو شریعت کی اصطلاح میں جزئیہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر جزئیہ ادا کرنے والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد اس سے جزئیہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے بجائے زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں جزئیہ کی مقدار حسب ذیل تھی :-

۱۲ روپے سالانہ

(۱) متمول طبقہ

۶ " "

(ب) متوسط طبقہ

۳ " "

(ج) ادنیٰ طبقہ

جزئیہ عاقل و بالغ اور آزاد مردوں پر عائد ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے، اپاہج، شیخ، فانی، غریب اور راہب وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (کتاب الخراج ص ۱۲۲، ۱۲۳، انظم الاسلامیہ ص ۲۶۵، ض ۲۸ ملخصاً)

۳۔ زکوٰۃ | ساڑھے باون (۵۲½) تولہ چاندی اور ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا، مال تجارت اور مکاتوں کے تجارتی کاروبار (اموال نامیہ) پر اگر ایک سال پورا گزر جائے تو اس مال میں سے چالیسواں حصہ راہ خدا میں دینا شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ ایک اسلامی حکومت کے لیے یہ مذہبیت آمدنی کی سب سے اچھی

صرف مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے، ذمیوں پر زکوٰۃ فرض نہیں، اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر قرآن و حدیث میں بہت وعیدیں آئی ہیں۔ مواشی پر بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔

۴۔ صدقات | زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے صدقات کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور بعض حالات میں ان کو واجب قرار دیا ہے

اور بعض میں مستحب و مستحسن، زکوٰۃ کا تو بیت المال میں جمع کرنا ضروری ہے لیکن صدقات کے ادا کی دو صورتیں ہیں، ایک انفرادی دوسری اجتماعی۔ انفرادی یہ کہ ہر خیرات کرنے والا اپنے ہاتھ سے صدقہ کرے، اور اجتماعی یہ کہ صدقہ کے مال کو خلیفہ یا نائب خلیفہ کے سپرد کرے اور وہ بیت المال میں جمع کروا کر مستحقین پر صرف کرے۔

۵۔ خمس | مال غنیمت اور ”رکاز“ دینیہ سے نکلے ہوئے سونے چاندی وغیرہ سے پانچواں حصہ سرکاری خزانہ میں جمع کروانا نہایت ضروری ہے،

قرآن پاک کی سورۃ انفال میں اور مختلف احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر آتا ہے، اس سے بھی اسلامی حکومت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

۶۔ ضرائب | جنگ کے زمانہ اور قحط سالی میں رفاہ عام اور عوام کی بیزگاری دور کرنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ، جو ٹیکس

اہل ثروت حضرات پر حکومت کی جانب سے لگائے جاتے ہیں شریعت میں ان کو ضرائب کہتے ہیں۔ یہ بھی بعض دفعہ اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ بعض دفعہ جبر کے ساتھ یہ ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں :-

”اگر بیت المال اور مال فقیہ، فقراء اور اہل حاجت کی معاشی حاجتوں کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفۃ المسلمین اہل ثروت اور اغنیاء پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہل ثروت اور اہل دولت

اس کے مانع ہوں تو ان سے برہنہ بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔ ویدرہم
السلطان علی ذلک۔ (محلّی جلد ۲ ص ۱۵۶)
اس سلسلہ میں علامہ ابن حزمؒ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا ایک قول بھی نقل فرمایا
ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:۔

”فی مالک حق سوی الزکوٰۃ۔ (محلّی ابن حزم ج ۲ ص ۱۵۸)
تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔“

۷۔ محصول محصول یا کسٹم ڈیوٹی کو فقہ کی اصطلاح میں ”عشور“ کہتے ہیں۔ یہ
وہ محصول ہے جو دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان تجارتی
کاروبار جاری رکھنے والوں سے لیا جاتا ہے خواہ وہ تاجر مسلمان ہو یا ذمی یا کافر حربی
اس محصول میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان مقدار میں فرق ہے۔ یہ محصول مسلمان کے
مال تجارت میں سے چالیسواں حصہ، ذمی کے مال سے بیسواں حصہ اور حربی کے مال تجارت

میں لیکن اگر مسلمان نے زکوٰۃ ادا کر دی ہو تو پھر اس پر کوئی عشور نہیں۔ بعض حضرات نے اس سے اختلاف
کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ عشور تو دنیا سامان درآمد و برآمد کرنے پر بغیر سال گذرے وصول کیا جاتا ہے
جبکہ زکوٰۃ سال گزرنے پر لی جاتی ہے۔

آمدنی کی یہ مدد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی یہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے
زمانہ میں رائج ہوئی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر عراق نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو لکھا کہ مسلمان تاجر
جب دارالحرب میں تجارت کی غرض کے لیے جاتے ہیں تو دارالحرب کی حکومت ان سے ۱۰ بطور ٹیکس وصول کرتی
ہے ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دارالحرب کے کافروں سے اسی قسم کا ٹیکس وصول کیا کریں آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد
ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تم بھی دارالحرب کے کافروں سے ۱۰ ٹیکس لے لیا کرو اور اہل ذمہ کے مال تجارت سے
۲۰ حصہ اور مسلمانوں کے مال تجارت سے ۱۰ حصہ ٹیکس لے لیا کرو۔ (یعنی شرح ہدایہ جلد ۱ ص ۱۲۲)

ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ لوگوں سے جاہلیت کے زمانہ میں عشور لیا جاتا تھا اسی دستور کو

سیدنا عمرؓ نے بحال رکھا۔ (کتاب الاموال لابن عبیدہ ص ۵۳۵)

سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ کتاب الاموال ص ۵۳۲، کتاب الخراج لابن یوسف ص ۱۳۲،
یہ محصول سال میں صرف ایک مرتبہ واجب الاداء ہوتا تھا۔ اس کی ابتداء سیدنا عمرؓ
کے زمانہ سے ہوئی لیکن بعد ازاں اس کی مقدار میں اضافہ ہو گیا اور ذمیوں اور مسلمانوں
سے بھی پانچ اور اڑھائی فیصد کے حساب سے عشور وصول کیا جانے لگا۔

۸۔ فے | اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کے
مال چھوڑ کر بھاگ جائیں یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر
اُن ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے یا ان پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب
صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو "مال فے" کہا جاتا ہے، یہ مال غائبین اور مجاہدین
کے درمیان تقسیم نہیں ہوتا بلکہ اسے بیت المال کا حق بتایا گیا ہے۔

(کتاب الخراج ص ۲۲، ۲۳)

۹۔ عشر | اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو اُن کی زراعتی زمین، عرب کی زمین،
مجاہدین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین، وہ اُفتادہ زمین جو کسی مسلمان نے
آباد کی ہو اور لاوارث ذمی کی موت پر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین "عشری زمین"
کہلاتی ہے اور عشر اس مقررہ حصہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب
ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے، اس کی مقدار چاہی زمین سے بیسواں
حصہ اور نہری زمین اور بارانی زمین سے دسواں حصہ ہے۔ (رد المختار جلد ۲ ص ۶۶، ۶۷،
کتاب الخراج ص ۶۹) تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۔ کراء الارض | خلیفۃ المسلمین حکومت کی جن زمینوں کو سالانہ
رگان مقرر کر کے کاشت کے لیے دے

دیتا ہے اس سے وصول شدہ محاصل کا نام "کراء الارض" کہلاتا ہے۔
(رد المختار جلد ۲ ص ۲۵۳)



صوبوں کی آمدنی

آمدنی کی متذکرۃ الصدمات سے سیدنا معاویہؓ کو مملکت کے مختلف صوبوں سے مندرجہ ذیل آمدنی تھی۔

۶۵۵ ملین درہم	(۱) عراق اور اس کے ملحقات
۱۳۰	(۲) سواد اور اس کے ملحقات
۷۰	(۳) صوبہ فارس
۴۰	(۴) ابواز اور اس کے ملحقات
۱۵	(۵) یمامہ اور بحرین
۱۰	(۶) کوردجسہ
۴۰	(۷) نہاوند، دینور اور ہمدان
۳۰	(۸) رے اور اس کے ملحقات
۳۰	(۹) حلوان
۴۵	(۱۰) موصل اور اس کے ملحقات
۳۰	(۱۱) آذربائیجان
۳	(۱۲) مصر
۴۵۰ ہزار دینار	(۱۳) فلسطین
۱۸۰	(۱۴) اردن
۴۵۰	(۱۵) دمشق
۳۵۰	(۱۶) حمص
۴۵۰	(۱۷) قنسرين اور اس کے ملحقات

۵۵ ملین درہم
۱ بلین دو لاکھ دینار (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۷، ۲۷۸)

(۱۸) الجزیرہ
(۱۹) یمن

فُتُو حَات

سیدنا معاویہؓ چونکہ خود بہت تجربہ کار آدمی تھے اور کئی سالوں سے اسلامی لشکروں کی قیادت کر چکے تھے اور نہ صرف آپ بلکہ آپ کا پورا خاندان اسی میدان کا شہسوار تھا لہذا آپ کے تجربہ، ہمت اور فکری و عملی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے اسلامی حکومت کی پہنائیوں میں ہر جانب کافی سے زیادہ اضافہ ہوا اور اسلامی پرچم سمندروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے جہازوں کی مدد سے دشت و صحرا میں بھی لہرانے لگا۔

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ ہی میں افریقہ اور خصوصی طور پر شمالی افریقہ کا کافی حصہ اسلامی حکومت میں شامل ہو چکا تھا۔ سیدنا علیؓ کا زمانہ چونکہ باہمی خانہ جنگیوں کا زمانہ تھا جس کے نتیجہ میں بیرونی فتوحات یک قلم رک گئی تھیں اور اسلامی حکومت کی حدود سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں جہاں تک تھیں وہیں تک رک گئیں بلکہ بعض نئے مفتوحہ علاقے بغاوت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل گئے۔ اسی لیے تو حکیم لامۃ دہلویؒ نے فرمایا ہے :-

”مقاتلات و سے رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجمہیت اسلام۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۷۷)

سیدنا علیؓ کی رٹائیاں اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں،

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۹)

لیکن سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں پھر سے اُسی طرح فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا جس طرح حضرت فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں تھا اور

اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے دلوں میں پھر سے اہل اسلام کا رعب اور
دبدبہ بیٹھ گیا اور افریقہ اور دوسرے دور دراز کے علاقوں میں اسلامی پھر پرا اپنی
پوری آب و تاب سے لہرانے لگا۔

شمالی افریقہ پر شکرشی

آپ کے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافعؓ نے ۴۱ھ میں شمالی افریقہ کی طرف
شکرشی کی اور توات اور زواتہ کے علاقوں کو فتح کر لیا، پھر ۴۲ھ میں غدامس پر قبضہ
کیا اور ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض علاقوں کو اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔
(ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۹)

اسی زمانہ میں معاویہ بن خدیجؓ نے افریقہ کے ایک ساحلی شہر نبرات کو فتح کر
لیا۔ پھر ۴۵ھ میں آپ نے دوبارہ بڑے اہتمام سے شکرشی کی، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ،
سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا عبدالملک وغیرہ صحابہؓ اور اکابر قریش اس شکر کے
ہمراہ تھے، عبداللہ بن زبیرؓ نے سوسہ اور عبدالملکؓ نے جلولا فتح کیا۔ (المونس ص ۲۵)
افریقہ کے باشندے جو کہ بربکھلاتے تھے بڑے سرکش اور باغی تھے، وہ آئے
روز بغاوت کرتے رہتے تھے، جب کوئی سخت گورنر آتا تو امن پسند اور مسلمان ہو جاتے

اے سیدنا عقبہ بن نافعؓ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی
تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی طرح بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا، نہایت
قابل اور تجربہ کار جنرل تھے، صرف دس ہزار مجاہدین کے کر بلا د افریقہ میں گئے اور ایک وسیع علاقہ
فتح کیا جس میں سوڈان، برقہ اور بربروں کا علاقہ بھی شامل ہے۔ ایک خالہ زاد بھائی سیدنا عمرو
بن العاصؓ فاتح مصر تھے اور دوسرے بھائی عقبہ بن نافعؓ الفہری فاتح بلاد افریقہ۔ ذلک
فَضَّلَ اللّٰهُ يَوْمَئِذٍ مِّنْ يَّشَاءُ۔

لیکن جو نہی وہ واپس جانا تو پھر فتنہ پردازی شروع کر دیتے اور مرتد ہو جاتے۔ سیدنا معاویہؓ نے شہر میں عقبہ بن نافع کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا، آپ مختلف باغی علاقوں میں گھس گئے اور جہاں جہاں بغاوت کے آثار نظر آئے اس کا قلع قمع کیا اور آئندہ کے انسداد کے لیے قبروان نامی ایک شہر بسایا۔ (فتوح البلدان ۲۳۶، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۷) تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں بصرہ کو انتظامی امور کے لحاظ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے وہاں کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ تھے۔ یہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ سے یہاں کے گورنر چلے آ رہے تھے، آپ نہایت زیرک اور ذہین آدمی تھے، اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا۔ ان کے دور میں عبدالرحمن ابن سمرہ کی ولایت میں سجستان کے علاوہ کئی اور مقامات اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے جن میں زراں، ذرنج، آہواز اور کابل وغیرہ کے علاقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۰۹-۲۱۰)

شکستہ ۳۵ میں سیدنا معاویہؓ نے عمارت بن عبداللہ الازدی کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ صرف چار ماہ وہاں کے گورنر رہے، ان کے بعد زیاد بن ابی سفیانؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا، زیاد نہایت قابل آدمی تھے، اس سے قبل سیدنا علیؓ کی جانب سے فارس وغیرہ کے گورنر رہ کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے، انہوں نے جمادی الاولیٰ ۳۵ھ کو بصرہ کا چارج سنبھالا اور فوراً ہی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا، چنانچہ سیدنا عمران بن حصینؓ کو بصرہ میں قاضی مقرر کیا اور الحکم بن عمرو الغفاریؓ کو خراسان کے علاقہ میں نائب بنایا اور غزوات کے کچھ معاملات بھی ان کے سپرد کیے، انہوں نے وہاں جبل الاسل میں جہاد شروع کیا اور کئی علاقے فتح کیے، ان کے اس جہاد کی وجہ سے بہت سامانی غنیمت ہاتھ لگا جس سے اہل اسلام کو بہت سامانی نفع حاصل ہوا۔ سیدنا سمرہ بن جندبؓ، سیدنا عبدالرحمن بن سمرہؓ اور سیدنا انس بن مالکؓ بھی زیاد کی نیابت میں یہاں

اسلامی حکومت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۴۶ھ میں ترکوں نے بھتان کے علاقے میں بغاوت کی لیکن الزیع بن زیاد الحارثی نے جو اُس بھتان کے والی تھے کابل، ذابلستان وغیرہ کے علاقوں میں ان کی سرکوبی کی۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق سیدنا الزیع بن زیاد الحارثی نے بلخ کو صلح کر کے فتح کیا جبکہ کوہستان کے علاقہ کو دشمن سے لڑ کر اسلامی سلطنت میں شامل کیا، قریب ہی ترک آباد تھے، انہوں نے معارضہ کیا لیکن سوائے ترک طرخان کے باقی سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ترک طرخان کو بعد میں قتیبہ بن مسلم نے قتل کیا۔

(فتوح البلدان ص ۴۰، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹۲، ۱۹۳)

حکم بن عمرو نے ماوراءالنہر کے علاقہ میں دشمن سے جہاد کیا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے تمام علاقے کو اپنے زیرِ نگیں کیا۔

۵۳ھ میں زیاد کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ نے ان کی جگہ ان کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا، عبید اللہ بن زیاد نے بخارا اور اس کے ارد گرد تمام علاقوں کو فتح کیا، اُس دور میں یہ علاقہ ترکوں کے زیرِ نگیں تھا، ابن زیاد نے دو سال تک خراسان میں قیام کیا اور یہاں کے تمام انتظامی امور کو درست کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۷)

عبید اللہ ابن زیاد کی جگہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا سعید بن عثمانؓ بن عفان کو گورنر اور والی مقرر فرمایا، انہوں نے دریائے جیحون کو اپنے لشکر سمیت عبور کر کے پیش قدمی کی اور تمام علاقوں میں سلسلہ جہاد کو شروع کیا، انہوں نے بخارا اور سمرقند کے تمام علاقے فتح کیے، بخارا کی حکمران قبیلہ نامی ایک خاتون تھی اُس نے سعید بن عثمانؓ سے صلح کی پیشکش کی لیکن اس کی پہلک اس صلح پر رضا مند نہ ہوئی، چنانچہ سوا لاکھ آدمی اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلے، قبیلہ جو پہلے صلح پر راضی تھی یہ نقشہ دیکھ کر وہ بھی اپنی صلح سے منحرف ہو گئی اور اپنی فوج سے مل کر مقابلہ کے لیے نکلی، چنانچہ دونوں

فوجوں کا مقابلہ ہوا لیکن مقابلہ سے قبل ہی قبیق کی فوج میں چھوٹ پڑ گئی، فوج کا یہ
انتشار دیکھ کر قبیق نے دوبارہ صلح کر لی اور اب کی دفعہ اس کی فوج بھی صلح پر رضامند
ہو گئی، اس طریقہ سے لڑائی کے بغیر بخارا کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔
قبیق کے تعاون ہی سے مسلمانوں نے پھر سمرقند پر حملہ کیا، اہل شہر نے شہر بند ہو کر تیرد
سے مقابلہ کیا جس میں سیدنا سعید بن عثمانؓ اور سیدنا مہلب بن ابی صفرةؓ جیسے بہادر جرنیلوں
کی ایک ایک آنکھ ضائع ہو گئی لیکن مسلمان عزم کے ساتھ جھے رہے، کافی روز کے
بعد اہل شہر کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمان بغیر فتح کیے واپس نہیں جائیں گے،
چنانچہ انہوں نے سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی اور شرط یہ بٹھرائی کہ مسلمان شہر کے
ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں نے ترمذ پر حملہ کیا، وہاں کے لوگوں نے بغیر لڑائی ہی کے
صلح کر لی۔ (فتوح البلدان ص ۲۱۸، ۲۱۹، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۲۱۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباسؓ کے ایک صاحبزادے قثم بن
عباسؓ تھے، یہ سیدنا حسین بن علیؓ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ صحابی رسول، نہایت
مُتقی، پرہیزگار اور عالم و فاضل شخص تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے وقت
جو لوگ آپؐ کی قبر مبارک میں اترے اُن میں ایک یہ بھی تھے۔ انہی علمی صلاحیتوں
کی وجہ سے یہ سیدنا علیؓ کی جانب سے اُن کے پورے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ
کے گورنر رہے، خراسان کی اُن تمام جنگوں میں جو سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں
لڑی گئیں، یہ اسلامی لشکر کے ساتھ رہے اور سعید بن عثمانؓ بن عفان کی زیرِ قیادت
لڑتے رہے، آخر کار سمرقند کی جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۱، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۲۹۲، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۷،
شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد ۵ ص ۲۳۷، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۳۷)

دوسری طرف سیدنا سعید بن العاصؓ اور مصقلہ بن میسرہؓ کی زیرِ قیادت دنیا بیت
طبرستان اور اس کے تمام نواحی علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔

سندھ کی فتح

سندھ کی فتح کے لیے اگرچہ سیدنا عثمانؓ کے آخری دور ہی میں پیش قدمی ہو چکی تھی اور اس کی ابتداء بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے کی تھی، پھر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے کابل فتح کیا اور دشمن کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنالیا جن میں بعض بعد میں بہت مشہور ہوئے جیسے مکحول، سالم بن عجلان اور نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹۱، ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۲۱، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱)

۲۴ لکھ میں سیدنا مہلب بن ابی صفرؓ نے ارض ہند کی طرف پیش قدمی کی اور خیبر کے راستہ کابل کی سرحدات کو عبور کر کے سرزمین ہند میں اسلامی علم گارا اور پھر ملتان تک پہنچے، جن لوگوں نے اسلامی لشکر کی مزاحمت کی ان کا قلع قمع کیا، بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔

کچھ دنوں کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے عبداللہ بن سوار العبیدی کو اس علاقے کی طرف بھیجا، انہوں نے قیقان کے علاقے کو فتح کیا۔ یہاں بھی بہت مال غنیمت کے ساتھ خاص نسل کے قیقانی گھوڑے بھی ہاتھ لگے جو سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں جہاد کے لیے پیش کیے گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہاں کے ترک باغی ہو گئے اور ان کے ساتھ مقابلہ میں سیدنا عبداللہ بن سوار العبیدی شہید ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۱۸، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱۸، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹۲)

جب عبداللہ بن عامرؓ کے بعد زیاد بن ابی سفیانؓ بصرہ کے گورنر بنائے گئے تو انہوں نے بھی سندھ کی مہم کو جاری رکھا، چنانچہ انہوں نے ایک باصلاحیت جس بنیل سان بن سلمہ الہندی کو سندھ کے علاقوں پر حاکم مقرر کیا، انہوں نے مکران اور اس کے

ملحقات کو فتح کر کے وہاں آبادیاں قائم کیں اور شہروں کے نظم و نسق کو بہتر بنایا۔
 کچھ دنوں کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے المنذر بن حارود کو یہاں کا حاکم بنایا انہوں
 نے اُن علاقوں کو جہاں کچھ لوگوں نے بغاوت کر دی تھی دوبارہ فتح کیا اور کچھ مزید علاقے
 بھی اسلامی قلمرو میں شامل کیے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۷)

قسطنیہ پر شکر کشتی

سیدہ ام حرامؓ زوجہ سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے گھر میں حجۃ الوداع کے
 بعد ایک روز جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کھانا تناول فرما کر
 لیٹ گئے، سیدہ ام حرامؓ نے آپؐ کا سر دیکھنا شروع کیا، آپؐ کو نیند آگئی تھوڑی دیر
 کے بعد ام حرامؓ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے
 ہیں، ام حرامؓ نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ :-
 ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و
 جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں کہ جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر
 بیٹھے ہوتے ہیں۔“

سیدہ ام حرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) دعا فرمائیے کہ میں
 بھی اُن میں شامل ہوں، آپؐ نے دعا فرمائی، اور پھر آرام فرماتے کے لیے لیٹ گئے
 کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرامؓ نے
 پھر اپنی شرکت کیلئے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔

درزرقانی جلد ۶، ص ۱۰۶، ص ۸۲، ۲۲۲، بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، ص ۳۰۳، ص ۳۰۵،

ص ۳۰۹، ص ۱۲۱، جلد ۲ ص ۹۲۹، ۹۳۰، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۱،

بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

أَوَّلَ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَفْرَوْنَ الْبَحْرَ قَدْ رَجَبُوا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۹)

میری امت کا پہلا شکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہوگئی۔
 قَدْ اَوْجَبُوا كَامَعْنٰی ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے یہ لکھا ہے کہ: اُن پر جنت واجب
 ہوگئی۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۱، عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۱۹۸)

۱۔ تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلا بحری شکر جس نے
 ۲۸ھ میں سمندر کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص پر اسلامی علم بلند کیا وہ
 سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۱۶۵، ۱۹۸)
 اس شکر میں سیدہ ام حرامؓ، سیدنا ابوذر غفاریؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا
 عبادہ بن صامتؓ جیسے اکابر امت تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزریؒ فرماتے ہیں:-
 ”وكان امير ذلك الجيش معاوية بن ابی سفیان في خلافة عثمان و
 معه ابوذر والوالد مرداء وغيرهما من الصحابة۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۴۵)
 خلافت عثمانی میں (جب یہ حملہ ہوا تو) اس شکر کے امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ
 تھے اور ان کے ساتھ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ (جیسے اکابر صحابہ) اور کئی دوسرے
 صحابہ تھے۔“

وابسی پر سیدہ ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنسے نیچے گر پڑیں
 اور انتقال فرما گئیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۴۵، صحیح بخاری جلد ۳ ص ۳۹۱، جلد ۲ ص ۹۲۹، ۹۳۰،
 عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۱۹۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴)
 چنانچہ ہشام بن الغزالیؒ کہتے ہیں:-

”قبراً حرام بنت ملحان بقبرص وهم يقولون هذا قبر
 المرأة الصالحة۔ (صفوة الصفوة ج ۲ ص ۲۸، اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۴۵)
 ام حرام بنت ملحان کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ
 ایک نیک اور پاکباز عورت کی قبر ہے۔“

۱۔ بعض روایات میں ۲۸ھ ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۴۵)

قبرص کی یہ فتح ۲۸ھ میں سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی، اس لڑائی میں سیدنا معاویہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "قَدْ اَوْجَبُوا جَنَّتِ اَنْ يُّرَاجِبَ" کے تحت اہل جنت میں شامل ہو گئے۔ یہ فضیلت کوئی معمولی فضیلت نہیں بلکہ جس طرح عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری مل گئی تھی اسی طرح اُن صحابہؓ کو بھی دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی جنہوں نے قبرص کے اس معرکہ میں شمولیت فرمائی تھی۔

حنوزنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہؓ کے دورِ امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دورِ خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ تاریخ کے اوراق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بحری لڑائیاں تو درکنار اسلام میں بحریہ کا وجود ہی سیدنا معاویہؓ نے قائم فرمایا تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں آپ نے بحریہ کی تشکیل کے لیے بہت کوشش فرمائی لیکن سیدنا فاروق اعظمؓ نے بعض وجوہات کی بنا پر بحری لڑائی کا نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی، سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں آپ نے پھر اجازت چاہی آپ نے چند شرائط کے تحت اجازت مرحمت فرمادی۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۶۷) اجازت ملنے پر آپ نے ایک بہت بڑا اسلامی بیڑا تیار کر کے اپنی قیادت میں قبرص پر حملہ کر دیا اور اس کو فتح کر لیا۔ (فتوح البلدان فتح قبرص) جس کی تفصیل کتاب کے گذشتہ اوراق میں آچکی ہے۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد زمام اختیار سیدنا علیؓ کے ہاتھ میں آئی لیکن آپ کے زمانہ میں مسلمان چونکہ باہمی خانہ جنگی میں مصروف رہے اس لیے بیرونی فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند رہا لیکن ربیع الاول ۳۵ھ میں جب بارِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے کندھوں پر ڈالا گیا تو آپ نے اسلامی بحریہ کو بہت زیادہ ترقی دی ملک کے ساحلی علاقوں میں جابجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ (حسن المحاضرات جلد ۲ ص ۱۹۹، فتوح البلدان ص ۱۴۴) اسی ترقی یافتہ بحریہ کی مدد سے آپ نے بحرِ روم کو مسلمانوں کا بازی گاہ بنا دیا۔

بازنطینی حکومت اسلامی سرحدات پر آئے روز حملے کرتی رہتی تھی اسلئے آپ نے

ادارہ فرمایا کہ جیسے سیدنا فاروق الاعظمؓ نے کسریٰ کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا میں قیصر کی سلطنت کا خاتمہ کر دوں، دوسرے آپ کے ذہن میں جناب ختمی مرتبت کا وہ خواب بھی تھا جو سیدہ ام حرامؓ کے گھر میں حجۃ الوداع کے بعد آپ کو دکھایا گیا تھا جس میں آپ نے اُن لوگوں کو مغفرت اور جنت کی بشارت دی تھی جو سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر شکر کشی کریں گے، آپ کی خواہش تھی کہ جس طرح ۲۸ھ میں حدیث کے حصہ اول کی بشارت کا مستحق میں ہوا ہوں اسی طرح اللہ رب العزت نے اب مجھے موقع دیا ہے کہ حدیث کے دوسرے حصہ کی بشارت کا بھی میں ہی سزاوار بنوں، تیسرے یہ کہ قسطنطنیہ مشرقی یورپ کا قلب تھا اس کی فتح سے مسلمانوں کے لیے یورپ کی فتوحات کا دروازہ کھلنا تھا، ان سب وجوہات کے پیش نظر آپ نے امیر ریزید کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک لشکر تیار فرمایا۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا جس کے متعلق حدیث میں ارشاد ہے کہ:-

”اول جیش من اُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم (بخاری ج ۱ ص ۱۸۱)
میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا اس کے لیے
دربارِ الہی سے مغفرت (کا پروانہ) ہے۔“

مدینہ قیصر کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

”یعنی القسطنطنیۃ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۸۷)

اس سے مراد قسطنطنیہ ہے۔“

اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:-

”لان المراد بها القسطنطنیۃ۔ (عینی ج ۱۲ ص ۱۹۸)

اس سے مراد قسطنطنیہ ہے۔“

بخاری کی یہ روایت محدثین کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ امام بغویؒ نے

بخاری کی اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے:-

”وهذا حديث صحيح۔ (شرح السنة ج ۳ ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اور یہ حدیث صحیح ہے۔“

ایسے ہی دوسرے محدثین کرام نے اس پر کوئی نقد و جرح نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ
یہ روایت ان سب کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۹، ۲۳۰،
منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۴۵)

بعض حضرات نے اس روایت کے ایک راوی عمیر بن الاسود العنسیٰ را بقول بعض
عمرو بن الاسود العنسیٰ کا خود ساختہ قول کہا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں مانا۔
لیکن یہ بات بھی اہل علم کے نزدیک غلط ہے کیونکہ راوی مذکور ثقہ اور تابعی ہے اور علمائے
رجال اور اصحاب جرح و تعدیل نے اس پر کوئی تنقید یا جرح نہیں کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس حدیث کے بارہ میں اعتراض کے طور پر کہا جا رہا ہے
وہ نہ صرف یزید بن معاویہ کی وجہ سے ہے کیونکہ ہمارے بعض حضرات اس کو
مغفور نہیں دیکھنا چاہتے اور اللہ کی رحمت ان کے ہاں ہے یا یاں نہیں بلکہ محدود ہے،
یہ لوگ اللہ کے دستِ مغفرت کو کشادہ نہیں دیکھنا چاہتے۔

اس بشارتِ نبویہ کا مورد ہونے کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثلاً سیدنا
عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ، سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ اور میزبانِ سول سیدنا
ابو ایوب انصاریؓ وغیرہم نے اس لشکر میں شرکت فرمائی۔ چنانچہ مولانا احمد علی صاحب
نہار پوریؒ نے بخاری کے حاشیہ میں قسطلانی کے حوالے سے لکھا ہے:-

”قال قسطلانی کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعه
جماعۃ من سادات الصحابة کابن عمر وابن عباس و بن الزبیر و
ابی ایوب انصاری وتوفی بہا ستۃ اثنین وخمسين من الهجرة
... الخ بخاری ج ۱ ص ۱۰۴، حاشیہ ارشاد الساری ج ۵ ص ۱۰۴ وھکذا
فی الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۱“

علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے یزید بن معاویہ نے حملہ
کیا تھا اور اس کے ساتھ اکابر صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابن عمرؓ، ابن
عباسؓ، ابن زبیرؓ اور ابو ایوب انصاریؓ وغیرہم، اور وہیں شہید ہوئے۔

ابوایوب انصاریؓ کا انتقال ہوا۔ الخ
علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں :-

”ان یزید بن معاویہ غزا بلاد الروم حتی بلغ قُسْطَنْطِیْنِیَّةَ وَمَعَهُ
جَمَاعَةٌ مِنْ سَادَاتِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ عَمْرٍو ابْنُ عَبَّاسٍ وَ
ابْنُ الزُّبَیْرُ وَابُوایوبُ الْاَنْصَارِیُّ وَكَانَتْ وَفَاةُ ابُوایوبِ
الْاَنْصَارِیِّ هُنَاكَ قَرِیْبًا مِنْ سُوْرِ الْقُسْطَنْطِیْنِیَّةِ وَقَبْرُهُ هُنَاكَ۔

(عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۹۹ ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۸)

یزید بن معاویہ رومیوں کے شہروں میں ان سے دس سال تک رہے
رہے حتیٰ کہ آپ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ ابن عمرؓ
ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور ابوایوب انصاریؓ وغیرہم تھے، چنانچہ
ابوایوب انصاریؓ کا انتقال بھی قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ہی ہوا تھا اور
وہیں ان کی قبر بھی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی لکھتے ہیں :-

”فسار معہ خلق کثیر من کبراء الصحابة۔

(البدایة والنهاية ج ۸ ص ۱۲۷، ص ۱۳۲)

بڑے بڑے صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔
علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں :-

”وفي سنة خمسین غزا یزید ارض الروم ومعہ ابوایوب

الانصاری۔ (تاریخ الاسلام جلد ۳ ص ۹۱)

اور شہم میں یزید بن معاویہ نے ارض روم پر حملہ کیا اور سیدنا ابوایوب انصاریؓ
بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس مبارک لشکر میں دیگر اکابر صحابہؓ کے ساتھ سیدنا حسین بن علیؓ بھی تھے،

جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :-

”كان الحسين يغد الى معاوية في كل عام فيعطيه ويكرمه وكان في الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد -

البدایة والنهاية ج ۸ ص ۱۵۱

حسینؑ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور معاویہؓ ان کو انعام و اکرام سے نوازتے تھے اور حسینؓ اس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے قسطنطنیہ پر یزید بن معاویہ کی معیت میں حملہ کیا تھا :-

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں ابن عساکرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

”قال ابن عساکر وقد الحسین علی معاوية وغز القسطنطينية مع يزيد- (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ ص ۱۱۱)

حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ حسینؓ معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور انہوں نے قسطنطنیہ کی جنگ میں بھی یزید بن معاویہ کی معیت میں

شرکت فرمائی :-

اس لشکر میں سیدنا حسینؓ کی شمولیت کو ابن کثیرؒ کے علاوہ شیعہ مؤرخ امیر علی نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

He (Hussain) had served with honour against the Christians in the siege of Constantinople.

(History of Saracens, P. 84)

سیدنا حسینؓ نے قسطنطنیہ کے محاصرہ میں عیسائیوں کے خلاف بڑی شاندار

خدمات سرانجام دیں :-

ایسا ہی گین نے ”تاریخ عروج و زوال رومہ الکبریٰ ص ۲۸۶“ میں لکھا ہے کہ :-

”ایسے عظیم الشان لشکر کی کمان میں اکابر صحابہؓ کے علاوہ خود نواسہ رسولؐ

سیدنا حسین بن علیؓ بھی شریک تھے یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں تھی ،

اس پر قریباً تمام مؤرخین اور محدثین کا اتفاق ہے :-
چنانچہ شارحین بخاری لکھتے ہیں :-

”والا صح ان یزید بن معاویۃ غزا القسطنطینیۃ فی ستۃ اثنتین
وخمسین۔ (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۹۸، فتح الباری ج ۶ ص ۸۷)
صحیح ترین بات یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ
میں کیا تھا۔“

علامہ ذہبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ :-

”وقیہا (فی ستۃ خمسین) غزوة القسطنطینیۃ کان امیر الجیش الیہا
یزید بن معاویۃ وکان معہ وجوہ الناس ومن کان معہ
ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۹)
اور ۵۲ھ میں قسطنطنیہ کی جنگ ہوئی اور اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے
اور ان کے ساتھ بڑے بڑے جلیل القدر لوگ تھے جن میں سے ایک
سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔“
شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

”اول جیش غزاها کان امیرہم یزید والجیش عدد معین لا مطلق
وشمول المغفرة لاحاد هذا الجیش اقوی ویقال ان یزید انما
غزا القسطنطینیۃ لاجل هذا الحدیث (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲)
سب سے پہلا شکر جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اس کے امیر یزید بن معاویہ
تھے اور جیش ایک عدد معین ہے عدد مطلق نہیں اور مغفرت اس کے ہر فرد
کو شامل ہے یہی قوی ترین بات ہے اور کہا جاتا ہے کہ مغفرت کس
اس حدیث کی وجہ ہی سے یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔“

ایسا ہی البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۸، ۵۹، تاریخ الامم والملوک جلد ۱۳، العقد الفرید

جلد ۳ ص ۱۳۲، الاستیعاب جلد ۵، ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ ص ۶۶ پر بھی مرقوم ہے۔

مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مؤرخ پر وفیسر مٹی تے بھی اپنی تاریخ میں اس بات کا ان الفاظ میں اقرار کیا ہے :-

The first was in A.H. 49 (669) under the leadership the crown prince Yazid (History of the Arabs, P. 201)

(قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ۴۹ھ مطابق ۶۶۹ء) میں ولی عہد یزید بن معاویہ

کی زیر قیادت ہوا۔

۴۹ھ میں اور بقول بعض ۴۹ھ (البدایہ والنہایہ جلد ۸، ہسٹری آف دی عربز ص ۲۱) اور بقول علامہ ذہبی ۵۰ھ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام جلد ۳ ص ۹) میں امیر یزید کی قیادت میں مسلمانوں کا یہ بحری بیڑہ بحیرہ روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باستقورس میں داخل ہوا، مصر و شام وغیرہ ممالک اسلامیہ بھی الگ الگ دستے آئے ہوئے تھے، مصری فوج کے سرسکر گورنر مصر عقبہ بن عامر چہنی تھے، ایک دستہ حضرت فضالہ بن عبید کی ماتحتی میں تھا اور ایک دستہ عبدالرحمن بن خالد بن ولیدؓ کی زیر قیادت اس لشکر میں شریک ہونے کے لیے پہنچا تھا۔

قسطنطنیہ کا شہر مشرقی کلیسا کا مرکز ہونے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا اس لیے رومیوں نے پوری قوت سے اور طاقت سے اس کی مدافعت کی اور اپنی بہادری کے بڑے جوہر دکھائے، مسلمان بھی چونکہ جوش جہاد اور مغفرت و جنت کے شوق میں سرپکھن باندھ کر آئے تھے لہذا انہوں نے بھی بڑی کوششی سے مقابلہ کیا، خصوصی طور پر امیر یزید نے بہادری اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کو فتی العرب و عرب کا بہادر کا لقب حاصل ہو گیا۔ (ہسٹری آف دی عربز ص ۲۱) کئی روز تک دونوں

لے اپنے رومیوں کو پسپا کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور خود آپ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ میں لپے کا گرز لیے شہر کے دروازے پر زور زور سے مارتے یہاں تک کہ وہ کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ (کتاب الاغانی جلد ۱ ص ۳۳)

فوجوں میں خوزیر معرکے ہوتے رہے، قسطنطنیہ کی فہیل بہت اونچی تھی اور پتھروں کی بنی ہوئی تھی، رومی اس کے اوپر سے آگ کے گولے برسارہے تھے، مسلمان نشیب میں تھے اس وجہ سے کافی جانی نقصان اٹھاتا پڑا، لیکن اس قدر نقصان اٹھانے کے باوجود بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر مجاہد شوق شہادت میں آگے بڑھ رہا تھا، ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کلینی شہادت کی تمنا میں بار بار دشمن کی طرف بڑھتے، آخر ایک مرتبہ تو بالکل فہیل کے قریب پہنچ گئے، رومیوں نے فوراً ہی یزیدوں سے انہیں شہید کر دیا، جب ان کی شہادت کی خبر سیدنا معاویہؓ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کے والد کو بلا کر فرمایا :-

وَاللّٰهُ هَلَّاكَ فِتْيَ الْعَرَبِ -

بخدا فیتی العرب (عرب کا بہادر) ہلاک ہو گیا۔

عبدالعزیز بن زرارہ کلینیؓ کے والد محترم نے جواب دیا ”میرا بیٹا یا آپ کا بیٹا؟“ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا ”تمہارا بیٹا“ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲)

میزبان رسول سیدنا ابوالیوب انصاریؓ اپنی عمر کی انٹی سے زائد منزلیں طے کر چکے تھے اسی جنگ کے دوران آپ پیمیش کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے، مرض شدت اختیار کر گیا یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو گیا کہ اب میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوں تو آپ نے امیر یزید کو بلا کر وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک بیجا سکو لے جا کر دفن کرنا، نیز فرمایا کہ ساتھ ہی مسلمانوں کو میرا سلام کہہ کر یہ حدیث نبویؐ سنانا ہو میں نے آقاؐ نے دو جہاں ہادیؑ سُل سُرورِ کُل صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کہ :-

مَنْ مَاتَ وَلَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا جَعَلَهُ اللّٰهُ فِي الْجَنَّةِ

جو شخص اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۹)

چنانچہ وصیت کے مطابق امیر یزید نے سیدنا ابوالیوب انصاریؓ کی نماز جنازہ خود

پڑھائی، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ :-

وكان في جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذي صلى

عليه - (البدایة والنہایة ج ۸ ص ۵۸)

وہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے اور اسی کو آپ نے وصیت فرمائی

اور اس نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھائی -

نماز جنازہ سے فراغت کے بعد آپ کے جنازہ کو اٹھا کر دشمن پر یکبارگی حملہ کر دیا گیا اور قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ کر فصیل کے بالکل نیچے آپ کو دفن کر دیا گیا۔

رعمۃ القاری جلد ۱ ص ۱۹۹، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۸، ۵۹،

ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، حاضر العالم الاسلامی ص ۲۱۵، ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۶ ص ۶۶

قیصر نے جب شہر کی فصیل سے دیکھا کہ مسلمان کوئی چیز دفن کر رہے ہیں تو اس نے

قاصد کی معرفت اس بارہ میں معلوم کیا، امیر یزید نے جواب دیا کہ یہ ہمارے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابی کا جنازہ ہے انہوں نے تمہارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی

خواہش کی تھی، اب ہم اُن کی اس خواہش کی تکمیل کر رہے ہیں اگرچہ ہمیں اپنی جانیں

ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۳) یہ سن کر قیصر نے کہا کہ تمہارے

جانے کے بعد ہم اس کی لاش کو نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیں گے، قیصر کی

یہ بات سن کر امیر یزید کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اسی غصے میں رومیوں کو

مخاطب کر کے کہا :-

”یا اهل القسطنطنیة هذا رجل من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد

دفن حيث ترون واللہ لئن تعرضتم له لاهد من کل کنیسة فی ارض

الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً (ناسخ التواریخ جلد ۲

کتاب ۶ ص ۶۶، الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۳۸، العقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۳)

اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ صاحب ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے انہیں جہاں دفن کیا ہے اللہ کی

قسم! اگر تم نے ان کو کسی قسم کا فریب پہنچایا تو ارض اسلام کے ہر کیسے کو منہدم کر دوں گا اور پھر عرب کی سرزمین میں کبھی ناقوس نہیں بجے گا۔

قیص نے جب امیر شکر بزدین معاویہ کے منہ سے یہ تہدید آمیز کلمات سنے تو مبہوت ہو گیا اور اس کو جرأت نہ پڑی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی کی نقش مبارک کی توہین کر سکے بلکہ اس نے ان کی قبر پر ایک قبہ بنوایا۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۲) اور رومی ان کی قبر مبارک پر جا کر عہد کرتے اور قحط کے زمانے میں ان کی قبر کے وسیلے سے دعائیں مانگتے۔ رعمۃ القاری جلد ۴ ص ۱۹۹، طبقات ابن سعد جلد ۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، حاضری العالم الاسلامی ص ۲۱۵۔

امام محمد بن احمد السرخسی نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوالیوب انصاریؒ کو جبرأت کو دفن کیا گیا تو:-

فصعد نور من قبورہ الى السماء ورأى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع من المشركين۔

ان کی قبر مبارک سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور قریب رہنے والے مشرکین نے بھی اس نور کو دیکھا۔

جب صبح ہوئی تو ان کا قاصد امیر شکر کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص کو تم لوگوں نے رات کو دفن کیا ہے وہ کون تھے؟ مسلمانوں نے کہا:-

صاحب لبنینا (وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے) میزبان رسول سیدنا ابوالیوب انصاریؒ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (شرح السیر الکبیر جلد ۱ ص ۱۵۷)۔

اگرچہ قسطنطنیہ کا شہر فتح نہ ہو سکا لیکن اس کام کی ابتداء کا سہرا امیر یزید ہی کے سر ہے اور اس حدیث نبوی کے حقیقی مورد بھی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری کی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”قال المهلب في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من
غزا البحر ومنقبة لولده يزيد لانه اول من غزا مدينة
قيصر۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۸)

(محدث) مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہؓ کی منقبت
بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی اور
اس میں ان کے فرزند یزید کی منقبت بھی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے
پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔

بعد میں سلطان محمد فاتحؒ نے اس شہر کو فتح کیا تھا، فتح کے ترکان عثمانی
نے سیدنا ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر ایک مقبرہ اور اس کے ساتھ مسجد
بنوادی جو آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے، تعلقائے دولت عثمانیہ کی رسم
تاج پوشی بھی اسی مسجد میں ہوتی تھی۔

روڈس کی فتح

بحری لڑائیوں میں صرف قسطنطنیہ ہی کا حملہ آپ کی بحریہ کا شاندار کارنامہ نہیں
بلکہ آپ نے روڈس، ارواڈ اور بعض دوسرے یونانی جزیروں کو بھی فتح کیا، چنانچہ
علامہ خیر الدین زرکلیؒ اپنی مشہور کتاب ”الاعلام“ میں لکھتے ہیں:-

”هو اول مسلم سلك البحر لغزو ووفى ايامه فتح كثير من
جزائر يونان والدر دنیل۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۴۳)

وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم کو جنگ کے لیے اپنے
بہازوں کی بازی گاہ بتایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بیشتر جزیرے
اور در دنیل (دورہ دانیال) وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔
صاحب ”فتوحات اسلامیہ“ لکھتے ہیں:-

جزیرہ قبرص، روڈس اور بعض جزائر یونان کی فتح امیر معاویہؓ کے
اہم کارنامے ہیں، (الفتوحات اسلامیہ جلد ۲ ص ۹۸، ۱۰۳ ملخصاً)
۳۵ھ میں آپ کے مشہور جرنیل جنادہ بن أمیہ نے روڈس پر حملہ کیا، روڈس
بحر روم میں اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں ایک نہایت سرسبز و شاداب
جزیرہ ہے جس میں زیتون، انگور وغیرہ اور قسم قسم کے عمدہ پھل اور میٹھے پانی
کے چشمے پائے جاتے ہیں، اس جزیرہ کا رقبہ ساٹھ میل تھا، جنادہ بن أمیہ نے
۳۵ھ میں اس کو فتح کیا اور سیدنا معاویہؓ نے یہاں بہت سے مسلمان آباد کر کے
اس کو ایک اسلامی نوآبادی بنا دیا۔

رجم البلدان ذکر روڈس، فتوح البلدان ص ۲۲۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۲،
البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۱، معاویہ بن ابی سفیان لابن النصر ص ۶۹۔

ارواڈ کی فتح

روڈس کی فتح کے اگلے سال یعنی ۵۴ھ میں جنادہ بن ابی أمیہ اور
مجاہد دونوں نے مل کر ارواڈ کے جزیرہ پر حملہ کیا جو قسطنطنیہ کے قریب ہے،
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، سیدنا معاویہؓ نے یہاں مسلمانوں کی
نوآبادی قائم فرمائی، اس جزیرہ کو اسلامی اقتدار کے زیر اثر لانے کے بعد آپ نے
بحری حملوں کے لیے اس کو صدر مقام قرار دیا۔ رجم البلدان ذکر ارواڈ،
فتوح البلدان ص ۲۲۲، معاویہ بن ابی سفیان لابن النصر ص ۶۹۔
اسی زمانہ میں آپ کے لشکر نے صقلیہ پر بھی حملہ کیا لیکن وہ فتح نہ ہو سکا، بعد
میں عیاسیوں نے یہاں فتح کا پھر برا نصب کیا۔



بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک

سیدنا معاویہؓ ۱۸ھ سے ۴۰ھ تک دمشق اور اس کے ملحقات کے گورنر رہے پھر ۴۲ھ میں سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکت اسلامیہ کے خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے اور رجب ۶۰ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اس حساب سے آپ کا عہد خلافت ۲۰ سال پر محیط ہے، آپ اس عرصہ میں فرائض خلافت بطریق احسن سرانجام دیتے رہے اور اندرون ملک اور بیرون ملک آپ کی حکمت عملی بہت کامیاب رہی، یہاں تک کہ متعصب شیعی مورخ سید امیر علی کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ:-

”مجموعی طور پر معاویہؓ کی حکومت اندرون طور پر بڑی خوشحال اور پرامن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بہت کامیاب تھی“

(History of Saracens, P. 82)

اس بیس سالہ دور خلافت میں جہاں اور لوگوں سے آپ کے تعلقات اور رویہ بڑا اچھا رہا وہاں اہل بیت نبوت اور بنو ہاشم سے بھی آپ بڑی ملاحظت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے اور سب کو عطلے جزیل سے نوازتے رہے۔ چنانچہ ان کے پورے زمانہ خلافت میں بنو ہاشم کے کسی فرد نے کبھی ان کے بارہ میں کوئی شکایت نہ کی بلکہ سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب جو سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی تھے، اپنے بھائی سے اختلاف کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے آئے۔

دعمۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۱

لیکن بعض نام نہاد محبان اہلبیت اور ان سے متاثر ہو کر بعض نام نہاد سنیل نے بھی آپ کی شخصیت کا ایسا گھناؤنا نقشہ پیش کیا ہے کہ جیسے یہ ہر وقت بنو ہاشم کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اہلبیت

اور تمام بنو ہاشم ان کے وظیفہ خوار اور مداح خوان تھے اور آپس میں یہ سب شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ آپ چونکہ اموی تھے اور بنو امیہ کے بارہ میں بعض شیعہ مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ اُن کے اور بنو ہاشم کے مابین شروع ہی سے عداوت چلی آرہی تھی اور جنگ صفین اور جنگ کربلا اسی پرانی عداوت کا نتیجہ ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد بنو ہاشم اگر حلقہ بگوشی اسلام ہوئے تو ان سے زیادہ تعداد میں بنو امیہ کے لوگوں نے اسلام کو قبول کیا لیکن بنو ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کی بنیاد پر آپ کی زیادہ حمایت کی تھی۔

(محاضرات تاریخ الانم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۴۷)

تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو امیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا وطن، مال اولاد، گھر بار اور عزیز واقارب چھوڑ دیئے، چنانچہ ہجرت حبشہ میں بنو ہاشم سے زیادہ بنو امیہ کے لوگ اور ان کے حلیف تھے جبکہ بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا جعفر بن ابی طالب تھے۔ (ملاحظہ ہو: انساب الاشراف جلد ۱۹، ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۲) اور بنو امیہ اور اُن کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی اُن کی تعداد کیا رہے۔ جن کی تفصیل ہم گزشتہ صفحات میں عرض کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کی مالی خدمت جتنی بنو امیہ نے کی ہے بنو ہاشم نے مل کر بھی اتنی نہیں کی۔ سیدنا عثمانؓ کی داد و دہش اور بیئر رومہ کی خریداری، پھر جنگ تبوک کے مجاہدین کے لیے ساز و سامان کا مہیا کرنا آج بھی ہر آدمی کے زبان پر ہے۔

یہ درست ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ جنہوں نے سوائے بدر کے قریباً ہر جنگ میں قریش کے لشکر کی قیادت کی لیکن یہ اُن کا ایک قومی فریضہ تھا کیونکہ قریش کی طرف سے سپہ سالاری کا عہدہ انہیں تفویض ہوا تھا، لیکن تاریخ کے صفحات اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ یہی ابوسفیان جب

حلقہ گروش اسلام ہوئے تو بیچ اسلام کے لیے پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کفر سے لڑے، چنانچہ طائف کے محاصرہ میں انہوں نے اپنی ایک آنکھ اللہ کے راستہ میں قربان کی۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۱۳۲، سیرۃ الخلیفہ جلد ۲ ص ۱۳۲) اور دوسری آنکھ کی قربانی سیدنا صدیق اکبر کے دور خلافت میں جنگ یرموک میں دے دی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶)

اگر بنو امیہ بنو ہاشم کے ساتھ شروع ہی سے بغض و عناد رکھتے ہوتے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو امیہ کے حوالہ عقد میں نہ دیتے اور چوتھی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ جو بنو ہاشم کے فرد سیدنا علیؓ کے نکاح میں دی تو وہ بھی سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے کہنے پر سیدنا علیؓ نے اس کی باگاہ نبوت میں خواستگاری کی۔ (جلال العیون ص ۱۲۱) پھر سیدہ فاطمہؓ کے جمیز اور شادی کے لیے رومیہ بنو امیہ ہی کے ایک شخص سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سیدنا علیؓ کو دیا جو کہ چار سو درہم تھا۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ ص ۲۵۹) سیدنا عثمانؓ کے اس کار خیر پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔ (ملاحظہ ہو کشف الغمہ جلد ۱ ص ۲۵۹، زرقانی علی السواہب جلد ۲ ص ۳۲) اپنی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ تو آپؐ نے سیدنا ابوالعاص امویؓ کے نکاح میں دی لیکن ان سے چھوٹی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کے بعد بیکر آپؐ نے سیدنا عثمان بن عفانؓ اموی کے حوالہ عقد میں دیں۔

(حیات القلوب جلد ۳ ص ۲۳، نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۳۲۲)

دوسری طرف بنو امیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کر کے آپؐ نے بنو امیہ سے اپنی قرابت داری کا اظہار فرمایا۔ (صفۃ الصفوة جلد ۲ ص ۲۳) ابوسفیانؓ اس وقت اگرچہ حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن آپؐ نے اس شادی کی تحسین فرمائی۔ اس کے متبادل میں زول وحی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چچا ابوطالب کو جس کے

بیٹے سیدنا علیؑ کو حضور اکرمؐ نے اپنی کفالت میں لیا ہوا تھا، اس کی بیٹی ہندرس کی
گنیت بعد میں اُم ہانی ہوئی، سے نکاح کا پیغام دیا تھا، آپؐ کے پیغام کے ساتھ
ہبیرہ بن ابو وہب المخزومی نے بھی ابوطالب کو پیغام دیا۔ ابوطالب نے بنو مخزوم کے
ہبیرہ بن ابو وہب کو اپنی بیٹی بیاہ دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا اپنے
بارے میں یہ روایت دیکھ کر فرمایا :-

”یا عثم! اتزوجت ہبیرۃ وترکتی؟
چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے یونہی چھوڑ دیا؟
یہ سن کر ابوطالب نے کہا :-

”بھتیجے! ان لوگوں کے تو اعم سے رشتے نلے ہوتے چلے آئے ہیں معزز
لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔“

والا ص ۵۰۳ جلد ۳، کتاب المجرم ۹۸، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۵۲
اس بات کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام شادی کو رد کر کے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابی وہب کے
ساتھ اپنی بیٹی اُم ہانی کا نکاح کر دیا۔

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا
کے اس جواب سے اتنا رنج اور صدمہ ہوا کہ آپؐ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔
(والا ص ۵۰۳ جلد ۳)

ابوطالب نے جو کہ بنی ہاشم کے سردار تھے، اپنے سگے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی سے اپنی بیٹی کیوں بیاہ دی؟ اس
کی وجہ یہ ہے کہ بنو مخزوم کا قبیلہ اُس وقت قریش میں دولت و ثروت، اثر و رسوخ
اور عددی قوت کے لحاظ سے ایک ممتاز اور مقتدر قبیلہ سمجھا جاتا تھا،

اس قبیلہ کے پاس منصب العدل بھی تھا، تمول اور دریادلی، لیاقت و صلاحیت
وغیرہیں بھی یکساں سمجھا جاتا تھا۔ (کتاب نسب قریش ص ۳)

اب مقابلہ کیجئے ایک اموی سردار کا اور ایک ہاشمی سردار کا۔ ہاشمی سکا چچا بھی ہے لیکن پھر بھی اس نے اپنی لڑکی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں نہیں دی، پھر یہ کہنا کہ بنو امیہ خاندان بنو ہاشم کے دشمن تھے میں سمجھتا ہوں جہالت پر مبنی ہے۔

بنو امیہ کی انہی باتوں کی وجہ سے فتح مکہ کے روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسفیان سردار بنی امیہ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دے دیا۔

”من دخل دار ابی سفیان فہو امن۔“

جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۹۰، مسند احمد حدیث ۷۹۰۹، تاریخ ابن خلدون جلد ۳، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۷)

ان سب واقعات کے پیشِ نظریہ کہنا کہ بنو امیہ بنو ہاشم کے دشمن تھے، حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے، یہ دونوں قبیلے آپس میں باہم شیر و شکر تھے، ان کے آپس میں رشتہ داریاں بھی ہوتی تھیں اور دونوں بھائیوں کی طرح آپس میں رہتے تھے کیونکہ یہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں تھیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد تو ان کے حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔

سیدنا معاویہؓ کی والدہ ہند بنت عتیبہ جب مسلمان ہو رہی تھیں تو حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ اپنے بت کو اٹھا کر توڑنے لگیں اور اس سے کہا کہ ایک مدت سے ہم تیری وجہ سے فریب خوردہ رہے۔ پھر خود کہتی ہیں کہ میرے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئی اور آپ کی بیعت کی۔

تاریخ ابن عساکر جلد ۱ تراجم النساء تحت ترجمہ ہند بنت عتیبہ

ایک موقع پر خود فرمایا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے کفر کی دھوپ

سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آگئی ہوں۔

تاریخ ابن عساکر جلد تراجم النساء تحت ترجمہ ہند بنت عتبہ

بنو امیہ نے کبھی بھی بنو ہاشم کی عظمت و شرافت کا انکار نہیں کیا، خود سیدنا معاویہؓ نے بھی ایک موقع پر کھلے لفظوں میں بنو ہاشم کی سیادت و عظمت کا اقرار کیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سے پوچھا گیا کہ تم بنو امیہ عزت و شرافت میں زیادہ ہو یا بنو ہاشم؟ سیدنا معاویہؓ نے اس اہم سوال کو صحیح وضاحت یوں فرماتے ہوئے جواب دیا:-

”ہم دونوں قبائل صاحب عظمت و شرافت تھے لیکن بنو عبد مناف میں ہاشم جیسا کوئی شخص نہیں، جب ہاشم انتقال کر گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ تھا تو ہم بنی امیہ عدد و شرف میں اکثر تھے۔ (صرنا اکثر عددًا و اکثر اشرافًا) لیکن عبد المطلب جیسا ہم میں کوئی شخص نہیں تھا، جب عبد المطلب فوت ہوئے تو پھر ہم عدد و شرف میں اکثر تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ بنو ہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں، پس ایسے نبی تشریف لائے کہ اولین و آخرین نے ان جیسا نہیں سنا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (قالوا متابتی فجاء نبی لہ یسمع الاولون والاخرون بمثلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس شرف اور فضیلت کو کون حاصل کر سکتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔“

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۸

سیدنا معاویہؓ نے اپنے اس بیان میں بنو ہاشم کی فضیلت اور تفوق کا صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور شخصیت کے بارے میں صحیح رہنمائی دی ہے۔ اب پھر بھی اگر کوئی یہ کہے کہ بنو امیہ بنو ہاشم کے تفوق کو نہیں مانتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے آخر تک ان کا مقابلہ کیا، اس شخص کو اپنے دماغ اور سوچ کی اصلاح کرنی چاہیے۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی محبت و الفت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانہ نبوت
اور زمانہ اسلام دونوں میں ان کی آپس میں رشتہ داریاں قائم ہوئیں۔ چنانچہ اس
بات کا اعتراف ایک موقع پر خود سیدنا علیؑ نے بھی کیا، انہوں نے سیدنا معاویہؓ
کو ایک خط میں لکھا :-

”لعمینعننا قدیم عزننا ولا عادی طولنا علی قومک ات
خلطنا کربا نفسنا فتکحننا وانکحنا فعل الالقاء۔“

(نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۲)

دائے معاویہؓ! آپ کی قوم پر ہماری دیرینہ عزت نے ہمیں اس بات
سے منع نہیں کیا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے میں ملا لیں، پس ہم نے
تمہاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیے اور تم نے ہماری عورتوں سے
نکاح کیے جیسا کہ ہم کفو لوگ آپس میں رشتے ناٹے دیتے لیتے ہیں۔“
سیدنا علی المرتضیٰؑ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں
میں شروع ہی سے باہمی رشتہ داری کے تعلقات قائم تھے اور یہ آپس میں ایک
دوسرے کو ہم کفو سمجھ کر رشتے دیتے لیتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا
خواجہ عبدالمطلب سردار بنو ہاشم نے اپنی بیٹی اُمّ حکیم البیضاء کا نکاح کریم بن ربیعہ
بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف اموی سے کیا تھا، اور اُمّ حکیم البیضاء سیدنا
عثمانؓ کی سگی نانی تھیں۔

زمانہ اسلام میں یہ دونوں خاندان پہلے سے بھی زیادہ آپس میں محبت
سے رہنے لگے، کیونکہ اسلام نے ہر قبیلے کی گزشتہ تمام رنجشوں کو ختم کر دیا جیسے
اوس اور خزرج، انصار کے یہ دونوں خاندان کتنی مدت تک آپس برسرِ بیکار رہے
لیکن جو نہی دونوں دولت ایمان سے سرفراز ہوئے تو سکے بھائیوں سے زیادہ محبت و
بیاد سے رہنے لگے۔ اور اسلام تو ہے ہی صلح و آشتی کا دین، اس نے تو ہمارے
انصار کے درمیان جو مواخات قائم کی تھی اُس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی حالانکہ

ان میں نہ کوئی وطنی تعلق تھا اور نہ برادری اور قبیلہ کا، لیکن جب لسان نبوت نے ان سے فرما دیا کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو تو انہوں نے اس بھائی چارے کو ایسا نبھایا کہ سگے بھائیوں کو بھی اس پر شک آنے لگا۔

اگر ان دونوں خاندان کے مابین کوئی رنجش یا عداوت ہوتی جس کو بعض لوگ صرف اپنی روٹی کمانے کے لیے اپنے وعظوں میں اور اپنی تحریروں میں ظاہر کرتے ہیں، تو پھر ان دونوں خاندانوں کے اہم افراد میں اس طرح کی باہمی رشتہ داری قائم ہوتی؟ یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو اُمیہ کے افراد کے حوالہ عقد میں دیں۔ سیدنا علیؑ نے اپنی دو صاحبزادیاں سیدنا مروانؑ کے بیٹوں معاویہ بن مروانؑ اور عبد الملک بن مروانؑ کے نکاح میں دیں۔ (جمہرۃ انساب العرب ص ۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۶۹) خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اُمیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؑ کی صاحبزادی سیدہ رملہؑ کو جو ام حبیبہ کی کنیت سے مشہور تھیں، اپنے حوالہ عقد میں لاکرام المؤمنین کا مرتبہ عطا فرمایا۔ (یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی ہاشمی عورت سے شادی نہیں کی)۔

ایک رشتہ داری یہ تھی کہ سیدنا عثمانؑ کا پوتا عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سیدنا حسین بن علیؑ بن ابی طالب کی بیٹی فاطمہ سے بیاہا ہوا تھا، دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؑ کا پوتا سیدنا حسینؑ کا داماد تھا۔ (مقاتل الطالبین ص ۲۲) اسی طرح سیدنا عثمانؑ کا ایک اور پوتا زید بن عمرو بن عثمانؑ بھی سیدنا حسینؑ کا داماد تھا اور سیدنا حسینؑ کی صاحبزادی سکینہ بنت الحسینؑ ان کے نکاح میں تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸، ۲۷۵) نسب قریش جلد ۴ ص ۲۱، کتاب المعارف لابن قتیبہ ص ۱۸۷، جمہرۃ انساب العرب جلد ۱ ص ۸۶) پھر ایک اور رشتہ یہ قائم ہوا کہ سیدنا حسین بن علیؑ بن ابی طالب کی پوتی سیدہ ام القاسمؑ کی شادی سیدنا عثمانؑ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمانؑ سے ہوئی تھی۔ سیدنا علیؑ کے بڑے بھائی سیدنا جعفرؑ کی پوتی ام کلثوم بنت عبد اللہ بن جعفرؑ کی

شادی سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا ابانؓ سے ہوئی۔

(المعارف لابن قتیبہ ص ۱۶، ص ۹)

سیدنا عثمانؓ کی ایک صاحبزادی سیدہ عائشہؓ تھیں، اس سیدہ عائشہؓ سے پہلے سیدنا حسنؓ کا نکاح ہوا ان کے انتقال کے بعد پھر سیدنا حسینؓ نے ان سے شادی کی۔ (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں کی اولاد میں سے عارت بن نوفل بن عارت بن عبدالمطلب کے حوالہ عقد میں سیدنا معاویہؓ کی ہمشیرہ بنت ابوسفیان تھیں۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۵۱، طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۴)

سیدنا معاویہؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ یعلیٰؓ سیدنا حسینؓ کی زوجہ محترمہ تھیں اور سیدنا حسینؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا علی اکبرؓ کی والدہ ماجدہ تھیں، یہ علی اکبرؓ میدان کربلا میں شہید ہوئے، گویا علی اکبرؓ یزید بن معاویہؓ کی سگی بھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔ (منتہی الآمال جلد ۱ ص ۵۵، مقاتل الطالبین جلد ۱ ص ۵۴)

ان دونوں خاندانوں کا ایک اہم رشتہ یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کے بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی بیٹی اُمّ محمد یزید بن معاویہؓ کے نکاح میں تھیں، اس لحاظ سے سیدنا حسینؓ یزید کی اہلیہ اُمّ محمد کے ماموں تھے اور دوسری طرف یزید علی اکبرؓ کے ماموں تھے۔

یہ تو ہم نے صرف چند رشتوں کا ذکر کیا ہے وگرنہ جنگ صفین اور معرکہ کربلا کے بعد بھی ان دونوں خاندانوں میں بڑی اہم رشتے داریوں نے جنم لیا اور یہ دونوں خاندان آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے، اس زمانے میں کسی کو بھی اپنی پرانی رنجش اور عداوت کا پتہ نہیں تھا لیکن ان کے کئی سو سال بعد لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ جنگ صفین اور معرکہ کربلا ان دونوں خاندانوں کی پرانی رنجش کا نتیجہ تھے۔ (العیاذ باللہ)

سیدنا معاویہؓ نے اپنے دور خلافت میں بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس شہ متووت

محبت کو قائم رکھا، چنانچہ سیدنا حسنؑ سے تو آپ کو خصوصی محبت تھی، فرمایا کرتے تھے کہ :-

”میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گفتگو کرنے والے سیدنا حسن بن علیؑ ہیں، ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔“

ایک اور موقع پر فرمایا کہ :-

”میں نے سیدنا حسنؑ سے ایک بار کے سوا کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا، اور وہ فحش کلمہ کیا تھا؟ وہ یہ کہ ایک مرتبہ سیدنا حسنؑ اور سیدنا عثمانؑ کے صاحبزادے عمروؑ کے درمیان ایک قطعہ اراضی کے بارے میں تنازعہ ہو گیا، رفع نزاع کے لیے سیدنا حسنؑ نے ایک تجویز پیش کی جس سے سیدنا عمرو بن عثمانؑ نے اتفاق نہ کیا، اُس وقت سیدنا حسنؑ نے اظہارِ ناراضگی کے طور پر فرمایا: ”ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی ناک خاک آلود ہو۔“ پس یہی فحش کلمہ تھا جو ہم نے پوری زندگی میں ان کی زبان سے سنا۔“

(تاریخ یعقوبی شیعہ جلد ۲ ص ۲۲۷)

سیدنا حسنؑ جب تک زندہ رہے سیدنا معاویہؓ نے انہیں مختلف اوقات میں گرانقدر عطیات دیئے تاکہ اُن کی جود و سخا میں کوئی فرق نہ پڑے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا حسنؑ نے خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو اُس وقت کوفہ کے خزانہ میں ایک روایت کے مطابق پچاس لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق ستر لاکھ درہم تھے، آپ نے یہ سارا مال سیدنا حسنؑ کو دے دیا۔ اسی طرح ”دارِ کجّر“ کے علاقہ کی ساری آمدنی سیدنا حسنؑ کے کھاتے میں جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر سال لاکھوں درہم ہدیہ اور عطیہ کے طور پر سیدنا حسنؑ کی خدمت میں پیش کرتے اور سیدنا حسنؑ بغیر کسی تردد کے ان کو قبول کرتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۷)

ایک دفعہ سیدنا حسنؑ ایک لاکھ درہم کے مقروض ہو گئے، سیدنا معاویہؓ کو

پتہ چلا تو اسی وقت تین لاکھ درہم عطا فرمائے اور کہا کہ ان تین لاکھ میں ایک لاکھ آپ کے قرض کی ادائیگی کے لیے، ایک لاکھ آپ کے اعزاء و اقرباء کے لیے اور ایک لاکھ آپ کی خاص ذات کے لیے ہے، چنانچہ آپ نے اس رقم کو قبول اور وصول کیا۔ (انساب الاشراف ص ۸۴ تذکرہ سیدنا معاویہ)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسنؑ کو مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک گاؤں مرحمت فرمایا جو بعد میں انہوں نے زینب بنت عبد اللہ بن جعفرؑ کے حق مہر میں دے دیا۔
(ناسخ التواریخ جلد ۵ ص ۲۸)

یہی اُلفت و محبت آپ کی سیدنا حسینؑ سے بھی ہوتی تھی، سیدنا حسینؑ مزاج کے لحاظ سے اپنے بڑے بھائی سیدنا حسنؑ سے بہت مختلف تھے لیکن پھر بھی سیدنا معاویہؓ کے اُن سے روابط بہت اچھے تھے اور آپ انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سیدنا حسنؑ نے جب خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو ابتداء میں سیدنا حسینؑ نے بھائی کی اس تجویز سے ذرا سا اختلاف کیا لیکن سیدنا حسنؑ نے فرمایا:۔
”أُسکت فانا اعلم بالامر منك۔“

خاموش رہو میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔“
(طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۳)
سیدنا حسینؑ نے جب بھائی کی ان غصیب آلود نگاہوں کو دیکھا تو فوراً عرض کیا کہ:۔

”آپ سیدنا علیؑ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے جانشین بھی، ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہذا جو کچھ آپ صریح سمجھتے ہیں وہ کیجئے۔“

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳، تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۲)
چنانچہ آپ نے بھی سیدنا حسنؑ کے ساتھ سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی لیکن

کوفہ کے شیعوں کو فریقین کی یہ صلح ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، لہذا اندر ہی اندر انہوں نے کوشش کرنی شروع کر دی کہ سیدنا حسینؑ سیدنا معاویہؓ کی بیعت توڑ دیں لیکن سیدنا حسنؑ کی زندگی میں تو یہ ممکن نہ تھا سیدنا حسنؑ کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے بیعت توڑنے کی تحریک تیز کر دی، چنانچہ اب کثرت سے اہل عراق کے خطوط سیدنا حسینؑ کے نام آنے لگے کہ آپ معاویہؓ کی بیعت توڑ دیں، لیکن آپ نے فرمایا:-

”معاویہؓ اور میرے مابین صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے لہذا میں اس عہد کے توڑنے کو جائز نہیں سمجھتا یہاں تک کہ اس کی مدت ختم ہو جائے“ (الارشاد، شیخ مفید ص ۱۸۲)

ایک اور شیعہ مؤرخ ابو خلیفہ الدینوری نے بھی لکھا کہ سیدنا حسینؑ نے اہل کوفہ سے یہی کہا کہ:-

”ہم سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں، اب نقص بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا“

(الاخبار الطوال ص ۲۲)

سیدنا معاویہؓ نہایت زیرک اور مدبر حکمران تھے، ان کے علم میں تھا کہ اہل کوفہ سیدنا حسینؑ کو خط لکھ کر حکومت کے خلاف خروج پر اکسارہے ہیں لیکن آپ بالکل خاموش رہے۔ گورنر مدینہ بھی کو فیول کی کاروائیوں سے واقف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ بعض لوگ سیدنا حسینؑ کو حکومت کے خلاف اقدام کرنے پر اکسارہے ہیں، آپ نے اس کے جواب میں والی مدینہ کو لکھا کہ:-

”آپ حسینؑ کے بارہ میں کچھ فکر نہ کریں اور نہ اُن سے کوئی تعرض کریں، انہوں نے میری بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو ہرگز نہیں توڑیں گے اور نہ ہی اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم کریں گے“ (الاخبار الطوال ص ۲۲۲)

یہ جواب تو آپ نے گورنر مدینہ منورہ کو دیا لیکن اس کے ساتھ ایک خط میں سیدنا حسینؑ کو لکھا کہ:-

”آپ کے بارہ میں کچھ ایسی اطلاعات مجھے پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور متناسب نہیں، اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا تہد کیا تو یہ بات ایفا کرنے کے لائق ہے، آپ پر حق تعالیٰ شانہ کی رحمت ہو، خیال رکھئے کہ آپ کو تحقیق العقل لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں کہیں مضطرب اور پریشان نہ کر دیں“ والسلام

(الانخبار الطوال ص ۲۲۴)

سیدنا حسینؑ کو جب امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کا یہ مکتوب موصول ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں ان کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ :-

”وما اريد حربك ولا الخلاف عليك“

”امیر المؤمنین!“ نہ تو میرا آپ سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی

آپ کی مخالفت کی کوئی خواہش“ (الانخبار الطوال ص ۲۲۵)

یہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اہل عراق کا کبھی کوئی خط سیدنا حسنؑ کو نہیں آیا تھا، حالانکہ سیدنا حسنؑ عراق میں خلیفۃ المسلمین رہے تھے، اہل عراق سیدنا حسینؑ کو کیوں خط لکھتے تھے؟ اس کی دو وجوہات ہیں :-

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ سیدنا حسنؑ ان عراقیوں کی فطرت سے اچھی طرح آشنا تھے اور ان کو معلوم تھا کہ انہیں اسلام اور اہل بیت نبوت سے تو کوئی ہمدردی نہیں بلکہ یہ سب کچھ عبداللہ بن سباؓ کی پلاننگ کرتے ہیں، اس وجہ سے انہیں کبھی جرات نہیں ہوئی کہ وہ سیدنا حسنؑ کو کوئی خط لکھ سکیں۔

(ب) دوسرے سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ دونوں بھائیوں کی طبیعت اور مزاج میں بہت فرق تھا، سیدنا حسنؑ نہایت ٹھنڈے دماغ کے انسان تھے، نہایت دور اندیش اور مستقبل کے پردوں میں جھانکنے والے، دوست اور دشمن کو پہچاننے والے، مستقل مزاج اور صاحب فکر و نظر تھے۔ اسی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے آپ نے سیدنا علیؑ کو بھی اُن کے دور خلافت میں کئی مفید مشورے دیئے لیکن سیدنا علیؑ نے ان کو روبرو اعتنا

نہ سمجھا لیکن بعد میں ان مشوروں پر عمل نہ کرنے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔
 اس کے برعکس سیدنا حسینؑ تھوڑے سے جلالی مزاج کے آدمی تھے، خود فرماتے
 ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں خطبہ کے دوران میں نے آپ سے
 کہہ دیا کہ ”میرے نانکے منبر سے اتر جائیے اور اپنے آبا کے منبر پر چلے جائیے“ سیدنا
 فاروق اعظمؓ نے یہ سنکر نہایت کھل اور بردباری سے جواب دیا کہ ”میرے آبا کا تو کوئی
 منبر نہیں ہے“ پھر انہوں نے پکڑ کر مجھے اپنے پاس منبر پر بٹھالیا، خطبہ کے اختتام پر
 مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور فرمانے لگے ”میرے بیٹے! یہ تو بتاؤ کہ یہ بات تمہیں کس
 نے سکھائی تھی؟ میں نے کہا کہ یہ بات مجھے کسی نے نہیں سکھائی تھی“

والاصابہ جلد ۲ ص ۳۲، تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام جلد ۹
 اسی طرح ایک مرتبہ میں سے ایک قافلہ بہت سامان و اسباب سیدنا معاویہؓ کے
 پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے وہ سامان و اسباب چھین لیا
 اور اپنے اہل بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہؓ کو خط لکھ دیا۔

وابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۸۱
 سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسینؓ کو جواباً لکھا کہ :-

”میرے بھتیجے! میرے خیال میں تمہارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے
 اور تم جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہو، میرے زمانے میں تو تمہارا ایسا
 معاملہ درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا واسطہ
 کسی ایسے شخص سے تہ بڑ جائے جو ایسے معاملات میں تمہارا بالکل لحاظ
 نہ کرے“ (ناسخ التواریخ کتاب ۱ ص ۸۱)

یہ تو معمولی واقعات تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ کی وفات کے
 تھوڑے ہی عرصہ بعد عراق کے سبائیوں نے سیدنا حسینؓ کی خدمت میں آنا جانا شروع
 کر دیا کیونکہ وہ سیدنا حسینؓ کے مزاج کی اس کمزوری سے بخوبی واقف تھے۔ ملاً باقر
 مجلسی کا بیان ہے کہ مروانؓ نے جو اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، امیر معاویہؓ کو

اس بات کی مکمل رپورٹ دی کہ:-

”ایک گروہ عراقی و حجازی امام حسینؑ کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں اور ان کو طمع خلافت دلاتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہو جائے، اب مجھے جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔“

(جلد العیون باب ۵ فصل ۵ ص ۳۶۹)

اس رپورٹ کے جواب میں امیر المؤمنینؑ نے سیدنا مروان کو لکھا کہ:-
”تمہارا خط میرے پاس آیا، جو کچھ اس میں لکھا تھا معلوم ہوا۔ تم ہرگز حسینؑ سے تعرض نہ کرنا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت سے وفا کریں گے میں ان کا معترض نہ ہوں گا۔“ (جلد العیون باب ۵ فصل ۵ ص ۳۶۹)

ناسخ التواریخ میں اس خط کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے کہ:-
”مادر ایچ امرے معترض حسینؑ نیستیم مادام کہ معترض سلطنت مانیست پس پوشیدہ دار خاطر خود چنداں کہ آشکارا نہ کردہ است مخاطرات خود را از برائے تو۔“

۔۔۔ ہم کو کسی امر میں حسینؑ سے تعرض نہیں جب تک کہ وہ ہمارے حکومت کے ساتھ تعرض نہ کریں، پس تم بھی خاموش رہو جب تک کہ وہ اپنے خیالات کو تمہارے سامنے ظاہر نہ کریں۔“

(ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۱ ص ۷۶)

اس کے علاوہ امیر المؤمنینؑ سیدنا معاویہؓ نے ایک خط براہ راست سیدنا حسینؑ کو لکھا کہ:-

”آپ کے متعلق کئی امور کا مجھے پتہ چلا، اگر وہ سچے ہیں تو لازم ہے کہ انہیں ترک کیجئے، اس لیے کہ جس نے خدا سے عہد و پیمان کیا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عہد پر وفا کرے، اور جو کچھ میں نے سنا ہے

اگر غلط ہے تو اس تہمت سے اپنے کو بری الذمہ جانے۔“

(بروایت ناسخ التواریخ ص ۷۷)

ایک اور خط میں آپ نے سیدنا حسینؑ کو یہ لکھا کہ :-

”اور جب آپ عہد شکنی کریں گے میں بھی عہد شکنی کروں گا، اور آپ اگر بمقام غدیر آئیں گے تو میں بھی آپ سے غدیر کروں گا، پس آپ اس اُمت کی جمعیت کو پر اگندہ نہ کیجئے گا اور فتنہ کا باعث نہ بنیئے گا کیونکہ آپ پہلے لوگوں کو پہچانتے ہیں اور ان کا امتحان کر چکے ہیں (اور کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا) پس آپ اپنے اوپر اور اپنے دین اور اپنے نانا کی اُمت پر رحم کیجئے اور بے عقل اور احمقوں سے دھوکا نہ کھائیے۔“

(جلاء العیون ص ۳۶۹، ناسخ التواریخ ص ۷۷)

اندازہ فرمائیے کہ سیدنا معاویہؓ کس قدر دل سوزی اور قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے سیدنا حسینؑ کو یہ نصیحت کر رہے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اہل عراق ان کو حکومت اسلامیہ سے ٹکرا کر ملک میں تشتت و انتشار کی فضاء پیدا کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال سیدنا حسینؑ نے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں سبائیوں کے اُگساتے کے باوجود بالکل کوئی تعرض نہ کیا اور ہر معاملہ میں برابر امیر المؤمنینؑ کے ساتھ تعاون کرتے رہے، یہاں تک کہ ۴۰ھ میں امیر المؤمنینؑ کے فرزند امیر یزید کی قیادت میں جہادِ قسطنطنیہ میں شرکت بھی فرمائی، لیکن سبائی برابر آپ کے پاس آتے جاتے اور ترغیب و تحریر سے آپ کو امیر المؤمنینؑ کی مخالفت پر اُگساتے رہتے، چنانچہ ایک دفعہ ان سبائیوں نے آپ کو لکھا کہ :-

”ہم معاویہؓ کو خلافت سے معزول کر کے آپ سے بیعت کرتے ہیں، امام حسینؑ نے اس وقت موافقت ان کی اصلاح وقت نہ جانی اور حکم

نہ صبر فرمایا۔“ (جلاء العیون ص ۴۳۲)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ باقاعدہ ہدایا اور

عطیات کے ذریعہ سے ان کی مالی امداد فرماتے رہے، کسی وقت بھی ان کو انہوں نے مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ :-

”جب سیدنا حسنؒ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا حسینؒ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس آتے اور سیدنا معاویہؓ ان کا اکرام و اعزاز فرماتے اور عطیات پیش کرتے“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱)

”کبھی ان دونوں بھائیوں کو دس لاکھ، کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرماتے“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱، ابن ابی الحدید جلد ۸ ص ۸۳۸)

سیدنا حسینؒ اور سیدنا حسنؒ کے علاوہ ان کے اور جتنے بھی متعلقین تھے سیدنا معاویہؓ نے ان کی بھی بھرپور مدد کی، چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ :-

”معاویہؓ زمین میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دس دس لاکھ درہم لوگوں کو بطور عطیہ دیئے، آپ سیدنا حسنؒ اور سیدنا حسینؒ ہر ایک کو ہر سال دس دس لاکھ درہم عطا فرماتے، اور اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی اتنی ہی رقم دیتے“ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۵۰۷)

مہنت ابن ابی شیبہؒ کی ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ سیدنا حسنؒ کو چالیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (جلد ۱۱ ص ۹۲)

سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ تو سیدنا امیر معاویہؓ کو دل و جان سے چاہتے تھے، چنانچہ وہ اپنے بھائی سیدنا علی المرتضیٰؓ کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق چلے گئے اور جنگ صفین میں سیدنا علیؓ کے لشکر کے بجائے سیدنا معاویہؓ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔ (عمدة الطالب ص ۳۱)

سیدنا امیر معاویہؓ نے انہیں بھی مختلف مواقع پر گرانقدر عطیات و ہدایا عطا فرمائے بلکہ ایک موقع پر تو انہیں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

(تاریخ الاسلام ذریعی جلد ۲ ص ۲۳۳)

غرض یہ کہ جس جس شخص کا بھی خاندان نبوت سے تعلق تھا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اپنے عہد خلافت میں اُس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق قدر کی، چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بارہ میں انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:-

”ات من الناس من لا یرد علیہ امرہ و ات عائشہ منهم۔“

بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ ان کی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا اور سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا ان میں سے ایک ہیں۔ (التاریخ البکیر للبخاری جلد ۳ ص ۲۲)

سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی کئی کئی لاکھ درہم عطیہ اور ہدیہ کے طور پر دیئے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۹۹، جلد ۶ ص ۹، المستدرک حاکم

جلد ۱ ص ۱۳، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۳۶)

گویا خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس بجز بیکراں سے فیضیاب ہوا۔



آثارِ حرم و آثارِ نبوی کا تحفظ

ایک مسلمان کے لیے دنیا میں سب سے محترم شے اللہ اور اس کا رسول ہے ان کے بعد ہر وہ شے ہمارے لیے باعثِ صدا و احترام ہو جاتی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جائے۔ سیدنا معاویہؓ کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے معالمِ حرمین کا تحفظ کیا۔

مکہ مکرمہ میں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کا ایک گھر تھا جس میں آپ سیدہ و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھیں، اس گھر کو ”دارِ خزیمہ“ کہا جاتا تھا، اسی مکان میں آپ کی ساری اولاد پیدا ہوئی اور یہی وہ مکان تھا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سجدوں کے نشان بیہوش تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ نے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، اس گھر پر قبضہ کر لیا، سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر اس پر ایک مسجد تعمیر کروادی اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنے لگے، بعد میں اس کو ”مولدِ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا“ کے نام سے یاد کیا جانے لگا کیونکہ سیدہ فاطمہؓ اسی مکان میں پیدا ہوئی تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مواضع میں سے مسجد الحرام کے بعد یہ افضل ترین جگہ ہے۔ (ہو افضل موضع بمکہ بعد المسجد الحرام)۔ (تاریخ الحمیس ج ۱ ص ۳۱)

مکہ مکرمہ کے مکانات کے لیے اس سے پہلے کوئی خاص حفاظتی دروازے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اہل عراق، اہل شام اور دوسرے غیر مقامی لوگ اپنے علاقوں سے جب مکہ مکرمہ آتے تو ان مکانات میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے، لہذا ضرورت تھی کہ ان کو دروازے لگائے جائیں، سیدنا معاویہؓ نے ان مکانات

کو دروازے لگانے کا انتظام کیا۔

والبدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۹، المصنف لعبد الرزاق جلد ۵ صفحہ ۱۲۷

ان کے علاوہ آپ نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ کو لکھا کہ اگر صحابی رسول
سیدنا کزبن علقمہؓ زندہ ہوں تو ان کی نشاندہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کریں
تا کہ اہل اسلام ان سے برکت حاصل کر سکیں۔ (فتوح البلدان ص ۶، طبقات ابن
سعد جلد ۵ ص ۳۳۸، الاصابہ جلد ۳ ص ۲۷۵)

مکہ مکرمہ میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک جگہ تھی جس کا
نام دارالندوہ تھا، اس میں بیٹھ کر قریش آپس میں اہم امور کے بارے میں مشورے کیا
کرتے تھے، یہ جگہ شروع سے قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلی آ رہی تھی، پھر اسے
خاندان کے ایک فرد نے اس دارالندوہ کو سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا،
سیدنا معاویہؓ نے اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے اس کا نام ”دارالامارۃ“ رکھ دیا، اس
دارالامارۃ میں محکام اور گورنر حضرات اقامت پذیر ہوتے اور مختلف امور پر مشورہ
وغیرہ کرتے۔ (فتوح البلدان ص ۵۹)

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ دارالندوہ سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت
کرنے والے سیدنا حکیم بن حزامؓ تھے جو کہ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھائی
کے بیٹے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

”سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں سیدنا حکیم بن حزامؓ نے دارالندوہ کو
ایک بہت بڑی رقم ایک لاکھ درہم اور ایک دوسری روایت کے مطابق
چالیس ہزار دینار کے عوض سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، سیدنا
عبداللہ بن زبیرؓ نے سیدنا حکیم بن حزامؓ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت و
شوکت کو فروخت کر دیا، جواب میں سیدنا حکیمؓ نے فرمایا کہ اے میرے
بھتیجے اسابقہ مکارم کی چیزیں اب رخصت ہو چکی ہیں، اب تو عزت و شرف
صرف تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے، یہ دارالندوہ قریش کا دارالہل

تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۹، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۴۱)

اسی طرح حویلیٹ بن عبدالعزیٰ کی مکہ مکرمہ میں ایک حویلی تھی، سیدنا معاویہؓ نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خرید لی، لوگوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ اس حویلی کی یہ قیمت بہت زیادہ ہے، آپ نے فرمایا کہ حویلیٹ کا کتبہ پانچ افراد پر مشتمل ہے، لہذا ان کی ضروریات کے پیش نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۹)

اسی طرح کی اور کئی چیزیں آپ نے خرید کر آثارِ حرم کو محفوظ فرمایا۔ مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی آپ نے آثارِ نبویؐ کا تحفظ کیا۔ چنانچہ گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے سیدنا معاویہؓ کے حکم سے کوشش کی کہ ان مقاماتِ متبرکہ کے بارہ میں آشنائی حاصل کی جائے، لہذا سیدنا مروانؓ نے ابو قتادہ انصاریؓ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ مجھے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافقت بتلائیں۔ (الاصابہ جلد ۲ ص ۱۵۸)

سیدنا عمر فاروقؓ جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ اور اپنی صاحبزادی ام المؤمنین سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا تھا کہ میری فلاں جگہ فروخت کر کے میرا تمام قرض ادا کیا جائے، چنانچہ اس جگہ کو آپ کے انتقال کے بعد فروخت کر دیا گیا جسے سیدنا معاویہؓ نے اُس دور کی وقتی ضروریات کے لیے خرید لیا، پھر اس کو ایک مسجد میں منتقل کر دیا، اس جگہ کا نام ”دار القضاہ“ تھا۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص ۶۹۸)

سیدنا عمرؓ جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے خلافت کے لیے چھ شخص نامزد فرمائے کہ یہ چھ آپس میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں، چنانچہ تین شب و روز اس میں بیٹھ کر خلافت کے لیے مشورہ ہوتا رہا، یہ مکان سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کا تھا جو ان چھ میں سے ایک تھے، چنانچہ سیدنا عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کا آخری فیصلہ بھی اسی مکان میں ہوا۔ سیدنا

عبدالرحمن بن عوفؓ کے انتقال کے بعد آپ کی اولاد نے اسے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ مکان چونکہ تاریخی حیثیت کا حامل تھا سیدنا معاویہؓ نے اس مکان کا تحفظ اس طرح کیا کہ اس میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کر دیا۔ (تاریخ مدینہ المنورہ لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۳۳)

مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے مختلف قسم کے قلعے تعمیر کروائے جن میں ”قصر ختل“ زیادہ مشہور ہے، یہ محل یا قلعہ چونکہ راستہ پر واقع تھا اس لیے اس کا نام ”قصر ختل“ رکھا گیا۔ یہ قصر گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے مشہور صحابی رسول سیدنا نعمان بن بشیرؓ کے تعاون سے مکمل کروایا۔

ایک اور قصر بنوایا گیا جس کا نام ”قصر الدارین“ تھا، یہ قصر جس زمین پر بنایا گیا وہ جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سیدنا صفوان بن المعطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی تھی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید کر لوگوں کے لیے ”قصر“ کی شکل میں تعمیر کروایا۔

چاروں خلفاء کے زمانے میں مسجد نبوی کے ارد گرد کا علاقہ بالکل کچا تھا، بارش کے دنوں میں وہاں کیچر پھیل جاتا تھا۔ سیدنا امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس کو پتھروں سے پختہ کروایا۔ آپ نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے گرد و نواح میں ختبی بھی لگیاں ہیں ان کو پتھروں کے فرش سے پختہ کیا جائے، چنانچہ گورنر مدینہ نے آپ کے اس حکم کی تعمیل کی۔

اسی طرح آپ نے ام المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حبیبہ سلام اللہ علیہا کا حجرہ مبارک خرید کیا جو سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنی ضرورت کے تحت

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا،
سیدنا معاویہؓ نے ان کے مرتبہ و مقام کی رعایت فرماتے ہوئے انہیں ایک کثیر
رقم پیش کر دی۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص ۲۶۱)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے بھی اپنا ایک
مکان امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کیا جو آپؓ نے
ایک لاکھ اتنی ہزار درہم میں خریدا۔

شاعر دربار نبوت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس کچھوروں
کا ایک نہایت عمدہ باغ تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں
مرحمت فرمایا تھا، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ
سیدنا حسان بن ثابتؓ نے وہ باغ سیدنا امیر معاویہؓ کے ہاتھ مالِ کثیر کے
عوض فروخت کر دیا۔

ان تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہؓ نے
اپنے دورِ خلافت میں حریمِ شریفین کی بہت خدمت کی اور ان کے بہت
سے آثار کو محفوظ فرمایا۔

ایسے سعادت بزرگ بازنویست
تانتہ بخشد خدائے بخشندہ



علمی سرگرمیاں

سیدنا معاویہؓ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جو قریش کا سردار اور علمی لحاظ سے ایک نہایت اچھا گھرانہ تھا، آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ نے شروع ہی سے علمی لحاظ سے آپ کی نہایت اچھی تربیت کی۔ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت احمد امین کے بقول ۱۷ آدمی دفتر الاسلام ص ۱۲۱ اور علامہ زکی مبارک کے بیان کے مطابق ۲۰ افراد تھے جو لکھتا پڑھتا جانتے تھے اُن میں ایک سیدنا معاویہؓ بھی تھے، گویا کہ شروع ہی سے علمی مذاق میں آپ کی تربیت کی گئی تھی۔ چنانچہ آپ کی خلافت میں جہاں اور شعبہ ہائے زندگی میں ترقی ہوئی وہاں علمی سرگرمیوں میں بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی۔

شاعری | شاعری اور خطابت تو عربوں کا فطری ملکہ اور فن تھا، خصوصی طور پر شاعری تو اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس فن میں دنیا کی کوئی قوم اُن کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتی تھی شیخینؓ کے زمانہ میں اس کا رنگ قدرے پھیکا پڑ گیا لیکن اموی دور میں پھر اس مذاق میں چاشنی آگئی، سیدنا معاویہؓ خود سخن سنج تھے اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ان کو اچھا خاصہ مذاق و دلچسپی کیا گیا تھا، ایسے اس زمانہ میں اس فن میں کافی ترقی ہوئی۔ جریر، فرزدق، انطل وغیرہ شعرا جنہوں نے اسلامی شاعری کو چارچاند لگائے، اسی زمانہ کی پیداوار ہیں۔ سیاسی حالات کے اس نشیب و فراز سے شاعری کو اور بھی ترقی ملی کیونکہ شیعہ اور خارجی جماعتوں کے پراگندہ کا واحد ذریعہ شاعری تھا اور شعراء کی زبان شمشیر برتاؤں سے کسی قدر کم نہیں ہوتی، لہذا مقابلہ میں بھی اس فن کو خود بخود ترقی کے مواقع فراہم ہو گئے۔

عراق و شام کے تمدن اور ان کے سبزہ زاروں اور مغزاروں نے عربی شاعری کا رنگ ہی بدل دیا، اب شاعری میں عربوں کے سادہ اور بدویانہ جذبات کے بجائے تنوع اور رنگینی آگئی، اس شاعری نے ایک طرف تو جاہلی شاعری کو اپنے دامن نہ چھوڑا

اور دوسری طرف تنوع اور رنگینی، تشبیب و تغزل میں جدت آفرینی کی وجہ جاہلی شاعری کو بھی ماند کر دیا اور جاہلی اور جدید فکر کی آمیزش سے ایک نئی قسم وجود میں آئی۔ ان سب چیزوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ نے شعر کو یہودگی اور قبائلی بھوکے بجائے نیک کاموں کی رغبت دلانے کا ذریعہ بنایا۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۶۱) چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

”السان پر اپنی اولاد کی تہذیب و تادیب لازم ہے اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے، لوگوں کو چاہیے کہ شعر کو بلند ترین نصب العین ٹھہرائیں اور اس کی عادت ڈالیں“ (العمرہ جلد ۱ ص ۱۵۱)

شاعری میں آپ کا مذاق نہایت عمدہ اور سلجھا ہوا تھا، آپ کے والد اور والدہ بھی شاعر تھے، چنانچہ آپ نے نظم و نثر کی طرف خاص توجہ فرمائی اور شاعری کی تطہیر کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن الحکم بن ابی العاص کو نصیحت فرمائی کہ شاعری کو ایسی تشبیب کا ذریعہ مت بناؤ کہ جو شریف عورتوں کو عریاں کر دے اور بھوکے کسی شریف آدمی کی پکڑی اچھالتے یا ذلیل کو مدح کے ذریعے بلند کرنے کی کوشش نہ کر دے۔ (معاویہؓ، نصولی ص ۹۳، ۹۴)

ابن رشیق القیروانی نے اپنی کتاب ”العمرہ“ میں آپ کے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں:-

ان تناقش کن نقلا شک یاہ	ب عذاباً لا طوق لی بالعذاب
او تجاوزا فانت رب رؤف	بمن مسیٰ ذنوبہ کالتراب
اذ الما جدد بالحلہ متی علیکم	فمن ذالذی یعدی یا ثل للعلم
خذیہا منیہا واذا کری فعل ماجد	جبال علی حرب العداۃ بالسلم

(العمرہ جلد ۱ ص ۲۳)

اسی طرح صاحب معجم الشعراء نے بھی اپنی کتاب کے ص ۳۹ پر آپ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ اس زمانہ کی جماعت بندی کے باعث خطابت کو بھی خاطر خواہ ترقی حاصل ہوئی، اس سے زیادہ تر سیاسی معرکوں اور ریڑائیوں میں کام لیا جاتا تھا۔

خطابت

زیاد، عتبہ اور امیر معاویہ کا شمار اس زمانہ کے چوٹی کے خطباء میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو امیر میں عتبہ بن ابی سفیان سے بڑھ کر کوئی خطیب نہیں ہوا۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۵۲) خود سیدنا معاویہ کا شمار اپنے دور کے پانچ مشہور خطباء قریش میں ہوتا تھا۔
 انسائیکلو پیڈیا آف اسلام حصہ ۲ جلد ۳ ص ۶۱۹، ابن طقطقی نے لکھا ہے :-
 وكان حكيماً فصيحاً بليغاً (الفخری) معاویہ ایک حکیم اور فصیح و بلیغ آدمی تھے۔

تفسیر و حدیث | آپ کے دور میں بڑے بڑے ائمہ تفسیر پیدا ہوئے جن کی بدولت تفسیری ذخیرہ میں معتد بہ اضافہ ہوا ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا علیؓ کے ایک رفیق ابو حمزہ نے تفسیریں لکھیں۔
 اکثر بڑے بڑے علماء بیک وقت مفتش بھی ہوتے تھے اور محدث و فقیر بھی، عموماً جو محدث تھے وہ فقیہ بھی تھے، اُس دور میں حدیث و فقہ کی خاصی ترقی ہوئی۔

سیرت و مغازی | سیدنا معاویہ کے عہد میں تدوین تاریخ و حدیث کا آغاز ہوا۔ سیدنا عروہ بن زبیرؓ، سیدنا عکرمہؓ، وہب بن منبہؓ اور عبید بن شریہ اس دور کے قابل قدر سیرت نگار اور مؤرخ ہوئے ہیں، تدوین تاریخ پر آپ نے خاص توجہ فرمائی اور صنعائے یمن سے عبید بن شریہ نامی ایک مؤرخ کو بلا کر تدوین تاریخ پر مامور کیا، اس کے اہتمام میں دو کتابیں مدون ہوئیں ایک نشری "کتاب الامثال" کے نام سے اور ایک تاریخ کی "انبار الملوک و اخبار الحاضین" کے نام سے۔ (فجر الاسلام ص ۱۶۷)

دارالترجمہ | سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں ایک دارالترجمہ بھی قائم فرمایا، اس کی نگرانی پر ابن اثال طبیب کو مامور کر کے طب یونانی کی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا لیکن افسوس کہ اُس زمانہ کی دست برد سے بچ کر کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔ (معاویہ بن ابی سفیان ابوالنصر ص ۱۵۱)



یزید کی ولی عہدی

سیدنا معاویہؓ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو کہ اصحاب رسول میں نہایت بلند مقام کے حامل تھے، یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی اس حیات مستعار ہی میں ولی عہدی کا انتظام فرما جائیں۔ کیونکہ حالات کی گروٹھیں بتا رہی ہیں کہ آسمان خلافت پر بڑے گہرے بادل چھانے والے ہیں، چنانچہ ولی عہد کی تحریک پیش کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی امیر یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ: ”امیر المومنین! شہادت عثمانؓ کے بعد کی خونریزی آپ کے سلسلے ہے اسیلئے میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تاکہ آپ کی آنکھیں بند نہ ہونے کے بعد اہل اسلام کے پاس ایک سہارا موجود ہو اور امت اختلاف اور فتنہ و فساد کی آگ کی لپیٹ میں نہ آجائے۔“

سیدنا معاویہؓ کا تب وحی اور محبوب رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حالات کا بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے والے تھے، وہ سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے اس لیے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے مسلمان متفق نہ ہوں، آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ سیدنا مغیرہؓ کی تجویز بالکل صحیح ہے اور حالات ایسے ہی ہیں کہ امت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے پر تیار نہیں لیکن وہ یہ سب کچھ وَاَمْرُهُمْ شُورَی بَيْنَهُمْ کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مغیرہؓ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک تمام اولاد توں کے نمائندے اور ارباب حل و عقد مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ سیدنا مغیرہؓ یہ سن کر واپس کوفہ تشریف لے گئے۔ یہ بیان اکثر مؤرخین کا ہے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے معز ولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اس روایت پر غور کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین کی یہ روایت اندھا دھند تقلید کا نتیجہ ہے کیونکہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ کی وفات تو ۱۵ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولیمہ کی کا معاملہ ۱۵ھ میں پیش آیا، وہ اپنی وفات کے پانچ سال بعد یعنی ۲۰ھ میں اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کرنے کے لیے کیے تشریف لے آئے؟ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ۱۵ھ کے واقعات میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے، نیز آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

”قلہ نزل امیرہا حتی مات فی ہذا السنۃ علی المشہور
قال محمد بن سعد وغیرہ وقال الخطیب اجمع الناس علی ذلک۔
یعنی آپ کو قہ کے آخر وقت تک امیر رہے حتیٰ کہ اس سنہ یعنی ۱۵ھ
میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہو گئی، محمد بن سعد وغیرہ کا یہی
قول ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر اجماع ہے۔“

(ہکذا فی کتاب المعارف لابن قتیبہ ص ۲۹۵)

پھر سیدنا معاویہؓ کا سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا استعفا نامتطور کرنا اس چیز کا بین
ثبوت ہے کہ سیدنا مغیرہؓ قبل از وفات ہی گوزری کے بار دوش سے سبکدوش
ہوتا چاہتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ انہیں استعفا واپس لینے پر مجبور کرتے رہے۔
چنانچہ قریباً تاریخ کی تمام مشہور کتابوں میں سیدنا مغیرہؓ کے استعفا کا ذکر ہے
جس کا متن حسب ذیل ہے:-

”اما بعد! فانی قد کبرت سنی وحق عظمیٰ وشنئت لی قریش

فان رأیت ان تعزلنی فاعزلنی۔ (طبری ج ۵ ص ۳۳)

میری عمر بڑی ہو چکی ہے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں، قریش مجھ سے بغض رکھنے
لگے ہیں، اگر آپ مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجئے۔“

اس سے تاریخ کی اس روایت کا غلط ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جس میں لکھا
ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی۔ گویا کہ یہ روایت

دو لحاظ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ سیدنا مغیرہؓ کی وفات ۱۵ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولی عہدی کا معاملہ ۵۶ھ میں ہوا، دوسرے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت سیدنا مغیرہؓ زندہ تھے تو پھر بھی یہ روایت غلط ہے کیونکہ انہوں نے خود استغاثہ پیش کیا تھا لیکن سیدنا معاویہؓ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

بہر حال کسی اور نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز سیدنا معاویہؓ کو بتائی یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی، آپ ماضی میں اُمت کی باہمی خانہ جنگی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ ان کے اپنے انتقال سے قبل ہی وہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جبل و صفین کی طرح اُمت کی تلواریں پھر بے نیا نہ ہوں، گویا یہ آپ کی اُمت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے اس معاملہ کو اُمت کے ارباب حل و عقد کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا کیونکہ ارباب حل و عقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب تک مدینہ طیبہ خلافت کا مرکز رہا خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے ارباب حل و عقد کے ذمہ تھی، سیدنا علیؓ کے زمانہ میں جب مدینہ کے بجائے کوفہ کو مرکز خلافت ہونے کا شرف حاصل ہوا تو نصیب امام کی ذمہ داری اہل کوفہ پر تھی، چنانچہ سیدنا حسنؓ کو کوفہ کے ارباب حل و عقد نے ہی خلیفہ مقرر کیا، اسی طرح جب سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں دمشق مرکز خلافت بنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے لوگوں کی رائے سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہؓ نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کہا کہ جب تک تمام صوبوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اس وقت تک میں اس کو نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکت اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفود مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو کہ سبائی تحریک کا مرکز تھا وہاں سے بھی اصنف بن قیسؓ کی زیر قیادت ایک وفد

دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ (مروج الذهب جلد ۳ ط ۳۲) عراقیوں ہی نے یزید بن معاویہ کا نام ولی عہدی کے لیے تجویز کیا تھا، مخالفت اور موافق سب قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالفت اور موافق دلائل پیش کئے لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المومنین کے کان میں کہیں سے بھنک پڑی تھی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالفت میں اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ کے باشندے بھی متفق نہ ہوں میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا، چنانچہ اس کے لیے آپ نے گورنر مدینہ مروان بن الحکم کو لکھا کہ:-

”اب ضعیفی اور ناتوانی نے مجھے آلیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد امت پھر اختلاف اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے، لہذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو ارباب حل و عقد کے مشورے سے اپنا جانشین مقرر کر جاؤں، اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے اس بات کو مدینہ طیبہ کے ارباب حل و عقد پر پیش کرو، باہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھو۔“

مروان نے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا، پورے اجتماع میں سے صرف سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہی، جس سے مروان کو غصہ آگیا اور سیدنا عبدالرحمنؓ

لے بخاری نے تو یہ جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب پوری امت میں سمجھی جاتی ہے، سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی وہ بات نقل نہیں کی جو انہوں نے اس اجتماع میں فرمائی لیکن حفصی، مسعودی اور طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ مروان کی یہ بات سن کر عبدالرحمنؓ نے کہا تھا کہ ”یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہؓ دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔“ لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس اجتماع میں کوئی مولیٰ قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ عبدالرحمنؓ، ابی بکرؓ،

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵) باقی بخاری، مسعودی، طبری اور ابن اثیر نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سرتاپا خلافتِ عقل اور روایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

سیدنا معاویہؓ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا، لہذا آپؐ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذاتِ خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے، پچنانچہ مدینہ میں پھر آپؐ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہؓ نے خود اس معاملہ کو سارے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ پیش فرمایا، تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالاتِ حاضرہ اور مصالحِ امت کے تحت اس تجویز کو منظور کر لیا۔

غرض کہ اس طرح شورائی نظام کے تحت یزید بن معاویہؓ کی ولیعہدی کیلئے نامزدگی ہوئی اور پوری امت اور سب اربابِ حل و عقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو سیدنا معاویہؓ نے ان کے سامنے پیش کی تھی۔ اور اس معاملہ میں یزید کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موجود تھے۔ اگر معاویہؓ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تو سب حضرت عبدالرحمنؓ کی تائید کرنے لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سوائے سیدنا عبدالرحمنؓ کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ کا یزید کی ولیعہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو عشرہ مبشرہ اور اصحابِ بد اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی؟ بلکہ ان یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولیعہدی کیلئے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور چھبھی ہوئی بات کہی تھی جس سے مروان کو غصہ آگیا۔

(حاشیہ صفحہ ۵۲۱) اے طبری، ابن اثیر اور مسعودی وغیرہ نے یہاں بڑی بڑی بے سرو پا باتیں لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولیعہدی سے اختلاف کیا، اے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ! اے عبداللہ بن عمرؓ! عبداللہ بن عباسؓ! حسین بن علیؓ! عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا معاویہؓ جب خود مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ پانچ حضرات مکہ مکرمہ چلے گئے، امیر المؤمنینؓ وہاں ان کے پیچھے پہنچے اور پہلے تو ان سب کو حسنِ خلق اور خاطرِ مدارات سے مائل کرنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیسا استصواب رائے اس کی خلافت پر ہوا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔
یہ اجتماعات جو بیزید کی ولیمہ ہدی کے سلسلہ میں ہوئے ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے
جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب ان اجتماعات میں کیڑے نکالے جلتے ہیں، کبھی
یہ کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کر کے یہ رائے لی گئی تھی۔ اگر سختی ہی سے لوگوں کو ساتھ
لگانا تھا تو اجتماع کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جاسکتا تھا، پھر یہ اجتماعات
کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا مطلب؟ پھر وہ لوگ جن کو امت
صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھکی سے
کلمہ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آکر باطل کو حق اور
حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدو اُصاح کے مجاہد اور احزاب و حنین کے شاہسوار وہ عشرہ مبشرہ
کے سند یافتہ کیا معاذا اللہ معاویہؓ کی صرف ایک ہی دھکی سے ڈر جانے والے تھے؟ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
کی کوشش کی، جب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا، جب یہ کوشش بھی ناکام
ثابت نہ ہوئی تو دھکی دی کہ اگر تم نے مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا، چنانچہ یہ ایک ہی دھکی سے
خاموش ہو گئے۔ اندر تو ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر آکر اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے بیزید
کی بیعت کر لی ہے، لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے یہ سنتے ہی سب نے بیزید کی بیعت کر لی، بعد میں
لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۵۱، ۲۵۲)

اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کیے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہؓ کے کرکڑی رویے پر حملہ نہیں کیا
بلکہ ان پانچوں بزرگوں کا سارا تانا بانا بھی امت کے سامنے بکھیر دیا ہے کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھکی ہی سے
ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہو گئے اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ نہ تو بیزید بزرگ ایسے پست
ہمت تھے اور نہ سیدنا معاویہؓ ایسے پست اخلاق، اصل میں یہ سب واقعات دشمنانِ صحابہ نے وضع
کر کے مسلمانوں کے دلوں سے ان کی محبت اور عقیدت کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور آج بعض نادان
اور خود ساختہ مجتہد انہیں روایات کو پیش کر کے خلافت و طو کیت پر کتابیں لکھ مارتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ۵۲۱) لے حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جس اہتمام سے بیزید کی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیا یہ اتنے بزدل ہو چکے تھے کہ امیر معاویہؓ منبر پر بیٹھ کر یہ کہہ دیں کہ یہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ
یہ عبداللہ بن عباسؓ، یہ عبداللہ بن عمرؓ، یہ عبداللہ بن زبیرؓ اور یہ حسین بن علیؓ متفقہ طور پر یزید
کی ولی عہدی کے حق میں ہیں اور یہ سب موت کے ڈر سے دم بخود بیٹھے رہیں اور اتنی
بات بھی منہ سے نہ کہہ سکیں کہ ہم اس بات سے متفق نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات اُن لوگوں کی وضع کی ہوئی ہیں جن کے دلوں
میں اسلام اور صحابہؓ رسول کی ذرہ برابر بھی محبت نہیں تھی اور صرف اسلام دشمنی کیلئے
ان روایتوں کو گھڑا گیا تھا وگرنہ ایک طرف تو صحابہؓ رسولؐ کو عادل قرار دینا اور دوسری
طرف ان کے کیر کیڑیں کیڑے نکالنا تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن و حدیث
کی نصوص کی تاریخ کی غلط اور وہی تباہی روایات سے تنسیخ کرنا ہے جو کسی صورت بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
کی اس اہتمام سے کسی ماقبل خلیفہ کی بیعت آج تک نہیں ہوئی تھی، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

”فانست البيعة ليزيد في سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر

الاقاليم الى اليزيد... الخ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۸)

حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے گوشے

گوشے سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس وفود آئے۔۔۔ الخ۔

یہ صرف اس لیے تھا کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو خلوص تبت مسلمانوں کی خیر خواہی اس کی اہلیت

اور حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا ولی عہد بنایا تھا، صرف محبت پدری کے تحت یہ سب کچھ نہیں

کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اُس دُعا سے ملتا ہے کہ جو آپ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت کے

خاتم پر مانگی تھی، آپ نے کہا تھا کہ:-

”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے اس دینیدم کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولی عہد

بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا لیکن اگر میں نے صرف محبت (پدری)

کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایہ تکمیل تک نہ پہنچاؤ۔“

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۶)

جائز نہیں کیونکہ قرآن اور حدیث صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سریفیکٹ عطا فرماتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی کے لیے کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے تھے صحابہؓ کے دامنِ محنت و رضا کو داغدار کرنا ہے، اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و حدیث کی ان نصوص سے ٹکرائے گی ناقابل اعتبار ٹھہرائی جائے گی اور ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کی ہر بات دین میں موجب نجات اور نجات ہے، اسی لیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
 أَصْعَابِي كَالنَّجُومِ يَا أَيُّهَا أَتَدْرِيئُمْ أَتَدْرِيئُمْ (مشکوۃ)
 کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء اور پیروی کرو گے نجات پا جاؤ گے۔

سیدنا معاویہؓ سے قبل پانچ خلفاء گزرے تھے، ۱۔ سیدنا صدیق اکبرؓ، ۲۔ سیدنا فاروق اعظمؓ، ۳۔ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ، ۴۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، ۵۔ سیدنا حسن بن علیؓ، ان پانچوں کا خلیفہ کے تقرر میں الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہوا۔ ثقیفہ بنی ساعدہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا، قریش کہہ رہے تھے کہ منا امیر و منکم امیر۔ (بخاری جلد ۱، الامامہ والیاستہ جلد ۱، العوام من القوام منہ تعلیقہ) اسی ہنگامے میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، یہ سنتا تھا کہ پورے مجمع نے اس کو قبول کر لیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو سیدنا ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا، چنانچہ آپ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا:-

”أَنِّي اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ“ (الامامہ والیاستہ جلد ۱، العوام من القوام منہ)

سیدنا عمر فاروقؓ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرمادیں جس طرح کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ

نامزدگی اسلام میں جائز نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اگر آج ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو تمہارے اور خلیفہ نامزد کر جاتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر امت کا ایک امین ہے اور میری امت کا امین ابو عبیدہ ہے۔ اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر جاتا کیونکہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ معاذ بن جبل کے روزِ علامہ کے آگے آگے ہوں گے۔ اور اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کر جاتا کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ لیکن چونکہ وہ لوگ آج زندہ نہیں ہیں لہذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر نامزد کر جاتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاتے وقت راضی تھے، اور وہ چھ آدمی یہ ہیں:-

۱۔ علی بن ابی طالبؓ، ۲۔ عثمان بن عفانؓ، ۳۔ طلحہ بن عبید اللہؓ، ۴۔ زبیر بن العوامؓ

۵۔ سعد بن ابی وقاصؓ، ۶۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ اور فرمادیا کہ خلیفہ ان

چھ میں سے ہو۔ (الامامة والسياسة جلد ۲، منهاج السنة جلد ۳ ص ۱۶۱/۱۶۲)

العوام من القواصم ص ۱۹۳)

چنانچہ انہی چھ میں سے سیدنا عثمانؓ کو اس کمیٹی نے خلیفہ مقرر کیا جس کمیٹی کو سیدنا عمرؓ مقرر کی گئی تھی، دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ بھی دراصل سیدنا عمرؓ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے، پھر شہادت عثمانؓ کے تین روز بعد باہمی مشورہ سے سیدنا علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (الامامة والسياسة جلد ۱ ص ۱۱) سیدنا علیؓ کے بعد باہمی شوری کے ذریعہ سیدنا حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (الابداية والنہایہ جلد ۵ ص ۳۵، جلد ۶ ص ۳۲۳، جلد ۸ ص ۱۲۹) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنانا۔ (کافی کتب التواریخ) اب زمام خلافت سیدنا حسنؓ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؓ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا ہے اور شیوخ حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطاء سے میرا ہوتا ہے، اب سیدنا حسنؓ

نے خود اپنی مرضی سے سید نامعاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے، حالانکہ آپ کے تمام ماننے والوں نے اس کی مخالفت کی، خود آپ کے بھائی سیدنا حسینؓ نے بھی بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے، آپ نے کسی کی نہ سنی اور خود خلافت سے دستبردار ہو کر سید نامعاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔

ان پانچ خلفاء کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، ایک تو اہل محل والعقد کی باہمی مشاورت سے اور دوسرے خلیفہ کی نامزدگی سے، اور دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے، یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوری کے منتخب کردہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں اور سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو نامزد کرنے سے پوری امت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو نامزد کرتے سے یزید کی خلافت کو صحیح نہیں مانا جاتا؟ بلکہ سیدنا معاویہؓ کو بھی اعتراضات واہیہ کا ہدف بتایا جاتا ہے، لیکن اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے اپنی مرضی سے یزید کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام اصولوں کے ارباب اہل و عقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دو نے مخالفت بھی کی ہو حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی، لیکن اگر سیدنا علیؓ اہل محل والعقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے ہیں (انالہ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کرنے پر یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے؟

ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے، معاویہؓ اہل تھے اور یزید اہل نہیں تھا تو یہ اعتراض بھی غلط ہے، آخر اہلیت ہے کیا شے؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے

اے اگر انہوں نے خود نامزد کیا ہو! لیکن انہوں نے تو استصواب رائے سے اُسے ولی عہد مقرر کیا تھا۔

درمیان عدل و انصاف اور ان کی مصلحت پر نگاہ رکھنے کا، ان کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاق عالم میں ان کی دعوت کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی اور جماعتی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں، بہادری میں "فتی العرب" (عرب کا بہادر) کا لقب حاصل کیا ہوا تھا۔ رہنمائی آف دی عرب (انہی ص ۲۱) علم و فضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا جو یزید کی ذات میں ہو، نیکو کاری اتنی کہ خود ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

"ات ابنہ یزید لمن صالحی اہلہ۔"

(معاویہؓ کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔)
 کتاب الانساب والاشراف ص ۱، بلاذری الخیر والاربع قسم ثانی ص ۴،
 الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۲۱۳

علم و فضل میں یہ مقام تھا کہ ایک دفعہ ترجمان القرآن سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا حسن ابن علیؓ کی وفات کے بعد معاویہؓ کے پاس گئے اور اُس مجلس میں یزید بن معاویہؓ بھی آکر بیٹھ گئے، جب یزید اُٹھ کر چلے گئے تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-

"اذ ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس۔"

بنو حرب جب اُٹھ گئے تو لوگوں کے صاحب علم لوگ اُٹھ جائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۸)

صاحب الامامۃ والسیاستہ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایک اور قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر سُنکر حسب ذیل الفاظ میں اظہارِ افسوس فرمایا :-

"جبل تززع ثمرہاں بکل کلمہ اما واللہ ما کان کمن کان قبلہ و

لما یکن بعدہ کمثلہ واللہ ان ابنہ لخیر اہلہ۔" (الامامۃ والسیاستہ ص ۲۱۳)

وہ ایک پہاڑ تھا جو ہل پھر سینے کے بل آ رہا، کیا واقعی ایسا نہیں ہے

کہ وہ اپنے پہلوں جیسے نہ تھے اور اب تک اُن کے بعد اُن جیسا بھی کوئی نہیں ہوا، واللہ اُن کا بیٹا اُن کے گھرانے میں بہتر ہے۔“
 اتباع سنت، نیکی کی لگن اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسینؑ کے بھائی سیدنا علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی گواہی کافی ہے جب عبداللہ بن زبیرؓ کے داعی عبداللہ ابن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہ کی خدمت میں آئے اور ان کو یزید کی بیعت توڑنے کے لیے کہا تو محمد بن الحنفیہ نے صاف انکار کر دیا، اس پر ابن مطیع نے کہا کہ حضرت آپ اس کی بیعت کو کیوں نہیں توڑتے؟ حالانکہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔ ان کے جواب میں سیدنا علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے فرمایا:-

”ما رأیت منہ ماتذکرون وقد حضرتہ واقمت عنده فرائیته“

مواظباً علی الصلوٰۃ، متحرراً للخیر، یسأل عن الفقه، ملازمًا

للسنة۔ (البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۳۳، تاریخ الاسلام مذہبی ج ۳ ص ۹۳)

جو کچھ تم کہتے ہو میں تو وہ باتیں یزید میں نہیں دیکھتا، میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں رکئی روز تک، قیام بھی کیلئے میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا

اور رسول کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے۔“

عبداللہ ابن مطیع اور اس کے ساتھی کہنے لگے: ”حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے کے لیے کرتا ہوگا؟“ آپ نے فرمایا اُسے مجھ سے خوف اور کس قسم کا لالچ تھا جو وہ میرے سامنے اس طرح خشوع و خضوع کا اظہار کرتا، تم جو شراب کی بات کرتے ہو تو کیا اس نے تمہیں دکھا کر پی تھی؟ اگر دکھا کر پی تو تم بھی برابر اس گناہ میں اس کے ساتھ شریک ہو، اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تو جس شے کا تمہیں علم نہیں اس کے متعلق تمہیں شہادت دینی جائز نہیں! وہ بولے حضرت! اگرچہ ہم نے اس کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات بے سچی عا پ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شہادت دینے والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا

إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ رہاں جو گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ دیں،
 والزخرف آیت ۸۶ اور میں تمہاری کسی بات میں شریک نہیں ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ
 شاید آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے تو آئیے ہم آپ کے
 ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے مقصد کے لیے جنگ کرنا جائز نہیں
 سمجھتا نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ مقبوع ہو کر۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ شریک جنگ نہیں
 ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرمائیے کہ وہ ہمارے
 ساتھ مل کر جنگ کریں۔ فرمایا اگر انہیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کرنے کے مترادف ہے۔
 اُنہوں نے کہا تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ و قتال پر آمادہ ہی کیجئے، آپ نے
 فرمایا سبحان اللہ! کیا لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ تو میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی
 پسند کرتا ہوں، اس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہو گا۔ وہ بولے
 ہم آپ کو مجبور کریں گے، آپ نے فرمایا پھر میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دوں گا اور
 کہوں گا کہ لوگو! اللہ کو ناراض کر کے اس کی مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا، پھر آپ
 مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ (ابو ایوب و انصار، ج ۲، ص ۲۳۳، ۲۱۸، انساب النشرف بلاری جلد ۱۱، ص ۱۱۸)
 انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، گیارہواں ایڈیشن ص ۱۷۷

محمد بن الحنفیہ خاندان اہلبیت کے ایک ممتاز فرد کی یہ شہادت یزیدی زندگی کے
 تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں بھی درج ہے کہ ہر
 قابل تعریف خصلت یزید میں پائی جاتی تھی شجاعت و بہادری، حسن المعاشرت اور مملکت
 کے انتظامی امور میں نہایت صائب الرائے اور علم و عمل کی ہر خوبی آپ میں پائی جاتی تھی۔
 اگر یہ سب صفات و خصال ہونے کے باوجود بھی یزید اہلبیت سے محروم تھے تو پھر میں کہوں

اے محمد بن الحنفیہ وہ ہیں کہ جو فرماتے ہیں: الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منهما۔
 (الاعلام لوزکلی ج ۲، ص ۱۸۲) حسین مجھ سے افضل ہر یک میں علم میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔
 (مکذافی عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب طبع اول ص ۳۴)

گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہیں تھی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو
 جس میں یزید سے زیادہ کاروبار حکومت چلانے کی اہلیت ہو، اسلئے کہ اُس وقت صحابہ یا
 ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے اُن میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کا و بار
 حکومت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید ماہر تھے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق متواتر
 سات سال تک بازنطینی حکومت کے خلاف بحری اور بری جنگوں میں آپ نے کارہائے نمایاں
 انجام دیئے۔ کریم النفس، حلیم الطبع، انتظامی امور میں فکری اور ذہنی خوبیوں کے حامل تھے،
 غرضیکہ ایک حکومت کو چلانے کے لیے ایک شخص میں جتنی خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب آپ
 میں موجود تھیں۔ خاندانی نجابت، ذہنی اور عملی شرافت آپ کی خاص صفات میں سے تھیں،
 ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چھپے کس پیدا ہوئے، آنکھ کھولی ہی تھی کہ باپ کو شام
 جیسے سرحدی صوبے کا والی اور گورنر پایا، خود باپ میں سیادت اور سرداری کی صفات سیدنا
 عمر الفاروقؓ سے زیادہ تھیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵) باپ نے حسن تربیت سے
 وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں، لیکن اور صحابہ یا اُن کے صاحبزادے جو اُس زمانہ
 میں موجود تھے اُن میں اس قدر خوبیاں جمع نہیں تھیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ کتنے بزرگ صحابی
 ہیں، سنت نبوی کی اتباع میں اپنی مثال آپ تھے، علم و فضل کے لحاظ سے صحابہ میں
 ”شیخ الصحابہ“ کے لقب سے مشہور تھے، لیکن قدرت نے انتظامی معاملات میں وہ
 ملکہ عطا نہیں فرمایا تھا جو کہ یزید میں تھا۔ یہی حال دوسرے صحابہ کا تھا۔ حکومت کیلئے
 زاہد تھی کی اتنی ضرورت نہیں را اگرچہ خلیفہ وقت میں زہد و اتقاء کا پایا جانا ضروری بھی
 ہے، جتنی انتظامی امور کی صلاحیت اور عزم و شجاعت کی اہلیت کی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ
 اُمت میں سیدنا عمر فاروقؓ سے زیادہ زاہد، شب زندہ دار، صائم الدہر اور سنت نبوی
 کے تابع موجود تھے لیکن کاروبار حکومت چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں ان میں
 ودیعت کی تھیں وہ نہ ابوذر غفاریؓ جیسے شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمرؓ جیسے
 تابع سنت میں، نہ ابن عباسؓ جیسے ترجمان القرآن میں، اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں
 پڑھنے والے ابی بکرؓ میں، نہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے امین الامت میں تھیں اور نہ

خالد بن ولیدؓ جیسے سَیْفٌ مِّنْ سَیْفِیْنَ اللہ میں۔ کاروبار حکومت چلانے میں اشدُّ مُھِمٌّ
فی اَمْرِ اللہ عُمَرُ کی ضرورت تھی۔ خود سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں آپؓ زیادہ افضل
صحابی موجود تھے لیکن کاروبار حکومت چلانے کیلئے جن صفات کی ضرورت تھی وہ کسی اور
میں نہیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا حسنؓ نے کاروبار حکومت اُن کو سونپ دیا تو
تمام صحابہؓ نے جن میں عشرہ مبشرہ کے لوگ بھی تھے اور بیعت عقبہ و شجرہ کے سند یافتہ بھی
بے چون و چرا ان کی بیعت فرمائی اور کسی نے اُن پر ایک معمولی سا اعتراض بھی نہیں کیا،
خود سیدنا معاویہؓ نے اپنی اس کمزوری کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ آپؓ نے خلیفہ
کی صفات ضروریہ کا اظہار بھی فرمادیا، فرمایا:-

”ما انا بخیرکم وان منکم لمن هو خیر منی عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عمرو
وغیرہما من الافاضل ولكن عسى ان اکون الفعکم ولا یتہ وانکا کم فی
عدوکم وادركم حلیاء (البدایۃ والنتہایۃ ج ۸، تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۲۲)
اے لوگو! میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبد اللہ بن عمرؓ اور
عبد اللہ بن عمروؓ جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں لیکن امید ہے کہ میں
حکومت کے اعتبار سے ان سے زیادہ سودمند ثابت ہوں گا اور آپ کے
دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے بھی زیادہ نقص بخش ثابت
ہوں گا“

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات ہیں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب
تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابو ذرؓ کا نہ ہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام
ہے کہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت میں ابو ذرؓ میں علیؓ
ابن مریمؑ جیسا نہ ہد ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۸، استیعاب تذکرہ ابو ذر غفاریؓ)
اور یہ نہ ہد کوئی چند روز نہیں رہا بلکہ شروع سے اخیر تک ایک ہی طرح کا رہا (اصحابہ جلد ۱ ص ۶۲)
علم کا یہ حال ہے کہ حضرت علیؓ جیسے علم و فضل کے مجمع البحرین آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے
کہ ابو ذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس

ہتھیلی کو اس طرح بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہو۔ (الاستیعاب جلد ۲ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابو ذر غفاریؓ)۔ سیدنا عمرؓ جیسے اشدُّہم رفیقُ امیرِ اللہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ابو ذرؓ کا علم عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۱۱۱) اور وہ خود اپنے متعلق فرماتے تھے کہ: "میں ہر شے کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کٹکری کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔ (مسند احمد جلد ۵ ص ۱۶۳) لیکن یہی ابو ذرؓ ایک دفعہ امارت کی خواہش کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں ابو ذرؓ! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس کے متحمل نہیں ہو سکتے جس سے قیامت کے روز سوائے رسوائی اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ (طبقات ابن سعد جز ۴ ص ۱۱۱) ایک روایت میں یہ آتا ہے آپ نے فرمایا کہ:-

"یا ابا ذر! انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تأمرن

علیٰ اثنين ولا تولین مال یتیم۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۱۱)

اے ابو ذر! میں دیکھتا ہوں کہ تو بہت کمزور ہے اور میں تیرے لیے بھی وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا اور کسی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا،

اس سے ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ یزید اگرچہ زہد و اتقا میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، سیدنا حسین بن علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم سے کم تھے لیکن حکمرانی اور بہانہ بانی کے کمالات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھے کیونکہ بچپن ہی میں امارت کے سائے میں تربیت حاصل کی تھی اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں سرگرم عمل رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اس کو قبول کر لیا۔ اور صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد نے جو حجاز و شام بھر

لے ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ یزید کی ولیعہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ اور اجماع اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۱)

اور کوفہ میں تھی نہ از خود آپ کے خلاف خروج کیا اور نہ سیدنا حسینؑ کے ساتھ مل کر جنگ کی حالانکہ اس زمانہ میں اور صحابہ کو چھوڑ کر خود اہل بیت نبوت کے گھر کے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت کی تھی لیکن سیدنا حسینؑ کا کسی نے ساتھ نہ دیا، نہ عبداللہ ابن عباسؑ نے اور نہ ہی محمد بن الحنفیہؑ نے اور نہ ہی عمر ابن علی ابن ابی طالبؑ نے۔ چنانچہ ”اتمام الوفا فی سیرۃ خلفاء“ میں لکھا ہے کہ:-

”وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصعابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر وكلهم لم یخرج علی یزید ولا وحده ولا مع الحسین۔ (ص ۱۲۰)

اس زمانہ میں کثیر التعداد صحابہ شام، حجاز، بصرہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے اُن میں سے کسی نے بھی یزید ابن معاویہ کے خلاف آواز نہ اٹھائی، نہ تواز تو اور نہ حسینؑ کی معیت میں۔“

ہاں اُس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو ہاننبائی کے اصولوں سے بخوبی آشنا تھے، وہ تھے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، لیکن وہ اُن دنوں اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے۔

ایک اور سوال پیدا کیا جاسکتا ہے کہ اول تو اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو بیٹے کو مقرر کرنا جائز نہیں۔ اس سوال کے پہلے حصے کہ ”اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں“ کا جواب علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے ”مقدمہ“ میں دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو نقل کر دیا جائے، وہ یہ کہ:-

لے عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؑ کی الگ الگ بیعت کا ذکر تو بخاری وغیرہ کتابوں میں بھی آتا ہے۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۵۲، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۹۱، الانساب الاشراف جز ۴ قسم دوم ص ۱۴۱

اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں اس کو متہم نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہوں ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگاتا چلیے، یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں، اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے، خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے ارباب حل و عقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حجت تھا، اور پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا امت میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیش نظر تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بنو امیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اہل حل و عقد بنو امیہ میں سے تھے اور بنو امیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ قریش اور تمام مسلمانوں کی عصیت اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے خود بھی ہاشوکت تھے اور دوسروں پر بھی با اثر، انہیں نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول کو مسند حکومت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا

اے مفضول کی امامت کے جواز میں تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے، صرف جاحظ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے لیکن جاحظ کا یہ اختلاف کچھ مضر نہیں ہے۔ (لاحکام السلطانۃ از قاضی ابوالحسن الماوردی) — جمہور فقہاء اور
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باہمی اتفاق و اتحاد اور ان کی رائے میں یکجہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کے
 بقاء کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی اہمیت دی ہے قطع نظر اس
 کے سیدنا حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ
 آپ کی صحابیت اور صحابیت کا مسلمہ لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع
 ہے، مزید برآں آپ کے اس فعل کے وقت اکابر صحابہؓ کی موجودگی اور
 ان کا اس بارہ میں مکمل سکوت اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ
 ہر قسم کی بدگمانی سے مُبرا ہیں اور ان کی نیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا
 سکتا کیونکہ نہ تو صحابہؓ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے
 خاموش رہتے اور کسی قسم کی چشم پوشی اور نرمی کے روادار ہو سکتے اور
 نہ ہی حضرت معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی
 خاطر حق کو قبول کرنے سے باز رہتے، ان بزرگوں کی عدالت اور شان
 ایسی کمزوریوں سے بہت بلند تھی۔۔۔۔۔ یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی
 مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ تھے مگر اجماع و
 اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو ظاہر ہے کہ کوئی وقعت
 حاصل نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱، ۲۴۲)

حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ
 حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرما دیتے تو مسلمانوں کا بیچاس سالہ قصر خلافت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضول کی امامت بالکل جائز ہے اور
 اس کی بیعت کرنا صحیح ہے اور افضل کا وجود مفضول کی امامت کے مانع نہیں ہے بشرطیکہ مفضول
 میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ابن حزمؒ اندلسی کی کتاب "الامامۃ المفصلۃ"
 جو کہ اس کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" کے چوتھے جز میں درج ہے (ص ۱۶۷، ۱۶۸) بلعصر
 نیز علامہ ابوبکر الباقلائیؒ کی "التمہید ص ۲۳" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

یک قلم منہدم ہو جاتا۔ اس کے لیے ایک دفعہ پھر ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ :-

”اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی کیونکہ معاویہؓ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اگر حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ خود ان پر پلٹ پڑتے گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن نہ ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا وگرنہ اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ کے بارے میں کوئی اور خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرنا ہے“ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

درا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ :-

”لہذا اگر معاویہؓ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسند خلافت پر لاتے تو اس کی خلافت کو کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ جس اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں“ (ص ۲۳۱)

مشہور مؤرخ علامہ محمد انصاریؒ اس بارہ میں فرماتے ہیں :-

”یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنی امیہ میں محدود کر دینا اصلاح امت کے لیے ناگزیر تھا تا کہ امت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے کیونکہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے اتنے ہی امیدوار بھی زیادہ ہوتے ہیں اور یہاں امیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف رونما ہونا لازمی امر ہے“ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۵۰۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا معاویہؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست کیا اور مصلحت وقت کا تقاضا بھی یہی تھا اسی وجہ سے تمام اہلسنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست

مانا ہے۔ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری ص ۸۴ منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۲۰، مجملۃ الانساب) اور یزید فسق و فجور کے اتہامات سراسر غلط ہیں، یہ سب چیزیں کچھ تو سبائی تحریک کے ورکروں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ ابن زبیر کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو ہلکا کرنے کے لیے پھیلانیں، یہ صرف اتہامات تھے اور حقیقت میں یہ سب باتیں سراسر غلط تھیں جیسا کہ سیدنا علیؑ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر بعد کے راویوں نے پہلے پر ڈھلے کا کام کیا اور ایسی غلط باتیں بیان کیں کہ الامان والنہیظ و ملاحظہ ہو کتاب الآغانی جلد ۱۳) لیکن کسی نے بھی ان کی ان برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں کسی شاہد سے بیان نہیں کیا بلکہ "ایسا سنا گیا ہے" کے الفاظ کے گئے جسے ان سبائی راویوں نے بیان کیا کہ عبداللہ ابن زبیرؓ امیر یزید کو شراب پینے سے متہم کیا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم پر نہیں سنی سنائی باتوں سے۔ (ملاحظہ ہو انساب الاشراف بلاذری جلد ۴ ص ۲۱)

یزید کے نیک سیرت ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثلاً عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ، عقبہ بن نافعؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ، ام المؤمنین حضرت سلمہؓ، ام المؤمنین ام سلمہؓ کے صاحبزادے عقبہ بن عمروؓ، سلمہ بن الاکوعؓ، کعب بن عمروؓ والانصاریؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمروؓ، نعمان بن بشیرؓ اور مالک بن الحویرثؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) وغیرہم نے اس کی بیعت کی تھی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار وہی ہوتا ہے جو تاریخ کے سبائی راویوں کی روایات سے ظاہر ہے جو خود فسق و فجور اور کذب افتراء کی زندگی گزار رہے تھے تو اتنے جلیل القدر صحابہ کبھی بھی ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرتے اور کبھی بھی ان کو قرون مشہور و پہا یا خیر میں خلیفۃ المسلمین نہ ہونے دیتے اور سیدنا ابن عباسؓ اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبھی بھی اس کو نیک لوگوں اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ (کتاب الانساب والاشراف الجزء الرابع ص ۸، الامامۃ والسیاستہ، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۳)

حضرت حسینؑ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علیؑ کے بڑے بھائی جعفر طیارؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن جعفر طیارؓ اپنی صاحبزادی ام محمدؓ کا نکاح کبھی بھی یزید بن معاویہ کے ساتھ نہ کرتے۔ (مجلۃ الانساب ص ۶۲ لابن حزم) اور خود سیدنا حسینؑ ان کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شہادت لے کر عبداللہ بن جعفر طیارؓ حضرت حسینؑ کے بہنوئی بھی تھے اور یہ سیدہ زینب بنت فاطمہؓ کے شوہر تھے۔

نہ فرماتے۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸، ہسٹری آف دی سیرتِ مکتبہ تاریخ زوالِ رومۃ الکبریٰ ص ۲۸۶
اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کے بہت سے اقوال
سنداً پیش کرتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا:-

”اذا مرض احدکم مرضاً فیشفى ثم تماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ
قلیلز مدۃ ولینظر الی اسود عمل عندہ قلیل مدۃ۔ (العواصم من القواصم ص ۲۳۳)
جب کوئی تم میں سے بیمار پڑ جائے اور پھر صحتیاب ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اس نے کونسا
اچھا عمل کیا ہے پس چاہیے کہ وہ اس کو لازم جانے اور یہ بھی دیکھے کہ اُس نے کون سا
برا عمل کیا تھا پس اس کو چھوڑ دے۔“

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ:-
”یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یزید کی بہت قدر و منزلت
تھی، یہاں تک کہ انہوں نے اس کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے
جن کے اقوال کی تابعداری اور اقتداء کی جاتی ہے اور ان کے نصائح اور مواعظ
ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ اور ہاں انہوں نے تابعین کے تذکرہ سے پہلے ہی
صحابہ کے زمرہ میں ان کو شامل فرمایا۔ ہے۔“
اس کے بعد قاضی ابن العربیؒ لکھتے ہیں:-

”فاین هذا من ذکر المورخون له فی الخمر و انواع الفجور الا تستعیون؟
پس کہاں ہیں اس کے سامنے شراب اور فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں
کیا ان لوگوں کو ایسی غلط باتیں کہتے (شرم نہیں آتی؟) (العواصم من القواصم ص ۲۳۳)
نیکی اور صالحیت کا یہی جذبہ تھا جو آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا اور حکومت کا نشہ
بھی ان کو اس راستہ سے نہ ہٹا سکتا تھا۔ سیدنا فاروق الاعظمؓ کی حکومت کے حالات اور
خدمتِ خلق کا جذبہ آپ نے اپنے معاصرین سے سنا ہوا تھا اور دل میں خواہش تھی کہ اگر
کبھی زمامِ خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی آئینہ کی عادلانہ اور صلح حکومت چلاؤں گا۔
چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا بیٹھے ہوئے تھے تو سیدنا معاویہؓ نے

بیٹے سے پوچھا بیٹا! اگر تمہیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال صرف بیٹے کی قلبی گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے تھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع کا جذبہ ہے یا ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کا، بیٹے نے فوراً جواب دیا کہ:-

”کنتُ واللہ یا ایت عاملاً فیہم عمل عمر ابن الخطابؓ، فقال معاویۃ سبحان اللہ یا بُنَیَّ واللہ لقد جہدت علی سیرۃ عثمان بن عفانؓ فما اطقتمہا فکیف بک وسیرۃ عمرؓ۔ (البدایۃ والنتہایۃ جلد ۸ ص ۲۲۹)

آبا جان! بخدا میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمر بن الخطابؓ نے رامت کے ساتھ کیا تھا، سیدنا معاویہؓ نے کہا بیٹے سبحان اللہ! بخدا میں نے عثمان بن عفانؓ کی اتباع کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، پھر کہاں تم اور کہاں سیرت عمرؓ کی اتباع؟

یہ جواب امیر یزید کی صفائی قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کے پر زور تردید کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے اور فسق و فجور کے اتہامات لگاتے ہیں۔ یہاں پر علامہ ابن تیمیہؒ کی وہ رائے نقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو انہوں نے یزید بن معاویہ کے بارہ میں لکھی ہے، فرماتے ہیں:-

”یزید نہ کافر تھا نہ زندیق اور نہ ہی کبائر کا ترکیب تھا بلکہ صاحب شجاعت و بہادری اور اصولی جہان بینی و حکمرانی اور تدبیر و سیاست کا علم رکھتا تھا، سیدنا معاویہؓ تدبیر ملک و سلطنت میں اس کا مشورہ قبول کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ جو اس کے خلاف کوئی الزام ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ یزید آرام پسند تھا اور شکاری کتے پالتا تھا، اگر یزید کے زمانہ میں واقعہ کربلا پیش نہ آتا تو وہ لوگوں کی نظروں میں اتنا نہ گرتا۔“



وفات

سیدنا معاویہؓ اٹھتر کے قریب منزلیں طے کر چکے تھے اور طبیعت میں کافی ضعف
آچکا تھا لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ مؤرخین بیان کرتے
ہیں کہ جب آپ مقام ابواء پر پہنچے تو آپ پر مرض لقوہ کا حملہ ہوا لیکن مرض کی پرواہ نہ
کرتے ہوئے آپ اُسی حالت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مرض کا حملہ شدید تھا لہذا
کچھ روز آرام فرمایا اور جب طبیعت ذرا سنبھلی تو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یاد آخرت
کا ذکر تھا، حمد و نعت کے بعد فرمایا :-

”لوگو! انسانوں پر مصائب آتے ہیں اور وہ آزمائشوں میں مبتلا کیے جاتے
ہیں تاکہ انہیں صبر پر اجر عطا ہو، بعض پر کسی گناہ اور معصیت کی وجہ سے حق تعالیٰ
شانہ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا
موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے آقا و مالک کو راضی کر سکے۔

— میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں اور مجھ سے قبل بھی صالحین اور اچھے
لوگ مرض میں مبتلا ہوئے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ میں بھی ان میں سے ہو
جاؤں گا، اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو معاف کر
دیا گیا اور میں معافی یافتہ لوگوں میں سے ہونے سے ناامید نہیں ہوں“

رأى سب الاشرف جلد ۴ ص ۱۱۱، تطہیر الجنان ص ۱۱۱

کچھ روز مکہ مکرمہ میں قیام کرتے کے بعد آپ دمشق واپس تشریف لے گئے اور
حکومت کی مصروفیات میں لگ گئے، لیکن طبیعت میں اضطراب روز بروز بڑھ رہا تھا
چنانچہ ایک روز پھر دنیا کی بے ثباتی اور امور خلافت کے بارے میں خطبہ ارشاد فرمایا :-
”لوگو! ہماری مثال ایک کھیتی کی ہے جو بوٹی گئی اور پھر کپنے پر کاٹ لی گئی،
میں تم پر ایک مدت تک حاکم اور والی رہا ہوں، مجھ سے پہلے والے امراء اور

خلفاءِ نجد سے بہتر تھے اور نجد سے بعد بہتر حاکم آنے کی اُمید نہیں کیونکہ
 زمانہ عہدِ نبوت سے دور ہوتا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ
 سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس کی ملاقات کو
 پسند فرماتے ہیں (پھر فرمایا) اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا
 ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما (البدریہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۲۱)
 طبیعت دن بدن کمزور اور مضحمل ہو رہی تھی اور آپ سمجھ رہے تھے کہ اب
 موت کا بلاوا آنے ہی والا ہے۔ اسی روز کے لیے آپ نے کچھ تبرکات رکھے ہوئے
 تھے، ان میں کچھ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک تھے جو آپ نے
 تبرک کے طور پر رکھے ہوئے تھے، یہ شاید ان میں سے تھے جو آپ نے ایک دفعہ
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشقّص کے ساتھ کاٹے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۳۳)
 کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن مبارک رکھے ہوئے تھے۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۳۱)
 آپ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کے ناخن مبارک کے تراشوں اور آپ کے موٹے مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں
 اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی جلد ۲ ص ۱۰۲،
 تاریخ الاسلام ذیہی جلد ۲ ص ۳۲۳)

ایک مرتبہ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے
 اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرانے کی سعادت آپ نے حاصل کی، خود فرماتے
 ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہ شفقّت و محبت ارشاد فرمایا :-
 ”معاویہ! میں تمہیں ایک قمیض نہ پہناؤں؟“ فرماتے ہیں میں نے
 عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ضرور عنایت فرمائیں۔ چنانچہ
 آپ نے مجھے اپنی قمیض مبارک اتار کر پہنائی، میں نے وہ قمیض کچھ دیر پہنی
 اور پھر اس کو اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔“

(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۳۱، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۳۲۳)

یہ تمیض آپ نے اس روز کئے لیے ہی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی لہذا وصیت فرمائی کہ یہ تمیض جو میرے پاس محفوظ ہے اس کو میرے کفن کے اندر رکھا جائے اور یہ میرے جسم کے ساتھ لگی ہوئی ہو، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔

یہاں نور کرنے کا مقام ہے کہ جس شخص کو سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چیزوں سے اتنی محبت ہے کہ ان کو اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھ رہا ہو تو کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین سے محبت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی اور تھی بھی، لیکن ایک خاص گروہ نے صدیوں سے ان کے خلاف اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ حقیقت خرافات میں کھو گئی، بلکہ اب تو بعض نام نہاد سنی بھی اس گروہ کے ہمتوا ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد حکومت کے بارہ میں کچھ وصیتیں فرمائیں، خصوصی طور پر رومیوں کے بارہ میں فرمایا۔

”شدوا خناق الروم فانکم تضبطون بلادک غیر ہم

من الاکام۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۲۲)

رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھنا اور ان پر خوب کنٹرول رکھنا،

کیونکہ اس سے دوسری اقوام پر نظم و ضبط قائم رکھا جاسکے گا۔

سیدنا معاویہؓ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی ترقی اور احیاء کے لیے صرف

کی تھی اور ایک وسیع علاقے میں اسلامی حکومت قائم کی تھی جو بقول شیخ الاسلام

امام ابن تیمیہؒ خراسان سے لے کر مغرب میں بلادِ افریقہ تک اور قبرص سے لے کر

بین تک پھیلی ہوئی تھی۔ (منہاج السنہ جلد ۲ ص ۱۸۶) اس کو بغیر وصیت کے کیسے

چھوڑ سکتے تھے، پھر اپنے ولی عہد بنوید کو وصیت فرمائی۔

بیماری کے دوران بعض اوقات غنودگی طاری ہو جاتی، پھر کچھ افاقہ ہوا تو

اپنے حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا

اللہ تعالیٰ اس کو بڑے بڑے حادثات سے بچا لیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو گیا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۲)

ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے کیونکہ سیدنا عمر فاروقؓ نے آخری وقت میں اپنا مال تقسیم کر دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۶، انساب الاشراف جلد ۴ ص ۲۲)

تمام وصایا اور ہدایات دینے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی مضطرب اور کمزور ہو رہی ہے، لمحہ بہ لمحہ کمزوری اور تھکاوٹ بڑھ رہی ہے موت ہر ایک کو آتی ہے اور اس کا ایک وقت مقرر ہے، چنانچہ سیدنا معاویہؓ کا وقت مقررہ بھی آپہنچا اور کوہ استقامت اور عزم و ہمت کا بیکر حاضرین کی موجودگی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

صحابی رسول سیدنا ضحاک بن قیس القہریؓ آپ کے معتمدین میں سے تھے، آپ کفن ہاتھ میں لیے باہر نکلے اور لوگوں کو بتایا کہ:-

”امیر المؤمنینؓ کا انتقال ہو گیا ہے، آپ تمام عرب کے لیے شہرِ پناہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ مسلمانوں کی باہمی خاتہ بستی کو ختم کیا اور مہمت سے ممالک اُن کی زیر قیادت و سیادت فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں داخل ہوئے، اب ہم اُن کو اس کفن میں دفن کریں گے۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۲، طبری جلد ۶ ص ۱۸۲)

یہ سُننا تھا کہ لوگوں پر ایک بجلی سی کوند گئی، ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل غمزہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ سیدنا ضحاکؓ نے اُسی وقت ایک قاصد کے ذریعہ امیرِ یزید کو اطلاع بھجوائی اور جلدی دار الخلافہ پہنچنے کے لیے کہا، کیونکہ سیدنا معاویہؓ نے اس کے لیے بھی وصیت فرمائی تھی جو کہ تحریر ہی تھی۔ کیونکہ یزید اس وقت دار الخلافہ سے باہر حواریں میں تھا، اور آپ نے سیدنا ضحاک بن قیس القہریؓ اور سلم بن عقبہ المری کو فرمایا تھا کہ یہ وصیت اس (یزید) کو پہنچادی جائے۔

وصیت کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور تمام تبرکات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موٹے مبارک، ناخن مبارک کے تراشے اور آپ کی قمیض مبارک (کفن میں شامل کئے گئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد سیدنا صحا ک بن قیس الغہری نے نماز ظہر کے بعد دمشق کی جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے دارالامارۃ میں اور بقول ذہبی باب الجابیہ اور باب صغیر کے درمیان دفن کیا گیا۔ لیکن جمہور مؤرخین کے نزدیک آپ کو باب الصغیر کے قریب قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۲)

تاریخ وفات میں مؤرخین کے نزدیک اختلاف ہے، زیادہ مشہور ۲۲ رجب ۶۰ ہے۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۳۱۵)

وفات کے وقت عمر مبارک اٹھتر سال تھی۔ گورنری کی مدت ۲۲ سال اور مدت خلافت ۹ سال ۴ ماہ اور بقول یعقوبی ۹ سال ۸ ماہ تھی۔

(تاریخ الیعقوبی جلد ۲ ص ۲۳۸)

خلیفہ بن خیاط نے مدت خلافت ۹ سال ۳ ماہ اور ۲۰ دن بیان کی ہے۔ (جلد اول ص ۳۱۶)

ازواج و اولاد

سیدنا معاویہؓ نے متعدد شادیاں کیں لیکن اولاد صرف دو بیویوں سے ہوئی ایک یسویٰ بنت بحدل جس سے بزرید ایک روایت کے مطابق ۲۲ حجج میں (البدایہ جلد ۱ ص ۱۲۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹) اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵ حجج میں پیدا ہوا۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۱۵۱ ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹) سیدہ یسویٰ بنت بحدل سے آپ کی دو اولادیں اور بھی ہوئیں اور وہ دونوں لڑکیاں تھیں، ایک کا نام امۃ المشرق تھا جو یحییٰ ہی میں فوت ہو گئیں اور دوسری کا نام رملہ تھا۔ رملہ کا نکاح سیدنا عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادے

عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، جن سے ایک لڑکا زید پیدا ہوا جس کا نکاح سیدنا
سیدنا حسین ابن علیؑ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ بنت الحسین سے ہوا، دوسرے
نفلوں میں سیدہ سکینہ بنت الحسینؑ سیدہ رملہ بنت معاویہ کی بہوتھیں۔
رکاب المعارف وابن قتیبة (طبع مصر ص ۹۲)

سیدہ میمون بنت بحدل کے علاوہ آپ کی دوسری بیوی کا نام فاختہ بنت
قرظہ تھا، ان کے بطن سے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبدالرحمن پیدا ہوئے، عبدالرحمن تو

لہ میمون بنت بحدل عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب سے تھیں، یہ بنو کلب کے سردار بحدل بنت ایف
الکلبی کی صاحبزادی تھیں، حسن و جمال اور عقل و دانش میں نہایت ممتاز تھیں، دینداری رگ وریشہ
میں سرایت کیے ہوئے تھی، غرضیکہ عقل و شکل اور دین کی تمام صفات سے حق تعالیٰ نے نوازا
تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵)

شام کی گورنری کے ایام میں زینہ اولاد کی خاطر سیدنا معاویہؓ نے ان سے نکاح کیا تھا
کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ کسی ایسی عرب دوشیزمے نکاح کیا جائے جو تمام نسوانی صفات سے
متمتع ہونے کے ساتھ ساتھ نجیب بھی ہو تاکہ اس سے نجیب الطرفین اولاد ہو۔ اسی کے بطن سے
یزید پیدا ہوا، سیدنا معاویہؓ نے اپنے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کے نام پر (جنہوں نے
شام کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا اور دمشق کی گورنری تک سیدنا فاروق اعظمؓ سے
حاصل کی تھی) اس لڑکے کا نام یزید رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں بعض مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ یزید کی والدہ
جب حمل سے تھیں تو انہیں خواب آیا کہ ان کی کوکھ سے ایک چاند برآمد ہوا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ
کی گئی کہ ان کے ہاں ذکی، تیز فہم اور عظیم المرتبت لڑکا پیدا ہوگا۔ (جلد ۸ ص ۲۲۷)

آپ نہایت دیندار خاتون تھیں اور آپ کی دینداری کے قصے کتابوں میں درج ہیں بعض مستشرقین
مثلاً ہنری، نکلسن وغیرہ نے ان کے متعلق بڑی غلط قسم کی روایات درج کی ہیں مثلاً یہ کہ وہ عیسائی قبیلہ سے
تعلق رکھتی تھیں اور معاویہؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ (ملاحظہ ہو ہنری آف دی عربز، ۱۹۵، لٹریچر ہنری آف دی عربز)
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بچپن میں انتقال کر گئے لیکن عبداللہ امیر المؤمنین کی وفات تک زندہ تھے بعد کے حالات سے تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔

اخلاق و عادات

سیدنا معاویہؓ ایک نہایت باوقار اور صاحب علم بزرگ تھے، علم و بردباری آپ کا خاصا تھا، آپ بیک وقت ایک بہترین کاتب، ایک بہترین شاعر، ایک بہترین مدبر، ایک بہترین حکمران اور ایک بہترین خطیب تھے۔ شجاعت و بسالت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور علم و حکمت ایک زرخیز غلام۔ تفقہ فی الدین میں تو ترجمان القرآن سیدنا ابن عباسؓ کی شہادت ہی کافی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :-
 ”اِنَّهُ فَقِيْهُ - معاویہ یقیناً فقیہ ہیں۔“

(بخاری جلد ۵۳، ح۱۵۱، ح۱۵۲، ح۱۵۳)

آپ کی ان خوبیوں اور انتظامی صلاحیتوں نے ہی مسلمانوں کی سالوں کی باہمی آویزش کو آمیزش میں تبدیل کر دیا اور چند ہی روز میں مسلمان پھر شیر و شکر ہو کر رہنے لگے، آپس میں ایک دوسرے کے متعلق محبت کے وہی جذبات پیدا ہو گئے جو چند سال قبل تھے، اور مملکت اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے لیے ہر آدمی اپنا اپنا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) سیدنا عثمان غنیؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی قبیلہ کے ایک فرد امراء القیس بن عدی الکلبی جو کہ مذہباً عیسائی تھے اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اُن کی تین صاحبزادیاں حیا، اسمیٰ اور رباب تھیں اُن سے علی المرتب سیدنا علیؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ نے نکاح کیا، سیدنا حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ سلیمہ اسی رباب کے بطن سے تھیں۔ (تفصیل کے لیے کتاب المعارف لابن قتیبہ، انساب الاشراف للبلاذری، جہرۃ الانساب لابن حزم کی طرف رجوع کریں)

فریضہ انجام دینے لگا، اس لحاظ سے آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سلطنتِ اسلامیہ کے دوسرے مؤسس کبیر ہیں۔

انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا کی خدمت کا جذبہ بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ رعایا کو خوشحال دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ :-

”سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہر قبیلہ کے لیے ایک ایک آدمی مقرر کیا ہوا تھا جو مختلف مجلسوں میں جا کر یہ معلوم کرتا کہ اس قبیلہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ کیا اس رات کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں؟ کیا کوئی حمان قبیلہ میں فروکش ہوا ہے یا نہیں؟ وہ یہ اور اس قسم کی دوسرے معلومات اکٹھی کر کے اپنے دفتر میں پہنچتا اور ان کے نام رجسٹر میں درج کرتا تاکہ حکومت کی طرف سے ان کا انتظام کیا جاسکے۔“

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۲)

حلم

حلم اور بردباری کے لحاظ سے سیدنا معاویہؓ دوسرے صحابہؓ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس بارہ میں آپ کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اس باب میں حافظ ابن ابی الدنیا اور ابوبکر بن عاصم وغیرہ نے مستقل تصانیف لکھی ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۲۲۲)

الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۸۴ اور المسعودی جلد ۵ ص ۱۲ پر بھی آپ کی اس صفت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دہ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

”معاویۃ احلم امتی واجودھا۔“

معاویہؓ میری امت میں سب سے زیادہ صاحبِ حلم، بردبار اور بخود سخا کا حامل ہے۔ (حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۵)

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ لوگوں میں بہت حلیم ہیں، لوگوں نے پوچھا اے ابو عبدالرحمن! کیا سیدنا ابوبکرؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا سیدنا ابوبکرؓ معاویہؓ سے بہتر اور افضل تھے لیکن معاویہؓ بہت حلیم ہیں۔ (ابن عساکر جلد ۱ ص ۱۶۲)

سیدنا قبیسہ بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ:-

”میں سیدنا معاویہؓ کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ حلیم جہالت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار اور کسی کو نہیں دیکھا۔“

تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۳۲۳، الاصابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی سیدنا امیر معاویہؓ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”سیدنا معاویہؓ نہایت عمدہ سیرت کے حامل، بہترین بردبار اور درگزر کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔“

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۶

علامہ بلاذریؒ نے آپؓ کی اس صفت کے بارہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:-

”ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے ایک انصاری بزرگ کو پانچ سو دینار عطا کیے، اس بزرگ نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قسم دی کہ اس رقم کو لے جا کر معاویہؓ کے منہ پر مار دے۔ صاحبزادے اپنے والد کی ہدایت کے مطابق سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا امیر المؤمنین! میرے والد نے غصہ کی حدت اور شدت سے مجھے قسم دے کر یہ رقم آپ کے منہ پر مارنے

کے لیے کہا ہے، سیدنا معاویہؓ بالکل غصے میں نہیں آئے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر رکھ کر اُس انصاری لڑکے سے کہا کہ اپنے باپ کی قسم پوری کر لے لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا، بعد میں سیدنا معاویہؓ نے شفقت فرماتے ہوئے یہ رقم دگنی کر دی یعنی ایک ہزار دینار دے دیا۔“

انساب الاشراف جلد ۱۔ القسم الاول من جزء الرابع ص ۶۱
اسی قسم کا ایک اور واقعہ المآوردی نے اپنی کتاب ”الدنيا والدين ص ۲۲۹“ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک چادر جو کہ مالِ غنیمت میں اُس کے حصّہ میں آئی تھی اور اس کو وہ پسند نہ آئی، وہ سیدنا معاویہؓ کے سر پر دے ماری اور آپ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے :-

”لا حرم الا لتجار ب۔ صفتِ حلم تجربات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔“

المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۹۱

ایک مرتبہ احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ ”برد بار کون ہے؟ آپ یا معاویہؓ؟“
آپ نے فرمایا :-

”بخدا میں نے تم سے بڑا جاہل کوئی نہیں دیکھا، معاویہؓ قدرت رکھتے ہوئے بھی حلم و بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں، لہذا میں اُن سے کیسے بڑھ سکتا ہوں یا اُن کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں؟“ (العقد الفرید جلد ۱ ص ۱۶۵، طبری جلد ۶ ص ۱۸۷)

اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ :-

”میں کوشش کرتا ہوں کہ کوئی مجرم میرے غصے سے بڑا نہ ہو اور کوئی اکھڑین میری بردباری سے زیادہ نہ ہو اور کوئی عیب ایسا نہ ہو جس کی میں پردہ پوشی نہ کر سکوں یا کوئی برائی ایسی نہ ہو جو میرے احسان سے زیادہ ہو۔“
چنانچہ طبری کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

”کت اذا مدوها خلیتها واذا خلوها مددتها۔

جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔“ (الاسلام والحضارة العربیہ

جلد ۲ ص ۱۲۴، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۸۳)

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے بہت زیادہ سخت کلامی کی، لوگوں نے ازراہ تعجب کہا کہ حضرت! آپ ایسی باتوں میں بھی بردباری سے کام لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:-

”إِنِّي لَا أَخُولُ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَ السُّنَّتِ مَا لَمْ يَحُولُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سُلْطَانِنَا۔ (ملکنا)

رطبی ج ۵ ص ۲۳۶، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳، الاسلام والحضارة

العربیہ ج ۱ ص ۱۲۴)

میں اُس وقت تک لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا

جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“

بڑے لوگوں کی باتوں کو تو سب برداشت کرتے ہیں لیکن غریبوں اور ناداروں کی ملالت

اور سختی کو برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ سیدنا معاویہؓ کو کسی راہ چلتے آدمی یا کسی بوڑھی

عورت نے بھی اگر کوئی سخت سُست لفظ کہہ دیا تو آپ نے نہایت بردباری سے اسے

برداشت کیا۔ چنانچہ ایک روز ارومی بنت حارث آئیں اور کہا کہ معاویہؓ! تو نے کفرانِ

نعمت کیا، اپنے چچا زاد بھائی سے اچھا سلوک نہ کیا اور ایسا لقب اختیار کیا جس کا تو

اہل نہ تھا؟ آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تجھے گناہوں کو بخشتا ہے، اپنی ضروریات کا

اظہار کیجئے“ وہ بولیں ”مجھے دو ہزار دینار کی ضرورت ہے کہ ایک زر خیز زمین میں ایک

جاری چشمہ خرید سکوں تاکہ وہ فقرا ئے بنی حارث بن عبد المطلب کے کام آئے، دو ہزار دینار

اور چاہئیں تاکہ بنو حارث کے فقراء کی شادی کر سکوں، اور دو ہزار اور مطلوب ہیں کہ خود

زمانے کے مہائب سے بچ سکوں“ آپ نے اُسی وقت چھ ہزار دینار دینے کا

فرمایا اور وہ بے کر چلی گئیں۔ (ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۵)
 ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کو ایک شخص نے آکر کہا کہ:-
 ”واللہ لتستقیمن یا معاویۃ اولتقومتک۔“
 اے معاویہؓ! بخدا خود بخود درست ہو جاؤ وگرنہ ہم آپ کو درست کر
 دیں گے۔“

آپؓ نے فرمایا کہ کس کے ساتھ درست کرو گے؟
 جواب میں اس شخص نے کہا: ”لاٹھی کے ساتھ۔“
 یہ سکر سیدنا معاویہؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا:-
 ”اذا نستقیم۔ تب ہم درست اور ٹھیک ہو جائیں گے۔“
 کتاب المجتبى ص ۴، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۳ ص ۳۲۲،
 سیر اعلام النبلاء ذہبی جلد ۳ ص ۱۰۲

ایسے ہی ایک دفعہ سیدنا حضرت ابوامامہ الباہلیؓ آپ کے پاس تشریف لے
 گئے اور کہا امیر المؤمنینؓ:-

”انت رأس عیوننا فان صفوت لہ یضربنا کدہ العیون
 وان کدہات لہ ینفعنا صفونا، واعلم انہ لا یقوم
 فسطاط الا بعمد۔“

آپ ہمارے چشموں کے اصل ہیں، اگر آپ صاف رہیں گے تو چشموں
 کا کد لا پین ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ میں تکرار کیا تو
 ہمارا صاف رہنا ہمیں کوئی فائدہ نہ دے سکے گا، یہ بھی ذہن میں
 رکھئے کہ کوئی خمیر ستونوں کے بغیر کھڑا نہیں ہو سکتا۔“

(کتاب المجتبى ص ۳۹ دکن)

آپ کے حلیم اور بردباری پر یہ واقعہ بھی شہادت کے لیے کافی ہے کہ ایک
 مرتبہ جمع کے روز خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:-

”بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور مالِ فتنے بھی ہمارا ہے، جس شخص سے چاہیں ہم مال کو روک لیں۔“

آپ کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا، دوسرے جمعہ کو بھی آپ نے اسی طرح فرمایا، پھر بھی کوئی شخص جواب دینے کے لیے نہ اٹھا لیکن جب تیسرے جمعہ کو سیدنا معاویہؓ نے وہی بات دہرائی تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا امیر المؤمنین! بات اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فتنے کا مال بھی ہم سب کا ہے اور جو شخص اس بارہ میں ہمارے درمیان حائل ہوگا ہم اپنی تلواروں سے اس شخص کا فیصلہ کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا دیں گے۔

امیر المؤمنینؓ نے نہایت علم و بردباری سے اس کا جواب سنا، خطبہ ختم ہونے کے بعد آپ قصر خلافت پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو بلایا بھیجا، لوگوں نے خیال کیا کہ اس کی گوشمالی ہوگی لیکن جب اور لوگ قصر خلافت پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص امیر المؤمنین کے ساتھ بڑے باعزت طریقے سے بیٹھا ہوا ہے۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ اس شخص نے گویا مجھے زندہ کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو حیاتِ دراز عطا فرمائے۔ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:-

”مختریب میرے بعد مراد ہوں گے جو کچھ وہ کہیں گے اس کا کوئی رد نہیں کر سکے گا وہ جہنم میں گریں گے۔“

میں نے گزشتہ جمعہ کو ایک بات کہی کسی نے اس کا رد نہ کیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پھر دوسرے جمعہ بھی مجھے کسی نے نہ ٹوکا تو مجھے خیال ہوا کہ شاید میں اُن میں سے ہوں گا لیکن جب تیسرے جمعہ کو میں نے پھر وہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہو کر ٹوکا اور صحیح بات میرے سامنے کہہ دی تو گویا اس نے مجھے زندہ کر دیا، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ سلامت رکھے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۳۲۲)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذری نے بھی نقل کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی، اس پر ان کا ایک وکیل حسن کا نام "النضیر" تھا متعین تھا۔ اس زمین کے ساتھ ہی سیدنا عمرؓ کے بھتیجے عبدالرحمن بن زید بن الخطابؓ کی زمین تھی، سیدنا معاویہؓ کے وکیل اور عبدالرحمن بن زیدؓ کے مابین اس زمین کے بارہ میں کچھ تنازعہ ہو گیا، وکیل کا موقف یہ تھا کہ یہ قطعہ اراضی سیدنا معاویہؓ کا ہے جبکہ سیدنا عبدالرحمن بن زیدؓ اس کو اپنا حق بتاتے تھے، جب یہ تنازعہ طویل اختیار کر گیا تو سیدنا عبدالرحمن اس کو نیٹانے کے لیے خود شام سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور وہاں اس تنازعہ کی تفصیلات ذکر کیں، سیدنا معاویہؓ نے یہ ساری تفصیلات سن کر فرمایا کہ قاضی فضالم بن عبید الانصاریؓ اس بارہ میں جو فیصلہ دیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ دونوں حضرات کے بیانات قاضی عبیدؓ کے پاس ہوئے اور ہر ایک نے تفصیل سے اپنا اپنا موقف بیان کیا، بیانات سن کر قاضی صاحب نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف اور سیدنا عبدالرحمنؓ کے حق میں فیصلہ دیا، سیدنا معاویہؓ نے نہایت خوشدلی سے قاضی صاحب کا فیصلہ سن کر فرمایا: "ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔" قبل ما قلت۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۱۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذری ہی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے گورنر سیدنا مروان بن الحکمؓ نے سیدنا صہیبؓ کے صاحبزادے کا وظیفہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا، جب اس معاملہ کی اطلاع امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کو پہنچی تو انہوں نے سیدنا مروانؓ کو ایک خط لکھا جس کے ایک ایک لفظ سے حسرت نبویؐ پھکتی ہے، فرمایا:۔

"مروانؓ! تم نے صہیبؓ کے صاحبزادے کے بارہ میں اس کے باپ کی بات عثمانؓ کے بارہ میں یاد رکھی لیکن تم نے اس کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ سے تعلق اور محبت یکسلم فراموش کر دی، پس صہیبؓ کے صاحبزادے کا وظیفہ فی الفور جاری کیا جائے اور اس کی عزت و تکریم اور اس سے

اچھا سلوک کیا جائے۔“ رانساب الاشراف قسم اول (۹)
 مشہود تابعی سیدنا عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم
 کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے تمہارے
 وظائف و عطیات پورے پورے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان میں
 کوئی کمی نہ کی جائے، لیکن سیدنا معاویہؓ نے تمہاری خاطر اس سلسلہ میں پوری کوشش
 کی ہے لیکن موجودہ مال چونکہ تمام عطیات و وظائف کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے
 اور اس میں ایک لاکھ کی رقم کم ہے، لہذا امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ میت سے
 اموال صدقات آنے پر یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔“

یہ سننا تھا کہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے، سیدنا عروہؓ فرماتے ہیں
 کہ میں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے
 ایک درہم بھی نہیں لیں گے، کیا ہم دوسروں کا حق لیں؟ یمن کے صدقات تو تیار
 اور مساکین کا حق ہیں اور ہمارے وظائف و عطیات جزیہ کے مال سے ادا کیے
 جاتے ہیں، آپ امیر المؤمنینؓ کو لکھیں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال
 فرمائیں، چنانچہ سیدنا مروانؓ نے یہ بات امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو لکھی تو سیدنا
 معاویہؓ نے وظائف و عطیات کے بقایا جات اپنے ہاں سے روانہ کر دیئے۔

کتاب الاموال لابن عبید القاسم ص ۲۵۹

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص آپ کے زمانہ میں اپنے مافی الضمیر
 کے اظہار میں آزاد تھا، کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ہر شخص کے حقوق کی رعایت
 رکھی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ
 ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، سیدنا معاویہؓ نے پوچھا کوئی ضرورت اور
 حاجت ہو تو فرمائیے۔ سیدنا ابن عمرؓ نے کہا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف
 اور عطیات جاری کئے جائیں اور ساتھ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

فرمان سنایا کہ :-

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس اموال آتے تو آپ آزاد شدہ لوگوں کو پہلے دیتے تھے“

(کتاب المنتقی لابن جابر و دیشاپوری ص ۲۷۶)

اس طرح کے اور بے شمار واقعات محدثین اور مؤرخین کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ہر شخص اپنی بات کہنے میں آزاد تھا اور کسی شخص کی تقریر و تحریر پر کوئی پابندی نہ تھی۔ علاوہ انہی لوگوں کے حقوق کی رعایت بھی فرماتے تھے۔

۵۹ھ میں جب سیدنا ابو ہریرہؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ کے گورنر سیدنا ولید بن عتبہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی تو جواب میں سیدنا معاویہؓ نے تحریر فرمایا :-

”ابو ہریرہؓ کے ورثاء کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان پر دس ہزار درہم خرچ کئے جائیں، ان کی امان اور ذمہ داری کو بطریق احسن ملحوظ رکھا جائے اور ان کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کیا جائے“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۵)

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے :-

”افضل الناس من اذا اعطى شکر و اذا ابتلى صبر و اذا غضب كظم و اذا قدر غفر و اذا وعد انجز و اذا اساء استغفر۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱)

بہترین شخص وہ ہے جسے جب ملے تو شکر کرے اور جب مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے؛ جب غصہ آئے تو پی جاٹے اور جب قدرت ہو تو معاف کرے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب کسی سے برائی کرے تو معافی مانگ لے۔

اسی وجہ سے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:-

”وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا، اظہار کے ذریعہ امیرات تک پہنچا اور اسے پایا، اس کا علم اس کے غضب پر غالب ہے اور سخاوت بخل پر غالب ہے، صلہ رحمی کرتا ہے قطع رحم نہیں کرتا، ملاتا ہے جدا نہیں کرتا، لہذا اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔“ (العقد الفرید جلد ۲ ص ۲۳۵)

عرب کا مشہور شاعر اخطل آپ کے متعلق کہتا ہے:-

وطدت لنا دیت التبی محمداً

بحلمك انما هرت سفاهاً کلابها

یعنی آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اپنی بُردباری اور حلم سے آسان

کر دیا جبکہ بیوقوفی سے بھونکتے رہے۔“ (العقد الفرید جلد ۱ ص ۸)

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان آپ کے حلم و بردباری کی باتوں پر تعجب کیا کرتے تھے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں جبکہ وہ آپ کی قبر کے پاس سے گزر رہے تھے کسی نے پوچھا کہ کیس کی قبر ہے؟ آپ نے فرمایا:-

”قبر رجل کان واللہ ینطق عن علم ویسکت عن حلم کان

إذا أعطی اغنی وإذا حارب افنی۔“

”یہ قبر اس شخص کی ہے کہ نہ بخدا جب وہ بات کرتا تو علمیت سے بات

کرتا اور حلم سے خاموش رہتا، جب دیتا تو غنی اور مال دار کر دیتا،

اور جب لڑتا تو نیست و نابود کر دیتا۔“ (التاریخ الاسلامی والحضارة العربیہ

طبع مصر جلد ۲ ص ۳۴، ابن اثیر جلد ۴ ص ۵، الفخری لابن طباطبائی ص ۹۵،

معاویہ، انیس زکریا تصولی ص ۶۵)

آپ کے حلم و بردباری کی یہ صفت قریباً سب اموی خلفاء نے اپنے اندر پیدا کرنے

کی کوشش کی اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے، چنانچہ عرب کا مشہور شاعر
قیس بن رقیات بنو امیہ کے بارہ میں کہتا ہے ۔

وَمَا تَقْمُوا مِنْ بَنِي أُمَيَّةٍ إِلَّا

إِنَّهُمْ يَحْلُمُونَ أَنْ غَضَبُوا

یعنی لوگ بنو امیہ سے صرف اس وجہ سے بغض رکھتے ہیں کہ وہ غضب
کے وقت بُرد بار اور حلیم ہوتے ہیں۔

تدبیر و سیاست

تدبیر و سیاست کی استعداد آپ میں فطری تھی، سپہ سالاری کا عہدہ مدتوں
سے آپ کے خاندان میں چلا آرہا تھا، سیدنا ابوسفیانؓ اور سیدنا یزید بن سفیانؓ کی
زیر تربیت آپ نے سیاست کی کتھیوں کو سلجھانا سیکھا۔ علاوہ علمی اور فنی کمالات
نے اس کو اور بھی چمکایا، آپ کی اسی تدبیر مملکت اور سیاست سلطنت کا نتیجہ
تھا کہ اہل شام آپ پر جان چھڑکتے تھے اور آپ کے حکم کی دل و جان سے
تعمیل کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے لشکریوں سے
مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:-

”کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ معاویہؓ اکھڑ جاہلوں کو بلاتا ہے تو وہ بغیر عطیہ
اور داد و دہش کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار جدہر چلے
اُدھرے جاتا ہے اور میں تمہیں بلاتا ہوں حالانکہ تم لوگ عقل مند ہو اور
عطیات پاتے رہتے ہو مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو، میرے خلاف کھڑے
ہو جاتے ہو اور میری مخالفت کرتے رہتے ہو“

طبری جلد ۵ ص ۱۴۸، معاویہؓ از انیس زکریا نصولی ص ۴۲

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک افسر قیس بن ہشیم نے ایک مرتبہ

اہل عراق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ :-

”میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ سردار شام (سیدنا معاویہؓ) کی بات خوشی خوشی مانتے ہیں اور ہم لوگ موسم گرما کے غزوات میں ہوتے ہیں اور ایک کے پاس ہزار اونٹ ہوتے ہیں مگر شامیوں کے سردار کے پاس صرف ایک گھوڑا ہوتا ہے اور وہ اس پر بھی ایک اور آدمی کو پیچھے بٹھا لیتا ہے“ (ایضاً)

شکر کی فرمانبرداری اور ملک میں امن و امان کی کیفیت آپ کے تدبیر و سیاست میں ماہر ہونے کی بین شہادتیں ہیں اور یہ بھی آپ کے مدبر ہونے کی واضح دلیل تھی کہ حکومت اسلامیہ کے قائم کرنے، عراق کے خلفشار کو دور کرنے اور دیگر جرائم کی روک تھام میں جو مشکلات حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کو پیش آئیں آپ نے نہایت اہسن طریق سے ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہل بصرہ و کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔ تدبیر و سیاست کے بارہ میں ایک امتیازی شان آپ میں یہ تھی کہ جب تک آپ کسی بات کو اچھی طرح اپنے دل میں پختہ نہیں کر لیتے تھے کسی کو اس بارہ میں حکم نہیں فرماتے تھے، سختی کے موقع پر سختی کرتے اور نرمی کے موقع پر نہایت نرمی سے کام لیتے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے آپ سے کہا :-

”میں عاجز آگیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر، کیونکہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قتال کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور پھر آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر ہی لیا ہے“

سیدنا معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا :-

”بھلا میں تو اسی وقت اقدام کرتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ اقدام کا موقع ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے“۔ آپ کی حسن سیاست کی گواہی سیدنا فاروق اعظمؓ نے بھی دی، چنانچہ ایک مرتبہ

آپ نے اہل عرب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

”تذکرون کسریٰ وقیصر و دھادھما و عندکم معاویۃ -

تم کسریٰ و قیصر کی سیاست و تدبیر کو یاد کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہ موجود ہیں“

(طبری جلد ۵ صفحہ ۳۳، اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۳)

آپ کا روزمرہ کا معمول تھا کہ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبارِ عرب، ایامِ عرب و عجم، ملوکِ عجم اور ان کی سیاست، بادشاہانِ عالم کی لڑائیوں، مکاریوں اور گزشتہ امتوں کے حالات وغیرہ کا مطالعہ فرماتے رہتے۔

آپ کے سامنے ایسی کتابیں پڑھی جایا کرتی تھیں جن میں بادشاہوں کے سوانح اور ان کی عادات و حالات ہوتے، اس خدمت پر کچھ لوگ متعین تھے وہ پڑھتے اور آپ سنتے۔ اس طرح ہر رات سیر اور آثار و سیاست سے آپ کو نئی نئی باتیں معلوم ہوتیں۔ (السعودی جلد ۲ صفحہ ۵۲، ۵۱)

اس بات کو تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آپ کا شمار عرب کے پانچ مشہور زیرکوں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱) لیکن آپ زیرکی اور سیاست میں ان سب سے زیادہ تھے کیونکہ آپ ان سب پر غالب تھے۔

شجاعت و لبالت

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ شجاعت و بہادری میں بھی ممتاز تھے، چنانچہ مسلمہ کذاب کو جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آپ ہی نے قتل کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱) علاوہ ازیں عہدِ فاروقی میں خود امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آپ کو قیساریہ کی مہم پر متعین فرمانا اور آپ کا اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہونا آپ کی شجاعت و لبالت کی تین دلیل ہے۔ قیساریہ کی مہم اس قدر سخت تھی کہ اس میں لشکرِ اسلام اسی ہزار رومیوں کو خاک و خون

تڑپا کر کامیاب ہوا تھا اور رومیوں نے مردھڑ کی بازی لگادی تھی، اس مہم کے
اہمیت کے پیش نظر امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے خود ان کا تقرر فرمایا،
آپ نے معاویہؓ کو لکھا :-

”اما بعد فانی قد ولینک قیساریۃ فسرالیہا واستنصر اللہ و
اکثر من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ (خط الشام ج ۱ ص ۱۲۳)
اما بعد! میں تمہیں قیساریہ کی مہم کا انچارج مقرر کرتا ہوں آپ اس مہم پر
چلے جائیے اور اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کریں اور لا حول ولا قوۃ
الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کریں۔“

بلاذریؒ کی روایت کے مطابق سال ۶۳۷ء میں جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے
قیساریہ کے فتح ہوتے کا اعلان فرمایا تو اہل اسلام نے اس شہرہ جالقرہ پر نعرہ بکیر
بلند کیا :-

”وكانت حوصرت سبع سنين وفتحها معاوية ثا
قیساریہ کا محاصرہ سات سال تک رہا اور آخر کار حضرت امیر معاویہؓ نے
اُسے فتح کیا۔“ (فتوح البلدان ص ۱۲۷)
نیز بیروت، عرقہ اور صیدا کی مہمات کی فتوحات بھی آپ ہی کی شجاعت و
بہادری کی مرہونِ منت ہیں۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۳)
”کان رمعاویۃ مدکا مہیباً شجاعاً جواداً حلیماً۔
معاویہؓ ایک باہمیت، عزم و استقلال، شجاعت و یسالت، صاحبِ جود
اور حلم و بردباری کا مجسمہ تھے۔“ (دول اسلام جلد ۴ ص ۱۲۷)

سپہ گری

سیدنا معاویہؓ نے جنم ہی ایک ایسے خاندان میں لیا جو مدتوں سے سپہ گری میں

مشہور چلا آ رہا تھا، چنانچہ آپ نے عسکری ماحول میں اور ایک سپہ سالار باپ اور سپہ سالار بھائی کی زیر تربیت پرورش پائی، اس لیے سپہ گری اور عسکریت آپ کی گھٹی میں بھری ہوئی تھی۔ قیساریہ، قبرص اور قسطنطنیہ کی جنگیں آپ کی عسکری ذہنیت کی غمازی کرتی ہیں۔ قیساریہ کے علاوہ آپ غزوہ حنین و طائف وغیرہ میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک ہوئے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عسکری خدمات سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ حنین کے مال غنیمت سے انہیں شتواونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۱۲۱)

علاوہ ازیں آپ کے زمانہ کی فتوحات کی کثرت اور افریقہ اور ملک کے دوسرے حقول میں مناسب مقامات پر فوجی چھاؤنیوں کا قیام بھی آپ کی سپہ گری اور عسکری سپرٹ کی بٹن دلیل ہے۔

خطابیت

سب سے بڑی بات جو سیدنا معاویہؓ میں دلوں کو موہ لینے والی دشمنوں کو دود بنانے والی اور نفرت کرنے والوں کو اپنا بنانے والی تھی وہ یہ تھی کہ آپ ایک اچھے خطیب تھے، اس بات کی شہادت اسلامی تاریخ کے اکثر مؤرخین دیتے ہیں، بنا بریں آپ اپنے امرا کسی پر کھٹنے نہ دیتے تھے۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ اور نہایت اچھی دلیل سے بات کرتے تھے، میدان سیاست میں اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے جو آپ نے اپنے متعلق خود بیان فرمائی ہے کہ:-

”میں نے جو اچھے نتائج حاصل کئے وہ اپنی قوت بیان کی بدولت حاصل کیے ہیں۔ اُس زمانہ میں پانچ بہترین اور چوٹی کے خطباء تھے آپ ان میں ایک تھے“

(Encyclopaedia of Islam, Vol. 3, P. 619)

آپ کی خطابیت اور فصاحت و بلاغت کے متعلق مشہور شیعہ مؤرخ ابن طقطقی

لکھتا ہے کہ :-

”كَانَ رَمْعًاوِيَّةَ) حَكِيمًا فَصِيحًا بَلِيغًا (الفخري ص ۱۷۳)
معاویہ بڑے صاحبِ حکمت اور فصیح و بلیغ انسان تھے“

فصل و کمال

سیدنا معاویہؓ علمی اعتبار سے بھی نہایت اونچے مقام کے آدمی تھے، ابتداءً
اسی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت پوسے عرب میں صرف ستر آدمی لکھنا
پڑھنا جانتے تھے، سیدنا معاویہؓ ان میں سے ایک تھے۔ (فجر الاسلام ص ۱۸۱ احمد امین)
آپ کی اسی علمی برتری کی بناء پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں
اپنا کاتب و وحی مقرر فرمایا تھا جس کا اقرار شیعی مؤرخ ابن ابی الحدید نے ان
الفاظ میں کیا ہے :-

”كان (معاوية) احد كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم -
معاوية جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتبوں میں سے ایک تھے“
(ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۳۳۸)

آپ صرف کاتب و وحی ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ علم و افتا صحابہ میں بھی شمار ہوتے
تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۷۳) اور تفقہ فی الدین اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تاویل
میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا، ۱۶۳۱ احادیث نبویہ آپ سے مروی ہیں جن کو
بعد میں عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ وغیرہ صحابہ اور حمید بن عبدالرحمن وغیرہ تابعین
نے روایت کیا ہے۔ چار احادیث متفقہ طور پر صحیحین میں موجود ہیں، امیر المؤمنین
فی الحدیث امام بخاریؒ کا یہ فقرہ حدیث میں آپ کی ثقاہت کیلئے ایک کھلی ہوئی شہادت ہے :-
”كان لا يهتم في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم“

التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۲ ص ۳۳۸

شعروادب بھی آپ خاص مذاق رکھتے تھے، چونکہ آپ کے والدین بھی شاعر تھے لہذا آپ شیریں الفاظ کے بہت شائق تھے اور عرب کی فصاحت و بلاغت کے بہت گرویدہ تھے، آپ اشعار کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ (کتاب العمدۃ ص ۱۰) چنانچہ ایک روز آپ نے عبدالرحمن بن الحکم بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-
 "اے میرے بھتیجے! تو شعر گوئی کا بڑا شوقین ہے لہذا عورتوں کے ساتھ تشبہ سے بچنا تاکہ شریف عورت کو عار نہ لگے اور بھوسے سے بچنا کہ کسی شریف کی بدنامی نہ ہو اور کوئی کھینچ تیرے پیچھے نہ پڑ جائے اور مدح سے بچنا کیونکہ یہ بے حیائی کی روزی ہے، ہاں اپنی قوم کے مفخر پر فخر کرنا اور ایسی باتیں کہنا جس سے تیرا نفس مہذب ہو اور دوسرے بھی ادب پکڑیں۔" (معاویہ ص ۱۰۰)
 آپ کی اسی علمی لگن کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مؤرخ عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات، زبانوں کی ابتداء اور ان کی نشرواشاعت کی تاریخ لکھوائی۔ جو کہ تاریخ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ (الفہرست لابن الندیم ص ۱۳۲)

سیدنا معاویہ کی کتاب فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال مشقص کئے (لوہے کا ایک آلہ ہوتا تھا جس سے سر کے بال کاٹے جاتے تھے، گویا آج کل کی اصطلاح میں سر کے بال کاٹنے والی مشین) چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ نے فرمایا کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال مشقص کے ساتھ کاٹے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۳۳، مسلم جلد ۱ ص ۱۰۸، مسند احمد جلد ۴ ص ۹۶)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت قریبی تعلق تھا کیونکہ ایسی خدمت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا کوئی خاص تعلق ہو۔

ظرافت

سیدنا معاویہؓ ایک ظریف الطبع انسان تھے، ہر وقت خندہ پیشانی سے لوگوں کو ملتے اسی وجہ سے ہر آدمی بغیر کسی خوف و ہراس کے آپ کو ملتا بلکہ مل کر خوشی محسوس کرتا اور آپ بھی نہایت تپاک کے ساتھ ہر ایک کا خیر مقدم کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے ایک مکان تعمیر کرنا ہے جس کے لیے مجھے بارہ ہزار درخت دیئے جائیں، آپ نے اس سے اس کے مکان کی وسعت پوچھی، اُس نے کہا کہ دو فرسخ لمبائی اور دو فرسخ چوڑائی، آپ نے پوچھا کہ ایسا مکان ہے کہاں؟ اُس نے کہا بصرہ میں، آپ نے ظرافتاً کہا کہ:-

”لَا تَقُلْ دَارِي بِالْبَصْرَةِ وَلَكِنْ قُلِ الْبَصْرَةُ فِي دَارِي“

یہ نہ کہو کہ میرا مکان بصرہ میں ہے بلکہ یہ کہو کہ بصرہ میرے مکان میں واقع ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴)

ایسے ہی ایک مرتبہ سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ آپ کے پاس تشریف لائے، سیدنا عقیلؓ کی بینائی جاتی رہی تھی، سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عقیلؓ کو ظرافتاً کہا:-

”ہاشمیوں کی بصارتیں کیوں جاتی رہتی ہیں؟“

سیدنا عقیلؓ نے بھی ظرافتاً اسی طرح جواب دیا:-

”امویوں کی بصیرتیں کیوں جاتی رہتی ہیں؟“ (العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۱۵)

جود و سخا

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپؐ نہایت سخی اور صاحبِ جود و سخا تھے، خود لسانِ نبوتؐ نے بھی اس بارہ میں فرمایا تھا:-

”معاویۃ احلم اُمتی و اجودھا۔ (رحمۃ الاسلام ج ۱ ص ۱۶۵)

معاویہؓ میری اُمت میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور صاحبِ جود و سخا ہیں۔“

چنانچہ آپ کی فیاضی کا ابرکرم صحابہ کرام، اکابر قریش اور آل ابی طالب پر برابر رہتا رہتا تھا اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا عقیلؓ اکثر آپ کے پاس جلتے اور کافی بڑی بڑی رقمیں لے کر آتے، جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے) اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:-
 ”لوگ معاویہؓ کے بخود و کم سے بھربیسکراں کی طرح مستفید ہوتے ہیں!“

(طبری جلد ۶ ص ۱۸۸)

ایک اور موقع پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-
 ”جو لوگ معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں“ (طبری جلد ۶ ص ۱۵۶)

علامہ ذہبیؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 ”معاویہؓ ایک دانشمند، سخی اور بہادر خلیفہ تھے“
 (ردول الاسلام جلد ۱ ص ۲۴)

آپ کی اس خوبی کا اعتراف مشہور شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے بھی کیا ہے،
 چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

”كَانَ مُعَاوِيَةُ يُجَوِّدُ بِالْمَالِ وَالصَّلَاتِ - (ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۴)
 معاویہؓ مال اور صلے دینے میں بہت سخی تھے“

سادگی

مخالفین کے پروپیگنڈے کے باعث عموماً آپ کو جاہ پسند خلیفہ کہا جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، آپ کی طبیعت میں بہت تواضع تھی اور آپ جاہ پسندی، نخوت اور تکبر کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی مجمع میں تشریف لے گئے آپ کے جانے پر لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے، آپ نے اس فعل کو خلاف سنت خیال کرتے ہوئے

لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ :-

”من أحب ان يمثّل له الرجال قياماً فليتبوأ مقوداً من النار۔“
جو آدمی پسند کرتا ہے کہ لوگ تعظیماً اس کے لیے کھڑے ہوا کریں وہ اپنا
ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۶)
لباس کی سادگی کے متعلق تو گزشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ آپ کے
لباس کو کٹی کٹی پیوند لگے ہوتے اور آپ وہی لباس پہنے و مشق کے بازاروں میں
پھرتے رہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

قیام عدل

قیام عدل جو کہ اسلامی حکومت کا خاصہ ہے کے لیے بھی آپ نے نہایت اہتمام
فرمایا، دربار خلافت میں جانے سے قبل آپ روزانہ مسجد میں تشریف لے جا کر
رعایا کی شکایتیں سننے کے لیے بیٹھتے اور آپ کے پاس کمزور ناتواں، عورتیں اور
بچے غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ آتے اور اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے، آپ اسی وقت
اُن کی شکایات کے تدارک کا حکم دیتے۔ دربار تشریف لے جا کر آپ اشراف سے
کہتے کہ جو لوگ اپنی بعض وجوہات کی بناء پر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات
مجھ سے بیان کرو۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۴۲۳)

آپ کے طرز حکومت پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ اتنی دور دور
کے صوبوں پر اسی قیام عدل اور رعایا کی دادرسی کی بدولت ہی کنٹرول کرتے تھے۔
چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ جب کرسی عدالت پر بیٹھتے تو کمزور ناتواں
بڈو، بچے، بوڑھے، عورتیں اور لاوارث لوگ آتے اور کہتے کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے
تو آپ فرماتے کہ اس کی عزت کرو، کوئی کہتا کہ مجھ پر دست درازی کی گئی ہے تو آپ
فرماتے کہ اس کی مدد کے لیے بھیجو، اور اگر کوئی کہتا کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے تو آپ فرماتے

کہ اس کے معاملہ پر غور کرو۔

جب سرداران قبائل اور اشراف کے ساتھ آپ بیٹھتے اور معاملات پیش کیے جاتے تو بس اسی قسم کے جملے فرماتے کہ فلاں کو دے دو، ان سے معاہدہ کرو، انہیں دو، ان کی ضروریات پوری کرو، ان کی خدمت کرو وغیرہ وغیرہ، اس لیے کسی نے آپ کا برا نہیں چاہا۔ (المسعودی جلد ۲ ص ۵۱، ۵۲)

آپ کے عدل و انصاف پر علامہ ذہبیؒ کے یہی ریمارکس کافی ہیں کہ:-
”وفضائل معاویۃ فی حسن السیرۃ والعدل والاحسان کثیرۃ۔“
معاویہؓ کے حسن سیرت اور عدل و احسان کے بارہ میں فضائل بہت زیادہ ہیں۔ (المنتقى ذہبیؒ ص ۳۸۸)

اتباع سنت

ایک مومن کے لیے سنت کا اتباع زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے اور صحابہ کرامؓ کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں سنت کے طریقہ کی جستجو کر کے اس کی اتباع کرتے تھے، سیدنا معاویہؓ کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ دینی معاملات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کے مطابق انجام دیئے جائیں۔
دین میں سب سے اہم چیز نماز ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ سیدنا معاویہؓ کی پوری کوشش ہوتی کہ نماز کو اسی طرح قائم کیا جائے جس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قائم فرماتے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیدنا ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ:-

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارے اس امیر (سیدنا معاویہؓ) سے زیادہ کسی اور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ نماز پڑھنے

والا نہیں دیکھا، (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷) رواہ الطبرانی ورجالہ الصصح

اسی سلسلہ میں یہ حدیث بھی آپ کے اتباع سنت کے جذبہ کی غمازی کرتی ہے جو عبد اللہ بن الحارث بن نوفل الہاشمی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے عصر کی نماز پڑھی، نماز کے اختتام پر کچھ لوگ کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے، سیدنا معاویہؓ کو ان کی یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوئی، چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے، تھوڑی دیر کے بعد سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ ان کے پاس آئے، عبد اللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں بھی سیدنا ابن عباسؓ کے ساتھ تھا سیدنا معاویہؓ نے سیدنا ابن عباسؓ کو اپنے پاس چار پائی پر بٹھالیا، پھر ان سے پوچھا کہ نماز عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے ہیں یہ نماز ہم نے سرکارِ دو عالم کو بھی ادا کرتے نہیں دیکھا اور نہ ہی حضورؐ نے کبھی اس نماز کا حکم فرمایا ہے، سیدنا ابن عباسؓ نے کہا کہ عبد اللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس نماز کا جو از فراہم کیا ہے۔

اب سیدنا معاویہؓ کی جستجو اور بڑھی اور انہوں نے تحقیق مسئلہ کے لیے سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ کو بلو کر دریافت کیا، سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا حوالہ دیا کہ انہوں نے ایسا فرمایا تھا، پھر سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے یہ مسئلہ دریافت کرایا، انہوں نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز عصر کے بعد ہمارے گھر میں پڑھی تھی اور میں نے آپؐ سے اس نماز کے بارہ میں پوچھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت ادا کی ہیں جو نماز ظہر کے بعد مجھ سے ضروری کام کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۳۵۱)

سیدنا معاویہؓ کی اس نماز کے بارہ میں یہ ساری جستجو اور تحقیق سنت نبویؐ کی اتباع کے لیے تھی تاکہ کہیں مجھ سے حضورؐ کی یہ سنت رہ نہ جائے۔

نوٹ { یہ مسئلہ اختلافی ہے، اس میں سیدنا معاویہؓ کا موقف صحیح ہے کیونکہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں، احادیث نبویہ سے یہی ثابت ہے اور احناف کا مسلک بھی یہی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ انس بن مالک نے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ادا کی، جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نوافل اور سنن ادا کرنے لگا۔

نماز سے فارغ ہو کر سیدنا معاویہؓ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور ایک آدمی بھیج کر مجھے بلوایا، میں جب پہنچا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جیسا تم نے آج کیا ہے آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا، پھر فرمایا:-

”جب تم جمعہ کی نماز ادا کرو تو پھر اُس وقت تک کوئی نماز نہ پڑھو جب تک یا تو تم کوئی کلام نہ کر لو یا پھر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاؤ کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم فرض نماز کے بعد والی نماز سے ملا کر نہ پڑھا کریں بلکہ درمیان میں کوئی کلام کر لیں یا وہ جگہ تبدیل کر لیں۔“

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ میں اتباعِ سنت کا جذبہ گھٹ کر بھل ہوا تھا اور اگر وہ کوئی کام خلافِ سنت دیکھتے تو اس پر تنبیہ فرماتے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ بلاذریؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے، جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو آدمی بھیج کر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو بلوایا، جب سیدنا عبداللہ بن عمرؓ آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ بیت اللہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی، سیدنا عبداللہؓ نے ”ساریۃ الیسری“ کے پاس آپ کا نماز ادا کرنا بتلایا۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۶۳) بیت اللہ کے اندر اُس مقام کے بارہ میں جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی تھی دریافت کرنے سے مقصد آپ کا یہ تھا کہ میں بھی اُسی جگہ نماز ادا کروں اور سنت کے اتباع کا اجر و ثواب بھی حاصل کروں۔

سیدنا معاویہؓ نے پوری زندگی اس بات کی کوشش کی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں اور جہاں کسی شخص کو آپ نے خلاف سنت کام کرتے دیکھا تو اسے فوراً ٹوکا اور تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا معاویہؓ ایک مکان میں داخل ہوئے، وہاں پہلے سے سیدنا عبداللہ بن عامرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ تشریف فرما تھے، سیدنا معاویہؓ کے آنے پر عبداللہ بن عامرؓ تو احتراماً اکھڑے ہو گئے لیکن عبداللہ بن زبیرؓ برابر بیٹھے رہے، سیدنا معاویہؓ نے عبداللہ بن عامرؓ سے فرمایا :-
 ”بیٹھ جائیے کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کے سامنے کھڑے رہنا پسند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۸، مسند احمد جلد ۱۲)

ص ۹۴، ص ۱، ترمذی جلد ۲، ص ۱۱

اسی طرح کا ایک اور واقعہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے، آپ نے دیکھا کہ یہاں کی بعض خواتین میں کچھ ناجائز اور بُری رسمیں پیدا ہو گئی ہیں، اُن میں سے ایک ناجائز رسم یہ تھی کہ آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ عورتیں اپنے بالوں کو بڑا دکھلانے کے لیے ان میں کچھ دوسرے بالوں کو ملاوٹ کر لیتی ہیں۔ (یہ کہ آج کل کی بعض عورتیں لمبے بالوں کی وگین لگا لیتی ہیں) یہ یہودی عورتوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کی ایک مشابہت تھی۔

سیدنا معاویہؓ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں لوگوں کو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دی، فرمایا :-

”اے اہل مدینہ! کہاں گئے تمہارے علماء؟ کہ ان منکرات اور خلافِ اسلام باتوں سے تمہیں منع کرتے، پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور لوگوں کے سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے اس طرح بالوں کی بناوٹ بنائی تھی اور اسی وجہ سے وہ قوم ہلاک ہو گئی۔“ پھر فرمایا :-

”میں نے اس بارہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے

اس طرح بالوں کی ساخت سے سختی سے منع فرمایا، لہذا یہ بُری رسم مسلمان خواتین میں نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں اُن عورتوں پر جو اپنے جسم پر سوئی سے نشانات بنواتی ہیں یعنی جسم گدواتی ہیں اور اُن عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو ابرو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا بتاتی ہیں، اور ان عورتوں پر بھی جو دانتوں کو باریک بناتی ہیں یا بنواتی ہیں، والستین الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۹، مستد احمد جلد ۴ ص ۱۰۱، ص ۱۰۲، ترمذی جلد ۱ ص ۱۰۱

ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے جب کچھ مسلمان عورتوں میں خلاف شرع بات دیکھی تو کیسے زُڑپ اُٹھتے، آپ کے خطبہ کا ایک ایک لفظ آپ کے اندرونی اضطراب کی غمازی کرتا ہے۔

آپ کبھی کبھی لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے مختلف مواقع پر خطبات ارشاد فرماتے اور لوگوں کو امورِ آخرت کی طرف متوجہ فرماتے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک خطبہ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے جو آپ نے جمعہ کے روز دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر ارشاد فرمایا، آپ نے اس میں فرمایا:-

”اے لوگو! میری بات غور و فکر سے سنو اور خوب سمجھو کہ میں آخرت اور دنیا کے امور کے بارہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ نماز میں اپنے رُخ کو درست رکھو اور صفوف کو بھی درست اور ٹھیک رکھو وگرنہ اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تمہارے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ ڈال دیں، اپنے میں سے کم عقل اور کم دانش لوگوں کی حرکتوں پر کنٹرول رکھو وگرنہ اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تم پر تمہارے دشمنوں کو مسلط کر دیں اور تمہیں نہایت بُرے عذاب میں مبتلا فرما دیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے رہو اور کوئی یہ نہ کہے کہ میں قلیل المال ہوں کیونکہ قلیل المال کا صدقہ غنی کے صدقہ سے افضل اور بہتر ہے۔ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے

پرہیز کرو اور اس سے بھی پرہیز کرو کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ بات
 سنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیونکہ کسی پاکدامن عورت پر نہمت لگانا اتنا
 سخت ہے کہ اگر کسی شخص نے عہد نوح میں بھی کسی عورت پر نہمت
 لگائی ہوگی تو اس سے بھی قیامت کے دن سوال ہوگا۔

والبدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۲

سیدنا معاویہؓ کا سنت کی اتباع کا یہ جذبہ ہی تھا کہ جب کسی کام کے بارہ
 میں انہیں پتہ چلتا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارہ میں یہ ارشاد ہے تو آپ کی
 جبینِ نیاز فوراً اس حکم کے سامنے جھک جاتی۔ اس بارہ میں کئی واقعات حدیث اور تاریخ کی
 کتابوں میں مرقوم ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ اور رومیوں
 کے مابین ایک معینِ عرصہ تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوا، رومیوں کی بعض شرارتوں اور
 اشتعال انگیز یوں کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ اُن کے خلاف اقدام کرنے لگے تاکہ مدتِ معاہدہ
 ختم ہوتے ہی اُن پر حملے کا آغاز کر دیا جائے، سیدنا معاویہؓ کی اس پلاننگ کا ایک
 بزرگ کو پتہ چلا تو وہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اُس جگہ پہنچے جہاں سے رومیوں پر
 حملہ کیا جانا تھا اور دُور ہی سے آواز دی ”وفا ولا غدرا“ (یعنی وفا کی جائے بدعہدی
 نہ کی جائے) لوگوں نے دُور سے اس آواز کو سن کر حیرت کھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے مشہور صحابی سیدنا عمرو بن عبسہؓ تھے، سیدنا معاویہؓ نے اُن سے اس معاملہ کی
 نوعیت دریافت کی، انہوں نے جواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث
 بیان فرمائی جس میں اس سارے معاملہ کا جواب تھا، انہوں نے فرمایا کہ:-

”میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص اور قوم کے
 مابین کوئی عہد و پیمان اور معاہدہ ہو تو اس کی مدت کے ختم ہونے سے پہلے
 معاہدہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت
 ختم ہو جائے یا اُن کی طرف سے اس عہد کو واپس کر دیا جائے۔“
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سیدنا عمرو بن عبسہؓ کے منہ سے سن کر

سیدنا معاویہؓ نے اپنا سارا پلان ختم کر دیا اور اپنی افواج کو لے کر واپس چلے آئے۔
 والہوداؤ جلد ۲ ص ۲۳، المصنف لابن اثیر جلد ۲ ص ۲۵، صحیح ابن حبان جلد ۸ ص ۱۸۲

کرامات

سیدنا معاویہؓ نہایت خدا ترس اور فکر آخرت رکھنے والے انسان تھے خشیت الہی سے ان کی آنکھیں فی الفور آنسوؤں سے بھر جاتیں، بعض دفعہ تو زار و قطار روتے، آخرت کے مواخذے کی فکر ہر وقت ان کے ذہن پرستولی رہتی۔ اُن کے فکر آخرت اور خشیت الہی کے بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

ایک مرتبہ ایک صحابی سیدنا ابومریم الاندلیؓ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سید دو عالم صلی علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ آپؐ نے فرمایا ”جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا اور اس کی حاجت روائی نہ کی تو حق تعالیٰ شانہ، اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند فرما دیں گے“

سیدنا ابومریم الاندلیؓ کے متہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سننا تھا کہ سیدنا معاویہؓ اوندھے منہ گر کر رونے لگا، پھر اپنے صاحب سعد کو بلایا اور ابومریمؓ سے کہا کہ یہ فرمان رسول دوبارہ اسے سنائیے، انہوں نے مذکورہ فرمان دوبارہ انہیں سنایا۔ اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے سعد سے فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے، اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجت مند آئے تو فوری طور پر اُسے میرے ہاں آنے کی اجازت دی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اُس کے حق میں میری زبان سے جو فیصلہ چاہیں گے کرائیں گے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۵۱)

جامع الاصول لابن اثیر جلد ۳ ص ۲۴۵

جب انسان کے ذہن میں آخرت کی فکر پیدا ہو جائے اور دل میں اللہ کا خوف
جم جائے تو قرآن حکیم کے مطابق اس کے لیے پھر مغفرت الہی اور بہت بڑے اجر کا
وعدہ ہے۔ (لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ) ایسا شخص پھر مستجاب الدعوات بھی ہوتا
ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ کی ہر شے اُس کی ہو جاتی ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور پیچ

کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ

چنانچہ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ بھی بڑے
مُستجاب الدعوات اور صاحب کرامات صحابی تھے، آپ کی کئی کرامتیں تاریخ کی
کئی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں، مثلاً :-

(۱) آپ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی اور خشک سالی کی وجہ
سے لوگ پریشان ہو گئے، سیدنا معاویہؓ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ طلب
باراں کے لیے ایک مقام ”الدم“ کی طرف نکلے اور حق تعالیٰ شانہ کے حضور
بارش کی دعا کی، دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور وادیاں پانی
سے بہنے لگیں۔ (ابن عساکر جلد ۲ ص ۱۵۱، ص ۱۵۲)

(۲) ایسے ہی ایک اور واقعہ ہے جس میں آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابی سیدنا یزید بن الاسود الجریفیؓ کے وسیلے سے طلب باراں کی دعا فرمائی
طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ جب آپ دعا مانگ رہے تھے تو مغرب کی
طرف سے ڈھال کی شکل کا بادل نمودار ہوا اور ساتھ ہی ہوا چلنے لگی، لوگ اپنے
گھروں تک نہ پہنچنے پا ئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔

وطبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۱۵۵، الاصابہ جلد ۳ ص ۶۳

جب ملک کا حاکم نیک، خدا ترس اور لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و
مروت سے پیش آنے والا ہو تو پھر ملک میں ہر طرف فراوانی اور امن و امان کا
دور دور ہوتا ہے، لوگوں میں خدا خوفی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرف

نیک جہنم لیتی ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں نیکی کے فروغ کے لیے نیک لوگوں کو زمام اختیار دی ہوئی تھی۔ ملک کے گورنر، فوج کے جرنیل، سرکاری کارکن سب خشیت الہی کے حامل تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے زمانے میں آپ کے ہر جرنیل پر نصرتِ خداوندی کی فراوانی رہی۔

سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا واقعہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا کہ قیروان کا شہر آباد کرنے کے لیے گھنے جنگل سے اُن کی ایک ہی آواز سے تمام ٹہوی جانور اور درندے وہاں سے نکل گئے اور ایک دو روز میں وہ تمام جنگل خالی ہو گیا جس کو پھر کاٹ کر وہاں ”قیروان“ نامی شہر آباد کیا گیا۔



رضی اللہ عنہ

سیدنا معاویہ

مُستشرقین کے نظر میں

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ایسی ہے کہ جس کی تعریف نہ صرف اپنوں نے کی ہے بلکہ بیگانے بھی اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا ابوالدرداء، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور مختلف تابعین کے اقوال آپ کی جلالتِ قدر اور عالی مقام کے بارہ میں اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مشہور مشہور مُستشرقین کے چند اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں تاکہ آپ کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین کی رائے سے بھی قارئین آگاہ ہو سکیں۔

① انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نویس آپ کے بارہ میں لکھتا ہے :-
آپ ایک پیدائشی حکمران تھے، اسی لیے شام انتظامی نقطہ نظر سے تمام اسلامی مملکت میں ایک مثالی صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا، آپ شامیوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، آپ نے طاقت سے نہیں بلکہ نرمی، بردباری اور خدا داد ذہانت سے فرمانروائی کی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۴ ص ۶۰۱

② انسائیکلو پیڈیا اسلام

انسائیکلو پیڈیا اسلام کا مقالہ نویس آپ کے متعلق لکھتا ہے:-
 بحیثیت سیکرٹری آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہترین خدمات سرانجام دیں، یہیں آپ نے اسلام کی نئی حکومت میں کام کرنا سیکھا، فتح شام میں آپ کو بھی یزید بن ابی سفیانؓ کے ساتھ بحیثیت نائب سالار بھیجا گیا جہاں آپ نے اپنی حیرت انگیز سرگرمیوں اور کارکردگیوں کا مظاہرہ کیا اور قیساریہ وغیرہ کی فتح سے اپنے آپ کو ممتاز بنا لیا۔ (جلد ۳ حصہ ۲ ص ۶۱۷)
 لیکن ایک صحابی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیکرٹری اور ام المؤمنین اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و سلام اللہ علیہا کا بھائی ہوتا بھی آپ کو شیعہ حضرات کی طعن و تشنیع سے نہ بچا سکا، حلم کی جتنی خوبیاں ہیں وہ امیر معاویہؓ میں موجود تھیں، آپ کا حلم ضربِ اشل تھا، مغرور ترین دشمن کو بھی مسکراہٹ سے غیر مسلح کر دیتے تھے۔ (ایضاً)

.... امیر معاویہؓ میں حلم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی سیاست، زیرکی، قوتِ فیصلہ اور فصیح اللسانِ خطابت وغیرہ کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں، آپ کا شمار اپنے وقت کے پانچ بہترین مقررین میں ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے زبان سے زیادہ کی تلوار کی بہ نسبت زیادہ مطلب برآری کی ہے۔
 (جلد ۳ حصہ ۲ ص ۶۱۹)

③ گولبیا انسائیکلو پیڈیا

امیر معاویہؓ جو دولتِ امیہ کے بانی ہیں، اسلام کے عظیم ترین مدبروں میں سے تھے، پیغمبر اسلام کے سیکرٹری و کاتب تھے، حضرت ابوبکرؓ کے دور میں ایک نمایاں جرنیل بن گئے، معاویہؓ کی پالیسی ہمیشہ بردبارانہ رہی اور روشن دماغی سے امورِ مملکت

سراجا دیتے رہے، آپ نے اسلامی مملکت کو بچھڑایاں طور پر یک جہتی بخشی۔
(کولمبیا انسائیکلو پیڈیا ص ۱۲۱۹)

④ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز

..... امیر معاویہؓ ایک اعلیٰ قسم کے فوجی منتظم تھے، آپ کے جنرلوں نے مملکت اسلامیہ کو وسعت عظمیٰ سے ہمکنار کیا، آپ کا شمار عرب کے مشہور چار زیرکوں میں ہوتا ہے۔ (جلد ۱۱)

⑤ بروکلین

..... یزید بن ابی سفیانؓ اور اس کے بھائی معاویہؓ نے صدیقی اور فاروقی دور میں اپنے زریں کارناموں کی بدولت ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔

(ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز ص ۶۳)

..... امیر معاویہؓ نے اسلامی مملکت اور نظام حکومت کو ایک بار پھر فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو خانہ جنگیوں سے درہم برہم ہو چکا تھا۔ (ص ۷۳)

⑥ سائیکس

مشہور مشرق سائیکس لکھتا ہے کہ :-

..... امیر معاویہؓ قابل ترین اور مضبوط سیاست کے مالک اور عرب سربراہوں میں سے تھے، آپ نے ابتدائی مہمات ہی میں امتیاز حاصل کر لیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپ کو ملک شام کا گورنر بنا دیا۔

(ہسٹری آف پریشیا ص ۵۳۲)

چند صفحات کے بعد مصنف پھر لکھتا ہے :-

..... امیر معاویہؓ کا شمار صفِ اول کے اسلامی خلفاء میں ہوتا ہے۔ (ص ۵۲۶)

⑤ نکلسن

نکلسن جو کہ تاریخ اسلام کا ماہر سمجھا جاتا ہے آپ کے متعلق لکھتا ہے :-
..... امیر معاویہؓ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاست دان اور زمانہ شناس تھے، زشلو کی
کی طرح انسانی طبائع شناس تھے جس کی وجہ سے تمام اعتدال پسند مخالفین کو اپنے ساتھ
ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ (لٹری، سٹری، آودی عربز ۱۹۵۰ء)

⑧ سر ولیم میور

سر ولیم میور جس نے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ تک کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے
سیدنا معاویہؓ کے متعلق لکھتا ہے کہ :-
..... معاویہؓ ایک اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار تھے، شامی مہم میں یزید بن ابی سفیانؓ
کی فوج کے علمبردار تھے۔ (خلافت ص ۶۳)
نیو لکھا ہے کہ :-
..... یزیدؓ نے اپنے بھائی معاویہؓ سے مل کر صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت فتح
کئے۔ (ص ۱۳)

⑨ سٹی

پروفیسر ہٹی موجودہ عرب دنیا کا سب سے بڑا مؤرخ تصور کیا جاتا ہے اس کی
اسلام دشمنی کو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود سیدنا
معاویہؓ کے کمالات و فضائل کا اُسے بھی اقرار کرنا پڑا، وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب میں
لکھتا ہے کہ :-

..... معاویہؓ میں سیاسی جس اپنے سے قبل تمام خلفاء سے قریباً زیادہ سی تھی، عرب
مؤرخین کے نزدیک اُن کی سب سے بڑی خوبی ”حلم و بردباری“ تھی یعنی وہ غیر معمولی قابلیت

جس سے کہ طاقت کا استعمال صرف اُسی وقت کیا جاتا جب وہ انتہائی ضروری ہوتا ورنہ ہر موقع پر نرمی اور بردباری سے کام لیا جاتا، وہ اپنی نرمی اور ملائمت سے دشمن کو غیر مسلح کر دیتے تھے، اُن کا دیر سے غصہ میں آنا، اور اپنے آپ پر مکمل ضبط انہیں ہر موقع پر کامیابی کا مران بنا دیتا تھا چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں اُس جگہ اپنی تلوار استعمال نہیں کرتا جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے، اور جہاں میری زبان سے کام نیتا ہے، وہاں میں اپنا کوڑا استعمال نہیں کرتا اور جہاں میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال کے برابر بھی رشتہ قائم ہو میں اُسے نہیں توڑتا کیونکہ حیب وہ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل کر دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل کر تے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں یہی مستشرق ہی آگے لکھتا ہے کہ:

..... ان سب خوبیوں کے باوجود معاویہؓ کئی مورخین کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہیں، وہ انہیں اسلام میں پہلا ملک (بادشاہ) سمجھتے ہیں حالانکہ عرب مورخین کے نزدیک یہ لقب ناپسندیدہ ہے، مورخین کے خیالات پر ان تنگ نظر لوگوں کا عکس ہے جو انہیں خلافت بنو ت کو تبدیل کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اسلامی تاریخ نے جو کہ زیادہ تر عباسی عہد خلافت میں شیعہ اثرات کے تحت مرتب کیا گیا ہے اُن کے دینی کمالات کو قابل اعتراض اور مشکوک بنا دیا ہے۔ ابن عساکرؒ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بہترین مسلمان تھے، آپ نے اپنے بعد کے آنے والے اموی خلفاء کے لیے حلم و بردباری، شجاعت و لبالت، دانائی و زیری کی اور تدبیر و سیاست کے بہت سے اصول چھوڑے، جن پر کچھ خلفاء نے عمل بھی کیا وہ فرماں رواؤں

میں سے بہترین فرمانروا تھے۔ ہسٹری آف دی غزنویہ (۱۹۸۰ء)۔
 یہ تھی نابغہ اسلام امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کے متعلق مستشرقین کی رائے جس کو نہایت اختصار سے ہم نے گزشتہ
 سطور میں بیان کیا گیا ہے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے کئی پہلو ابھی رہ گئے جن کو بعض
 حضرات نے اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے، اور بعض حضرات نے اس تنقید کو
 تنقیص کے رنگ میں پیش کیا ہے، لہذا ان کی ذات پر مختلف حضرات کی طرف
 سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں آئندہ صفحات میں ان کے مفصل جوابات
 دیے جائے ہیں۔

یہ بات اہل قلم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
 دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مظلوم ترین صحابی ہیں جن کے بہترین
 اعمال پر تعصب اور ناہنمی کے پردے نہ صرف بیگانوں نے بلکہ اپنوں نے
 بھی ڈال رکھے ہیں اور ان کی بے مثال فراست، انتظامی، صلاحیت اور
 ان کے بے نظیر حلم اور بردباری اور فیاضی کو کورپشن سے یک قلم
 نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ دنیا کے اسلام کے بہترین مدبر اور
 نہایت اعلیٰ منتظم تھے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے اور
 اس کی جھلکیاں آئندہ صفحات میں بھی آپ کو ملیں گی۔

اعتراضات

اور اُن کے

جوابات

گزشتہ صفحات میں ہم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور درجنوں کتابوں کے شیخروں حوالجات سے دلائل سا طعہ

اور براہین قاطعہ سے سیدنا معاویہ کی شخصیت کے طول و عرض کو واضح کیا ہے جس سے وہ شکوک و شبہات اذہان سے خود بخود رفع ہو جاتے ہیں جن کو مدتوں کے پراپیگنڈے سے ذہنوں میں پیوست کیا گیا ہے اور سیدنا معاویہ کا کردار نکھر کر سامنے آ جاتا ہے اور تپہ چلتا ہے کہ اس صحابی رسول، مدبر اسلام اور نابغہ روزگار نے اسلام اور اہل اسلام کی وہ وہ خدمات جلیلہ سرانجام دیں کہ امت آج تک اُن کی زیر بار احسان ہے۔

آپ کی فتوحات، عسکری نظام، نظم مملکت، معاشی اور اقتصادی اصلاحات تدبیر و سیاست، شجاعت و بہالت، جود و سخاوت، ظرافت و خطابت اور نظام عدل نے امت مسلمہ کو وہ قوت و ہمت بخشی کہ اُس کے بازو قوی، حوصلے بلند اور ارادے مضبوط ہو گئے۔ اُس میں سمندروں ایسا موج، طوفانوں ایسی شدت، پہاڑوں ایسی رنگینی، پھولوں ایسی حرکت اور شبنم ایسی نمی پیدا ہو گئی۔ وہ جد ہر بڑھی فتح و کامرانی نے اُس کے قدم چومے تخت و تاج اُس سے لپٹنے کیلئے دیوانہ وار دوڑے۔ وہ وقت کی معلم بنی اُس نے زمین کی ہٹانوں کو کھینچا اور اپنے حوصلوں اور بلند ارادوں کی کمند لے کر زمین کی وسعتوں کو سمیٹتی ہوئی ایک طرف قسطنطنیہ یعنی یورپ کے دروازوں تک جا پہنچی اور دوسری طرف براعظم افریقہ کو پھلانگی ہوئی اُس ساحل تک جا پہنچی جو بحیرہ روم جیسے بڑے سمندر سے وابستہ ہے۔ اُس نے دنیا کے صحراؤں کے سینے چیرے، اُس کے دریاؤں کا منہ موڑا وادیوں کو اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندنا، میدانوں پر چھائی اور وہاں کی کھوکھلی تہذیب

کے کھنڈروں کو مسمار کر کے اپنی زریں تہذیب کے جھنڈے گاڑے۔

آپ کی شخصیت اور کردار پر چودہ سو سال کے معاندانہ پراپیگنڈے کی وجہ سے شکوک و شبہات کی جو دبیز تہیں دماغوں پر جمادی گئیں اُن کو آسانی سے کھرچا نہیں جا سکتا۔ جب تک کہ ایک ایک اعتراض اور شبہ پر تحقیق اور ریسرچ کا عمل جاری نہ کیا جائے۔

پچنانچہ آئندہ صفحات میں آپ پر وارد شدہ اعتراضات رجو

کہ مخالفین کے غلط پراپیگنڈے سے بعض موافقین کے ذہنوں میں بھی گھر کٹے ہوئے

ہیں) کے نمبر وار جوابات دیئے گئے ہیں جس کے مطالعہ سے قارئین کرام کے ذہنوں سے وہ

سارے اعتراضات اور شکوک و شبہات (انشاء اللہ تعالیٰ) اس طرح دھل جائیں گے

جس طرح ایک چکنے پتھر سے موسلا دھار بارش کی وجہ سے گرد و غبار دھل جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کئی مقامات پر تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی

شخصیت اور کردار پر بحث کرنے سے پیشتر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخصیت کے کردار کو

وہ زیر بحث لا رہے ہیں وہ کوئی آبجیکل کے بادشاہوں کی طرح کی شخصیت نہیں بلکہ وہ

ایک فقیہ صحابی رسولؐ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱) ایک ہادی اور ہدایت یافتہ اور لوگوں

کے لئے ذریعہ ہدایت کی شخصیت ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) ایک ایسے خلیفہ راشد

کے بارہ میں وہ بحث کرتے ہیں جو کاتب وحی (ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۳۸) اور امین

نہی (البدایۃ النہایۃ جلد ۸ ص ۱۲) جن کا حکم تمام امت میں مشہور تھا (تطہیر الجنان

صفحہ ۵۵) خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں جنہیں یا اعتماد سمجھ

کر اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا یہاں تک کہ دمشق کا والی اور گورنر بنادیا گیا رنج الباری جلد ۱

صفحہ ۸۲ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۲۷، البدایۃ النہایۃ جلد ۸ ص ۱۲، ہسٹری آف عربز ص ۱۵۲)

وہ ایک خلیفہ راشد تھے (شرح العقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۵۵۳) لہذا اُن پر اعتراضات کی

کوئی حیثیت نہیں کیونکہ ہر خلیفہ پر بحث کی جاسکتی ہے اور اُن کی حکومتی کاروائیوں کو

ہدف تنقید بنایا جاسکتا ہے لیکن خلیفہ راشد پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی جاسکتی، کیونکہ حدیث

صحیح میں اُن کی سنت اور ان کے طریقے کی اتباع اور اطاعت کی خاص تاکید فرمائی گئی

ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۵، ابوداؤد صفحہ ۲۷۹، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۹۵)
 مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۷، لیکن اس کے باوجود بھی قرآن و سنت اور تاریخ کی صحیح روایات
 کی روشنی میں ہم نے اُن سب اعتراضات کا جو اس صحابی جلیل کی شخصیت کو داغ دار بنانے
 کے لیے کئے جاتے ہیں، کافی دوائی جوایات دیئے ہیں اور موجودہ زمانے کے اُن نام نہاد
 مفکرین اورادیوں کے دلائل کے کھنڈرات کو بھی مسمار کیا ہے۔ جنہوں نے فتنہ سیائیت
 تجدید کے لیے نہ صرف سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر گند اچھالا ہے بلکہ سیدنا عثمانؓ، سیدنا
 عمرو ابن العاصؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور سیدنا مروانؓ کے متعلق بھی اپنے خجست یا طن کا
 اظہار کیا ہے۔ ان لوگوں کے دلائل دراصل مستقل دلائل نہیں بلکہ وہی چبائے ہوئے
 لقمے ہیں جو آج سے ۱۲-۱۳ سو سال قبل عبداللہ بن سبأؓ یہودی اور اس کے ساتھیوں نے
 باہر پھینکے تھے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اب اُن کو تجدید تکنیک اور نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔
 صحابہ کرامؓ کی ذوات مقدسہ کو طرح طرح کے اعتراضات سے مجروح کر نیوالے
 لوگ اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ قرآن و سنت کے اولین راویوں
 کو مجروح کر کے قرآن و سنت کے قطعی الثبوت اور متواتر ہونے سے انکار کروانا چاہتے
 ہیں۔ چنانچہ امام ابو زرہ رازیؒ نے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی۔

اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله
 صلى الله عليه وآله وسلم فانه زنديق وذلك ان الرسول
 صلى الله عليه وآله وسلم عندنا حق والقرآن حق وانما
 ادعى اليها هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله
 صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وانما يريدون ان
 يجرحوا شهودنا ليطلوا الكتاب والسنة والجرح
 بهم اولى وهم زنادقه۔

جب تم کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کی تنقیص
 کرنے دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندقہ ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حکیم حق ہے اور یہ قرآن حکیم اور سنت ہم تک
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہی نے پہنچائی ہے (جو لوگ صحابہ
 پر معتزق ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح
 کر دیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں۔ ایسے لوگ
 خود اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر جرح کی جائے۔ اور
 وہ زندیق ہیں۔ (کفایہ ص ۴۹)

یہی وجہ ہے کہ محدثین صحابہؓ کے بارہ میں کسی ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے
 جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو۔ اس بارہ میں جس قدر روایات حدیث یا
 تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں ان کے سلسلہ اسناد میں کوئی نہ کوئی رافضی اور سبائی
 ضرور ہوگا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ایسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں۔
 ”جو روایات صحابہ کرامؓ کے عیوب و مثالب کے متعلق مروی ہیں وہ دو قسم
 کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو سراپا کذب اور تحریف شدہ ہیں جن میں ایسی
 کسی ہشتی ہو گئی ہے جن سے مذمت اور طعن کا پہلو نکلتا ہے۔ اکثر وہ روایات
 جن میں صحابہ کرامؓ کے بارہ میں صریح مطاعن کا ذکر ہے، اسی قبیل سے ہیں
 جہنیں ایسے کذاب راوی بیان کرتے ہیں جن کی کذب بیانی مشہور ہے جیسے
 ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ان جیسے اور کئی
 کذاب راوی۔ اسی لیے اس رافضی نے ایسی روایتوں سے استشہاد کیا ہے
 جسے ہشام کلبی نے جمع کیا ہے جب کہ دروغ گوئی اور کذب بیانی میں وہ
 سب سے بڑھ کر ہے اس کے علاوہ شیعہ ہے۔ نیز وہ اپنے باپ سے
 روایت کرتا ہے اور اس کا باپ ابو مخنف سے بیان کرتا ہے اور یہ دونوں
 کذاب اور متروک ہیں۔ امام احمد اس کلبی کے بارہ میں فرماتے ہیں میں یہ

اے جس کی کتاب کا شیخ الاسلام جواب دے رہے ہیں۔

سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اس سے روایت کرے گا کیونکہ وہ تو ایک نساب اور قصہ گو ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ ”وہ متروک ہے“ ابن عدی فرماتے ہیں کہ ہشام کلیبی پر قصہ گوئی غالب ہے۔ میں اس کی کوئی مسند روایت نہیں جانتا اور اس کا یاب بھی کذاب اور دروغ گو ہے۔ ”زامدہ، لیت اور سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ ”وہ کذاب اور جھوٹا ہے“ امام یحییٰ فرماتے ہیں ”کوئی شے نہیں، کذاب اور پاپی اعتبار سے گمراہ ہوا ہے“ امام ابن حبان فرماتے ہیں ”اس کا کذب اس قدر نمایاں ہے کہ اس کے اوصاف معلوم کرنے کی ضرورت نہیں“ (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۹)

شیخ الاسلام اپنی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر روایات کی صحت اور ضعف کے بارہ میں بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ابو نعیم نے اپنی کتاب ”الحلیۃ میں البوکرہ، عمرہ، عثمان اور علیؓ کے مناقب فضائل پر کئی احادیث ذکر کی ہیں جن میں بعض صحیح، بعض ضعیف بلکہ منکر ہیں۔ اگرچہ نعیم خود علم حدیث میں ہمارت تامہ رکھتا ہے لیکن اس کا اور اُن جیسے کئی اور مصنفین کی تالیفات کا طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ ایک عنوان پر ہر قسم کی روایات جمع کر دیتے ہیں جیسے ایک مفسر تفسیر میں، ایک فقیہ فقہ میں اور ایک مصنف اور مؤلف اپنی تصنیف اور تالیف میں تمام آراء، اقوال اور دلائل نقل کر دیتے ہیں تاکہ قارئین پر تمام پہلو واضح اور منکشف ہو جائیں اگرچہ یہ لوگ اپنی مذکورہ چیزوں میں سے بیشتر چیزوں کی صحت کا اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ اس کے ضعف کے معترف ہوتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں ہمارا کام تو صرف روایات نقل کرنا ہے۔ اس کے (غلط اور صحیح) کی تمام تر ذمہ داری قائل پر ہے نہ کہ ناقل پر یہی حال اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے عبادات کے فضائل کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو بہت سی ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جن کے موضوع اور جعلی ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اسی طرح وہ لوگ

جنہوں نے تاریخ کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جیسے ابن عساکر وغیرہ
 اُن کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جب وہ خلفائے اربعہ، دوسرے خلفاء کے
 حالات قلم بند کرتے ہیں تو ہر طرح کی روایات نقل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح
 جب وہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں تو ایسی
 ایسی روایات کو بھی نقل کر دیتے ہیں جن کا جھوٹا اور غلط ہونا اہل علم پر
 ظاہر ہوتا ہے۔

”پس جو شخص ذرا بھی عدل و انصاف سے کام لے گا وہ سمجھ لے گا کہ
 روایات میں صدق و کذب ہر طرح کا مواد پایا جاتا ہے اور لوگوں نے
 مثالب و مناقب اور محاسن و نقائص میں دروغ گوئی اور کذب بیانی
 سے کام لیا ہے اور حمایت و مخالفت اور حب و بغض میں کوئی اجتناب نہیں
 کیا ہے۔ یہیں یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے
 فضائل و مناقب میں ایسی ہی کذب بیانیاں کی ہیں جیسے سیدنا علیؑ کے فضائل
 و مناقب میں جھوٹ تراشے ہیں چنانچہ بنیادی شی ہر طرح کی روایات کے
 نقل کرنے میں یہ ہے کہ ناقل (روایت کے نقل کرنیوالے) علماء کی طرف
 رجوع کیا جائے اور روایت کے صحیح اور ضعیف ہونے کا پتہ لگایا جائے
 کسی شخص کا صرف یہ دعویٰ کہ دنیا کی اس روایت کو فلاں (محدث اور مؤرخ)
 نے نقل کیا ہے نہ ہی اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حجت ہے
 اور نہ ہی شیعہ کے نزدیک۔ اہل اسلام میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو
 ہر مصنف کی نقل کردہ ہر روایت کو قابل حجت سمجھ لے۔ اس کے لیے ہر
 وہ روایت جس سے کوئی شخص احتجاج کرے، سب سے پہلے ہم اُس سے
 اس کی صحت کا مطالبہ کریں گے۔ محض کسی روایت کا اس کے ناقل کی طرف
 منسوب کر کے یہ کہہ دینا کہ یہ ثعلبی وغیرہ کی روایت ہے تمام اہل علم کے نزدیک
 بالاتفاق روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔“ منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۱۲۱

صحابہ کرامؓ کے بارہ میں روایات کا صحیح اور غلط ہونا کسی کے نقل کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اُن کے راویوں پر موقوف ہے۔ اگر راوی ثقہ ہیں اور روایت اصول درایت کے مطابق ہے تو قابل احتجاج ہے خواہ کوئی مؤلف اُسے اپنی کتاب میں درج کر دے لیکن اگر کسی روایت کے راوی غیر ثقہ بلکہ کذاب اور دروغ گو ہیں یا وہ روایت اصول درایت کے خلاف ہے تو وہ حجت نہیں خواہ اُس کو کتنے ہی بڑے محدث، مفسر اور مؤرخ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہو چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

والواجب ایضاً علی کل من سمع شیئاً من ذلک ان یشیت فیہ ولا ینسب الی احد منهم بسجود رؤیتہ فی کتاب او سماعہ من شخص بل لا بد ان یبحث عنہ حتی یصح عنده نسبة الی احدہم فجندت الواجب ان یلتزم لہم احسن التاویلات واصوب المنارج اذہم اهل الذلک کما ہو شہورہم فی مناقبہم ومعدود فی ماثرہم۔

جو شخص صحابہ کرامؓ کے بارہ میں کوئی بات سُنے اُس پر واجب ہے کہ وہ پہلے اُس کی تحقیق و جستجو کرے وہ صرف کسی کتاب میں اُس روایت کو دیکھ لینے یا کسی شخص سے سُن لینے پر ہی اُس کی نسبت اُس کی طرف نہ کر دے بلکہ اُس پر ضروری ہے کہ وہ اُس کے بارہ میں پوری تحقیق و جستجو کرے تاکہ اس کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو۔ اُس وقت اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اُس کی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی اچھا سا تحمل اور مخرج تلاش کرے کیونکہ صحابہ کرامؓ اپنے مناقب و آثار کی وجہ سے اس چیز کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ (الصواعق المحرقة صفحہ ۱۰۰)

وجہ اس کی صاف ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مناقب و آثار اور فضائل و محاسن قرآن و حدیث سے تو اتر کے ساتھ متقول ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات کی ایک کثیر تعداد اور بے شمار احادیث نبویہ صحابہ کرامؓ کی من حیث الطبقة تقدیس بیان کرتی ہیں اور اُن کو بارگاہ

خداوندی سے رضا کا مترقیٹ ملا ہوا ہے۔ اس لیے اُن کے خلاف اگر خبر واحد سے اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو، کوئی چیز ثابت ہو تو وہ قابل قبول نہ ہوگی بلکہ قابل رد یا قابل تاویل ہوگی چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:-

قال العلماء الأحادیث الواردة التي في ظاهرها دخل على صحابي يجب تأويلها قالوا ولا يقع في روايات الثقات إلا ما يمكنه تأويله۔

علامہ کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو تو اُس کی تاویل واجب اور ضروری ہے اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔

(نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محدثین اور مؤرخین نے ان کتاب اور دروغ گو راویوں کی ایسی غلط اور غیر صحیح روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیوں کر دیا؟ یہ اعتراض اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہماری کتابیں اُن لوگوں کے ہتھے چڑھیں گی جو صحیح ضعیف اور موضوع کے درمیان کوئی فرق نہیں کریں گے اور ضعیف روایات سے بجائے استشہاد کرنے کے اُن پر اعتماد کر کے متواترات کی تردید کرتی شروع کر دیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل جا معین تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں ہر قسم کی روایات جمع کر دیں اور اُن کی اسناد بھی ذکر کر کے معاملہ قارئین پر چھوڑ دیا تاکہ وہ صحیح ضعیف اور موضوع روایات کے درمیان فرق کر سکیں۔ اور ضعیف روایات اگر صحیح روایات کی تائید کرتی ہوں تو اُن سے استشہاد کریں تاکہ صحیح روایات کی صحت اور پختہ اور مضبوط ہو۔ وہ لوگ روایات کو مع سند نقل کر کے اُس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے (ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۷۵) ہاں جن لوگوں نے روایات کے ساتھ سند کو ذکر نہیں کیا محققین نے ان پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ بغیر سند کے روایت کے

صحیح اور غلط ہونے کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں:-

پہلے محدثین کی طرح جن لوگوں نے روایات کو سند کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اُن کا عذر معقول ہے، کیونکہ انہوں نے سند بیان کر کے روایت کے نقد و تحقیق کے لیے سہولت فراہم کر دی ہے۔ اگرچہ بہتر صورت یہ تھی کہ اُن روایتوں پر وہ خود تنقید کرتے اور ان کے بارہ میں سکوت اختیار کرتے لیکن جن حضرات نے سند کا اہتمام نہیں کیا اور سند کے ہی صیغہ جزم کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اُنہوں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔“ (تدریب الراوی صفحہ ۱۸۹)

بات دراصل یہ ہے محدثین، مؤرخین اور جلیل القدر آئمہ نے کذاب، دروغ گو

۱۔ اسی وجہ سے عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:-

الاسناد من الدين لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔
اسناد بھی دین کا ایک حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲)

یہ اسناد کا معاملہ فتنہ کے بعد اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ کیونکہ وقوع فتنہ سے قبل روایات کے معاملہ میں کذب بیانی سے کام نہیں لیتے تھے، لیکن بعد میں بعض لوگ صرف اسی کام میں لگ گئے کہ اپنے اپنے سیاسی مسلک کی تائید میں مختلف احادیث اور روایات وضع کرنے لگے۔ چنانچہ امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:-

لم يَكُنْ نَوَاسِئِلُونَ عَنِ اسناد حتى وقعت الفتنه نظرًا من كان من اهل السنة اخذ واحد يشه من كان من اهل البدع تركوا حديثه۔

فتنہ سے قبل لوگ روایات کی اسناد کے بارہ میں نہیں پوچھا کرتے تھے، لیکن جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو لوگوں نے ہر روایت میں غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہل سنت کی روایات کو لے لیا جاتا۔ اور اہل بدعت کی روایات کو چھوڑ دیا جاتا۔ (لسان المیزان لابن حجر جلد ۱ صفحہ ۱۱)

مہتمم، متروک، ضعیف اور راویوں کی روایت کو، جو ذرا بھی قابل احتجاج نہیں اپنی کتابوں میں کیوں ذکر کیا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً! محدثین اور مؤرخین نے ایسے لوگوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ ان کا ضعیف اور کمزور ہونا عیاں ہو جائے اور ان محدثین پر اور دوسرے لوگوں پر ان کے بارہ میں کوئی اشتباہ نہ رہ جائے کیونکہ اگر ان کے بارہ میں صرف اسماء الرجال کی کتابوں ہی میں لکھ دیا جاتا کہ فلاں راوی متروک ہے یا فلاں راوی کذاب ہے تو شاید کوئی اعتبار نہ کرتا لہذا انہوں نے ان کی روایات کو بھی بطور شہادت کتابوں میں نقل کر دیا اور بتا دیا کہ یہ لوگ اس قدر دیدہ دلیری سے جھوٹ بولنے والے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ذوات مقدسہ کے بارہ میں بھی کذب بیانی سے نہ شرمائے۔

ثانیاً! دوسری وجہ ان ضعیف روایات کے ذکر کی یہ ہے کہ ان سے صحیح روایات کے بارہ میں استشہاد کیا جائے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔
ثالثاً! متروک اور مہتمم راویوں کی صحیح اور غلط روایات کو کتابوں میں نقل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل علم حضرات خود ان روایات کے درمیان تمیز (Differentiate) کر سکیں کیونکہ اس سے علم میں پختگی اور تحقیق و بس کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

رابعاً! محدثین کرام ضعیف اور مہتمم راویوں کی روایات بعض فضائل اعمال قصص اور ترغیب و ترہیب کے مسائل میں لے آتے ہیں لیکن عقائد

لے یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ صحابہ کرامؓ کی عدالت، ثقاہت اور کیاثر سے اجتناب کا مسئلہ تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ خاص عقائد کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت سے ان کی عدالت اور حق تعالیٰ سے ان کے راضی ہونے اور کیاثر سے اجتناب اور دین اسلام سے ان کی والہانہ محبت، کفر، فسوق اور عصیان

حلال و حرام اور دیگر احکامی مسائل میں وہ روایات بالکل قابل احتجاج نہیں ہوتیں۔ (مختصاً صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۱)

وجہ کچھ بھی ہو صحیح روایت صحیح ہی ہے خواہ کسی کتاب میں ہو اور غلط بہر صورت غلط ہے خواہ بڑے سے بڑا محدث اور مؤرخ اسے اپنی کتاب میں نقل کر دے۔ لہذا دشمنان صحابہؓ اور جاہل مفکرین اسلام کا یہ مغالطہ (Fallacy) کہ ان روایتوں کو فلاں فلاں جلیل القدر ائمہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم ان ائمہ کی نقل کردہ روایات کو ان اصولوں پر پرکھیں گے جن کو محدثین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اس کا ایک اجمالی خاکہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۳-۲۴ پر بیان کیا ہے۔ حدیث ہو یا تاریخ اس کی روایات وہی قابل قبول ہوں گی جو اس معیار پر پوری آئیں گی، لیکن احادیث میں ایسی روایات کی کثرت ہے جو صحیح ہیں، کیونکہ حدیث میں عقائد، حلال و حرام کے مسائل اور دین کے احکام بیان ہوئے ہیں، لیکن تاریخ میں اکثر و

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ان کی نفرت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک عقیدہ بن گیا، لہذا جب احکام شریعت کا استنباط مجروح روایات سے نہیں ہو سکتا تو عقائد کے مسائل کیلئے صحیح خبر واحد بھی نہیں بلکہ ان کے لیے خبر مستفیض یا متواتر کی ضرورت ہے۔ لہذا تاریخ کی ان مجروح روایات کو مدار بنا کر صحابہ کرامؓ کے خلاف غلط سلطاعت اعتراضات کرنا شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں ہے۔ جس روایات سے کسی صحابیؓ رسولؐ کے متعلق گناہ کبیرہ کا الزام ثابت ہوتا ہے یا اس کی عدالت مجروح ہوتی ہے، ہم پہلے اس روایت کے راویوں کی شخصیت اور عقائد پر عمل جراحی کریں گے کہ وہ کیسے تھے؟ کون تھے؟ اور کن حالات میں انہوں نے ایسی روایت کی؟ صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں محدث یا مؤرخ نے اس آیت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اس روایت کے صحیح یا اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہمارے ہاں اردو میں کتابیں لکھنے والے مؤرخین نے ان اصولوں کا کوئی اہتمام نہیں کیا اس وجہ سے صحابہؓ کے بارہ میں ایسی روایات نقل در نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔

بیشتر ضعیف موضوع، منکر اور باطل روایات ہیں، کیونکہ وہ فضائل اور قصص پر مبنی ہیں اور ان کے بارہ میں محدثین اور مؤرخین نے تساہل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ فرماتے ہیں:-

اذا روينا في الحلال والحرام شددنا واذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا -

جب ہم حلال و حرام کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل و مناقب اور ان جیسے دوسرے امور کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی اور تساہل سے کام لیتے ہیں۔ (کتابہ صفحہ ۱۳۴)

امام بیہقی نے ”المدخل“ میں اس بارہ میں ابن ہمدی کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:-

اذا روينا عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم في الحلال والحرام والاحكام شددنا في الاسانيد وانتقدنا في الرجال واذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب سهلنا في الاسانيد وتسامعنا في الرجال -

جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حلال و حرام اور دین کے احکام کے بارہ میں روایت کرتے ہیں فی حدیث کی سند میں تشدد کرتے ہیں اور روایان حدیث کے بارہ میں نقد و جرح کرتے ہیں۔ اور جب فضائل اور ثواب و عقاب کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو سند میں تساہل برتتے ہیں اور راویوں کے بارہ میں تسامح (یعنی ان کے بہت سے نقائص سے صرف نظر کرتے ہیں) سے کام لیتے ہیں۔ (المدخل صفحہ ۱۳۵)

اسی وجہ سے مودودی صاحب تاریخ کی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں:-
”تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کے لیے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ ۹۰ فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حصہ دریا برد کر دینا ہوگا۔“

(خلافت و ملوکیت صفحہ ۷۰، حاشیہ)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات غلط اور سراسر جھوٹ ہیں جن کو بعض دشمنان صحابہؓ بنیاد بنا کر اپنا خبیث باطن اُگلے رہتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی ذوات کو ہدف تنقید بناتے اور اُن پر گند اُچھالتے رہتے ہیں، لیکن تاریخ میں صحیح روایات بھی ہیں جو قرآن و سنت کی متواتر اور صحیح روایات کے عین مطابق ہیں۔

جب تاریخ میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم اُن روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو اُن (صحابہؓ) کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو اُس کی ضد نظر آتی ہیں۔ (خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۴۷-۳۴۸)

جب تاریخ میں صحیح اور پاکیزہ روایات بھی ہیں تو موجودہ زمانے کے نام نہاد مفکر اور مؤرخ صرف ایسے مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں کرتے ہیں جن سے جلیل القدر صحابہؓ کی تنقیص ہو۔ آخر یہ مطالعہ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاطت پسند مکھی کی طرح صرف انہیں گندے چھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مضمری نے ہمارے پاکیزہ فضائل اسلاف کے دامن پر اڑائے ہیں۔ ایسی روایات اس قابل ہی نہیں کہ آدمی ان کی طرف توجہ کر سکے۔ اس بارہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بعض مؤلفین کی تالیفات پر بحث فرماتے ہوئے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی ہے:-

”ان حضرات کی نقل کردہ روایات تاریخ و سیر کی روایات کی قبیل سے ہیں جن میں مرسل، مقطوع، صحیح اور ضعیف و ستیم ہر طرح کی روایات ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو صحابہ کرامؓ کے مناقب فضائل جو کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور نقل متواتر سے ثابت ہیں، اُن کا رد ایسی روایات سے کسی صورت نہیں ہو سکتا جن میں بعض منقطع، بعض تحریف شدہ اور بعض ایسی ہیں جن سے یقینی اور قطعی چیزوں پر جرح و قدرح نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا اور ہمارا یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں

علاوہ ازیں منقولات متواترہ کی تائید دلائل عقلیہ سے
اس طرح بھی ہوتی ہے کہ صحابہؓ انبیاء علیہم السلام کے
بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں لہذا مشکوک روایات سے
اُن کی ذواتِ مقدسہ کو مجروح نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ
اُن روایات سے اُن کی ذات پر جرح و قدح کی جائے
جن کا باطل ہونا صریح اور واضح ہے۔

منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۳۰۷

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں ۔
"کسی شخص کے لیے معمولی اور فروعی مسائل میں بھی کسی حدیث
سے استدلال اس وقت نہ صحیح ہے اور نہ جائز جب تک
کہ وہ اُس حدیث کو پہلے صحیح ثابت نہ کرے لہذا یہ
کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ اُن اصولی اور بنیادی
مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان اور اللہ
کے اولیاء مقربین کے سردار (صحابہ کرامؓ) کی ذوات پر حرج
اور الزام آتا ہو ایسی روایات کو حجت کے طور پر پیش
کرنا درست ہو جن کا صحیح ہونا معلوم ہی نہ ہو (یا وہ
کذاب مشتم اور منکر راویوں سے مروی ہوں)

(منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۸)

بہر حال ہم نے اس کتاب میں قرآن و سنت اور روایات متواترہ اور
آثارِ صحیحہ سے بحث کی ہے (اور اگر کہیں کوئی ضعیف روایت پیش کی ہے تو

استشہاد کے طور پر کی ہے نہ کہ اعتماد اور استدلال کے طور پر، اور اُن تمام معترضین کے اعتراضات کے عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ایسے جوابات دیتے ہیں جن سے کسی صحابی رسول کا دامن داغدار نظر نہیں آتا، بلکہ قارئین کرام کے اذہان و قلوب میں ان ذواتِ جلیلہ کی عزت اور احترام پیدا ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ یہ لوگ بہر حال واجب الاحترام ہیں کیونکہ صحابی رسول ہونا ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اور ان کے بعد آنے والے لوگ اس اعزاز کو کسی صورت حاصل نہیں کر سکتے۔

سیدنا معاویہؓ پر جن معترضین نے اعتراضات کیے ہیں اُن کے ترتیب وار جوابات دیے جاتے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر اعتراضات ایک ایسے شخص نے کیے ہیں جن کو ان کی جماعت "مفکر اسلام" کے نام سے یاد کرتی ہے لیکن اُن کے اعتراضات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فکر تولید اور پراگندہ ہے اور وہ صحابی رسول کے صحیح مقام سے نا آشنا ہیں۔ اور وہی پرلے اعتراضات دہرائے ہیں جو پرانے زمانے سے ان کے مخالفین نے، ان پر کرتے چلے آ رہے ہیں۔

①

گوزروں کی بالادستی

سیدنا معاویہؓ کے متعلق ان کے معترضین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گوزروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرتے سے صاف انکار کر دیا۔

اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے مخالفین مختلف کتابوں سے چند روایات پیش کرتے ہیں جن سے اکثر و بیشتر ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور سیف بن عمرو دشمنان صحابہؓ سے مروی ہیں جن کی ساری زندگی کا مشن ہی یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف غلط اور خلاف واقعات روایات وضع کر کے امت میں ان کے خلاف بدعتی کے جذبات پیدا کئے جائیں اور جب قرآن و سنت کے ان اولین راویوں کے خلاف بدعتی پیدا ہو جائے گی تو پھر قرآن و سنت کی حیثیت بھی اتنی قطعی اور یقینی نہ رہے گی جس قدر کہ ہونی چاہیے۔ یہ فتنہ اور یہ سازش ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کی گئی جس کی تفصیل ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں بیان کر دی ہے۔

سیدنا معاویہؓ عام دنیا دار بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہ تھے بلکہ وہ ایک خلیفہ راشد تھے علوم نبوت کے حامل تھے، کاتب وحی تھے اور سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ کے با اعتماد ساتھی تھے۔ عہد رسالت اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں ایک اہم مقام کے حامل تھے، جناب رسالت مآب نے انہیں ”امین“، ”نہدی“ اور ”ہادی“ وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرمایا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) اور آپ کے متعلق ”واحدہ“، ”ذریعہ ہدایت“ بنانے کی دعا بھی فرمائی تھی (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۸۶)

ایک حدیث میں آپ کی یہ دعا بھی ان کے متعلق منقول ہے۔

اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶، اصابہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۱، کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۳ صفحہ ۳۲۸، علامہ ابن کثیرؒ نے یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے۔

اللهم علمه الكتاب ومكن له في البلاد وقه العذاب۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب کا علم سکھا اور اس کو شہروں میں حکومت عطا فرما، اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، النجوم الزاہرة جلد ۱ صفحہ ۱۳۴

ایک روایت میں جس کو علامہ ذہبیؒ نے نقل فرمایا ہے یہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے اور سیدنا معاویہؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، تھوڑی دیر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:-

اے معاویہؓ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے
اتہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا پیٹ آپ کے جسم اطہر کے ساتھ لگا
ہوا ہے یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-
اللَّهُمَّ اَمْلأْهُ عِلْمًا۔

اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹)

انہیں خوبیوں کی وجہ سے آپ کو یار گاہ رسالت سے کتابت وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا تھا۔ صحیح مسلم مصری جلد ۲ صفحہ ۲۶۴، مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۴۰-۴۱، تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۳۵، دول الاسلام جلد ۱ صفحہ ۲۰، کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۹،

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۸، تقریب التہذیب صفحہ ۳۵۷، ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۳۸
بلکہ بقول ابن حزم اندلسی :-

”بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین وحی میں سب سے زیادہ سیدنا زید بن
ثابتؓ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ
سیدنا معاویہؓ کا تھا۔ یہ دونوں بزرگ رات دن آپ کے ساتھ لگے رہتے
اور اس کے سوا کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔“

(جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷، تاریخ التشریح الاسلامی صفحہ ۱۲)
پھر نہ صرف آپ وحی کی کتابت فرماتے بلکہ آپ کے دربار سے جو فرامین اور خطوط
وغیرہ جاری ہوتے، انہیں بھی آپ کا قلم حقیقت رقم تحریر کرتا۔

(الاستیعاب صفحہ ۳۴۵، البحر الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵)
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی فراست
دیانت، ذہانت، ذکاوت اور تدبیر پر مکمل اعتماد کیا اور آپ کو شام بھیجے جانیوالے لشکر
کے ہر اہل دستے کا علم بردار مقرر فرمایا جب کہ اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار آپ کے
برادر بزرگ سیدنا زید بن ابی سفیانؓ تھے۔ (محاضرات تاریخ الاسلام جلد ۴ صفحہ ۱۴۴)
فتوح البلدان صفحہ ۴۸، تاریخ الخلفاء جلد ۲ صفحہ ۳۲۵، حیوۃ الجنان جلد ۱ صفحہ ۱۷،
العواصم من القواصم صفحہ ۸۱، ہسٹری آف عربز ہٹی صفحہ ۱۴۸) خلافت فاروقی میں بھی
آپ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ سائنہ میں عمواس کے طاعون میں آپ کے بھائی
یزیدؓ کے انتقال کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دمشق کا گورنر مقرر فرما دیا البدایۃ والنہایۃ
جلد ۸ صفحہ ۱۲۴، ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۹، الاستیعاب جلد ۱
صفحہ ۲۱۶) اس زمانہ میں آپ نے مختلف جہات بھی سرکیں، چنانچہ بعض روایات
میں ہے کہ قیساریہ کے معرکے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مقرر فرمایا تھا اور ان کو لکھا۔

انی قد ولیتک قیساریہ فسرالیہا واستغفروا للہ واکثر
من قول کاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں۔ تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔

(رخطط الشام جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں سے معمولی معمولی باتوں پر بھی احتساب فرماتے تھے اور ان کے احتساب سے نہ تو قاتح ایران سعد بن ابی وقاصؓ نیچے اور نہ قاتح مصر عمرو بن العاصؓ اور نہ ہی گورنر مصر سیدنا عیاض بن غنمؓ اور نہ ہی سیدنا ابی بن کعبؓ محفوظ رہے لیکن سیدنا معاویہؓ سے آپ نے کبھی بھی مواخذہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائص جلیلہ کی تعریف فرمائی۔ چنانچہ محمد بن ہیکل نے ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیدنا عمرؓ نے سیدنا شمر جلیلؓ بن حسنہؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ سیدنا معاویہؓ کو گورنر مقرر فرمایا جب امیر المومنینؓ سے سیدنا شمر جلیلؓ بن حسنہؓ کی وجہ معزولی دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

”میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی“ (الفاروق جلد ۱ ص ۲۹۸)

آپ نے ان کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۳۶۲)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہؓ کی قابلیت، ذہانت اور علمی اور فکری خوبیوں سے کس قدر متاثر تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے: ”محب معاویہؓ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں قیصر و کسریٰ کی زیر کی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

(طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۴، ابن اثیر ص ۲۶۳)

ایک مرتبہ آپ کے سامنے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کچھ تاریخی الفاظ کہے گئے آپ نے فرمایا۔
دعونا عن ذم فتی قریش من یضعک فی الغضب ولا یشال ما عندہ علی الرضی ولا یؤخذ ما فوق رأسہ من تحت قدحہ۔

قریش کے اس نوجوان کی بُرائی سے یہیں معاف رکھو۔ یہ نوجوان ایسا ہے جو غصہ میں بھی ہنستا ہے اور سوائے اس کی رہنا کے اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا اور جو کچھ اس کے سر پہ ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۷۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۴) اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران قاروق اعظمؓ نے ایک شخص سے سیدنا معاویہؓ کی اصابت رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو تفرقہ و انتشار سے منع فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۴) سیدنا معاویہؓ صرف ذہانت و فطانت اور تفکر و تدبیر ہی میں نابالغہ روزگار نہ تھے بلکہ تقویٰ و طہارت، اتباع سنت اور علم و عرفان میں بھی ایک نہایت بلند مقام رکھتے تھے وہ صرف خود ہی سنت نبویؐ کے عاشق و شیدائے تھے بلکہ اس معاملہ میں دوسروں کے لیے بھی روشنی کا مینار تھے۔ اسی لیے سیدنا ابوالدرداءؓ اہل شام سے فرمایا کرتے تھے: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا شَبِهَ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا مَكَّمْ هَذَا يَعْنِي: معاویہ۔

میں نے تمہارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے زیادہ متشابہ ہو۔

(منہاج السنہ جلد ۳ صفحہ ۱۸۵)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو فقہیہ بھی فرمایا ہے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱، حجة الاسلام جلد ۱ صفحہ ۱۶۵)

بخاری ہی کی ایک اور حدیث میں سیدنا ابن عباسؓ سے ایک فقہی مسئلہ (ایک

رکعت و زبر پڑھنے کے جواب میں) یہ جواب منقول ہے:۔

انه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔

معاویہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ یعنی وہ آپ

کے صحابی ہیں۔

اس لیے تمہارا اعتراض اُن پر نہیں ہو سکتا، گویا حضور کی صحابیت ایک بہت بڑا شرف ہے۔

پھر سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں تو آپ کے وہ مخفی جوہر کھلے جو قدرت نے ان میں ودیعت فرمائے تھے، اس دور میں آپ نے طرابلس الشام کو فتح کیا، عموریہ پر فوج کشی کی، ملیطہ پر قبضہ کیا، ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب دور درمی قلعے فتح کئے پھر ۳۳ھ میں قبرص (Cyprus) پر فوج کشی کر کے اُس کو اسلامی مملکت کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷) اسلامی بحریہ کی تشکیل کی اور ایک بہت بڑا بحری بیڑا قائم کیا جس کی وجہ سے بحرِ روم مسلمانوں کا بازاری گاہ بن گیا (فتوح البلدان صفحہ ۱۶۸) اور مسلمانوں کے لیے افریقہ اور اسپین وغیرہ کی بحری جہموں کا راستہ کھل گیا۔

اس ساری تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے دل میں اسلام کی اس قدر محبت اور عظمت ہو، جو اپنی جان تک اسلام کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو جو ہر وقت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کرتا ہو، جس کے باپ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنی دونوں آنکھیں قربان کر دی ہوں (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۱) کیا کوئی دماغ یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف کوئی قدم اٹھائے یا تہذیب اسلام کی حدود و ثغور کو پامال کرے یا اسلام کے ان ضابطوں کو توڑے جن کی پابندی اسلام نے ضروری قرار دی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ دشمنانِ صحابہؓ نے ان کے خلاف پراپیگنڈے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اس پراپیگنڈے سے ان کا مقصد نہ صرف سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنا ہے بلکہ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کو بھی اپنے اعتراضات کا ہدف بنانا ہے جنہوں نے ان کو ایسی ذمہ دار جگہوں پر متعین فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا ربیع بن نافع فرمایا کرتے تھے۔

معاویۃ سترکلا صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف
الرجل السترا جئنا علی وراۃ .

سیدنا معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ایک پردہ ہیں، جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اُس کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر لوگوں کی جراتیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی جلد ۲ ص ۲۰۹)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ان کی ذات میں کیڑے نکالتے شروع کر دے گا تو پھر اس شخص کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی صحابیؓ یہاں تک کہ حلقہٴ اربعہؓ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو گروہ آج سیدنا معاویہؓ پر زبان طعن دراز کرتا ہے اُس کی زبان سے ابو بکرؓ صدیق، عمر فاروقؓ، عثمانؓ دوالمورینؓ اور علی المرتضیٰؓ بھی نہیں بچتے، اور وہ اُن پر بھی اُسی دیدہ دلیری کے ساتھ اعتراضات کی پوچھاڑ کرتا ہے جس دیدہ دلیری سے وہ سیدنا معاویہؓ کو ہدف طعن بناتا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین اور دیگر علمائے امت نے بڑی تحقیق و جستجو کے بعد یہ لکھا ہے کہ ۲۔

ومن ذلك احادیث فی ذم معاویة وعمر بن العاص وذم
بنی أمیہ و مدح المنصور والسفاح وكذا ذم یزید
والولید ومروان بن الحکم۔

اور انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنو امیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت میں مروی ہیں (الموضوعات الکبیر ص ۶۱۶-۶۱۷)

نہ صرف سیدنا معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ہی کی مذمت والی احادیث موضوع ہیں بلکہ وہ سب روایات بھی سراپا کذب ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

”اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی مذمت اور برائیاں معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے کچھ تو سراپا جھوٹ ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن میں کمی بیشی کر دی گئی ہے تاکہ ان کے ذریعے سے صحابہؓ کے پاکیزہ دامن کو داغدار کیا جائے (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۹)

سیدنا معاویہؓ اسی علوم و تربیت اور عظمت شان کی وجہ سے متقدمین اہل سنت کا عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص سیدنا علیؓ کے حق پر اور سیدنا معاویہؓ کے خطا پر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے وہ شیعہ ہے۔ جیسا کہ حاکم بن حجرؒ فرماتے ہیں :-
 فالشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان
 وان علیاً کان مصیباً فی حرویه وان مخالفه منطی مع تقدیم
 الشیخین و تفضیلہما۔

متقدمین کے عرف میں سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کی فضیلت اور سیدنا
 جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق و صواب پر ہونے اور آپ کے مخالف سیدنا
 معاویہؓ و دیگر صحابہؓ کے خطا کار ہونے کا اعتقاد "شیعہ" کہلاتا تھا باوجود اس
 کے وہ حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو مقدم اور افضل سمجھے)
 (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹۴، انھا السکن مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۵۹)
 یہ درست ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ہم معصوم نہیں سمجھتے، لیکن وہ ایسے بھی نہیں تھے کہ عام
 لوگوں کی طرح گناہوں میں غلطان رہیں اور شریعت اسلامیہ جس کی اشاعت و ترویج میں
 انہوں نے اپنی جانیں کھپا دیں اور جریرہ عرب، ایران، روم اور افریقہ کے پتے موٹے صحراؤں
 میں اللہ کے راستے میں اسلام کی سر بلندی کی خاطر جہاد کیا اور اپنی راتوں کی نیندیں اور دن
 کا آرام تیاگ دیا، اسی شریعت کو وہ اپنی ذاتی اغراض اور دنیوی منافع کے لیے پامال کر
 دیں بلکہ ان کا ایمان اس قدر نچتہ اور غیر متزلزل تھا کہ حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے
 ایمان کو بطور نمونہ اور مثال پیش کیا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کفار کو مخاطب کیے کے فرماتے ہیں
 اَمْشُوا کَمَا اَمْتَ الشَّاس - (۱۳: ۲)

اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے۔

ایک اور مقام پر فرمایا :-

فَاِنْ اَمْشُوا بِمِثْلِ مَا اَمْتُمْ بِهِ فَقَدْ هْتَدُوا - (۱۳۷: ۲)

تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک یہ بھی راہ ہدایت
 پا گئے۔

کیونکہ صحابہؓ کا ایمان ایک مثالی ایمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نمونہ کے طور پر دنیا کے دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لہذا اگر وہ خود ہی دنیاوی اغراض کے لیے اپنے ایمانی اصولوں کو توڑ دیتے تھے تو ایسا ایمان تو اس قابل نہیں کہ اس کو بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ جو صحابہ کرامؓ کے ایمان اور عمل میں نقص نکالتا ہے۔ وہ خواہ کتنا ہی بڑا مفکر اور عالم اپنے آپ کو ظاہر کرے وہ دراصل زندیق اور ملحد ہے اور صحابہؓ کو مجروح کر کے وہ قرآن و سنت کو مجروح کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے امام المحدثین ابو زرہؒ فرمایا کرتے تھے۔

اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فاعلم انه زندیق وذلك ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء حق واتم اذى اليك هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولي وهم زنادقة.

جب کسی کو کسی صحابی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں، قرآن حق ہے اور جو اس کے ذریعہ پہنچا وہ بھی حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں صحابہؓ ہی نے پہنچایا ہے۔ (جو لوگ صحابہ کرامؓ پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کر دیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں۔ ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور وہ زندیق ہیں۔

(کفایہ صفحہ ۴۹، اصابہ مقدمہ الفصل الثالث ص—)

یہ تو جملہ معترضہ تھا، مقصد یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں، اسلام میں ان کی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے اور انہوں نے اپنی زندگی میں ساری توانائیاں اسلام ہی کے لیے وقف کی ہوئی تھیں۔ ان کے بارہ میں اگر کوئی ایسی روایت

تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ انہوں نے اسلام کی حدود و ثغور کو پامال کیا ہے یا شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف کوئی کام کیا ہے تو ایسی روایت ناقابل یقین بلکہ سراسر پاکذب ہے اور اگر آپ اس روایت کے راویوں کو کرید کر دیکھیں گے تو ضرور ان میں سے کوئی نہ کوئی راوی شیعہ، زندیق یا کذاب نظر آئے گا اور ان راویوں کی زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ وہ صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو برا بھلا بگھڑتے کریں اور اس طریقے سے قرآن و سنت کو مجروح کریں۔ یہ درست ہے کہ بعض صحابہؓ سے کچھ غلطیاں ہوئیں۔ سیدنا علیؓ سے بھی کچھ غلطیاں ہوئیں اور سیدنا معاویہؓ سے بھی، لیکن یہ تو جان بوجھ کر انہوں نے وہ غلطیاں کیں اور نہ ہی سیاسی اغراض کی خاطر احکام شریعت کو پامال کیا یا پس پشت ڈالا بلکہ انہوں نے موقع اور محل کے مطابق اپنے اجتہاد اور تفقہ سے جس چیز کو درست اور حق جانا اُس پر عمل کیا اور اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اس اجتہاد کی وجہ سے انہوں نے بعض معاملات میں مرجوح بات کو اپنایا ہو لیکن اس میں وہ قابل مواخذہ نہیں بلکہ معذور ہیں اور گنہ گار نہیں بلکہ ماجر ہیں۔ (رکما فی الحدیث)

اس اصولی بحث کی روشنی میں اب اگر ہم اُن سب روایات کا تجزیہ کریں جو ان کے گورنروں کی زیادتیوں کے بارہ میں مشہور کی جاتی ہیں اور جن کے ذریعہ سے یہ یاد کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا تھا، تو صاف پتہ چلے گا کہ یا تو وہ روایات ایسے کذاب راویوں سے مروی ہیں جو کذاب کے ساتھ ساتھ صحابہ دشمنی کو بھی اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے یا پھر ان روایات میں یہ واضح ہے کہ اصل معاملہ سیدنا معاویہؓ کے گوش گزارہ کیا گیا بلکہ حقیقت کو چھپا دیا گیا، مثال کے طور پر عبداللہ بن عمرو بن غیلان کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے خطبے کے دوران اُن کو کنکر مار دیا، اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور جس ہاتھ سے اُس نے کنکر مارا تھا وہ کٹوا دیا۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، لیکن جب اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سہیل نہیں۔ (البدایہ جلد ۴ ص ۱۷۱)

اولاً تو یہ روایت قابل قبول نہیں، اس وجہ سے ہی ابن کثیر اور ابن اثیر نے اس کو بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے۔

ثانیاً اگر اس کو صحیح اور درست بھی مان لیا جائے تو پھر بھی سیدنا معاویہؓ اس اعتراض سے بری الذمہ ہیں جو دشمنان صحابہؓ ان پر لگاتے ہیں، اس وجہ سے کہ روایت میں صاف آتا ہے استغاثہ کرنے والوں نے سیدنا معاویہؓ سے استغاثہ میں کہا کہ :-
ان نائیک قطع ید صاحبنا فی شہۃ فأقدنا منه۔

آپ کے نائب نے ہمارے ایک ساتھی کا ہاتھ شہ کی بنا پر کاٹ دیا ہے ہمیں اس سے قصاص دلوائیے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۷۷ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۵۰۱)
طبری نے اگرچہ یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ استغاثہ کرنے والوں نے امیر المومنینؓ سے کہا :-
انہ قطع صاحبنا ظلمًا و هذا کتابہ الیک۔
ہمارے ساتھی کا ہاتھ ظلم سے کاٹا گیا ہے اور یہ اس کا خط آپ کی طرف ہے۔
(طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۳)

لیکن طبری کی اسی روایت میں ہے کہ خط میں یہی لکھا تھا کہ ہاتھ شہ سے کاٹا گیا ہے۔
اب جو ہاتھ شہ میں کاٹا جائے وہ اگرچہ زیادتی اور ظلم ہے لیکن پھر شہ کی بنا پر گورنر کا ہاتھ کاٹنا اسی ظلم اور زیادتی کا اعادہ کرنا ہے جو اس سے پہلے گورنر سے ہو چکی تھی۔ اس استغاثہ کے جواب میں آپ نے گورنر کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ گورنر کو سزا دی کہ اُس کو گورنری کے منصب جلیب سے معزول کر دیا اور استغاثہ کرنے والوں کو بیت المال سے ضمان دلوادی۔ چنانچہ اسی روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ :-
فاعطاہم الدیۃ وعزل ابن غیلان۔

انہوں نے ان کو دیت دیدی اور ابن غیلان کو (سزا کے طور پر) معزول کر دیا۔
روایت تو یہ بتا رہی ہے کہ آپ نے اپنے گورنر کو سزا دی یعنی اُس کو اُس کے عہدے یک قلم معزول کر دیا اور معترضین بس یہی کہے چلے چارے ہیں کہ انہوں نے تو اپنے

گورزوں کو قانون سے بالا رکھا ہوا تھا۔

ثالثاً گورز نے انہیں جو سزا دی تھی وہ ہمارے خیال میں نہایت نرم سزا تھی، کیونکہ گورز ابن عبلان جب منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو اُن پر کٹکری پھینکنا اور اس طرح توہین کرنا کوئی معمولی جرم نہیں تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت اور فتنہ انگیزی تھی جس کی سزا قرآن و حدیث کی رو سے قتل یا سولی یا مخالف طرفوں سے ہاتھ پاؤں کاٹنا شہر بدر کرنا ہے چنانچہ قرآن میں ہے :-

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض
فساداً ان یقتلوا ویصلبوا و تقطع ایدیہم و ارجلہم
من خلاف او ینفون من الارض -

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں (اپنی شرارتوں سے) فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہی تو ہے کہ انہیں قتل کیا یا سولی دیا جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاء وطن کر دیا جائے۔

شاید کوئی معترض یہ نہ کہہ دے کہ اس آیت میں رہزنی اور ڈکیتی کی سزا مذکور ہے لیکن محققین کے نزدیک اس سزا کو ڈکیتی اور رہزنی میں حصر کر دینا صحیح نہیں، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

اکثر مفسرین نے اس جگہ ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جاوے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اس وقت ہی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے ”اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنا یا زمین میں فساد اور بدمعاشی پھیلانا“ یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی ناحق قتل و نہب بھرانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈہ سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنا بالان سزاؤں میں سے جو آگے مذکور

ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

(فوائد عثمانی ص ۱۹، تفسیر انگریزی عبداللہ یوسف علی ص ۲۵۲)

اس آیت کی روشنی میں سوچئے کہ جس شخص نے سیدنا معاویہؓ کے گورنر کو برسر عام کنکری ماری اُس نے نہ صرف اس گورنر کی بلکہ پوری حکومت کی توہین اور بے حرمتی کی جو کہ بغاوت یا مجرمانہ سازش اور مغویانہ پروپیگنڈہ کے تحت آتا ہے اور یہ کام اکیلا آدمی کر بھی نہیں سکتا جب تک کہ اُس کے پیچھے کوئی سازشی ہاتھ نہ ہو۔ لہذا ایک اسلامی حکومت کے خلاف سازش کرنے والے ہاتھ کو اگر کاٹ دیا جائے تو یہ زیادتی نہیں بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ ہے کیونکہ یہ جرم تو قتل کا مقتضی ہے اور ہاتھ کا کاٹنا تو اس کی کم سے کم سزا ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

گورنر کی معزولی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ سیدنا معاویہؓ کو جو رپورٹ پہنچی تھی اُس میں یہ درج تھا کہ اس کا ہاتھ شبہ میں کاٹا گیا ہے۔ اور اگر سیدنا معاویہؓ کو ان تمام حالات کا پتہ چل جاتا جس کے تحت اُس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا تھا تو آپ کبھی بھی اس گورنر کو معزول نہ فرما کئی معترض یہ کہتے ہیں ابن عیلام نے جو خط میں یہ لکھا تھا کہ شبہ کی بنا پر اس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ یہ جھوٹ تھا اور گورنر کو جھوٹ لکھتے خدا کا خوف نہ آیا۔

یہ اعتراض بھی جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ روایات میں یہ آتا ہے کہ گورنر ابن عیلام جب خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے جو بنی ضبہ سے تھا اس نے گورنر پر پتھر اڑا دیا اور گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس پر اس شخص کی قوم گورنر ابن عیلام کے پاس آئی اور یہ عذر پیش کیا کہ جب امیر المومنینؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملے گی کہ ہمارے قبیلہ کے فلاں شخص نے اس طرح پتھر اڑا دیا ہے تو شاید ہمارا بھی وہ حال نہ ہو جو حجر بن عدی کا ہوا تھا اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس آدمی کو سمجھایا ہو کہ تم حکومت کے خلاف بغاوت اور فتنہ پر دازی سے باز آ جاؤ اور اُس نے یہ کہا ہو کہ میرا کسی سازش سے کوئی تعلق نہیں یہ فعل ایسے ہی سہواً مجھ سے ہو گیا اور اس سلسلہ میں کچھ معذرت بھی کی ہو اس وجہ سے گورنر نے امیر المومنینؓ کے نام انہیں یہ خط دیدیا ہو کہ بغاوت کی وجہ سے میں نے اس کا

ہاتھ کاٹا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ باغی اور فتنہ پرداز نہ تھے۔ لہذا اس کا ہاتھ کاٹنا شبہ کی وجہ سے ہے۔ اب اگر سیدنا معاویہؓ اس گورنر کو کوئی سزا بھی نہ دیتے تو آپ حق بجانب تھے لیکن آپ نے پھر بھی اس گورنر کو معزول فرما دیا۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں جب خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ کے اظہار اسلام کو قبول نہ فرماتے ہوئے اسے قتل کر دیا اور سیدنا عمر فاروقؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے اس بات پر اصرار بھی کیا کہ خالدؓ سے قصاص لیا جائے، مگر سیدنا صدیق اکبرؓ نے خالدؓ سے بالکل قصاص نہ لیا اور مقتول کی دیت ادا کر دی۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر عمال حکومت یا کسی دوسرے کارکن سے کوئی ایسی خطا ہو جائے جو اس نے نیک نیتی کے ساتھ اپنے اجتہاد کی وجہ سے کی ہو تو اس غلطی پر اس سے کوئی مٹا خذہ نہیں ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا یہ فعل اس پر ایک تین دلیل ہے۔

اسناد کے لحاظ سے بھی یہ روایت منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے گویا کہ دو تین راوی سند میں سے غائب ہیں۔ وہ حضرات کون تھے؟ ان کا علمی حدود الیہ کیا ہے؟ کچھ یہ نہیں۔

یہ روایت دراصل طبری کی ہے۔ طبری بذاتِ خود شیعہ تھا۔ دوسرے ولید بن ہشام اور علی بن محمد ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور ۲۱۵ھ میں وفات ہوئی۔ اور دوسرا راوی ولید بن ہشام بھی اسی زمانہ میں ہوا ہے جس زمانہ میں علی بن محمد تھا۔ یہ واقعہ ۵۵ھ کا ہے جیسا کہ طبری نے اسے نقل کیا ہے۔ اب وہ دو آدمی جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوتے ہیں وہ اس واقعہ کو کیسے نقل کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ درمیان میں اور دو تین راوی تھے جن کا انقطاع ہو گیا ہے۔ وہ کس قسم کے لوگ تھے؟ ان کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ کچھ معلوم نہیں لہذا سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت منقطع ہے۔

یہ تو طبری کی سند کا حال ہے۔ دوسرے مورخین نے طبری ہی سے ایک واقعہ کو نقل کیا۔ اسی طرح کا ایک اور اعتراض آپ کے دوسرے گورنر امیر زیاد پر کیا جاتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے تو کچھ لوگوں نے ان پر کنکر پھینکے۔ انہوں نے فوراً مسجد کے دروازے بند کر دیے اور کنکر پھینکنے والے

تمام لوگوں کو جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے گرفتار کر کر اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیئے لیکن سیدنا معاویہؓ نے اُس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

اس واقعہ میں راوی کو شبہ ہو گیا ہے یہ دراصل ابن حجر بن عدی کا واقعہ ہے جس کو ہم تفصیل سے بیان آگے کریں گے کیونکہ امیر زیاد نے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر جو سب سے پہلا خطبہ دیا تھا۔ اس میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے امیر زیاد پر تھراؤ کیا تھا۔ وہ لوگ باغی تھے اور حکومت کے خلاف سازشیں اور فتنہ پردازیاں کر رہے تھے۔ کیونکہ کوفہ سیدنا علیؓ کا دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے سپاہیوں کا مرکز تھا اور یہاں ان لوگوں نے انہیں محصور کیا ہوا تھا۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد ان لوگوں نے امت میں تفرقہ برپا کرنے کے لیے سیدنا معاویہؓ کی حکومت کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ اگر ان لوگوں کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کو اس سختی سے نہ روکا جاتا تو شدید خطرہ تھا کہ امت پھر کہیں تشتت و افتراق میں مبتلا نہ ہو جائے اور مسلمانوں کی باہم خانہ جنگی نہ ہو جائے۔

کوفہ کے بعد ان سپاہیوں کا دوسرا مرکز بصرہ تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے بصرہ اور کوفہ میں سیاسی طور پر سخت اور مضبوط گورنر رکھے تاکہ ان فتنہ پردازیوں کو پینے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن ان زہشیوں نے جب اپنی ظاہری فتنہ پردازیوں کو ناکام ہوتے دیکھا تو زیر زمین سازشوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جو ۶۳۸ھ میں شہادت سیدنا حسینؓ پر منتج ہوا۔ لیکن اگر یہ حجر بن عدی کے واقعہ کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ ہے تو امیر زیاد کا یہ فعل کہ انہوں نے فتنہ پردازوں کے ہاتھ کاٹ دیے۔ قرآن کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں سورہ مائدہ (۵ و ۳۶) کی آیت میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

اور اگر کوئی معترض یہ ثابت کرنے پر تیار ہوا ہے کہ امیر زیاد نے ان لوگوں کے ہاتھ کاٹ

سہ افسوس کہ جب ان سپاہیوں اور فتنہ پردازوں کا داؤ پی اُمیر بنہ چلا تو انہوں نے بنی ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا حسینؓ کو اپنی محبت کا دھوکہ دیکر کوفہ بلایا اور پھر ان کا ساتھ چھوڑ کر خود ہی انہیں شہید کر دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل)

کر ظلم کیا تھا اور سیدنا معاویہؓ نے اپنے گورنر کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا تھا۔ تو ہم ان دونوں چیزوں کو مانتے ہوئے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے امیرزید کی اس ساری کارروائی کا سیدنا معاویہؓ کو علم ہو گیا تھا؟ اگر علم نہیں ہوا اور انہوں نے اپنے گورنر کو سزنش نہیں کی تو اس صورت میں ان پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر علم ہوا اور پھر انہوں نے امیرزید کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی تو یہ شنی تواریخ سے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ لہذا کسی صورت میں سیدنا معاویہؓ پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت حضرت بسر بن ارطاةؓ کے بارہ میں نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے یمن میں سیدنا علیؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباسؓ کے دو بچوں کو قتل کر دیا اور ہمدان میں بعض مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔

اولاً اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ بسر بن ارطاةؓ کے بارہ میں اس قسم کی خبریں اور روایات سبائی ذہن کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

وله اخبار شهيرة في الفتن لا ينبغي التشاغل بها۔

بسر بن ارطاةؓ کے متعلق ان فتنوں کے بارہ میں بہت سی روایات زبان زد عام ہیں ان میں مشغول و منہمک نہیں ہونا چاہیئے۔ (الاصابہ جلد ۱ ص ۱۵۳)
علامہ ابن کثیرؒ اس واقعہ سمیت تمام تفصیلات مشکوک اور مشتبہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :-

هذا وهذا الخبر مشهور عند اصحاب المغازی والسیر

وفي صحته عندی نظر۔

یہ خبریں اصحاب مغازی اور سیر کے ہاں مشہور ہیں لیکن میرے نزدیک ان کی صحت مشکوک ہے۔

اگر ان روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ خلاف عقل واقعات ان روایات کے سراپا کذب ہونے پر شاہد ناظر ہیں۔ حضرت بسر بن ارطاةؓ آخر انسان ہی تھے کوئی دیو

تو نہیں تھے۔ دوسرے ان کے ساتھ صرف تین ہزار فوج تھی۔ لیکن روایات بتاتی ہیں کہ میں
میں ان کی آمد کی خبر سن کر سیدنا علیؑ کے گورنر میں سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ اپنے اہل و عیال
کو بے بار و مدد گار چھوڑ کر فوراً کوفہ میں سیدنا علیؑ کے پاس بھاگ گئے۔ چنانچہ ابن جریر طبری
اس روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلما بلغ مسيره فتوالى الكوفة حتى اتى علياً۔
جب انہیں (عبید اللہ بن عباسؓ) بسر بن ارطاة کے زمین (پہنچنے کی
اطلاع ملی تو وہ سیدنا علیؑ کے پاس کوفہ بھاگ گئے۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۰۵)
یہ خون ہاشمی کی کس قدر توہین ہے کہ دشمن کی آمد کی خبر سن کر اُس کا مقابلہ نہیں کیا
بلکہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر کوفہ بھاگ گئے؟ کیا سیدنا علیؑ نے انہیں بھاگنے کے
لیے گورنر مقرر کیا ہوا تھا یا دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے؟

پھر اگر واقعی بسر بن ارطاةؓ نے سیدنا عبید اللہؓ کے بچوں کو قتل کیا ہوتا تو کسی نہ کسی
موقع پر سیدنا معاویہؓ سے کوئی نہ کوئی ہاشمی اُن بچوں کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا۔ اگر
ہاشمیوں کو اس خون کے مطالبہ کا کوئی موقع نہیں ملا تھا تو کم از کم اُس وقت ہی اس قصاص کا
مطالبہ کرتے جب عبدالرحمن بن سمرہ اور عبید اللہ بن عامر سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی
پیش کش لے کر آئے تھے اور جو شرط سیدنا حسنؓ پیش کرتے تھے اُن کو وہ سیدنا معاویہؓ کی طرف
سے قبول کرتے جاتے تھے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۷۲، جلد ۳ صفحہ ۵۳۰)۔
لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے اُس وقت بھی اپنے مظلوم بھتیجوں کے خون کا قصاص لینے کا
مطالبہ نہیں کیا۔

ثانیاً اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی سیدنا معاویہؓ پر اس قتل و غارت کا
کوئی الزام نہیں آتا کیونکہ یہ واقعہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ کا نہیں بلکہ سیدنا علیؑ کی
خلافت کے زمانہ کا ہے اور سیدنا علیؑ پر اس بات کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ ایسے آدمی
سے جہتوں نے گورنر میں کے دو بچوں کو ظالمانہ طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا قصاص لیتے۔
لیکن آپ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

ثالثاً اگر اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ مورد الزام بنتے ہیں کہ سیدنا لیسر بن ارطاةؓ اُن کے آدمی تھے اور ان کے ظلم و تشدد اور قتل و غارت کی ذمہ داری اُن پر عائد ہوتی ہے تو یہی اصول سیدنا علیؓ پر بھی وارد ہونا چاہیے اور اُن کو بھی اپنے سپہ سالاروں اور گورنروں کے ظالمانہ افعال کی وجہ سے مورد الزام بننا چاہیے۔ چنانچہ جہاں لیسر بن ارطاةؓ کے ظلم و تشدد کے واقعات کا تذکرہ ہے وہاں سیدنا علیؓ کے کمانڈر جاریہ بن قدامہؓ کے ظلم و تشدد کا تذکرہ بھی آتا ہے جس کو سیدنا علیؓ نے دو ہزار کا لشکر دے کر بھیجا تھا تاکہ وہ لیسر بن ارطاةؓ کا پیچھا کریں۔ روایات بتاتی ہیں کہ انہوں نے بحر ان پہنچ کر پوری بستی کو آگ لگا دی اور سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں :-

فسار جاریۃ حتی اقی نجران فحرق بہا واخذ ناساً من
شیعة عثمان فقتلہم۔

جاریہ نجران پہنچے اور اس کو جلا دیا اور سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

پھر سیدنا جاریہؓ مدینۃ الرسولؐ پہنچے۔ اُس وقت سیدنا ابوبہریرہؓ لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر نماز کے بیچ ہی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر جاریہ بن قدامہؓ نے کہا :-

واللہ لو اخذت اباسنور لضربت عنقه۔

خدا کی قسم اگر بتی والا (مراد سیدنا ابوبہریرہؓ ہیں) میرے ہاتھ سے چڑھ جاتا تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۰۷، البدایۃ والنبایۃ جلد ۴ ص ۳۲۲)

ابھی جاریہؓ کو سیدنا علیؓ نے بصرہ بھی بھیجا وہاں انہوں نے سیدنا معاویہؓ کے بھیجے ہوئے آدمی عبداللہ بن الحضرمیؓ کا محاصرہ کر کے اُن کے سمیت گھر کو جلا دیا۔

الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۴۷

لہذا اگر لیسر بن ارطاةؓ کی روایات کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو مطعون کیا جاتا تو سیدنا علیؓ کے گورنروں کے مظالم بھی تو انہی کتابوں کی روایات سے ثابت ہیں، ان روایات کو صحیح مانا

کر سیدنا علیؑ پر کیوں اعتراض نہیں کئے جاتے ؟
 صرف ایک گورنر جاریہ بن قدامہؓ کے واقعات ہی کو ملاحظہ فرمائیں کہ اس نے لوگوں
 پر کس قدر ظلم کئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ :-

”جب جاریہ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلاڈالا اور سیدنا عثمانؓ کے
 بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ
 گئے، لیکن جاریہ بن قدامہؓ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا۔“

(طبری جلد ۸ ص ۸۰)

شیعہ مؤرخین نے بھی جاریہ کے ان مظالم کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-
 وقتل من اصحابہ خلقاً واتبعہم بقتل واسدحتی بلغ مکة۔

اور جاریہؓ نے بسر کے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا اور
 انہیں قیدی بنایا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا یہاں تک کہ مکہ پہنچا۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹۹، مروج الذهب المسعودی شیعہ جلد ۳ ص ۳۱)

حافظ ذہبیؒ نے ان مظالم کو یوں بیان کیا ہے :-

”سیدنا علیؑ نے اس موقع پر جاریہ بن قدامہؓ کو روانہ کیا۔ جاریہ بن پہنچا۔
 جس شخص کو بھی وہ سیدنا علیؑ سے منحرف پاتا اسے موت کے گھاٹ
 اتار دیتا اور آگ میں جلا دیتا اس وجہ سے لوگ جاریہ کو ”محرَق“ کہتے تھے

(یعنی جلانے والا) (تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۱۴)

یہاں تک لکھا ہے کہ جاریہ قتل و غارت کرنے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس زمانہ میں وہاں
 کے گورنر سیدنا ابو ہریرہؓ تھے۔ وہ جاریہ کے قتل و غارت کی داستانیں سن چکے تھے۔
 چنانچہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب آپ کے فرار کی خبر ملی تو کہنے لگا اگر میں
 ابو سنور (بتی والے پر) قابو پا لیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

(طبری جلد ۸ ص ۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

اس کے علاوہ روایات میں یہ تو آتا ہے کہ فتنہ کا زمانہ گزر جانے کے بعد سیدنا

معاویہؓ کو پتہ چلا کہ حضرت لیسر بن ارطاةؓ نے سیدنا علیؓ کے حامیوں پر کچھ زیادتیاں کیں ہیں تو آپ نے ان زیادتیوں کی تلافی کر کے لیسر بن ارطاةؓ کو گورنری کے منصب جلیلہ سے ایک قلم معزول کر دیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۹۹) لیکن سیدنا علیؓ کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آتا ہے کہ انہوں نے بھی جباریہ بن قدامہؓ اور دوسرے گورنروں میں سے کسی کو ان کی زیادتیوں کی وجہ سے معزول کیا ہو۔

رابعاً روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا لیسر بن ارطاةؓ ظالم اور تشدد پسند آدمی نہ تھے اور نہ ہی فساد مچانے والے تھے۔ اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی اپنی شہادت ایک بین دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ زہیر بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے ایک جمعہ کو ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ لیسر بن ارطاةؓ میں پہنچ گئے ہیں۔

وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا حَسْبَ إِلَّا هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ سَيَنْظُرُونَ عَلَيْكُمْ
أَلَّا بَعْضِيَانَكُمْ أَمَامَكُمْ وَطَاعَتُهُمْ أَمَانَتُكُمْ وَخِيَانَتُكُمْ
أَمَانَتُهُمْ وَافْسَادُكُمْ أَرْضُكُمْ وَأَصْلَاحُهُمْ۔

بخدا امیراگمان ہے کہ یہ لوگ تم پر ضرور غالب آئیں گے۔ اور یہ صرف تم پر اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور یہ لوگ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ تم لوگ خیانت کرتے ہو اور یہ لوگ امانت دہیں۔ تم زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہو اور یہ اصلاح کرتے ہیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۲۵)

اس روایت میں سیدنا علیؓ تو لیسر بن ارطاةؓ کو زمین میں اصلاح کرنے والا فرما رہے ہیں اور اپنے شیعوں کو فسادی اور خائن فرما رہے ہیں لیکن تیرہ سو سال کے بعد آج کل کے مفکر لیسر بن ارطاةؓ کو فسادی، تشدد پسند اور ظالم کہہ رہے ہیں۔

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں کے فساد اور ظلم سے تنگ آکر آپ کی آنکھوں سے مسلا دھاڑ بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے

وَاللَّهِ إِن مَعَاوِيَةَ صَارَ فَنِي بَكْمُ صَرَفَ الدِّينَارَ بِالدِّينَارِ هَمُّ

فَاخَذَ مَتْنِي عَشْرًا مِنْكُمْ وَاَعْطَانِي رَجُلًا مِنْهُمْ -
 بخدا میری آرزو ہے کہ کاش معاویہؓ مجھ سے اس طرح تبادلہ کر لیں جس طرح
 دینار راثر فیاں م درہوں (روپوں) سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ مجھ سے وہ
 تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دیدیں۔
 (منہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۵۴)

اب رہی یہ بات کہ لبر بن ارطاةؓ نے ہمدانی مسلمان عورتوں کو کنیز بنالیا یہ روایت
 بھی سراسر جھوٹ ہے اسی وجہ سے اس کو سوائے علامہ ابن عبد البر کے اور کسی مؤرخ نے
 نقل نہیں کیا اور ابن عبد البر نے بھی الاستیعاب میں اس کو ایک نہایت مخدوش سند
 کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سند میں راوی موسیٰ بن عبیدہ ہے جس کے متعلق محدثین نے
 لکھا ہے کہ اُس سے روایت کرنا جائزہ نہیں۔

پھر درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت نہایت مخدوش ہے۔ کیونکہ اس خیر القرون
 کے زمانہ میں سیدنا معاویہؓ کا ایک گورنر اگر اس قسم کا مجرمانہ فعل کرتا تو کس طرح ممکن تھا کہ
 سلطنت میں لوگ اس کے خلاف نہ کرتے۔ اور کس طرح اُن کو حکومت کے استحکام میں
 اُن کا ساتھ دیتے وہ وقت تو ایک بحرانی دور تھا۔ اُس میں ظلم و تشدد سے کوئی حکومت
 قائم نہیں ہو سکتی تھی بلکہ صلح و آشتی سے حکومت کا استحکام ہو سکتا تھا۔ ایسی باتیں تو کوئی
 احمق انسان ہی کر سکتا ہے سیدنا معاویہؓ جیسا صاحب بصیرت اور دین انسان اس بحرانی
 دور میں اپنے گورنروں کو اس طرح زیادتیاں کرنے کی اجازت کیسے دے سکتے تھے۔



دیت کے معاملہ میں سنت کی تبدیلی

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض ان کے مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ دیت کے معاملہ میں انہوں نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہؓ نے اُس کو نصف کر دیا اور باقی خود یعنی شروع کر دی۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں یہ تو کسی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ سیدنا معاویہؓ نے اس بارہ میں سنت کو بدل دیا، کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس میں صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا اور صحابہؓ کے اختلاف کی وجہ سے ائمہ فقہاء میں بھی اختلاف چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ ابن رشد القرطبیؒ فرماتے ہیں :-

فان للعلماء في ذلك ثلاثة اقوال: احدها ان ديتهم على النصف من دية المسلم، ذكر انهم على النصف من ذكر ان المسلمين ونساءهم على النصف من نساءهم وبه قال مالك وعمر بن عبد العزيز وعلى هذا تكون دية جراحهم على النصف من دية المسلمين۔

والقول الثاني ان ديتهم ثلث دية المسلم وبه قال الشافعي وهو مروي عن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وقال به جماعة من التابعين۔

۱۔ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے مختلف روایات مروی ہیں ایک روایت تنہائی دیت کی بھی ہے ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۶، ص ۶۵، الجوامع النقی جلد ۸، ص ۱۰۳۔

والقول الثالث ان دیتہم مثل دیتہ المسلمین وبہ
قال ابو حنیفۃ والثوری وجماعۃ وهو مروی عن
ابن مسعود وقد روی عن عمرو عثمان وقال بہ
جماعۃ من التابعین۔

اہل ذمہ کی دیت کے بارہ میں علماء کے تین اقوال ہیں۔
۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ اُن کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ اُن کے
مردوں کی مسلمان مردوں کے نصف اور ان کی عورتوں کی مسلمان عورت کے
نصف دیت ہے۔ یہ قول امام مالکؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ کا ہے۔
۲۔ دوسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ ان کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی
ہے۔ یہ قول امام شافعیؒ کا ہے اور یہی سیدنا عمر بن الخطابؓ اور سیدنا عثمان
بن عفانؓ سے بھی مروی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔
۳۔ تیسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر
ہے یہ قول امام ابو حنیفہؒ امام ثوریؒ اور ایک جماعت کا ہے۔ اور یہی سیدنا
عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے
بھی ایک روایت یہی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔
(بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۴۱۴)

اعتراف کرنے والے تو نصف دیت پر کھڑے ہیں لیکن ابن رشد کی اس عبارت سے
تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک تہائی دیت کا ہے اور اس بارہ میں وہ اکیلے
ہی نہیں بلکہ تابعین کی ایک اچھی خاصی جماعت ان کی ہم نوا ہے اور دو خلیفہ راشد سیدنا
عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم
ہوا کہ دیت کا معاملہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کے مابین بھی اختلاف
ہے اور ہر فرقہ کے پاس دلیل ہے۔ ایسے مسائل میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ فرقہ مخالف نے
سنت کو بدل دیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قلائد مسئلہ میں یہ بات راجح ہے اور

..... یہ مرجوح ہے۔ مثال کے طور پر امام احمد بن حنبلؒ نماز میں رفع الیدین کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب کوئی جاہل ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ چوں کہ رفع الیدین کے قائل ہیں لہذا ائمہوں نے سنت کو بدل دیا اور سنت رفع الیدین کا نہ کرنا ہے حالانکہ اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا رائج ہے اور کرنا مرجوح اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک رفع الیدین کا قول رائج ہے اور نہ کرنے کا مرجوح کیونکہ احادیثی دلائل دونوں طرف ہیں۔ کوئی کسی کو یہ نہیں سکتا ہے کہ فلاں نے سنت کو بدل دیا۔ بالکل اسی طرح امام مالکؒ نصف دیت کے قائل ہیں۔ یہی اختلاف صحابہؓ میں تھا اور یہی تابعین میں۔ اور ہر ایک کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں قرآن و سنت سے دلائل موجود ہیں۔ دلائل میں صرف رائج اور مرجوح کا اختلاف ہے، سنت یا بدعت کا اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ابن رشدؒ ہی نے امام زہریؒ کا ایک واضح قول نقل فرمایا ہے کہ :-

وكانت دية علي عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وابي بكر وعمر وعثمان وعلي حتى كان معاوية فجعل في بيت المال نصفها واعطى اهل المفتول نصفها ثم قضى عمر بن عبد العزيز نصف الدية والفي الذي جعله معاوية في بيت المال -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے عہد خلافت میں دمی کی دیت مسلمان کے برابر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ خلیفہ ہوئے، ائمہوں نے نصف دیت بیت المال کے لیے مقرر کر دی اور نصف مقتول کے وارثوں کو دی۔ جب عمر بن عبد العزیزؓ کا عہد خلافت آیا تو ائمہوں نے صرف نصف دیت کا فیصلہ کیا اور وہ نصف دیت جو سیدنا معاویہؓ نے بیت المال کے لیے مخصوص کی تھی، ساقط کر دی۔ (ردایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۴۴)

قریباً انہی الفاظ سے امام زہریؒ کی اس روایت کو امام بیہقی نے بھی اپنی کتاب السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۱۰۲ پر نقل کیا ہے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں معاہد اور مسلمان کی دیت برابر تھی۔

۲۔ سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بھی مسلمان اور معاہد کی دیت برابر تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں پوری کی پوری دیت مقتول کے وارثوں کو دیدی جاتی۔ لیکن سیدنا معاویہؓ دیت تو پوری لیتے لیکن آدھی بیت المال میں جمع فرماتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے۔

۳۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے قاتل اور اس کے وارثوں سے نصف دیت لیتی شروع کر دی اور سیدنا معاویہؓ جو پوری دیت لیتے تھے اور آدھی بیت المال میں جمع کرتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے۔ آپ نے بیت المال کا حصہ ساقط کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معتز ضنین کا یہ اعتراض کہ سیدنا معاویہؓ نے معاہد اور مسلمان کی برابر دیت کو نصف کر دیا۔ سراسر غلط ہے اور یہ اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ پر نہ کہ سیدنا معاویہؓ پر کیونکہ وہ معاہد کی دیت مسلمان کی دین کے برابر لیتے تھے نہ کہ نصف۔ لیکن یہ یہ معتز ضنین کا نزلہ اگر گرتا ہے تو سیدنا معاویہؓ پر نہ کہ عمر بن عبدالعزیزؓ پر اور میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا معاویہؓ اسلامی تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت ہیں۔ اور ان کے مخالفین نے ان کی ذات کو مورد الزام بنانے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں رکھا۔ افسوس ہے کہ ان مسائل میں بھی جن میں ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہے سیدنا معاویہؓ پر تبدیل سنت کا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ :-

دِیۃُ الْکَافِرِ عَلٰی النِّصْفِ مِنْ دِیۃِ الْمُسْلِمِ

کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

والحدۃ صفحہ ۸۵، بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۱۴۱، نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۴۴، ترمذی جلد ۱

ص ۱۶۹، منهاج المسلم ص ۲۳۱

یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے (باقی اگلے صفحہ پر)

ایک اور روایت میں جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لکھا ہے کہ :-
دِیۃ ذمی دِیۃ مسلم۔

ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ (السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۰۲)

(بقیہ حاشیہ) اس کو "دیت عقل الکافر نصف عقل المؤمن" کے الفاظ سے نقل کیا ہے اور ذیل اللہ
 میں "عقل الکافر نصف دِیۃ المسلم" کے الفاظ سے مرقوم ہے۔ العِدۃ میں یہ الفاظ منقول ہیں :- دیت
 المعاهد نصف دِیۃ المسلم صاحب العِدۃ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضی ان عقل اهل الكتاب
 نصف عقل المسلمین۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد والنسائی
 وابن ماجہ۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اہل کتاب کی دیت مسلمانوں
 کی دیت سے نصف ہے اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ
 نے نقل کیا ہے۔ (العِدۃ ص ۱۸)

امام شافعیؒ نے لکھا ہے :- کہ

فقضی عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی
 دِیۃ الیہودی والنصرانی بثلث دِیۃ المسلم۔

سیدنا عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہودی اور نصرانی کی
 دیت کے بارہ میں مسلمان کی دیت سے تہائی کا فیصلہ دیا۔ (کتاب الاثم جلد ۲ ص ۱۵۱)

بلکہ مجوسی کی دیت ان دونوں حضرات کے نزدیک آٹھ سو درہم ہیں چنانچہ العِدۃ میں مرقوم ہے :-
 ودِیۃ المجوسی ثمان مائۃ درہم وهو قول اکثر اهل العلم
 وهو قول عمر و عثمان وابن مسعود۔

اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ یہ قول اکثر اہل علم کا ہے اور عمر، عثمان اور ابن

مسعود کا بھی یہی قول ہے۔ (العِدۃ ص ۱۸۰، ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۶)

چنانچہ پہلی حدیث امام مالکؒ اور سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ کی دلیل ہے کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور دوسری حدیث امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ان فقہاء کی دلیل ہے جن کے نزدیک معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ روایات کے اسی اختلاف کی بنا پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ :-

لا دلیل فیہ لان الدیۃ لفظ مجمل و رد بیانہ
من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلفاً
ذکرنا من الاختلاف فی دية الرجل والمرأة والحر
والعبد فکذا جازا لاختلاف بین الدیۃ المسلم
والکافر۔

اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔
لفظ دیت مجمل ہے اور اس کی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
سے مختلف طور پر مروی ہے جس طرح مرد اور عورت اور آزاد اور غلام کی دیت
میں اختلاف ہے اسی طرح کافر اور مسلمان کی دیت میں اختلاف جائز ہے۔ قاضی
ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے، (تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۱۹۳)
علامہ رشید رضاؒ نے بھی دیت کے بارہ میں اتنی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ (ملاحظہ
ہو تفسیر المتار جلد ۵ ص ۳۳۴)

احادیث کے اسی اختلاف پر امام ترمذیؒ ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں :-
حدیث عبد اللہ بن عمرؓ فی ہذا الباب حدیث
حسن و اختلف اهل العلم فی دية الیہودی والنصرانی
فذهب بعض اهل العلم الی ما روی عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وقال عمر بن عبد العزیز دية
الیہودی والنصرانی نصف دية المسلم و یہذا
یقول احمد بن حنبل وقال بعض اهل العلم دية

اليهودي والنصراني مثل دية المسلم وهو قول
سفيان الثوري واهل الكوفة -

اس باب میں عبد اللہ بن عمر کی حدیث "حدیث حسن" ہے اور یہودی اور نصرانی
کے بارہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا وہ مسلک ہے جو نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، عمر بن عبد العزیز کا قول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی
دیت مسلمان سے نصف ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور بعض اہل علم
یہ کہتے ہیں یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کے برابر ہے۔ اور یہی قول سفيان
ثوري اور اہل کوفہ کا ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۹)

حدیث دية المعاهد نصف دية الحر۔ پر تبصرہ فرماتے ہوئے
علامہ مہاء الدین عبد الرحمن المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں۔

قال الخطابي: ليس في دية اهل الكتاب شيء ابيت
من هذا ولا بأس باسنادة وقد قال به الامام احمد -
خطابی فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی دیت کے بارہ میں اس سے زیادہ واضح اور
کوئی چیز نہیں اور اس کی اسناد میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہی امام احمد بن حنبل کا
قول ہے۔

مہر حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد روایات کے اختلاف پر ہے۔
سیدنا معاویہؓ کو جو کہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱) لہذا انہوں نے نصف دیت
اور پوری دیت کی روایات میں تطبیق دی۔ اور اس کی صورت یہ اختیار کی کہ نصف دیت
مقتول کے داروں کو دی جاتی اور نصف دیت بیت المال میں جمع ہوتی کیونکہ اس دمی کی موت
سے سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ ایک دمی کے قتل سے اگر اس کے عزیز و اقارب کو
نقصان پہنچا ہے تو سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچا ہے یعنی اس کا جزیرہ بیت
المال میں جانا بند ہو گیا، لہذا دیت کا نصف مقتول کے عزیز و اقارب کو دے دیا

جائے اور نصف سرکاری خزانہ کو۔ اس کے بعد ذمیوں میں سے ایک اور شخص قتل ہوا تو سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ جو رقم ہم سرکاری خزانہ میں داخل کر رہے ہیں اگر ہم اس پر غور و فکر کریں تو اس سے ایک طرف تو مسلمان کا بوجھ ہلکا ہوا اور دوسری طرف ان کے لیے اعانت و امداد بھی ہو گئی۔

(البحر النقی جلد ۸ ص ۱۰۳، ۱۰۴، مراسیل البوراء ص ۱۳)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سیدنا معاویہؓ پر ایک جاہلانہ اتہام ہے کہ انہوں نے سنت نبویؐ کو بدل دیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قبیحانہ ذہانت سے مختلف قسموں کی احادیث میں تطبیق دی ہے، لیکن کیا کیا جائے تعصب اور جہالت کا کہ جو ان کی خوبی اور کمال تھا اُس کو ان کے دشمنوں نے بُرائی اور نقص سمجھ لیا۔

یہ تو تھا جواب اس بات کا کہ سیدنا معاویہؓ دہی کی نصف دیت اس کے ورثاء کو دیتے اور نصف بیت المال میں جمع کراتے کیونکہ دہی کے مرنے سے اگر اس کے اہل و عیال اور ورثاء کو نقصان ہوا ہے تو حکومت اسلامیہ کے بیت المال کو بھی نقصان ہوا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں اخذ بنفسہ کہ آدھی دیت وہ اپنی ذات کے لیے رکھ لیتے۔ ایسے الفاظ اور تو کسی راوی نے بیان نہیں کئے یہ ابن شہاب الزہریؒ کی بیان کردہ روایات میں آئے ہیں جو کہ سیدنا معاویہؓ پر انہوں نے زیادتی کی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کا رکنا حکومت کو حکم فرما رہے ہیں کہ :-

فا جعلوا البيت المسلمين النصف ولاهله النصف خمس مائة دينار

آدھی دیت مسلمانوں کے بیت المال کے لیے رکھ لو اور دوسرے آدھے پانچ سو

دینار اس کے اہل و عیال کو دے دو۔ (المراسیل للبیہاوی ص ۲۹)

لیکن ابن شہاب الزہریؒ کے دل میں معلوم نہیں سیدنا معاویہؓ کے لیے کس قدر بغض بھرا ہوا ہے کہ وہ اپنی طرف سے روایت میں اور دلچ کر کے کہہ دیتے ہیں "واخذ لنفسه" آدھی دیت وہ اپنی ذات کے لیے رکھ لیتے۔

یہ ابن شہاب الزہریؒ بھی معلوم نہیں کیا شے تھے۔ اہل سنت انہیں اپنا امام تصور

کرتے ہیں۔ احادیث کی کتابیں ان کی روایات سے بھری پڑی ہیں اور یہ اپنی بیان کردہ ہر حدیث میں وہ جملے اپنی طرف سے داخل کر دیتے ہیں جن سے شیعہ کی تائید اور صحابہ کرام کی تنقیص ہوتی ہو۔ چنانچہ جن روایات میں ہے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ فاطمہؓ سیدنا ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئیں اور پھر انتقال تک انہوں نے ابوبکرؓ سے کلام نہ کیا۔ یہ الفاظ ابن شہاب الزہری نے داخل کئے ہوئے ہیں۔ گویا ابن شہاب الزہری نے اہل سنت کی کتابوں میں شیعیت داخل کی ہوئی ہے۔

ایسے ہی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت چھ ماہ کے بعد کی۔ ان سب روایات میں بھی ابن شہاب الزہری گھسٹا ہوا ہے۔ ان روایات میں یہ الفاظ اس کا اوپر اسٹاپ ہیں جیسا کہ محدثین نے لکھا ہے۔ (الاغتقاد علیٰ مذہب السلف، بیہقی ص ۸) حالانکہ روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے بھی سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت اسی روز کی تھی جس روز دوسرے صحابہ کرامؓ نے کی تھی (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹، جلد ۶ ص ۳۰۲، انساب الاشراف جلد ۱ ص ۵۸۵، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۶، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ ص ۱۴۳، ص ۱۵۲، ۱۵۳، ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱۵۴)

اسی طرح یہ روایت کہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے عبداللہ بن عثمانؓ بن عفان چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے اس کے راوی بھی ابن شہاب الزہری ہیں (تاریخ صغیر بلخاری ص ۳۲) اور عبداللہ بن عثمانؓ کو مرغ کی ٹھونگ سے اس لیے انتقال کروایا تاکہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے مقابلہ میں کوئی تیسرا نواسہ رسول ثابت نہ ہو جائے حالانکہ مرغ کی ٹھونگ مارنے کا قصہ ہی ابن شہاب الزہری کا اپنا بتایا ہوا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

یہ روایت کہ سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا اور خلیفہ مسلمین سیدنا ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیدہ فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ روایت بھی ابن شہاب الزہری کی ہے جو کہ اس کا تفراد اور ادراج ہے، جبکہ دوسری روایات میں کہ سیدہ کی نماز جنازہ ابوبکرؓ نے پڑھائی تھی اور سیدنا علیؓ نے ان کو باقاعدہ اس بارہ میں اطلاع دی تھی۔

۱۱۱
اسی طرح جن روایات میں سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ :-

وَأُولَٰئِكَ مِنْ وَرَثَةِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْكَافِرِ مَعَاوِيَةَ -

اور وہ پہلا شخص جس نے مسلمان کو کافر کا وارث بنایا، معاویہؓ تھا۔

یہ قول بھی ابن شہاب الزہری کا ہے اور اسی نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ بہتان لگایا ہے۔

اسی طرح مسئلہ یمین مع الشاہد کے بارہ میں بھی سیدنا معاویہؓ پر یہ بہتان کہ اول من

قضى به معاوية ابن شهاب الزهري کا ہے۔ حالانکہ اس بارہ میں مرفوع حدیث موجود ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى یمین

وشاہد -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

(السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۲ ص ۱۷۱، باب القضاء یمین مع الشاہد)

اسی طرح اور بے شمار مسائل میں ان حضرات نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر اہل سنت کی

بے شمار روایات میں شیعیت گھسیڑ دی ہوئی ہے۔ ان روایات میں صرف چند ایک ہم نے اوپر

بیان کیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام ربیعہ بن عبد الرحمنؒ نے ابن شہاب الزہری کو نصیحت کرتے

ہوئے فرمایا تھا کہ :-

جب آپ لوگوں کو روایت بیان کریں تو اپنی رائے اور روایت میں فرق رکھا

کریں تاکہ لوگوں کو آپ کی رائے اور روایت میں فرق معلوم ہو سکے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۵ ص ۲۴۸)

تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہاب الزہری اندر سے رافضی

تھا اور تقیہ کر کے اہل سنت کے محدثین میں شمار ہوتا تھا، لیکن حدیث اور تاریخ کی ہر وہ

روایت جس کا تعلق بنو امیہ اور بنو ہاشم سے ہے، ان حضرات نے اس میں اپنے رقص کے جوہر

دکھائے ہیں۔ چنانچہ مولانا پیر قمر الدین سیالوی نے ابن شہاب الزہری کے بارہ میں فدک

والی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :-

اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی

بیت المال کے اموال میں ضابطگی

بعض حضرات سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ وہ بیت المال کے اموال میں بڑے ضابطگیاں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل اس روایت کو دیتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے گورنر بصرہ زیاد نے الحکم بن عمروؓ کو اپنا نائب بنا کر خراسان بھیجا۔ خراسان کے علاقہ میں ان کے ذریعہ بیت فتوحات ہوئیں اور بیت سامال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ الحکم بن عمروؓ نے غنیمت کے ان اموال کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران سیدنا معاویہؓ کی طرف سے گورنر بصرہ زیاد کو ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ علاقہ سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اور نفیس اموال ان کے لیے نکال لیے جائیں اور باقی مال کو شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا معاویہؓ کا تقسیم اموال کا یہ طریقہ بالکل غیر شرعی ہے اور کتاب و سنت کی صریح خلاف ورزی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور ایک منقطع روایت سے ایک صحابی کی شخصیت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

”ہر وہ تاریخی روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن کیا جاتا ہے قابل رد ہے۔“ (احکام القرآن عربی جلد ۴ ص ۲۷۴)

امام نوویؒ نے تو اس سے بھی زیادہ سخت بات فرمائی ہے کہ :-

”علماء فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے بظاہر کسی صحابیؓ پر اعتراض وارد ہوتا ہو اس کی تاویل واجب ہے۔ اور علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات انہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو۔“

(نووی شرح مسلم جلد ۷ ص ۲۷۸)

بیت المال کے اموال میں ضابطگی

بعض حضرات سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ وہ بیت المال کے اموال میں بڑی بے ضابطگیاں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل اس روایت کو بتاتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے گورنر بصرہ زیاد نے الحکم بن عمروؓ کو اپنا نائب بنا کر خراسان بھیجا۔ خراسان کے علاقہ میں ان کے ذریعہ بہت فتوحات ہوئیں اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ الحکم بن عمروؓ نے غنیمت کے ان اموال کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران سیدنا معاویہؓ کی طرف سے گورنر بصرہ زیاد کو ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ علاقہ سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اور نفیس اموال ان کے لیے نکال لیے جائیں اور باقی مال کو شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا معاویہؓ کا تقسیم اموال کا یہ طریقہ بالکل غیر شرعی ہے اور کتاب و سنت کی صریح خلاف ورزی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور ایک منقطع روایت سے ایک صحابی کی شخصیت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

”ہر وہ تاریخی روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن کیا جاتا

ہے قابل رد ہے۔“ (احکام القرآن عربی جلد ۴ ص ۲۷۷)

امام نوویؒ نے تو اس سے بھی زیادہ سخت بات فرمائی ہے کہ :-

”علماء فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے بظاہر کسی صحابیؓ پر اعتراض وارد

ہوتا ہو اس کی تاویل واجب ہے۔ اور علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح روایات

میں ایسی کوئی بات انہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو

(نووی شرح مسلم جلد ۷ ص ۲۷۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی فرماتے ہیں :-
 صحابہ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں - وہ قطعی ہیں - جو احادیث صحیحہ ان
 کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ
 تواریخ کی روایات ان کے سامنے بیچ ہیں - اس لیے اگر کسی تاریخی روایت
 میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض پیدا ہوگا تو تواریخ کو غلط کہتا
 ضروری ہے - (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۲۲)

حضرت شیخ الاسلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :-

”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل
 عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود
 اور ماقول قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخی - اب آپ اصول تنقید
 کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے“ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۲۶)

ایسی ہی بات شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھی ہے - (ملاحظہ ہو منہاج السنہ
 جلد ۲ ص ۲۹) اب اس منقطع روایت کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ پر
 کیسے طعن کیا جاسکتا ہے؟

اگر اس روایت کو کچھ اہمیت دے بھی دی جائے تو بھی سیدنا معاویہؓ کی ذات پر کچھ
 طعن نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ وہ مال غنیمت میں سے جو کچھ بھی الحکم بن عمروؓ سے مانگ
 رہے تھے وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ حکومت کے بیت المال کے لیے مانگ رہے تھے -
 دوسرے لفظوں میں مرکزی حکومت کے لیے مانگ رہے تھے - چنانچہ حاکم ابن کثیرؒ نے
 صاف لکھا ہے کہ جو حکم سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو مال جمع کرنے کے لیے تحریر فرمایا اس کے
 الفاظ یہ ہیں کہ :-

يجمع كل من هذه الغنيمة لبیت المال -

اس غنیمت سے بیت المال کے لیے مال لیا جائے -

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۹)

ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں :-

ان یصطفیٰ من الفئیمۃ لمعاویۃ ما فیہا من
الذهب والفضۃ لبیت مالہ -

(البدایۃ والنهایۃ ج ۸ ص ۸۷)

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مال مرکزی حکومت کے بیت المال کے لیے مانگ رہے
تھے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ سیدنا معاویہؓ کوئی معمولی صحابی نہیں تھے۔ وہ فقیہ الامت تھے
(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱) بلکہ ایک روایت کے مطابق سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-
لیس احد منا اعلم من معاویۃ -

ہم میں معاویہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۳ ص ۲۶)
اس وجہ سے وہ تقسیم مال کے مسئلہ میں لوگوں کے ساتھ نہایت درست معاملہ رکھتے
تھے اور غنائم اور دوسرے اموال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرماتے تھے۔ اگر وہ غنائم
اور اموال حکومت کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم نہ فرماتے جیسا کہ معتز ضیہ خیال کرتے
ہیں تو اس زمانہ میں جو اکابر صحابہؓ موجود تھے جیسے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن
سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عقیل ابن ابی طالبؓ، سیدنا
میسور بن مخزومؓ، سیدنا ضحاک بن قیسؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور سب سے بڑھ کر سیدہ
عائشہ صدیقہ اُم المومنین سلام اللہ علیہا ضرور اس معاملہ میں ان کی گرفت فرماتے اور
اور انہیں اس معاملہ میں ضرور ٹوکتے لیکن تاریخ کی کتابوں میں ایک بھی ایسی روایت نہیں
ہے کہ انہوں نے اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ پر کوئی اعتراض کیا ہو حالانکہ وہ حضرات ایسے
معاملات میں خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا الحکم بن عمروؓ نے سیدنا معاویہؓ کے مال عنیت کے
بارہ میں مرکزی حکومت کو مال بھیجنے کے حکم کی تعمیل نہ کی اور ان کے حکم کے خلاف اموال
غنائم میں سے خمس علیحدہ کر کے باقی مال مجاہدین میں وہیں تقسیم کر دیا۔ سیدنا معاویہؓ کو
جب ان کے اس فعل کا پتہ چلا تو انہوں نے الحکم بن عمروؓ کے بارہ لوگوں سے رائے

پوچھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کے مطابق مرکز کے احکام نہ ملنے پر ان کے لیے سزا تجویز کی۔ بلکہ بعض نے تو ہاتھ پاؤں کاٹنے تک کی سزا تجویز کی۔ لیکن آپ نے ان سب لوگوں کو جو جواب دیا اس نے نہ صرف ان لوگوں کو بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ششدر کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا:-

”میں اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیسے کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے خط پر ترجیح دی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے پر مقدم رکھا۔ اس شخص نے نہایت اچھا کردار ادا کیا اور صحیح و درست کارکردگی کی۔“

سیدنا معاویہؓ کے اس کردار سے اندازہ لگالیں کہ وہ سنت نبویؐ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے کیسے گردن جھکانے والے تھے اور معترضین کو پھر بھی ان کی ذات میں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔



سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ قصاص

بعض حضرات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ انہیں سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق سیدنا عثمانؓ کی اولاد اور ان کے وارثان کا تھا بلکہ شرعی طور پر اقرب اولاد کا تھا۔

معتز ضین کا یہ اعتراض کئی لحاظ سے غلط ہے جس کی کئی وجوہات ہیں :-
۱۔ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عثمانؓ آپس میں نہایت قریبی تعلق دار تھے اور تیسری پشت کے دونوں کے جدِ اعلیٰ ایک تھے۔ چنانچہ دونوں کا نسب نامہ حسب ذیل ہے :-
سیدنا عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف
سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف
گویا امیہ دونوں حضرات کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں اموی تھے۔
اس تعلق کی وجہ سے بھی آپ کو قصاص عثمانؓ کا حق حاصل تھا۔

۲۔ سیدنا عثمانؓ اور سیدنا معاویہؓ اس سے بھی اور قریبی تعلق یہ تھا کہ دونوں حضرات آپس میں ایک دوسرے کے سمدھی تھے۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ کی بیٹی رملہ بنت معاویہؓ سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا عمرو بن عثمانؓ کے حوالہ عقد میں تھیں۔

(زاد بنح ابن عساکر، تراجم النساء تحت رملہ بنت معاویہؓ)

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ خاندان بنو امیہ میں اس وقت سیدنا معاویہؓ ہی عمر اور منصب و عہدہ کے لحاظ سے بزرگ ترین شخصیت تھے اس وجہ سے سیدنا عثمانؓ کی اولاد نے انہیں قصاص کا یہ معاملہ سپرد کیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا کہ جب ابو مسلم خولانیؓ آپ سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آئے تو سیدنا معاویہؓ نے اس وقت ان سے

اپنے مطالبہ کی صداقت اور حقانیت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ فرمایا :-
 انا ابن عتہ وانا اطلب بدمہ وامرہ الی۔

میں سیدنا عثمانؓ کا چچا زاد بھائی ہوں اور میں اس لیے آپ کے خون کے قصاص
 کا مطالبہ کر رہا ہوں کہ آپ کے ورثاء نے یہ معاملہ میرے سپرد کیا ہے۔
 (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۹)

اس سے صاف پتہ چلا کہ سیدنا معاویہؓ صرف اپنی طرف سے خون عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے
 تھے بلکہ سیدنا عثمانؓ کی تمام اولاد اس مطالبہ میں ان کے ساتھ تھی بلکہ اصل مطالبہ تو ان کا تھا یہ
 چچا کے بیٹے ہونے اور خاندان بنو اُمیہ کے بزرگ ہونے کے ناطے ان کی طرف سے یہ مطالبہ
 کر رہے اور یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ سلیم بن قیس الہلالی
 شیعہ نے لکھا ہے :-

ان معاویۃ یطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان
 حتی استمالوا اهل الشام واجتمعت کلماتهم۔

بے شک خون عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ابان
 بن عثمانؓ اور ان کے دوسرے صاحبزادے تھے یہاں تک کہ تمام اہل شام ان
 کے ساتھ ہو گئے۔ (کتاب سلیم بن قیس ص ۱۵۳)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا خون عثمانؓ کے مطالبہ قصاص کا
 اقدام بالکل درست اور صحیح تھا کیونکہ سیدنا عثمانؓ کے ورثاء خصوصی طور پر ان کی اولاد نے اپنی
 تمام تر ذمہ داری سیدنا معاویہؓ کے کاندھوں پر ڈال دی تھی کیونکہ وہ بنو اُمیہ میں اس وقت ہر
 لحاظ سے بڑے تھے۔ لہذا انہوں نے کسی شرعی قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔



بسر بن ارطاة کے مظالم

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کے ایک جرنیل بسر بن ارطاة نے مختلف لوگوں پر بہت مظالم کیے اور اس سلسلہ میں یہ واقعہ ان کی داستانِ ظلم کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

سیدنا علیؓ کی طرف سے حجاز و یمن کے علاقہ میں ان کے چچا زاد بھائی سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ گورنر تھے۔ فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ نے بسر بن ارطاة کو اسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ بسر بن ارطاة جب اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے کئی لوگوں کو ناحق قتل کر دیا۔ سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ تو اس سے ڈر کر کوفہ چلے گئے لیکن بسر بن ارطاة نے ان کے دو صغیر السن بیٹوں کو قتل کر دیا۔ اس ظلم پر سیدنا معاویہؓ نے بسر کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ایکشن لیا۔ گویا کہ وہ اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے۔

سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ روایت کہ بسر بن ارطاة نے سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن بیٹوں کو قتل کر دیا۔ اکابر مؤرخین نے ان کو بسر کے حالات میں ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اور تو بسر کے سارے حالات کا ذکر کیا۔ لیکن بچوں کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔ اس کو سب سے پہلے طبریؒ نے ذکر کیا اور دوسرے تمام مؤرخین طبریؒ کی اتباع میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور طبریؒ کے بارہ میں ہم نے لکھا کہ وہ شیعہ تھا۔ شیعہ خواہ کتنا ہی نرم کیوں نہ ہو سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اس کے جذبات کبھی بھی نرم نہ ہوں گے۔

طبریؒ نے اس قتل کو ۳۸ھ کے واقعات کے تحت ذکر کیا ہے اور اس کی سند جو نقل کی ہے وہ عن زیاد بن عبد اللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویہ..... ہے۔ اس عوانہ صاحب کا انتقال بقول ابن حجر ۱۵۸ھ میں ہوا جبکہ یہ واقعہ ۳۸ھ میں

ظہور پذیر ہوا۔ عوانہ ۱۴۸ سال زندہ رہا یہ ناممکن ہے۔ اور اگر اس کی عمر ۴۸ سال مان لی جائے تو اس وقت جب لیس نے سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کے بیٹوں عبدالرحمن اور قثم کو قتل کیا تھا عوانہ کی عمر صرف ایک سال تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ درمیان سے ایک دو راوی غائب ہیں۔ وہ راوی کون تھے؟ کیسے تھے؟ یہ معلوم نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ابن کثیرؒ جیسے عالم نے اس واقعہ کو ذکر کرتے کے بعد یہ لکھا کہ۔
 ھذا الخبر مشہور عند اصحاب المغازی والسیرونی
 صحته عندی نظر۔

(ان دو بچوں کا قتل) اگرچہ علمائے مغازی و سیر کے ہاں بہت مشہور ہے
 لیکن میرے نزدیک اس کی صحت محل نظر ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۳۲۲)

درایت کے لحاظ سے سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کے دونوں بچوں (عبدالرحمن و قثم) کا قتل صحیح اور درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا علیؓ اور سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ نے کبھی بھی ان دو بچوں کے قصاص یا دیت کا سیدنا معاویہؓ سے مطالبہ نہیں کیا۔ پھر نہ وہ میں جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کی اور خلافت ان کے سپرد فرمادی اس موقع پر بھی انہوں نے ان صغیر السن بچوں کے ناحق قتل پر قصاص اور دیت طلب نہیں کی حالانکہ سیدنا معاویہؓ اس وقت سیدنا حسنؓ کی ہر شرط ماننے پر تیار تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس صلح میں سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ خود موجود تھے انہوں نے خود بھی اس وقت اس بارہ میں کوئی بات نہیں کی، حالانکہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴)

صلح کے بعد بھی ان ہاشمی حضرات کے سیدنا معاویہؓ سے بڑے اچھے تعلقات رہے یہ سب حضرات ان کے پاس عطیات اور ہدیے وصول کرنے کے لیے جاتے۔ خود سیدنا عبید اللہ بھی کئی دفعہ گئے لیکن اس معاملہ کے بارہ میں سب کی زبانیں خاموش رہیں، بلکہ ایک مرتبہ سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ نے تو یوں فرمایا تھا۔

یہ ابن ہند (سیدنا معاویہؓ) کی خوبی اللہ کے لیے ہے۔ وہ بیس سال تک ہمارے

والی اور خلیفہ رہے۔ وہ خواہ ممبر رہتے یا قریش زمین پر انہوں نے ہمیں کسی قسم کی
ادیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انہوں نے ہمارے ساتھ اچھے طریقے سے صلہ رحمی
قائم رکھی اور ہماری ضروریات زندگی کو پورا کرتے رہے۔

(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۶۸)

ان سب دلائل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ کہ بسرن ارطاة نے سیدنا عبداللہ
بن عباسؓ کے دو کمسن بچوں (عبدالرحمن اور قثم) کو انہوں نے ناحق قتل کر دیا، صرف سیدنا معاویہؓ
کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر اس واقعہ میں حقیقت
کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کبھی بھی اپنی صاحبزادی سیدہ لبابہ بنت
عبداللہ بن عباسؓ کو سیدنا معاویہؓ کے سگے بھتیجے سیدنا ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کے حوالہ
عقد میں نہ دے دیتے۔ اس سے ان کا ایک لڑکا قاسم بن ولید بن عتبہ بھی پیدا ہوا۔ اگر کوئی
شخص ہمارے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے تو ہم تو ساری زندگی ان سے تعلقات نہ رکھیں
اور خاندان نبوت کے لوگ (معاذ اللہ) اتنے ہی بے حمیت تھے کہ وہ ان کے ساتھ پھر نہ
سرے سے دوستی کے رشتے استوار کریں۔ یہ خاندان نبوت کی بہت بڑی ٹوہین ہے۔

بسر بن ارطاة کا یہ واقعہ جس کے بارہ میں اکابر مؤرخین نے فی صحتہ عندی نظر
کہہ کر اس کو مخدوش کر دیا ہے لیکن پھر بھی طبری اور دوسرے شیعہ مؤرخین نے اس کو خوب اچھا
ہے اور سیدنا معاویہؓ کے مطاعن میں اسے بیان کیا ہے، لیکن جب اس سے بڑے بڑے
مظالم سیدنا علیؓ کے گورنروں کے ہاتھوں سے ہوئے اور سیدنا علیؓ نے ان سے کوئی مواخذہ
اور گرفت نہ کی، ان واقعات کو اس قدر کیوں نہیں اچھا لاجاتا بلکہ سیدنا علیؓ کی طرف سے
کیوں وکالت کے فرائض سرانجام دیے جاتے ہیں۔

تاریخ کے وہی رپورٹرجنوں نے بسرن ارطاة کی داستان مظالم تاریخ کے صفحات
پر ثبت کی ہے وہ اس سے زیادہ سیاہ حروف میں جاریہ بن قدامہ کے ظلم کی داستان
جریدہ تاریخ پر رقم کرتے ہیں۔ یہ جاریہ بن قدامہ کون تھے؟ اور ان کو کس نے بھیجا تھا؟
مؤرخین نے یوں بیان کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا گورنر بسرن ارطاة جو کہ حجاز کا موالی تھا

جب یمن پہنچا تو اس کی عبید اللہ بن عباسؓ گورنر یمن سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ عبید اللہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر کوفہ چلے گئے لیکن ان کے دو کمسن بچے عبدالرحمن اور قثم پیچھے رہ گئے۔ بسر نے ان دونوں کو ناحق قتل کر دیا۔ بسر کو اس جرم کی سزا دینے کے لیے سیدنا علیؓ نے جاریہ بن قذیمہ بھیجا۔ جاریہ جو نہی نجران پہنچا۔ اس نے وہاں کے بے قصور لوگوں کو ناحق قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور نہ صرف قتل کیا بلکہ زندہ جلا ڈالا۔ یہ ناحق قتل سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کا کیا گیا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گئے (کیونکہ یہ بسر سے زیادہ ظالم و بھارتیہ ہوا) جاریہ نے مکہ مکرمہ تک ان کا تعاقب کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲، طبری جلد ۶ ص ۸۰۸)

جاریہ بن قدامہ کے اس ظلم و استبداد اور اس کے قتل عام کو خود شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ یعقوبی شیعہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ :-
”بسر کے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جاریہ نے قتل کیا اور ان کو قیدی بنایا یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ تک پہنچ گیا“

(یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹۹، مروج الذهب، مسعودی شیعہ جلد ۳ ص ۳۱)
حافظ ذہبی کا قلم بھی اس کے ظلم کی داستان کو ان الفاظ میں رقم کرتا ہے کہ :-
سیدنا علیؓ نے اس موقع پر جاریہ کو روانہ فرمایا۔ جاریہ جب یمن پہنچا تو وہ ہر اس شخص کو قتل کر دیتا اور زندہ جلا دیتا جس کو سیدنا علیؓ متحرف پاتا۔ اس بناء پر لوگ جاریہ بن قدامہ کو ”محرق“ (جلا دینے والا) کہنے لگے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱۴)

جاریہ نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ وہ قتل و غارت گزنا اور آگ کے شعلے برساتنا ہوا مدینہ طیبہ تک جا پہنچا یہاں ان دنوں سیدنا ابوبکرؓ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت اور ظلم و استبداد کے بارہ میں وہ پہلے ہی سُن چکے تھے، لہذا جب انہوں نے سنا کہ وہ مدینہ طیبہ بھی پہنچ گیا ہے تو وہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب پتہ چلا کہ ابوبکرؓ

بھاگ گئے ہیں تو وہ کہنے لگا کہ اگر میں ابو سنور ربتی والے) کو پالیتا تو اس کی گردن مار دیتا۔

(طبری جلد ۶ ص ۱۷۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

یہ مختصر داستان ہے ان مظالم کی جو آپ کے صرف ایک گورنر جاریہ بن قدامہ سے سرزد ہوئے لیکن اگر مالک الاشتر اور دوسرے کئی ایک گورنروں کی داستان ظلم بیان کی جائے تو قلم کے قدم رک رک جاتے ہیں اور سینہ قرطاس سے پتھیں بلند ہونی شروع ہو جاتی ہیں لیکن تاریخ کے اوراق کو کھنگال لیجئے آپ کو یہی نظر آئے گا کہ سیدنا علیؑ نے ان گورنروں سے چشم پوشی ہی کی۔ اور جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر وغیرہ سے نہ کوئی باز پرس کی اور نہ انہیں کوئی سزا دی۔ لیکن معترضین کا نہ صرف اور صرف مظلوم معاویہؓ پر گرتا ہے اور سیدنا علیؑ کے بارہ میں ان کی زبانوں سے کچھ نہیں نکلتا۔ کیا ان معترضین کو جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر کی چہرہ دستیاں نظر نہیں آتیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کے گورنر بسرن ارطاة کے تجاوزات پڑھ کر وہ اگر چیخ اٹھتے ہیں تو سیدنا علیؑ کے گورنروں جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر کی چہرہ دستیاں سے بھی ان کے دل ہل جانے چاہیں۔

یہ تو ایک الزامی جواب تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ دشمنان صحابہؓ نے اس قسم کی داستانیں صحابہ کرامؓ کو مطعون کرنے کے لیے تاریخ کے اوراق میں گھسیٹ دی ہوئی ہیں۔ ہمارا مسلک اور موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رضوانہ اللہ علیہم اجمعین یا سیدنا معاویہؓ کا دامن ظلم کی ان داستانوں سے پاک ہے۔ اور تاریخ کی ان متقطع اور ترقیہ باز راویوں کی روایات سے صحابہ کرامؓ کا دامن داغدار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انہیں یارِ گاہ الوہیت سے رضی اللہ عنہ ورضوانہ عنہ کی سند امتیاز مل چکی ہے۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ:-
»ہر وہ تاریخی روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن کیا جاتا ہے وہ قابل رد ہے بلکہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہے۔«

(احکام القرآن عربی جلد ۴ ص ۲۷۴)

اصل بات یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ جھوٹا پراپیگنڈہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور باقاعدہ حکومتی سطح پر کیا گیا۔ اس بات کو صرف

ایک حوالے کے ایک واقعہ سے سمجھ جائیے۔ ۲۱۱ھ میں المامون عباسی اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا۔ ۲۱۲ھ میں اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علیؑ تمام مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں۔ اور اس بات کی بھی منادی کرادی کہ جو شخص معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے بارہ میں خیر کے کلمات کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ (گویا کہ بتایا یہ گیا کہ اس شخص کو سرکاری بد معاش اور بد قماش اگر موت کے گھاٹ اُتار دیں تو حکومت اس کی ذمہ دار نہ ہوگی) جب سیدنا معاویہؓ پر اس قسم کے مطاعن حکومتی سطح پر منظم طریقے سے بیان ہوں تو پھر آج اگر ہمارے ذہن منطووم معاویہؓ کے اچھے کاموں کو بھی قبول نہ کریں تو ہم معذور ہیں۔ ”دما دم مست قلندر علی دا پہلا نمبر“ مامون الرشید شیعہ کے حکومتی آرڈیننس کی صداٹے بات گشت ہے۔



مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

سیدنا معاویہؓ پر بعض نام نہاد عالموں کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کی سنت کو تبدیل کر کے ایک بدعت ایجاد کی وہ یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا اور نہ مسلمان کافر کا۔

اس اعتراض کی اگرچہ چھان پھٹک کی جائے تو اس کی نوعیت بھی نصف دیت والے اعتراض کی سی ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے اور نہ صرف سیدنا معاویہؓ اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے بلکہ اور بھی کئی صحابہؓ اس کے قائل ہیں۔ اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ نہ تو کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا۔ لیکن اس کے مخالف مسلک رکھنے والے کو بدعت کا مرتکب گردانتا تھا زیادتی بلکہ بددیانتی ہے۔ ائمہ اربعہؓ کے درمیان کئی مسائل ایسے ہیں کہ جمہور کا مسلک کچھ اور ہوتا ہے اور ایک امام کا قول کسی خاص دلیل کی بنا پر اُس جمہور کے مسلک کے خلاف ہوتا ہے لیکن آج تک کسی نے اُس پر بدعت کے مرتکب ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ کیوں کہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ان اجتہادی مسائل میں اکثر اختلاف رائج اور مرجوح کا ہوتا ہے۔ سنت اور بدعت کا نہیں ہوتا۔

چنانچہ اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔

۱۔ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؟

۲۔ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

پہلی بات میں سیدنا معاویہؓ سمیت سب صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، لیکن بعض صحابہؓ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد القرطبیؒ فرماتے ہیں :-

واختلفوا فی میراث المسلم الکافر۔۔۔۔۔ فذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين وفقهاء الامصار الى انه لا يرث المسلم الکافر بهذا الاثر الثابت وذهب معاذ بن جبل ومعاوية من الصحابة وسعيد بن المسيب ومسروق من التابعين وجماعة الى ان المسلم يرث الکافر۔

مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہؓ تابعین اور مختلف شہروں کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اس حدیث کی وجہ سے کہ (لا يرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم) لیکن صحابہؓ میں سے معاذ بن جبلؓ اور سیدنا معاویہؓ اور تابعین میں سے سعید بن المسيبؓ اور مسروقؓ اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۳۵۳، ۳۵۲)

علم وراثت کی مشہور کتاب شریفیہ شرح سراچی میں سید شریف البحر جانیؒ فرماتے ہیں :-
فلا يرث الکافر من مسلم اجماعاً ولا المسلم من الکافر علی قول علی ویزید وعامة الصحابة واليه ذهب علماءنا والمشافعي والقياس ان يرث المسلم من الکافر ولا يرث الکافر منه واليه ذهب معاذ بن جبل ومعاوية

بن ابی سفیان والحسن ومحمد بن الحنفیة ومحمد بن علی بن الحسين ومسروق رحمهم الله۔

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا یہ اجماعی مسئلہ ہے اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا یہ مذہب علیؑ، زید بن ثابتؓ اور جمہور صحابہؓ کا ہے اور ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو، معاذ بن جبلؓ، معاویہؓ، حسن بصریؒ، احمد بن حنبلؒ، محمد بن قرقؒ اور مسروقؒ کا یہی مذہب ہے۔

(شریفیہ شرح سراجی ص ۱۷۱)

علامہ بدر الدین عینیؒ اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-
واما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا، فقالت عامة الصحابة رضي الله تعالى عنهم لا يرث وبه اخذ علماءنا والشافعي وهذا استحسان والقياس ان يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن سفيان وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد ابن علي بن حسين۔

اور یہ بات کہ کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، پس عام صحابہؓ فرماتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا اور اسی شی کو ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو اور

۱۔ استحسان ایک فقہی اصطلاح ہے۔ استحسان کہتے ہیں کہ ”مجتہد ایک مسئلہ میں اس کے نظام و اشغال کے مطابق حکم نہ لگاٹے بلکہ ایک قومی تردیل کی جانب رجوع کرے جو اشیاء و نظام سے عدول کا تقاضا کرتی ہو“ استحسان کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف چلا آ رہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ استحسان کے قائل تھے اور ان کے معاصر امام مالکؒ بھی یہ کہا کرتے تھے کہ ”استحسان تو ہے فی صد علم ہے“ امام شافعیؒ استحسان

یہی معاذ بن جبلؓ اور معاویہؓ بن ابی سفیان کا قول ہے اور اسی کو مسروقؓ اور
حسن بصریؓ، محمد بن حنفیہؓ اور محمد بن علی بن حسینؓ نے اختیار کیا ہے۔

(عمدة القاری فی شرح البخاری جلد ۲۳ ص ۲۶)

سیدنا معاذ بن جبلؓ اور سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے ناموں کے ساتھ سیدنا عمر فاروقؓ
کا نام بھی اس سلسلہ میں کتابوں میں ملتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان کافر کا وارث
ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو المفتی جلد ۶ ص ۲۹۴)

ان حضرات کا یہ مسلک اس قیاس کا نتیجہ ہے جس کو ابن رشد القرطبیؒ نے نقل کیا۔
وَشِبْهُوَ ذَٰلِكَ بِنِسَائِهِمْ فَقَالُوا كَمَا يَجُوزُ لَنَا
اَنْ تَنْكَحَ نِسَاءَهُمْ وَيَجُوزَ لَنَا اَنْ نَنْكَحَهُمْ نِسَاءَنَا
كَذَٰلِكَ الْاَسْرَاطُ۔

ان کو ان کی عورتوں سے شہہ ہو گیا کہ جس طرح ہمارے لیے جائز ہے کہ
ہم اہل کتاب (کافر) کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور اپنی عورتیں ان کے
نکاح میں نہیں دے سکتے ہیں، اسی طرح وراثت کا معاملہ ہے کہ وہ ہمارے
مالوں کے وارث نہیں ہو سکتے، البتہ ہم ان کے مالوں کے وارث ہو سکتے ہیں)
(ردایۃ المحتمد جلد ۲ ص ۳۵۳)

البتہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کے سخت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے جس نے امتحان سے کام لیا اُس نے
دین کو خود گھڑ لیا، چنانچہ آپ نے اپنی کتاب الام میں ایک باب ہی امتحان کے ابطال پر قائم کیا ہے
(کتاب الام جلد ۱ ص ۲۶۷)

جس میں آپ نے اپنے وہ تمام دلائل جمع فرما دیے ہیں جو امتحان کے بطلان پر آپ نے دیئے
ہیں۔ آپ کے نزدیک فتویٰ یا تو اخذ بالنص ہونا چاہیے یا حمل علی النص، لیکن ان کے نزدیک امتحان
میں نہ اخذ بالنص ہوتا ہے اور نہ حمل علی النص ہے۔ لہذا یہ باطل ہے۔ لیکن فقہاء احناف اور مالک
نے ان سب دلائل کے جوابات اپنی اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل سے دیئے ہیں ملاحظہ ہو۔
(المبسوط جلد ۱ ص ۱۴۵)

شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے اس بات کی تائید اور تعریف میں عبد اللہ بن معقلؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ :-

اخرج ابن ابی شیبہ عن طریق عبد اللہ بن معقل قال ما رأيت قضاءً احسن من قضاء قضی به معاویة نزلت اهل الكتاب ولا يرثونا كما يحل النكاح فيهم ولا يحل لهم وبه قال مسروق وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي واسحق.

ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن معقلؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کوئی فیصلہ سیدنا معاویہؓ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوتے جیسے کہ ان کی عورتوں سے ہمیں نکاح تو جائز ہے لیکن انہیں ہماری عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی مسروقؒ، سعید بن المسيبؒ، ابراہیم النخعیؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔
(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۱۵۷)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں صحابہؓ اور تابعینؓ کا اختلاف ہے اور سیدنا معاویہؓ اس میں منقرض نہیں بلکہ سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ یہ الگ بات ہے ان حضرات کا یہ مسلک جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح مسلک ہے۔ اس لیے یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہونے کی وجہ سے کسی صورت بھی بدعت نہیں کہلا سکتا۔ سیدنا معاویہؓ ایک مجتہد اور فقیہ اور صاحب فتویٰ صحابی رسولؐ تھے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱، اعلام المؤمنین جلد ۱ ص ۹) اور مجتہد کی اجتہادی خطا بھی اجر و ثواب کا موجب ہوا کرتی ہے۔ اور اگر معتز ضیق اس کو بدعت کہنے پر مصر ہیں تو اس بدعت کے ترکیب نہ صرف سیدنا معاویہؓ ہی تھے بلکہ صحابہؓ میں سے سیدنا عمر الفاروقؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ اور تابعینؓ میں سے سیدنا حسینؓ کے بھائی محمد بن حنفیہؓ اور سیدنا حسینؓ کے پوتے امام محمد باقرؓ اور دوسرے کئی ایک بزرگ تھے۔

یہ ساری بحث جو گذشتہ سطور میں ہم نے کی ہے اس صورت میں ہے جب کہ ہمیں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعی سیدنا عمرؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر تابعین کا مذہب تھا، لیکن کتابوں کی ورق گردانی سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اس مسئلہ کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے مخالفین نے یہ شی ان کی طرف منسوب کر دی ہو یا ترک کیا کچھ سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب نہیں ہوا؟ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اجمع اهل العلم على ان الكافر لا يرث المسلم
وقال جمهور الصحابة والفقهاء لا يرث المسلم
الكافر وروى هذا عن ابي بكر وعمر وعثمان
وعلى واسامة بن زيد وجابر رضى الله عنهم
وبه قال عمر بن عثمان وعروة والزهرى و
عطاء وطاؤس والحسن وعمر بن عبد العزيز
وعمر بن دينار والثوري وابو حنيفة و
اصحابه ومالك والشافعي وعامة الفقهاء و
عليه العمل وروى عن عمر ومعاذ ومعاوية رضى
الله عنهم ورثوا المسلم من الكافر ولم يرثوا
الكافر من مسلم وحكى ذلك عن محمد بن الحنفية
وعلى بن حسين وسعيد بن المسيب ومسروق
وعبد الله بن معقل والشعبي والنخعي ويحيى
بن يعمر واسحاق وليس بموثوق به عنهم فان
احمد قال ليس بين الناس اختلاف في ان
المسلم لا يرث الكافر۔

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، اور

جمہور صحابہؓ اور فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ایک کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، یہ قول ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، اسامہ بن زیدؓ اور جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے اور عمر بن عثمانؓ، عروہؓ، زہریؓ، عطاءؓ، طاووسؓ، حسن بصریؓ، عمرو بن عبد العزیزؓ، عمرو بن دینارؓ، سفیان ثوریؓ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کمالک شافعیؒ اور عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر عمل ہے۔ سیدنا عمرؓ، معاذ بن جبلؓ اور معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا وہ کافر کو مسلمان کا وارث تسلیم نہیں کرتے۔ یہی بات محمد بن الحنفیہ کی (بہادر سیدنا حسینؓ) علی بن الحسینؓ امام زین العابدینؓ، سعید بن المسیبؓ، مسروقؓ، عبد اللہ بن معقلؓ، شعبیؓ، ثخنٰیؓ، استاد امام ابو حنیفہؒ، یحییٰ بن یعمرؓ اور اسحاق سے بھی مروی ہے لیکن ان حضرات کی طرف اس قول کی نسبت معتبر نہیں کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

(المغنی جلد ۱ ص ۱۶۱)

مغنی ابن قدامہ کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت غلط ہے اور اگر مغنی کی اس عبارت پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اس قول کی نسبت سیدنا معاویہؓ، معاذ بن جبلؓ اور سیدنا عمرؓ کی طرف صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے گذشتہ سطور میں نقل کیا ہے۔



اہل بیت نبویؑ سے برتاؤ

ایک اعتراض سیدنا معاویہؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اہل بیت نبویؑ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ اگر اس اعتراض کی چھان پھٹک کی جائے تو حقیقت اس کے بالکل خلاف نظر آتی ہے اور تاریخ کی قوی اور ثقہ روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے نبو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا بلکہ بعض دفعہ اگر انہوں نے کوئی ناقابل برداشت بات بھی کہہ دی تو آپؐ نے صرف اہل بیت نبویؑ کا احترام کرتے ہوئے اُس کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ ابن طوقی لکھتا ہے :-

”اشراف قریش میں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمانؓ اور ابی طالب کے افراد معاویہؓ کے پاس اکثر دمشق جا یا کرتے تھے۔ وہ ان سب بزرگ حضرات کو نہایت اچھے طریقے سے رکھتے اور ان کی نہایت فیاضانہ طریقے سے ہمان نوازی کرتے۔ ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتے۔ اس کے بدلے میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے سختی کے ساتھ گفتگو کرتے اور چین چین بستے لیکن امیر معاویہؓ ان باتوں کو کبھی مذاق میں اُڑا دیتے اور کبھی یوں ہی مال دیتے۔“

اے ابن طوقی کے اس جملہ سے ہمیں اختلاف ہے کیونکہ تاریخ کی صحیح روایات میں آتا ہے کہ تمام نبو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت سیدنا معاویہؓ کا نہایت احترام کرتے اور سیدنا معاویہؓ ان سے نہایت شفقت سے پیش آتے جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں کئی مقامات پر ہم نے مختلف روایات سے واضح کیا ہے۔

اور اُس کے جواب میں بہت قیمتی تحائف اور بڑی رقوم دیتے۔ (الفخری ص ۹۴)
یہی ابن طقطقی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

”اگرچہ آل ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان و شرفاء آپ کے خلاف رہتے تھے لیکن آپ کی فیاضی کا ابر ہمیشہ ان پر برستا رہتا۔ (الفخری ص ۵۵)
علاوہ ازیں اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے یزید کو جو وصیتیں فرمائیں اُن میں اہل بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حسینؑ بن علیؑ کے متعلق ان الفاظ میں وصیت فرمائی۔
”عراق والے حسینؑ کو تمہارے مقابلہ میں لاکھ چھوڑیں گے لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تمہیں اُن پر قابض حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لیتا کیونکہ وہ قرابت دار ہیں، اُن کا پڑا حق ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز ہیں۔“ (الفخری ص ۱۰۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اپنی خلافت کے دوران سیدنا معاویہؓ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کو بیش قیمت عطیات سے نوازتے چنانچہ ایک روز اُن کو ۲۰ لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵)
آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو دیتے اور اُن کے بیٹے یزیدؓ بیس لاکھ درہم دینے سے اتنی ہنر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ طیارؓ جو سیدنا حسینؓ کے مہنوں اور آپؑ کے بہن سیدہ زینبؓ کے خاوند تھے، کو بھی دیتے تھے
(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲۳)

ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا امام حسینؓ کو بھیجے جاتے جن کو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷)
سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف وغیرہ دیتے۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ اُن کو بہت عطیات وغیرہ دیتے اور بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، ۱۵۲)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسنؑ کو چار لاکھ درہم دیے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو دو دو لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۷)

ایک مرتبہ سیدنا عقیلؑ بن ابی طالب کو جو سیدنا علیؑ کے بڑے بھائی تھے ۴۰ ہزار درہم کی ضرورت پڑی۔ آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور اپنی ضرورت ظاہر کی۔ آپ نے فوراً ۵۰ ہزار درہم اُن کو دیدیے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۳)

اگرچہ سیدنا حسنؑ کے سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرنے کے بعد حضرت حسینؑ نے بھی اُن کی بیعت کر لی تھی (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۳۴) لیکن دونوں بھائیوں کی طبیعتوں میں بہت اختلاف تھا۔ سیدنا حسنؑ بڑے بنحیدہ مستقل مزاج اور صاحب فکر و نظر انسان تھے، افراق سے آپ کو ہمیشہ متفرق تھا، مگر اس کے مقابلہ میں سیدنا حسینؑ قدرے جذباتی تھے، اسی وجہ سے کوفہ کے سبائی قتنہ پر داز آپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے خلاف مشتعل کرتے رہتے تھے، سیدنا معاویہؓ کو ان سب باتوں کا علم تھا لیکن آپ نے سیدنا حسینؑ سے کبھی بھی تعرض نہ کیا۔

ایک مرتبہ یمن سے ایک قافلہ بہت سامال و اسباب سیدنا معاویہؓ کے پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اُس کو چھین لیا اور اپنے اہل بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہؓ کو خط لکھ دیا۔ (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۸۱) سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسینؑ کو لکھا۔

”میرے بھتیجے! میرے خیال میں تمہارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہ جاتے ہو۔ میرے زمانے میں تو تمہارا ایسا معاملہ درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو تمہارا ایسے معاملات میں بالکل لحاظ نہ کرے۔“

(ناسخ التواریخ کتاب ۲ ص ۸۲)

سیدنا معاویہؓ اہل بات المؤمنین سلام اللہ علیہم کی خدمت بھی اپنے لیے باعث فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ ک رقم سیدہ عائشہؓ

سلام اللہ علیہا اور دوسری اہمات المؤمنین کو بطور عطیہ پیش کی (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۷۵)
 سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں ایک مرتبہ آپ نے ایک لاکھ درہم ارسال
 کئے جن کو آپ نے اسی روز تقسیم کر دیا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ پر ۸ ہزار دینار قرض ہو گیا۔ اس سارے کے سارے قرض کو
 سیدنا معاویہؓ نے ادا کیا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں آپ نے ایک لاکھ درہم مالیتی گلو بند ارسال
 کیا جس کو ام المؤمنینؓ نے بعد خوشی قبول فرمایا۔

ایک مرتبہ سیدنا حسن بن علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے سیدنا معاویہؓ کے
 پاس اپنا ایک آدمی بھیجا اور آپ سے کچھ مال طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم
 ارسال کر دیئے۔

ایک اور مرتبہ آپؓ نے سیدنا حسنؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور ایک لاکھ عبداللہ بن
 جعفر طیارؓ کو، ایک لاکھ عبداللہ بن عمرؓ کو اور ایک لاکھ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھیجے۔
 سیدنا حسنؓ کی وفات پر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تعزیت کے
 لیے گئے اور سیدنا ابن عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

لَا يَسْئُوكَ اللَّهُ وَلَا يَحْزَنُكَ فِي الْحَسَنِ -

اللہ تعالیٰ حسنؓ کے بارہ میں آپ کو کوئی تکلیف اور غم نہ دے۔

اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا۔

لَا يَحْزَنُنِي اللَّهُ وَلَا يَسْئُونِي مَا أَلْقَى اللَّهُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ -

امیر المؤمنینؓ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، مجھے نہ تو کوئی غم ہے نہ تکلیف۔

سیدنا معاویہؓ امیر المؤمنینؓ نے آپ کو دس لاکھ درہم اور بہت سا بیش قیمت

سامان دیا اور کہا کہ آپ اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ فرمائیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۶، ۱۳۸)

یہ تو اہل بیت نبوت تھے۔ آپ کا دامن عفو و بخشش تو اپنی رعایا کے ہر فرد پر سایہ نیک

تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :-

”میں اپنے نفس کو اس بات سے بچاتا ہوں کہ کوئی جرم ایسا ہو جو میرے عفو سے
بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے، یا کوئی
خطا ایسی ہو جسے میں چھپانہ سکوں، یا کوئی برائی ایسی ہو جس کے مقابلہ میں
احسان نہ کر سکوں“ (طبری جلد ۶ ص ۱۸۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵، ابن اثیر
جلد ۲ ص ۲۶۲)

حضرت ابو مسلم خولانیؒ ایک بہت بڑے تابعی تھے۔ سیدنا معاویہؓ ان کا بہت احترام
فرماتے تھے اور یہ سیدنا معاویہؓ کو نرم و گرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے، لیکن سیدنا معاویہؓ ان کی
بات کا ہرگز برا نہ مناتے تھے بلکہ بڑی قدر سے ان کی نصیحتوں کو سنتے اور ان پر عمل بھی کرتے
سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ کی تنخواہیں نہ
ملیں۔ اسی دوران سیدنا معاویہؓ ایک روز خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے جب
خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو خطبہ کے دوران ابو مسلم خولانیؒ بیچ میں بول پڑے اور کہا :-
”اے معاویہؓ! یہ مال نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا اور نہ تمہاری ماں کا“
سیدنا معاویہؓ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا
اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لا کر کہا :-

”لوگو! ابو مسلمؒ نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں
کا“ ابو مسلمؒ نے درست کہا اور میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے اور شیطان کو حق تعالیٰ
نے آگ سے پیدا کیا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، اس لیے جب تم میں
سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کرے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی
تنخواہیں وصول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔

(حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۳۱)

آپ کے اسی علم، بردباری، اہل بیت نبوت اور رعایا سے حسن سلوک کی وجہ سے

سیدنا علیؑ کے دست راست اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

”وہ اپنے پوشیدہ اسرار کی وجہ سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اُس نے غلبہ حاصل کیا۔ اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اُسے پالیا۔ اُس کی بردباری اور حلم اُس کے غضب پر غالب ہے اور اُس کی سخاوت اور داد و بخشش اُس کے بخل پر حاوی ہے۔ قطع رحمی سے پرہیز کرتا ہے اور صلہ رحمی کا بخور ہے آپس میں ملاتا ہے، جدا نہیں کرتا، اس لیے اُس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔“ (العقد الفرید جلد ۲ ص ۲۳۵)

سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں آپ کا ایک اور قول شیعہ مؤرخ ابن طقطقی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ما رأیت احداً الیق من اعطاف معاویة بالریاستہ والملک۔
میں نے معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کسی کو زیادہ لائق نہیں دیکھا۔ (الفخری ص ۷۶)

تاریخ کی ان ثقہ شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ پر یہ الزام بھی جہالت اور تعصب پر مبنی ہے اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ اور صرف ان کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے اس اعتراض کو تراشا گیا ہے۔ خاندان رسالت سے اُن کا برتاؤ ویسا ہی تھا جیسا دوسرے صحابہ کرام کا تھا۔ وہ اُن کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہ اُن کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے آپس میں کوئی بغض و حسد و عناد یا بغض و تعصب نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسرے کو ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ سمجھتے تھے اور ان میں نسبی اور ایمانی رشتہ کی کرطیاں نہایت مضبوط و مستحکم تھیں۔

سیدنا حسنؑ کو زہر دلوانا

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سیدنا حسنؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا تھا۔ یہ اعتراض جس قدر سنگین ہے اسی قدر کمزور اور ناقابل اعتبار بھی ہے کیونکہ تواریخ میں جو روایات اس بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ سیدنا حسنؑ کو زہر دینے سے سیدنا معاویہؓ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؑ کے مابین خلافت کے بارہ میں جو مصالحت ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد حسنؑ خلیفہ ہوں گے۔ سیدنا معاویہؓ چونکہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لیے اس شرط سے انحراف کرنے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ساز باز کر کے سیدنا حسنؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؑ کے مابین مصالحت میں اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو سیدنا حسنؑ سے کیا پر خاش ہو سکتی تھی جس کی بناء پر وہ سیدنا حسنؑ کو زہر دلاتے، سیدنا معاویہؓ جیسا صاحب بصیرت اور صاحب زہد و تقویٰ شخص ایسا شرمناک فعل کبھی بھی نہیں کر سکتا۔

وہ مؤرخین جن کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہؓ پر اتنا گھناؤنا اور سنگین الزام لگایا جاتا ہے، وہ تو سیدنا حسنؑ کی تاریخ وفات کے بارہ میں بھی متفق نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ ان کی وجہ وفات پر ان کے قول کو معتبر مانا جائے۔

ابن جریر طبری شعبان ۴۱ھ لکھتے ہیں لیکن ابن اثیر ۴۹ھ یا ۵۰ھ اور علامہ سیوطی ۴۹ھ یا ربیع الاول ۵۰ھ لکھتے ہیں۔

۱۔ ابن حجر عسقلانی نے ۴۹ھ، ۵۰ھ، ۵۱ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ اور ۵۹ھ نقل کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

تواریخ کی کتابوں میں اس بارہ میں کوئی معتبر روایت نقل نہیں کی گئی۔ قدیم مؤرخین نے تو زہر خورانی کی روایت کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور جن مؤرخین نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے بھی بغیر کسی راوی کا نام لیے صرف ”ذکر“، ”قیل“ اور ”یُقال“ وغیرہ تملیض کے صیغوں سے اس کا تذکرہ کیا ہے جو کہ ضعف روایت پر دلالت کرتے ہیں۔

رملہ حفظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۶، مروج الذهب جلد ۲ ص ۵، الاستیعاب جلد ۱ ص ۱۴۲، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۵، الاصابہ جلد ۲ ص ۱۳، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۲، ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۸۳ اور اتنے اہم واقعہ کے لیے یہ تملیض کے صیغے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد، الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ وغیرہ میں جس قدر بھی روایات اس واقعہ کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری بے سند ہیں اور کسی میں بھی یقین کے ساتھ سیدنا معاویہ کا کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ ان روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسنؑ سے جب اس زہر دینے والے کا نام پوچھا گیا تو انہوں نے نام بتانے سے انکار کر دیا جیسا کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ میں ابن سعد کی روایت کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ :-

فاتا ہ الحسین بن علی فسأله من سقاہ فابی ان یخبرہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔
بعد ازیں سیدنا حسینؑ بن علیؑ ان (سیدنا حسنؑ) کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کو یہ زہر کس نے دیا؟ آپ نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ (الاصابہ)

جب زہر پینے والے نے تمہیں بتایا کہ اسے کس نے زہر دیا ہے تو بعد والے راویوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ زہر دینے والے سیدنا معاویہؓ تھے۔

یعقوبی نے شیعہ ہونے کے باوجود زہر دینے والے کا نام نہیں بتایا۔

(رملہ حفظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۱۶)

مسعودی جس کو شیعہ حضرات اپنے شیوخ و اکابر میں سے شمار کرتے ہیں رملہ حفظہ ہو العواصم من القواصم ص ۲۴۹ تعلیقہ) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے کہ :-

وذكر ان امرأته جعدة بنت الاشعث بن قيس الكندي
سقتہ السقم وقد كانت معاوية دس اليها۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بیوی جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی نے
معاویہؓ کے اشارے سے آپ کو زہر دیا تھا۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۵۰)
علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے زہر دینے کا الزام یزید بن معاویہؓ کے سر تھوپا ہے۔
چنانچہ لکھا ہے :-

توفي الحسن بالمدينة مسموماً سمة زوجته جعدة بنت
الاشعث بن قيس دس اليها يزيد بن معاوية ان تسمة
سيدنا حسن کی وفات مدینہ طیبہ میں زہر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ اُن کو ان کی
بیوی جعدة بنت الاشعث بن قیس نے یزید بن معاویہؓ کے اشارے سے
زہر دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱)

ابوالفداء نے یزید اور معاویہؓ دونوں کا نام لے کر معاملہ کو اور زیادہ اشتباہ میں ڈال
دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

وتوفي الحسن من سم سقتہ زوجته جعدة بنت الاشعث
قيل فقلت ذلك بامر معاوية وقيل بامر يزيد
اور سیدنا حسن کی وفات زہر سے ہوئی جو ان کی اہلیہ جعدة بنت الاشعث
نے انہیں دیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اُس نے یہ معاویہؓ کے اشارے سے دیا تھا اور
یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے دیا تھا۔

علامہ ابن جوزیؒ نے سیدنا حسن کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کسی زہر وغیرہ کا ذکر
نہیں کیا بلکہ ”مرض“ (بیماری) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

مرض الحسن بن علي اربعين يوماً۔

سیدنا حسن بن علیؓ چالیس روز تک بیماری میں مبتلا رہے۔

(صفحة الصفوة جلد ۳ ص ۳۲، تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۳۲۶)

الدیمیری نے بیماری کی مدت دو ماہ لکھی ہے۔ (حیوة المیوان جلد ۱ ص ۶۶)
 متذکرۃ الصدر عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کی نسبت سیدنا معاویہؓ
 کی طرف صحیح نہیں کیونکہ اگر صحیح ہوتی تو اس بارہ میں کسی شخص کا نام لیا جاتا کہ فلاں شخص نے
 یہ کہا ہے یا فلاں نے سیدنا حسنؓ سے رُنا کہ مجھے فلاں آدمی نے زہر دیا ہے۔ ”قیل“ یا ”ذکر“
 جیسے کمزور الفاظ سے اُس کو بیان کرنا اس واقعہ کے غلط ہونے کی بٹن دلیل ہے بلکہ ابن
 خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مؤرخ نے توصاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زہر خورانی کا واقعہ
 ”شیعہ حضرات“ کا گھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

ما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع نروجه جعدة
 بنت الاشعث فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية
 من ذلك۔

یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے اُن کی اہلیہ بنت الاشعث سے مل کر اُن کو
 زہر دلایا تھا۔ یہ سب شیعہوں کی پناہی ہوئی باتیں ہیں اور معاویہؓ کی ذات اس
 سے متبرک ہے۔ (ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۲)۔

علامہ ذہبی اپنی تاریخ میں زہر خورانی کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-
 قلت هذا شئ لا يصح فمن الذي اطلع عليه۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور کون شخص اس پر مطلع ہوا کیوں کہ
 سیدنا حسنؓ نے تو نام بتا یا ہی نہیں، (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۲۱۹)

موجودہ صدی کے نامور مؤرخ احمد شلبی زہر خورانی کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :-
 ولكن ذلك الاتهام لم يثبت۔

لیکن یہ رسدنا معاویہؓ پر ایک اتہام ہے جو ثابت نہیں ہے۔

التاريخ الاسلامي والحضارة الاسلاميه جلد ۲ ص ۳۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اس واقعہ کو غلط قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں :-

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حسنؓ کو معاویہؓ نے زہر دیا تھا، کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے

ثابت نہیں اور نہ ہی کوئی قوی اور صحیح روایت اس کی شہادت دیتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے جس کی گہرائی میں پہنچا جاسکتا ہے۔

(منہاج السنہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

قریباً یہی کچھ علامہ ذہبیؒ نے "المنتقى امن الاعتدال في نقص كلام الرضا والاعتزال" کے صفحہ ۲۲۶ پر بیان فرمایا ہے۔

ان دلائل قاطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؑ کو زہر نہیں دیا گیا تھا اور اگر بالفرض دیا گیا تھا تو اس میں سیدنا معاویہؓ کا بالکل کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ یہ روایت شیعوں نے سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ شیعہ مؤرخین نے اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے اور اس پر خوب حاشیے چڑھائے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بحار الانوار، ملاحقہ مجلسی جلد ۱۰، ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۷۱، تاریخ طاہر مقدسی جلد ۶ ص ۵، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۷۵، روضۃ الصفاء جلد ۳ ص ۱، اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۱۷۱، سیرت علویہ شاہ محمد علی حیدر جلد ۱ ص ۳۶۶ وغیرہم)



استلحاق زیاد

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض بعض صحابہ دشمن لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے سیاہی اغراض کے تحت شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی اور امیر زیاد کا چوطائف کی ایک سمتیہ ناجی لونڈی کے بطن سے تھے، نسی طور پر اپنے ساتھ الحاق کر لیا۔ ان کا یہ فعل قانونی حیثیت سے ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔

زیاد بن ابی سفیان حارث بن کلدہ طیب کی لونڈی سمتیہ کے بیٹے تھے۔ جب سمتیہ ابھی حارث بن کلدہ ہی کے پاس تھی تو حضرت ابو بکرؓ اُس سے پیدا ہوئے۔ پھر اُس نے اُس لونڈی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی اور اس کے ہاں امیر زیاد پیدا ہوئے۔ امیر زیاد کی پیدائش کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوسفیانؓ اپنے کسی کام سے طائف گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جاہلیت کے مروجہ نکاح کی طرح سمتیہ سے نکاح کیا اور اُس سے مباشرت کی۔ اس مباشرت سے امیر زیاد پیدا ہوئے اور سمتیہ نے زیاد کو ابوسفیانؓ سے منسوب کیا، خود ابوسفیانؓ نے اس بات کا اقرار کیا مگر پوشیدہ اور خفیہ طور پر۔

راہن خلدون جلد ۳ ص ۴۱۰

ابن خلدون کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد ابوسفیانؓ کی زنا کی اولاد نہیں تھے بلکہ نکاح کی اولاد تھے، لیکن وہ نکاح جاہلیت کا تھا۔ اسلام نے جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو صحیح تسلیم کیا ہے، لیکن آپؐ کی شریعت نے اب ان تمام نکاحوں کو منسوخ کر دیا ہے چنانچہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ :-

جاہلیت میں چار قسم کے نکاح ہوا کرتے تھے۔

- ۱۔ ایک نکاح موجودہ طریقے کا جیسا آج کل ہوتا ہے۔
- ۲۔ دوسرا نکاح یہ کہ مرد اپنی عورت کو خود کسی دوسرے کے پاس بھیج دیتا تھا۔ اور خود اس کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس دوسرے شخص کا حمل اس عورت میں ظاہر ہو جاتا۔ جب حمل عیاں ہو جاتا تو پھر وہ خاوند اپنی بیوی سے مفارقت کرتا۔ اور یہ اس لیے کرتا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ بیٹا کس کا ہے۔ جاہلیت میں اس نکاح کو "نکاح الاستیضاع" کہا کرتے تھے۔
- ۳۔ تیسری قسم کا نکاح وہ ہوتا تھا کہ دس سے کم آدمی ایک عورت سے صحبت کرتے اور جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ عورت ان تمام مردوں کو بلاتی اور جب وہ آ جاتے تو وہ کسی ایک شخص سے کہہ دیتی کہ یہ تیرا بیٹا ہے تو وہ اُس شخص کا بیٹا ہو جاتا اور اُس شخص کو اس سے مجال انکار نہ ہوتی۔
- ۴۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ ایک عورت سے مباشرت کرتے۔ جب اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو سب اُس کے پاس جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسوں کو بلالیا جاتا وہ غور و فکر کر کے اس بچے کو کسی سے ملحق کر دیتے اور وہ بچہ اُس شخص کا بیٹا کہلاتا تھا اور وہ شخص اس کا انکار نہ کر سکتا تھا۔
- نکاح کی یہ چاروں قسمیں بیان کرنے کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔
- ہدم نکاح الجاہلیۃ کلہ الا نکاح الناس الیوم۔
- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد جاہلیت کے سب نکاح باطل ہو گئے سوائے موجودہ نکاح کے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۹)
- ابن اثیر نے بھی استلحاق زیاد کے واقعہ کے تحت جاہلیت کے نکاحوں کا ذکر کیا ہے
- آپ فرماتے ہیں:-

ان النکحة الجاہلیۃ کانت انواعاً لا حاجة الی ذکر
 جمیعہا وکان منها ان الجماعۃ یجامعون البغی فاذا
 حملت وولدت المحقت الولد بمن شاءت منهم فیلحقہ

فلما جاء الاسلام حرم هذا النكاح الا ائنه اقتر كل
ولد كان ينسب الى اب من اى نكاح كان من انكحتهم
على نسب ولم يفرق بين شىء منها۔

جاہلیت میں نکاح کی بہت سی قسمیں تھیں، ان سب کے ذکر کی یہاں ضرورت
نہیں ہے۔ البتہ ان اقسام میں سے ایک قسم یہ تھی کہ کسی عورت سے بہت سے
لوگ مقاربت کرتے۔ پھر جب وہ بچہ جنتی تو اس بچے کو جس طرف چاہتی
منسوب کر دیتی، پس وہ اس کا بچہ قرار پاتا۔ جب اسلام آیا تو نکاح کی یہ قسم حرام
ہو گئی لیکن جاہلیت کے نکاح کے جس طریقے سے بھی کوئی اپنے باپ کی طرف
منسوب ہوا، اسلام کے بعد بھی اس کو اسی نسب پر برقرار رکھا گیا اور نکاح کے
ثبوت کے معاملہ میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۶)
معلوم ہوا کہ امیر زیاد البوسفیان کے نکاح کی اولاد تھے اور اس کے نسبى الحاق کا اعلان
جو ۴۴ھ میں ہوا تھا وہ سیدنا معاویہ کی تحریک اور سیاسی اغراض کے تحت نہیں ہوا تھا
بلکہ اس کی تحریک خود امیر زیاد نے کی تھی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ :-
زيداد جب کوفہ آئے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم میرا نسب معاویہ سے لاحق کر
سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر جھوٹی شہادت سے ہے تو نہیں۔ اس پر وہ بھرہ
آئے وہاں ایک شخص نے اس بات کی شہادت دی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ کے سامنے ۴۴ھ میں دمشق ثقف اور جبید
لوگوں نے گواہی دی کہ زیاد البوسفیان کا بیٹا ہے۔ ان گواہوں میں سیدنا مالک بن ربیعہ سلوی رضی
اور سیدہ جویریہ بنت البوسفیان بھی تھیں۔ باقی گواہوں کے نام یہ ہیں :-

زيداد بن اسماء الحرمازی، منذر بن زبیر مشور بن قدامہ الباہلی، ابن ابی نصر الثقفی، زبید
بن نفیل الازدی، شعبتہ بن العلقم المازنی۔ بنو عمرو بن شیبان کا ایک شخص۔ نیز یزید بنو المصطلق کا
ایک شخص ان گواہوں میں منذر بن زبیر نے یہ گواہی دی تھی کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ
میں گواہی دیتا ہوں کہ البوسفیان نے یہ بات کہی تھی کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ اسی طرح کی گواہی

دوسرے گواہوں نے بھی دی۔ رملہ خطہ ہوا صابہ جلد ۵۶۳، اخبار الطوال ص ۲۱۹
ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ہیں کہ :-

شہدوا کلہم علی الجب سفیان ان زیاداً ابنتہ
الامنہ فی شہد انہ سمع علیاً یقول اشہد ان
ابا سفیان قال ذلک۔

ان سب گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے
سوائے منذر بن زبیر کے انہوں نے کہا کہ میں نے سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا
ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیانؓ نے یہ کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔

(صابہ جلد ۵۶۳)

اس پر سیدنا معاویہؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور زیاد کو اپنے ساتھ نسب میں ملحق کر لیا
اس کے بعد امیر زیاد بولے :-

ان کان ما شہد الشہود بہ حقاً فالحمد للہ وان یکت
باطلاً فقد جعلتہم بینی وبنی اللہ۔

اگر ان گواہوں نے جو گواہی دی ہے وہ صحیح ہے تو الحمد للہ اور اگر یہ باطل ہے تو
میں نے ان لوگوں کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمہ دار بنا دیا ہے۔

یہ تھا وہ سارا واقعہ جس میں سیدنا معاویہؓ نے امیر زیاد کو اپنا بھائی قرار دیا اور اپنے نسب
میں ان گواہوں کی شہادت پر جس میں جلیل القدر صحابی مالک بن ربیعہ السلوکیؓ بھی تھے
الحاق کیا۔ اصل واقعہ یہ تھا لیکن دشمنان صحابہؓ نے اس پر مختلف حاشیہ اڑائیاں کی ہیں۔
اور زیب داستان کے لیے اس پر ایسے ایسے قسم لگائے ہیں کہ دیانت و شرافت سرگرم
ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے ہے تاکہ سیدنا معاویہؓ کی ذات میں کبڑے نکالے
جائیں اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ زیاد کو اپنا بھائی بنانے میں سیدنا معاویہؓ کو کیا فائدہ ہوا؟
زیاد سیدنا معاویہؓ سے بڑی شخصیت کے حامل نہیں تھے اور نہ ہی اُس میں اُن جیسی زیرک
اور دانشمندی تھی۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں وہ فارس کے

گورنر تھے۔ بیت المال کی رقم خرید کر د کرنے کا ان پر الزام تھا۔ جب سیدنا معاویہؓ خلیفہ بنے تو آپ نے اسے اس میں انہیں لکھا کہ اگر اپنی صفائی پیش کرو اور بیت المال کی جو رقم تم نے رکھی تھی وہ فوراً ادا کرو۔ اس پر زیاد نے لکھا:-

”میرے پاس اب کوئی رقم نہیں ہے، تھوڑی سی رقم میں نے اس غرض سے پس انداز کر رکھی ہے کہ مصیبت کے وقت لوگوں کے کام آئے۔ باقی تمام مال میں نے سابق امیر المؤمنینؓ (سیدنا علیؓ) کے سوا بھیج دیا تھا۔“

سیدنا معاویہؓ نے اُن کو پھر لکھا:-

”اچھا اگر یہ بات ہے تو تم ہمارے پاس آؤ ہم تمہارے معاملے پر غور و خوض کرتے ہیں۔ اگر تمہارا حساب کتاب درست ہو تو ٹھیک اور اگر درست نہ ہوا تب بھی ہم تمہیں نہیں روکیں گے بلکہ واپس جانے کی اجازت دے دیں گے۔“

اس قدر یقین دہانی کے بعد بھی زیاد سیدنا معاویہؓ کے پاس نہ آئے۔ سیدنا معاویہؓ نے بصرہ کے گورنر بسرن ارطاةؓ کو اس تمام صورت حال سے آگاہ کیا بسرن نے زیاد کے تینوں بچوں عبدالرحمن، عبید اللہ اور عباد کو گرفتار کر لیا اور زیاد کو لکھا:-

لتقد من امیر المؤمنین او لا قتل بقیك۔

یا تو تم امیر المؤمنین (سیدنا معاویہؓ) کے پاس حاضر ہو جاؤ ورنہ میں تمہارے بچوں کو قتل کر دوں گا۔“

لیکن زیاد اس پر بھی امیر المؤمنینؓ معاویہؓ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ زیاد کے بچوں کی گرفتاری کا سُن کر زیاد کے بھائی حضرت ابوبکرؓ سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے کیونکہ انہوں نے سُن لیا تھا کہ:-

فہم بقتلہم۔

بسرن نے اُن کو قتل کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے امیر المؤمنینؓ سے زیاد کے بچوں کی رہائی کی سفارش کی۔

امیر المؤمنینؓ نے اُن کی سفارش پر بسرن ارطاةؓ کو لکھا کہ:-

”ان بچوں کے قتل سے رک جاؤ اور انہیں چھوڑ دو“

جس پر بُسر نے اُن کو چھوڑ دیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۲۸، ۱۲۹، الکامل جلد ۳ ص ۱۲۴، ۱۲۵،

البدایۃ والنباتۃ جلد ۸ ص ۲۲، ۲۳)

طبری ہی کی روایت میں ہے کہ سیدنا حسنؓ سے سیدنا معاویہؓ کی صلح کے بعد امیر المؤمنین

معاویہؓ نے بُسر بن ارطاةؓ کو رجب ۴۱ھ میں بصرہ روانہ فرمایا تو ۱۔

زیاد متحصن بفارس

زیاد فارس میں قلعہ بند تھا۔ (ایضاً)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۴۱ھ میں زمام خلافت سیدنا معاویہؓ

کے ہاتھ میں آئی تو زیاد اُس وقت ایک نہایت کس پرسی کی حالت میں تھا بلکہ اُن پر غبن کا الزام تھا۔ پھر گورنر بصرہ بُسر بن ارطاةؓ نے اُس کے بچوں کو گرفتار کر لیا ہوا تھا۔ اگر سیدنا معاویہؓ

کسی سیاسی غرض سے اُس کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے تو اُس سے زیادہ اور اچھا موقع

انہیں کب مل سکتا تھا۔ وہ زیاد سے اُس وقت اپنی ہر سیاسی غرض پوری کر سکتے تھے

کیونکہ وہ خود بھی اس وقت ملزم تھا اور اُس کے بچے بھی گرفتار تھے اور گورنر بصرہ انہیں

قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ نے ایسے نازک موقع پر جب کہ زیاد کو اچھے طریقے سے بدلیک میل

(Black Mail) کیا جاسکتا تھا، کوئی سیاسی فائدہ اُس سے حاصل نہیں کیا تو اس

کے بعد انہیں کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لیے اُس کا

غلط نسب الحاق اپنے ساتھ کرتے۔ بلکہ جہاں تک میری رائے ہے یہ سیدنا معاویہؓ کا دینی

خلوص اور شریعت اسلام سے محبت و الفت کا نتیجہ تھا کہ جب ایک ایسے آدمی

کے متعلق جس کے حسب و نسب سے صرف چند لوگ واقف تھے اور جس کے

نسب کے متعلق عام لوگوں کی رائے اچھی نہیں تھی، اُس کا اپنے نسب میں الحاق کر کے

دنیا میں اُس کو عزت والا بنا دیا۔ خدا را خود ہی غور سے سوچئے کہ اس سے سیدنا معاویہؓ

نے کون سی سیاسی اغراض حاصل کیں۔

اگر کوئی سیاسی غرض حاصل کرنا مقصود ہوتا تو کم از کم اُس وقت اس کو اپنا بھائی

بتاتے جب اس نے میں اُن کی حکومت مستحکم ہو رہی تھی۔ حکومت کے مستحکم ہونے کے چار سال بعد یعنی ۴۴ھ میں اُن کا زیاد کو اپنا بھائی بنانے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ جب دس ثقہ اور جید گواہوں نے جن میں ایک اُن کی اپنی بہن سیدہ جویریہؓ بھی تھیں اس بات کی گواہی دی کہ زیاد ابوسفیانؓ کا بیٹا ہے تو انہوں نے باوجود عزت و ملے خاندان کا پختہ و چراغ ہونے کے شریعت کے قانون کے سامنے تسلیم خم کر دیا اور نہ صرف زیاد کو اپنا بھائی بنایا بلکہ اپنی صاحبزادی کا نکاح بھی زیاد کے بیٹے محمد سے کر دیا۔ وگرنہ کہاں سیدنا معاویہؓ اور کہاں زیاد۔ ایک ذرہ بے مقدار کو آفتاب عالم تاب سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ زیاد کی تو اُس دن سے عزت شروع ہوئی جب آپ نے اس کا نبی الحاق اپنے آپ سے کیا۔ اور عوام کو پتہ چلا کہ اس کا باپ ابوسفیانؓ جیسا عالی نسب انسان ہے، لیکن سیدنا معاویہؓ تو روزِ اول ہی سے نہایت عزت و وقار والی شخصیت کے حامل تھے بلکہ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے بیان کیا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ جب استلحاق زیاد کے بارہ برس بعض لوگوں نے سیدنا معاویہؓ پر نکتہ چینی کی تو آپ نے اُس کا جواب دیا میرے خیال میں جو لوگ آج اس مسئلہ پر اُن کی مخالفت کر رہے ہیں، اُس جواب سے اُن کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ آپ نے اُن نکتہ چینیوں کو فرمایا:-

إما والله لقد علمت العرب اني كنت اعزها في الجاهلية
وان الاسلام لم يزدني الا عزاً وانى لم اتركثر بزياد
من قلة ولم اتعز به من ذلة ولكن عرفت حقاً
له فوضعت موضعه -

”خدا کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب عربوں سے زیادہ عزت والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہذا زیاد کا اپنے ساتھ نبی الحاق کرنے میں میری قلت کثرت میں تبدیل نہیں ہو گئی اور نہ میں کبھی ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے میری وہ ذلت عزت میں بدل گئی ہے۔“

بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جب اُس کا حق واضح ہو گیا تو میں نے زیادہ کو اُس کے واقعی مقام پر کھڑا کر دیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۶۳، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۲)

گویا سیدنا معاویہؓ حلقیہ طور پر یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب دُش ثقف اور جبید گواہوں نے اس بات کی گواہی دے دی کہ زیادہ البوسفیانؓ کا بیٹا ہے اور منذر بن زبیرؓ نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے سیدنا علیؓ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں گواہ ہوں کہ البوسفیانؓ نے یہ کہا تھا کہ زیادہ میرا بیٹا ہے تو وہ شرعی طور پر مجبور ہو گئے کہ زیادہ کو اپنا بھائی سمجھیں۔ چنانچہ طبری ہی نے لکھا ہے کہ ابن عامر حبش نے اس استلحاق کی سخت مخالفت کی تھی۔ سیدنا معاویہؓ کے دلائل سے اتنا متاثر ہوا کہ سیدنا معاویہؓ سے اپنی اُس مخالفت کی معذرت چاہی اور آپ نے اُسے معاف کر دیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۶۳) ایسے ہی دو اور شخص عبد الرحمن بن الحکم اور ابن مضر غ جہنوں نے اس مسئلہ میں سیدنا معاویہؓ کی سخت مخالفت کی تھی یہاں تک کہ آپ کے حق میں ہجویہ اشعار بھی لکھے۔ جب اُن کو دلائل کے ساتھ اصل واقعہ کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کیا اور اپنے ان ہجویہ اشعار کو اشک تدامت سے دھویا۔ ان لوگوں کے علاوہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا جو شروع میں سیدنا معاویہؓ کے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں اور زیادہ کو ابن ابی سفیانؓ نہ ماننے پر تیار تھیں اور نہ لکھنے پر لیکن جب اُن کے سامنے بھی حقیقت حال واضح ہو گئی تو ابن عساکر نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا نے خود اپنے ہاتھوں سے زیادہ کے نام ایک خط میں یوں لکھا کہ :-

من عائشة أم المؤمنين إلى زياد بن أبي سفيان -

عائشہؓ مومنوں کی ماں کی طرف سے البوسفیانؓ کے بیٹے زیادہ کے نام یہ خط زیادہ کے پاس جب یہ خط پہنچا تو ابن عساکر لکھتے ہیں کہ انہوں نے خوشی و مسرت سے یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ (تہذیب ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۱۱)

یہی وجہ تھی کہ عباسی دور میں بھی زیادہ کو زیادہ بن ابی سفیانؓ ہی لکھا جاتا رہا۔ چنانچہ بلاذری نے اپنی کتاب میں البوسفیانؓ کی اولاد کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں زیادہ کا نام زیادہ بن ابی سفیانؓ ہی لکھا ہے۔ بلاذری تو صرف ایک مؤرخ ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی اُس کی بات

کو حجت تسلیم نہ کرے لیکن امام اہل مدنیہ امام مالک بن انسؒ نے اپنی کتاب موطا امام مالکؒ میں بھی زیاد کو زیاد بن ابی سفیانؓ لکھا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے اس فعل کو خود اُن کی حقیقی بہن سیدہ ام حبیبہؓ ام المؤمنین سلام اللہ علیہا نے خلافت شریعت چنانہذا انہوں نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اُس سے پردہ فرمایا۔

اول تو تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے اس وجہ سے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا تھا چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے۔

وفي هذه السنة بعد موت أم حبيبة ادعى معاوية زياداً۔

اور اسی سال (۴۰ھ) سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد

سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔ (الاستیعاب)

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا استلحاق زیاد کی وقت بقید حیات تھیں اور انہوں نے واقعی زیاد کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کیا تھا تو پھر بھی سیدنا معاویہؓ یہ کوئی اعتراض نہیں آتا۔ اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ سیدہ ام حبیبہؓ کو یہ واقعہ تحریف کر کے ستایا گیا ہو اور انہوں نے اس کی مزید تحقیق کرنے کی کوشش کی ہو اور اس دوران اُن کی وفات ہو گئی۔ کیونکہ یہ تو مسلمہ بات ہے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۸۔ الطبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۸)

اصابہ ترجمہ ام المؤمنین ام حبیبہ وغیرہم) اور اس پر بھی سب تواریخ متفق ہیں کہ استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۰ھ میں ہوا ہے۔ لہذا اس کا قوی یقین ہے کہ وہ اس کی تحقیق کے درپے ہوں گی اسی دوران میں اُن کی وفات ہو گئی ہوگی۔

تیسری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ اُن دنوں گواہوں میں جن کی گواہی پر سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کیا، ایک سیدہ ام حبیبہؓ کی بہن حضرت جویریہ بنت ابی سفیانؓ بھی تھیں۔ اُن کی گواہی کیوں قابل قبول نہیں ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ صرف دس آدمیوں نے اس بات پر گواہی کیوں دی، زیادہ نے کیوں نہیں دی؟ تو تاریخ بتاتی ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ نے اس بات کو صرف چند آدمیوں کو بتایا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ:-

وولد زیادًا ونسبته الى ابى سفيان واقر له ابيه الا
انه كان بحقيقة۔

اور اُس (سمیہ) کے ہاں زیاد پیدا ہوا اور اُس نے اُس کو ابوسفیانؓ کی طرف منسوب کیا اور ابوسفیانؓ نے بھی اس نسبت کا اقرار کر لیا مگر پوشیدہ طور پر (ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۷۱)۔

اور ایک نسب کو ثابت کرنے کے لیے دس گواہوں کی گواہی کافی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے لوگ ہی گواہی دیں۔

اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے بھی العوام والقوام ص ۲۳۵، ۲۳۴ پر نہایت عمدہ بحث کی ہے اہل علم اُس کو ملاحظہ فرمائیں۔



حجر بن عدی کا قتل

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اُن کے زمانے میں ایک زاہد و عابد صحابی حجر بن عدیؓ کو صرف اس گناہ پر قتل کر دیا گیا کہ انہوں نے امیر زیاد کو سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرتے ہوئے ٹوکا تھا۔

اگر اس اعتراض کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کو خواہ مخواہ مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے اور اس واقعہ کی اصل حقیقت کو ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات کے پردہ میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور اگر صحیح حقیقت کا انکشاف کیا جائے تو سیدنا معاویہؓ اس الزام سے بری ثابت ہوتے ہیں لہذا ہم مستند روایات سے اصل واقعہ کے چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اُن سب اعتراضات کے جوابات بھی آجائیں گے جن کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

حجر بن عدیؓ سیدنا علیؓ کے ساتھیوں اور شیعوں میں سے تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ پابند صوم و صلوٰۃ، زاہد و عابد، مرتاض اور شب زندہ دار تھے لیکن اپنی طبیعت کی سادگی کی وجہ سے سبائیوں اور اُن فتنہ پردازوں کے دام فریب میں آچکے تھے جو قاتلان عثمانؓ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصی طور پر عمرو بن الحمق جس نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا تھا وہ آپ کے خاص ساتھیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ ان کے زہد، عبادت اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اُن کو مختلف مواقع پر استعمال کرتے اور ان کی آڑ میں ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے اور خلیفہ وقت سیدنا معاویہؓ پر سب و شتم اور الزام تراشی کرتے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:-

قد التفت علی حجر جماعات من شیعۃ علی یتولون امرہ

ولشدون علی یدہ ویسبون معاویۃ ویتبرؤن منہ۔

اور شیعان علیؑ کی جماعتیں حجر سے لپٹ گئی تھیں جو ان کے تمام امور کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ وہ جماعتیں سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتی تھیں اور

اُن سے اپنی برأت کا اظہار کرتی تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵)

یہ حجر بن عدیؓ شیعان علیؓ نہیں سے ایک عالی قسم کے انسان تھے اور نفسیاتی طور پر نہایت جذباتی واقع ہوئے تھے۔ زہد و اتقا تو مسلم تھا لیکن جذباتی ہونے کی وجہ سے ذہنی توازن الیمانہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؓ نے زمام خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کر دی۔ اس وقت بھی انہوں نے سیدنا حسنؓ کی سخت مخالفت کی اور اُن کو ہر ممکن طریقہ سے اس نیک کام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کے بعد سیدنا حسنؓ کی سب سے پہلے حجر بن عدیؓ سے ملاقات ہوئی۔

فندمہ علی ما صنع ودعاہ الی رد الحرب۔

انہوں نے سیدنا حسنؓ کو اُن کے اس فعل پر ندامت دلائی اور اُن کو سیدنا معاویہؓ سے دوبارہ جنگ کرنے کی دعوت دی۔

اس کے ساتھ ایک لمبا چوڑا جذباتی وعظ بھی پلایا کہ

اے فرزند رسول! کاش کہ جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ دیکھنے سے پہلے میں موت کی آغوش میں چلا گیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل و انصاف سے نکال کر ظلم و جور کے سپرد کر دیا ہے ہم نے اُس حق کو خیر باد کہہ دیا جس پر ہم قائم تھے اور جس باطل سے ہم گریزاں تھے اُس میں جا گھسے ہم نے اس ذلت آمیز زندگی کو اپنے ہاتھوں قبول کیا اور اُس پستی کو اختیار کیا جو ہمارے لائق نہ تھی۔ (اخبار الطوال ص ۲۲)

سیدنا حسنؓ ایک نہایت متقی انسان تھے اور انہوں نے معاملات کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کر کے ہی یہ اقدام کیا تھا۔ چنانچہ جس جس شخص نے بھی ان کے اس

فعل کی مخالفت کی آپ نے اُس کو ہر ممکن طریق سے سمجھایا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؑ نے بھی جب آپ کی اس بارہ میں مخالفت کی تو آپ نے انہیں بھی فرمایا :-

اسکت فانما اعلم باکامر منک۔

چپ بارہ، میں اس بات کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔

(طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۳)

لیکن جب انہوں نے مخالفت کی تو آپ نے فرمایا :-

”واللہ! جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تو تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی۔ بخدا میں تمہیں اس وقت تک گھر میں بند رکھوں گا جب تک میں اپنے ارادے کو پائیہ تکمیل تک نہ پہنچاؤں۔“

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۹، علی ونبوہ لہ احسین ص ۲۰۳)

سیدنا حسینؑ نے جب اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو فوراً اپنے موقف سے رجوع کر کے عرض کیا :-

انت اکبر ولد علی وانت خلیفۃ وامرنا لا امرک تبع

فافعل ما بدأ لک۔

آپ سیدنا علیؑ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور اُن کے خلیفہ ہیں۔

ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے۔

جس طرح سیدنا حسنؑ نے اپنے بھائی کو سمجھایا اسی طرح آپ نے حجر بن عدیؑ کے جواب میں بھی اپنے موقف کے صحیح ہونے کے دلائل بیان فرمائے۔ اور اُمت مسلمہ کی مصلحت سے اُن کو آگاہ کیا۔ لیکن حجر بن عدیؑ دلائل سے زیادہ جذبات سے کام لے رہے تھے۔ لہذا انہوں نے سیدنا حسنؑ کے دلائل کو کوئی وقعت نہ دی۔ اور سیدنا حسینؑ کو اپنے جذبات سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ فوراً اُن کے پاس پہنچے اور اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا :-

اے ابو عبد اللہ! (سیدنا حسینؑ کی کنیت) آپ نے عزت کے عوض ذلت خریدی اور کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کیا۔ خدا را آج ہماری بات مان لیں خواہ پھر زندگی بھر نہ ماننا۔ سیدنا حسنؑ کو ان کی صلح پر چھوڑ دیں اور کوفہ اور دوسرے بلاد و امصار کے شیعوں کو اپنے پاس اکٹھے کریں اور یہ مقدمہ میرے اور میرے دوست کے سپرد کر دیں۔ ہند کے بیٹے (سیدنا معاویہؓ) کو اس وقت ہمارا پتہ چلے گا جب ہم تلواروں سے اُس کے خلاف برسرِ پیکار ہوں گے۔

(اختیار الطوال ص ۲۲)

سیدنا حسینؑ چونکہ اپنے موقف سے رجوع کر چکے تھے اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ سیدنا حسنؑ کا موقف صحیح ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اسلام اور امت مسلمہ دونوں کے لیے فائدہ مند ہے لہذا انہوں نے حجر بن عدیؓ سے فرمایا:-

انا قد بايعنا وعاهدنا وكا سبيل الى نقض بيعتنا۔

ہم نے بیعت کر لی ہے اور ہمارا عاہدہ ہو چکا ہے لہذا بیعت کو توڑنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ (ایضاً)

یہ واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حجر بن عدیؓ شروع ہی سے سیدنا معاویہؓ اور اُن کی حکومت کے از حد مخالفت تھے اور یہ مخالفت محض جذباتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو شیعانِ علیؑ میں سے شمار کرتے تھے اور سیدنا علیؑ سے اس نسبت اور تعلق کی بنا پر ہر حالت میں یہ ضروری سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہؓ کی حکومت کو الٹا جائے۔ چنانچہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے اُن کو کوفہ کے شیعانِ علیؑ بلکہ قاتلانِ عثمانؓ کی اعانت ملے ہو گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیدنا معاویہؓ جلد ۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲)

کوفہ چونکہ سیدنا علیؑ کا دار الخلافہ رہ چکا تھا لہذا یہاں اُن کے شیعوں اور ساتھیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جو لوگ واقعی سیدنا علیؑ کے ساتھ تھے انہوں نے اس وقت جب سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی اور خلافت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دے دی، سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اسلام اور

ملت اسلامیہ کی خدمت اُسی طرح سرانجام دینا شروع کر دی جس طرح وہ اس سے قبل سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن کوفہ میں اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جن کا تعلق قاتلانِ عثمانؓ سے تھا اور جن میں عمرو بن الحمق اور رفاعہ بن شداد جیسے لوگ بھی شامل تھے جن میں سے اول الذکر نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کرتے وقت نیزے کے نوچرے لگائے تھے۔

۴۱۔ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو فہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ اپنے خطبوں میں سیدنا عثمانؓ کے لیے دعائے رحمت کرتے اور قاتلانِ عثمانؓ پر جنہوں نے انہیں نہایت مظلوم کی حالت میں مدینۃ الرسولؐ میں شہید کیا تھا، لعنت کرتے۔ اس کے جواب میں حجر بن عدیؓ کہتے۔
بل ایاکم فذم اللہ ولعن۔

قاتلانِ عثمانؓ پر نہیں بلکہ ہم پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۸۸)
ایک دو دفعہ نہیں بلکہ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کا معمول ہی ہو چکا تھا۔
انہم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیہ مقالۃ
الجور وینتقدون علی الامراء یسارعون فی
الانکار علیہم ویبالغون فی ذلک ویقولون شیعة
علی ویتشددون فی الدین۔

یہ سیدنا عثمانؓ کی مذمت اور بدگوئی کرتے تھے اور ان کے بارہ میں ظالمانہ باتوں کا اظہار کرتے تھے اور امراء پر نکتہ چینی اور تنقید کے نشتر چلاتے اور ان کی ہر بات کی تردید کے دپے رہتے تھے اور اس معاملہ میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتے۔
شیعان علیؓ کی حمایت کرتے اور دین میں نہایت تشدد کرتے تھے۔

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۴

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی گورنری کے بالکل آخری ایام میں ایک روز ایسا ہوا کہ انہوں نے دورانِ خطبہ یہ فرمایا:-

اللہم ارحم عثمان بن عفان وتجاوز عنہ واجزہ باحسن
عملہ فانہ عمل بکتا بک واتبع سنۃ نبیک صلی اللہ علیہ

وَاللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ وَجْمَعُ كَلِمَتِنَا وَحَقِّنْ دِمَائِنَا وَقْتُلْ مَظْلُومًا
اللّٰهُمَّ فَارْحَمِ اَنْصَارَنَا وَاولِيَاءَنَا وَمَحَبَّتِيْهِ وَالطَّالِبِيْنَ
بِدَلَامِهِ -

اے اللہ! عثمان بن عفان پر اپنی رحمت نازل فرما، ان سے درگزر فرما
انہیں ان کے حسن عمل پر جزائے خیر عطا فرما، کیونکہ انہوں نے تیری کتاب
پر عمل کیا اور تیرے نبی کی سنت کی اتباع کی۔ انہوں نے تیرے مشن کو جمع رکھا
اور ہمیں خوتریزی سے بچایا اور مظلومی کی حالت میں قتل ہوئے۔ اے اللہ!
پس تو اُن کے مددگاروں، ساتھیوں اور ان سے محبت کرنے والوں اور اُن
کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں پر رحم فرما۔

(طبری جلد ۴ ص ۱۸۸)

یہ سننا تھا کہ حجر بن عدی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس زور سے چیخے کہ :-
سَمِعَهَا كُلُّ مَنْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ وَخَارِجًا مِنْهُ -
اُن سب لوگوں نے مساجد کے اندر تھے اور مسجد کے باہر تھے۔
اور کہا :-

اے مغیرہؓ! تجھے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے یہ پتہ نہیں کہ تو کس سے اپنی محبت کا
اظہار کر رہا ہے تو ہماری تنخواہوں اور عطیات کے دینے کا حکم جاری کر کیونکہ
وہ تو نے ہم سے روک رکھی ہیں حالانکہ تجھے اس کا کوئی حق نہیں اور تجھ سے
پہلے جتنے گورنر آئے انہوں نے کبھی ایسی طمع نہیں کی تھی۔ تمہاری بڑی خواہش
ہے کہ تم امیر المؤمنین (سیدنا علیؓ) کی مذمت کرو اور مجرموں (سیدنا عثمانؓ) کی
تعریف اور مدح کرو۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

حجر بن عدیؓ نے جو یہی یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کئے اُس میں سے دو تہائی سے
زیادہ لوگ حجر کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حجر کے ساتھ مل کر سیدنا مغیرہؓ کے
خلاف بہت باتیں کیں۔ سیدنا مغیرہؓ جذبات کی رو میں بہنے والے انسان نہیں تھے، بلکہ

نہایت صاحب بصیرت، جہاں دیدہ اور زمانے کے گرم و سرد چشیدہ انسان تھے۔
انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا اور حجر کے اس فعل کا کوئی نوٹس نہ لیا اصحاب مشورہ
نے سمجھایا اور کہا۔

على ما ترك هذا الرجل يقول هذه المقالة ويحترق
عليك في سلطانك هذه الجرأة۔

آپ ایسے شخص کو کیوں چھوڑتے ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتا ہے اور آپ پر
اور آپ کی حکومت پر اس طرح کے الزامات لگانے کی جرأت کرتا ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

لیکن سیدنا مغیرہؓ نے اُن کے مشورے کو رد کرتے ہوئے عفو و درگزر ہی سے کام لیا
بلکہ الٹا پانچ ہزار روپیہ دے کر حجر کو راضی کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۷)

۱۵۔ میں سیدنا مغیرہؓ کا انتقال ہو گیا اُن کی وفات کے بعد کوفہ بھی امیر زیاد کی گورنری
میں آگیا۔ زیاد نے آنے ہی دیکھا کہ سبائیں (جو اس وقت اپنے کوشیعیان علیؓ کہتے تھے) کی
ٹولیوں کی ٹولیاں حجر بن عدیؓ کے پاس آتی ہیں جو سیدنا معاویہؓ سے بیماری کا اظہار کرتی ہیں
اور اُن کو سب و شتم کرتی ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۸۸) چنانچہ جب کوفہ آتے ہی
امیر زیاد نے اپنا پہلا خطبہ دیا تو حجر بن عدیؓ نے حسب معمول اُٹھ کر وہی کچھ کرنا شروع کر دیا
جو وہ سیدنا مغیرہؓ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ مگر امیر زیاد نے کوئی تعرض نہ کیا۔ زیاد جب
بصرہ جانے لگے تو انہوں نے حجر کو اپنے ساتھ بصرہ لے جانا چاہا لیکن بیماری کا یہاں نہ بنا کر کوفہ
ہی میں رہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۸۸)

بعض روایات میں آتا ہے کہ حجر نے جب زیاد کے خطبہ میں گڑ بڑ پیدا کی اور سیدنا
معاویہؓ کی شان میں گستاخی کی تو زیاد نے خیر خواہی کی خاطر حجر بن عدیؓ کو تنہائی میں بلایا اور کہا۔

املك عليك لسانك ويسعك منزلك وهذا سريري
فمهم مجلسك ومحوائجك مقضية لدى فاكفني نفسك
فاني اعرف عجلتك فاشدك الله يا ابا عبد الرحمن

فی نفسک وایاک و هذه السفلة وهؤلاء السفهاء ان
يستزلوك عن رأيك فانك لو هنت على او استخففت
بحقك لم اخصلك بهذه من نفسي۔

اپنی زبان پر کٹر و ل فرمائیے اور اپنے گھر کی تنہائی کو اپنے لیے کافی سمجھئے آپ
کی نشست کے لیے میرا تخت حاضر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی
ضروریات پوری کروں گا۔ لہذا آپ اپنے بارے میں مجھے مطمئن فرما دیجئے،
اس لیے کہ آپ کی طبیعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی سے میں بخوبی
آشنا ہوں۔ اے ابو عبد الرحمن! میں آپ کو حق تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ خدا را
آپ ان ذیل، مکینہ فطرت اور بے وقوف لوگوں سے اپنے آپ کو محفوظ فرمائیے
یہ لوگ، کہیں ایسا نہ ہو، کہ آپ کو آپ کی رائے اور فکر سے پھسلا دیں۔ لہذا
اگر آپ کی قدر و قیمت میری نگاہ میں کم ہوئی یا میں نے آپ کے حقوق میں
کسی قسم کی کوئی کوتاہی کی تو یہ آپ کی طرف سے ہوگی میری طرف سے ہرگز ہرگز
نہ ہوگی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۸)۔

حجر بن عدی نے امیر زیاد کی یہ نصیحت آمیز باتیں سن کر کہا ”میں سمجھ گیا“ اور اپنے
گھر تشریف لے آئے۔ لیکن یہاں جب سبائی آکر اُن سے ملے تو انہوں نے اپنی کمال سادگی
کی وجہ سے وہ ساری باتیں اُن سے کہہ دیں جو امیر زیاد نے اُن سے کی تھیں۔ سبائیوں
نے اُن کی یہ ساری باتیں سن کر کہا:۔

”حضرت! اُس نے آپ کی خیر خواہی کی باتیں نہیں کیں“

(البدایۃ والتہایۃ جلد ۸ ص ۵۱)

امیر زیاد جب کوفہ سے جانے لگے تو انہوں نے کوفہ میں سیدنا عمرو بن حریشؓ کو قائم
مقام گورنر مقرر کیا۔ سیدنا عمرو بن حریشؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے جب
قاتلان عثمانؓ اور سبائیوں کی حجر بن عدی کے پاس اس اکثریت سے آمد و رفت دیکھی تو
ایک قاصد کے ذریعہ حجر بن عدی کو یہ کہلا بھیجا:۔

”اے ابو عید الرحمن! آپ تو امیر زیاد سے اپنے متعلق یہ عند کر چکے ہیں پھر یہ

(قتنہ پرداز) جماعت آپ کے پیچھے سایہ کی طرح کیوں لگی رہتی ہے۔“

لیکن حجرؓ نے غیر تسلی بخش جواب دیا۔ اس پر سیدنا عمرو بن حرثؓ نے امیر زیاد کو بصرہ میں

ان سب حالات کی اطلاع دے دی اور کہلا بھیجا کہ حجرؓ کی کارروائیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں لہذا اگر کوفہ کو بچانا چاہتے ہو تو جلدی کوفہ واپس آ جاؤ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۳)

ایک روز ایسا بھی ہوا کہ سیدنا عمرو بن الحرثؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے تو حجرؓ

نے خطبہ کے دوران اُن کو کنکریاں ماریں۔ امیر زیاد کو اس کی اطلاع بھی بصرہ میں مل گئی۔

چنانچہ طبری کا بیان ہے :-

فبلغه ان حجراً تجمع اليه شيعة على ويظهر من لعن

معاوية والبراءة منه وانهم حصوا عمرو بن حرث -

ان کو خبر پہنچی کہ حجرؓ کے گرد شیعان علیؓ جمع ہو رہے ہیں جو معاویہؓ پر لعن طعن کرتے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے عمرو بن حرثؓ پر سنگ بار

کی ہے۔ (طبری جلد ۱۹ ص ۱۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۵، ابن اثیر، جلد ۳

ص ۲۳ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۷)

زیاد کو قوفہ کے متعلق یہ سب خبریں سُن کر فوراً واپس کوفہ پہنچے آتے ہی انہوں نے مشہور

صحابی سیدنا عدی بن حاتمؓ، سیدنا جریر بن عبد اللہ ابجلیؓ، سیدنا خالد بن عرفطہ الارذیؓ اور دوسرے

شرفائے کوفہ کو بلایا اور اُن سے کہا کہ حجرؓ کی یہ کارروائیاں ملک میں قتنہ و فساد برپا کرنے

کے مترادف ہیں لہذا آپ انہیں سمجھائیں کہ وہ ان قتنہ پردازوں سے اپنے آپ کو بچائیں

اور اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ یہ سب حضرات خیر خواہی اور نیک جذبہ کے تحت حجرؓ کے

پاس گئے اور اُن کو سمجھایا لیکن حجرؓ نے اُن کی سب باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی یہاں تک کہ اُن

کا ایک اونٹ ایک کونہ میں کھڑا تھا اُس کی طرف اشارہ کر کے اپنے خادم سے کہا ”لوٹ کے!

اونٹ کو چارہ کھلاؤ“ سیدنا عدی بن حاتمؓ نے یہ سُن کر ذرا جلالی انداز میں فرمایا :-

أَمْجَنُونَ أَنْتَ، نِكَلَمُكَ وَأَنْتَ تَقُولُ، أَعْلَفْتَ الْبَكْرَ -

”کیا تم پاگل ہو، میں تم سے مخاطب ہو کر بات کر رہا ہوں اور تم رہے تو بھٹی سے) کہتے ہو کہ لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ“

اس کے بعد سیدنا عدی بن حاتمؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :-
مَا كُنْتَ أَظُنُّ هَذَا الْبَالِسَ بَلِغَ بِهِ الضَّعْفُ كُلُّ مَا أُرَى -

مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ ضعف کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔

اپنے اس مشن میں ناکام ہو کر یہ سب حضرات واپس امیر زیاد کے پاس آگئے اور حجر بن عدی کی کچھ باتیں امیر زیاد کو بتادیں لیکن کچھ مصلحت کے تقاضے کے تحت پوشیدہ رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ حجر سے درگزر ہی کی جائے اور اس کے ساتھ سختی کی بجائے نرمی کا معاملہ کیا جائے۔

امیر زیاد کو حجر کی باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔

(البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۳، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۱۹)

اس کے بعد زیاد نے ایک خطبہ جمعہ دیا۔ مسجد میں حجر اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ امیر زیاد نے اس میں ظلم و بغاوت کے انجام سے متنبہ کیا اور کہا کہ ”ان لوگوں نے مجھے اپنے حق میں بے ضرر پایا تو جری ہو گئے۔ اگر یہ سیدھے نہ ہوئے تو ان کا علاج اسی دوا سے کروں گا جو ان کے لائق ہے نیز کہا :-

مَا أَنَا بِشَيْءٍ أَنْ لَحِمَ أَمْنَعُ بِأَحَدٍ الْكَوْفَةَ مِنْ حَجَرٍ

وَأَدْعُوهُ نَكَالًا مَنْ بَعْدَهُ -

اگر میں کوفہ کی سرزمین کو حجر سے پاک نہ کر دوں اور اس کو آنے والوں کے لیے عبرت کا سامان نہ بنا دوں تو پھر میں بھی کوئی شے نہیں ہوں۔

(طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۳، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸)

اس کے بعد امیر زیاد نے کہا کہ ”امیر المؤمنین (سیدنا معاویہؓ) کا یہ حق ہے“ اس پر حجر نے
فَاخْذْ حَجْرَكَ فَاصْبِرْ فَحَصِيهٖ وَقَالَ كَذَبْتَ عَلَيْكَ لعنة الله -

مٹھی بھر کر کنکریاں زیادہ کو ماریں اور کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم پر اللہ کی لعنت ہو۔
 زیادہ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خطبہ ختم کر کے منبر سے اترے نماز پڑھاٹی اور گورنر پاؤں
 چلے گئے اور حجر کو وہاں طلب کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۸)
 حسین بن عبداللہ الہمدانی اُسے بلانے گئے تو حجر کے ساتھیوں نے کہا :-
 لا یتہ ولا کرامۃ۔

یہ اُن کے پاس نہیں جائیں گے اور نہ ہی ہمارے نزدیک اُن کی کوئی عزت و
 تکریم ہے۔

» انہوں نے واپس آکر سپرنٹنڈنٹ پولیس شہزاد بن الہشیم العلالی کو اطلاع دی تو انہوں
 نے ایک جماعت ساتھ کر دی۔ یہ سب حجر کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ امیر کے پاس چلئے تو
 انہوں نے

فسبونا و شتمونا۔

انہوں نے ہمیں گالیاں دیں اور بڑا بھلا کہا۔
 انہوں نے واپس آکر امیر زیاد کو خبر دی تو انہوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس شہزاد بن الہشیم
 کو حجر کے لانے کے لیے بھیجا اور قبائلی سردار بھی بطور امداد ان کے ساتھ کر دیئے۔
 (طبری جلد ۴ ص ۱۹۱)

کو تو ال شہزاد بن الہشیم نے حجر بن عدی کو امیر کے پاس چلنے کے لیے کہا۔ حجر کیلئے
 نہیں تھے بلکہ اُن کے ساتھ حامیوں کی ایک اچھی خاصی جماعت تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔
 لا ولا نعمۃ عین لا نجیبہ۔

ہم پلک جھپکتے تک بھی امیر کا حکم نہیں مانیں گے۔
 اس پر فریقین میں لڑائی ہوئی جس میں پتھروں اور لالٹھیوں کا آزادانہ استعمال ہوا۔
 ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

فکان بینہم قتال بالحجارة والعصى فعجزوا عنہ۔
 ان کے درمیان پتھروں اور لالٹھیوں سے لڑائی اور سرکاری فوج حجر کے مقابلہ

میں عاجز اور ناکام رہی رابداتیہ والنہایتیہ جلد ۸ ص ۵۱، طبری جلد ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲

طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۹

اس لڑائی میں حجر کا ایک ساتھی عمرو بن الحمق فرار ہو گیا۔ حجر کے ایک ساتھی ابوالعمر طہ نے سرکاری فوج کے ایک فرد یزید بن طریف کے سر پر تلوار سے حملہ کیا گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ طبری کے الفاظ ہیں کہ :-

كَانَ ذَلِكَ السَّيْفُ أَوَّلَ سَيْفٍ ضَرَبَ بِهِ فِي الْكُوفَةِ

فِي اخْتِلَافِ بَيْنِ النَّاسِ -

یہ پہلی تلوار تھی جو کہ کوفہ میں اختلاف کے وقت چلی۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۹۲)

آخر حجر فرار ہو کر روپوش ہو گئے۔ زیاد نے محمد بن الاشعث کو ایک لشکر دے کر ان کی تلاش میں بھیجا جو برابر ان کی تلاش کرتے رہے۔ آخر کار حجر نے خود ہی اپنے آپ کو اس شرط پر گرفتاری کے لیے پیش کر دیا کہ :-

”مجھے امان دینی اور معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے“

امیر زیاد نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ حجر جب زیاد کے سامنے پیش ہوئے تو زیاد

نے انہیں قید میں ڈال دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا :-

”اگر مجھے امانت کا خیال نہ ہوتا تو یہ شخص کبھی بھی اپنی جان بچا کر نہ جاسکتا۔“

زیاد نے حجر کو دس روز قید میں رکھا۔ حجر کے ساتھی جو ان سپاہیوں کے سرغنہ تھے وہ تو بھاگ گئے تھے لہذا اب زیاد نے حجر کے ساتھیوں کی تلاش شروع کی۔ عمرو بن الحمق اور رفاعہ بن شداد موصل بھاگ گئے۔ عمرو بن الحمق کو گرفتار کر کے موصل کے حاکم کے پاس پیش کیا گیا۔ انہوں نے سیدنا معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ سیدنا معاویہؓ نے جواب میں لکھا کہ :-

”اس نے سیدنا عثمانؓ کو نیزے کے نوچرے کے دیٹے تھے ہم اس پر کوئی زیادتی نہیں

کرنا چاہتے۔ اسے بھی نیزے کے نوچرے کے لگائیں جائیں“

چنانچہ اسے نیزے کے نوچرے کے لگائے گئے۔ وہ پہلے یاد دوسرے چر کے ہی سے راہی

ملک عدم ہو گیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۹۴)

ان چاروں رئیسوں نے بالاتفاق درج ذیل شہادت قلمبند کروائی :-
 ”حجر نے اپنے گرد بہت سی جماعتیں جمع کر لی ہیں اور خلیفہ (سیدنا معاویہؓ) کو
 کھلم کھلا گالیاں دیتا ہے اور امیر المؤمنین کے خلاف جنگ کرنے پر لوگوں کو
 اکساتا ہے اُس کا خیال ہے کہ خلافت کا سوائے آل ابی طالب کے اور کوئی
 مستحق نہیں ہے اس کے ساتھی اس کے اصحاب کے سرغتمہ ہیں اُن کی رائے
 اور عمل بھی حجر ہی کے طرح ہے۔“

رہقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ (حضرات کے فیض صحبت سے وہ مقام حاصل کیا کہ علامہ ذہبیؒ کو ان کے
 بارہ میں یہ لکھنا پڑا :-

الویردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الفقیہ الاثمتہ
 الاثبات - (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۷)

اور ابن سعدؒ نے انہیں ”ثقة کثیر الحدیث“ کے القاب سے نوازا ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۷، تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۷۷)

دامن علمی کی اسی وسعت کی وجہ سے قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسند قضا پر متمکن ہوئے ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۷، شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۷۷) ان کے بعد ان کے صاحبزائے
 اس مندر پر ان کے جانشین بنے ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۸۷)

اپنے والد ابو موسیٰ اشعریؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا خلیفہ بن یحییٰؓ، سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ، سیدنا
 عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، عروہ بن زہیرؓ، سیدنا مغیرہؓ اور دوسرے کئی
 جلیل القدر حضرات سے احادیث و آیات کہیں ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۷)

اخلاق و عمل میں یگانہ روزگار تھے، یزید بن مہلب جس وقت خراسان کا گورنر تھا، اُس
 نے آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کو مملکت کا عہدہ پیش کیا، لیکن آپ نے انکار کر دیا ۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۷)

سنہ ۱۸۷ھ میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا ۔ (ابن سعد جلد ۵ ص ۱۸۷)

الوبردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ نے لکھا۔

ان حجر بن عدی خلع الطاعة وفارق الجماعة ولعن

الخلیفة ودعا الى الحرب والفتنة وجمع اليه الجموع

يدعوهم الى تكت البيعة وخلع امير المؤمنين معاوية -

حجر بن عدی باغی ہو گیا ہے اور جماعت سے مفارقت اختیار کر لی ہے، خلیفہ پر لعنت کرتا ہے، لوگوں کو جنگ اور فتنہ کی دعوت دیتا ہے اور اس کے گرد مختلف قسم کے جتنے جمع ہو گئے ہیں جن کو وہ بیعت توڑنے کی دعوت دیتا ہے اور امیر المؤمنین معاویہؓ کو چھوڑ دینے کی تحریک کرتا ہے۔ (طبری جلد ۴ ص ۲)

ان چاروں کے علاوہ وائل بن حجرؓ، کثیر بن شہابؓ، عامر بن مسعودؓ، محرز بن حارثہؓ

۱۔ وائل بن حجرؓ حضرت موت کے رئیس تھے اور ان کے والد حضرت موت کے سلاطین تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۱۰)

فتح مکہ کے بعد جب اسلام قبول کرنے کے لیے مختلف اطراف و اکناف سے لوگ وفود

کا شکل میں مدینہ طیبہ آئے شروع ہوئے تو آپ بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ وارد مدینہ ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آنے سے قبل صحابہؓ کو ان کی آمد کی خوشخبری سنائی کہ وائل بن حجرؓ جو سلاطین حضرت موت کی اولاد میں سے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مطیع و فرمانبردار بن کر اور دور دراز کی مسافت طے کر کے آرہے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو۔

رحب به وادناه من نفسه وقرب مجلسه ولبسطه له

رداءه فاجلسه عليه مع نفسه۔

آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے قریب کیا اور قریب بلا کر اپنی چادر کچھائی۔ اور انہیں

اپنے ساتھ اس پر بٹھایا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۵۵)

ابن حجر عسقلانیؒ نے ابو نعیم الاصبہانی کے حوالہ سے نقل کیا کہ۔

عید اللہ بن مسلم الحنفری وغیرہ اصحاب رسولؐ نے بھی حجر بن عدی کے خلاف شہادت دی۔ ان کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے صاحبزادوں اور حلیل القدر تابعین نے بھی اسی قسم کی شہادت دی جن میں حضرت طلحہؓ کے تینوں صاحبزادے، موسیٰ بن طلحہؓ، اسحاق بن طلحہؓ اور اسماعیل بن طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت منذرؓ اور سیدنا ولید بن عقبہؓ کے بھائی سیدنا عمارؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واصعدہ معدہ علی المنبر۔

آپ نے اُن کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹)

پھر آپ نے اُن کے لیے اور اُن کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

قبول اسلام کے بعد جب وائلؓ واپس جانے لگے تو آپ نے انہیں حضرموت میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی اور اُن کے لیے ایک خط مہاجرین امیہ اور دوسرا حضرموت کے سرداروں اور رئیسوں کے نام لکھ دیا۔

علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ واپس جا رہے تھے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو کچھ دور تک مشایعت کے لیے ساتھ بھیجا۔ وائلؓ سوار تھے اور سیدنا معاویہؓ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا، اور ریت کی شدید تپش کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کے پاؤں جھلنے جا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی۔ یہ چونکہ ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے اور دماغ میں ریشیت کی رعوت کے کچھ اثرات باقی تھے لہذا سیدنا معاویہؓ سے فرمایا۔

خاموش! تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

لیکن ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ ان کی سواری کے ساتھ چل رہے تھے تو سیدنا وائلؓ نے خود پیش کش کی کہ آپ میرے پیچھے بیٹھ جائیے لیکن سیدنا معاویہؓ نے کہا۔

لست من اراذل الملوك۔

میں بادشاہوں کے پیچھے بیٹھنے والا نہیں ہوں۔

رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ گواہوں پر شہادتیں حاصل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ امیر زیاد نے مختار بن ابی عبید اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کے صاحبزادے عروہ کو بھی گواہی دینے کے لیے بلایا لیکن انہوں نے بعض وجوہات کی بناء پر گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کا نام گواہوں کی فہرست میں نہ لکھا گیا۔ اور نہ ہی ان پر کسی قسم کی کوئی سختی کی گئی۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۱۰)

کل مترخصرات نے شہادت دی جو خاندانی نجابت اور دینی شرافت کے لحاظ سے کوفہ میں مشہور و معروف تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ زیاد نے شہادت دینے کے لیے یہ خاص شرط لگائی تھی کہ صرف انہی کی شہادت لی جائے جو دینی شرافت اور خاندانی نجابت کے اعتبار سے معروف ہوں۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۱۰)

ان سب شہادتوں کے ساتھ امیر زیاد نے یحیثیت گورنر کوفہ و بصرہ درج ذیل رپورٹ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو پیش کی :-

اما بعد! فان الله قد احسن عند امير المؤمنين اليك

(تقریباً حاشیہ صفحہ گذشتہ) سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں آپ ان کے پاس گئے۔ سیدنا معاویہؓ نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور نہایت عزت و تکریم کی اور اپنا وہ واقعہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ :- کیا اچھا ہوتا کہ میں اس دن انہیں اپنے آگے بٹھاتا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹)

واپسی پر سیدنا معاویہؓ نے کچھ تقدی دینی چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ سیدنا معاویہؓ نے جاگیر سپیش کی اس کو قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں کسی اور حاجت مند کو دے دیتا۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

سیدنا معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ کے عہد خلافت ہی میں وفات پائی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹، اصحابہ جلد ۲ ص ۳۱۲)

فكادله عدوة وكفاه مؤنة من بغى عليه ان طواغيت من
هذه الترابية السبائية رأسهم حجر بن عدى خالفوا
امير المؤمنين وفارقوا جماعة المسلمين ونصبوا لنا
الحرب فاطهرنا الله عليهم وامكننا منهم وقد دعوت
خيار اهل المصر واشرافهم وذوى السن والدين منهم
فشهدوا عليهم بما رأوا وعملوا وقد بعثت بهم الى
امير المؤمنين وكنت شهادة صلحاء اهل المصر و
خيارهم في اسفل كتابي هذا -

بے شک امیر المؤمنین کے دشمنوں نے بوقتہ ان کے خلاف اٹھایا حق تعالیٰ
نے اس سے انہیں محفوظ فرمالیا اور جن لوگوں نے ان کے خلاف علم بغاوت
بلند کیا تھا اللہ ان سے امن کے لیے کافی ہے۔ بے شک اس دلیل سبائی پارتی
کے اصرار نے جن کا سر غنہ حجر بن عدی ہے امیر المؤمنین کی مخالفت کی ہے اور
مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ و تشتت پیدا کیا ہے اور ہمارے خلاف
جنگ و جدل کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا
فرمایا اور ان کے مقابلہ میں ہمارے قدم جمادیئے میں نے کوفہ کے نیک اور
شریف لوگوں اور عمر رسیدہ اور دین دار حضرات کو دعوت دی انہوں نے
جو کچھ دیکھا اُس کے مطابق اپنی شہادتیں قلمبند کروائی ہیں۔ میں ان کو امیر المؤمنین
کے پاس بھیج رہا ہوں اور کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں نے جو شہادتیں دی
ہیں وہ میں اپنے اس خط کے نیچے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۲)
امیر زیاد نے اپنی یہ رپورٹ بمقام شہادتوں اور حجر بن عدی اور ان کے ۱۲ ساتھیوں
سمیت دو جلیل القدر صحابہ رسولؐ سیدنا و اہل بن بکرؓ اور سیدنا کثیر بن شہابؓ کے ہاتھ
سیدنا امیر المؤمنین معاویہؓ کی خدمت میں دمشق بھیج دی۔
سیدنا معاویہؓ نے اس ساری رپورٹ کو ان سب شہادتوں سمیت بغور ملاحظہ فرمایا۔

ان لوگوں کی خلاف ملک و ملت کارروائیوں سے وہ پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ اب اس خط کے ساتھ جلیل القدر صحابہؓ، تابعینؓ اور صلواتِ امت کی شہادتوں نے تمام قضیہ کو امیر المؤمنین کو واضح کر دیا۔ لیکن اپنے فطری حلم کی وجہ سے امیر المؤمنین نے امیرز یادگور کو کوفہ کو حسب ذیل خط لکھا :-

اما بعد! فقد فهمت ما اقتضت به من امر حرج و اصحابه و شهادة من قبلك عليهم فتظرت في ذلك فاحيانا ادى قتلهم افضل من تركهم واحيانا ادى العفو عنهم افضل من قتلهم - والسلام!

حجر اور اُن کے ساتھیوں کے بارہ میں جو کچھ واقعات تم نے لکھے ہیں اُن کو میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ تم نے جو شہادتیں بھیجی ہیں اُن سے بھی میں آشنا ہو گیا ہوں۔ میں اس معاملہ پر غور و خوض کر رہا ہوں کبھی سوچتا ہوں کہ ان کا قتل ان کے چھوڑنے سے افضل ہے اور کبھی سوچتا ہوں کہ عفو و درگزر کرنا قتل کی نسبت افضل ہے۔ والسلام

امیرز یاد نے سیدنا معاویہؓ کے خط کا درج ذیل جواب دیا :-
”جو لوگ حجر اور اُن کے ساتھیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اُن کی شہادتوں کے بعد مجھے انتہائی تعجب ہے کہ اُن کے بارہ میں آپ کی دوا میں ہیں۔“

فان كانت لك حاجة في هذا المصرف لا تؤذن حجرا واصحابه الخ -
اگر آپ کو اس شہر (کوفہ) کی ضرورت ہے تو حجر اور اُس کے ساتھیوں کو میری طرف واپس نہ بھیجیے۔
(طبری جلد ۴ ص ۲۰۳)

اس پر سیدنا معاویہؓ نے حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل کو حکم صادر فرما دیا۔ یہ لوگ رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ صبح کو جب سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں اور اصحاب نے اُن سے پوچھا کہ تم رات لمبی نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے ہو۔

فاخبرونا ما قولكم في عثمان قالوا هو اقل من جار في الحكم

و عمل بغیر الحق -

ہمیں بتاؤ کہ عثمانؓ کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے حکومت میں ظلم و جور کیا اور حق کے خلاف عمل کیا۔

(طبری جلد ۴ ص ۲۰۵)

سیدنا معاویہؓ کے اصحاب اُن کا یہ جواب سن کر کہنے لگے۔

”پھر تو امیر المؤمنین معاویہؓ تمہیں بخوبی جانتے ہیں۔“

جب امیر زیاد نے حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کو پانچواں سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق روانہ کیا، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے عبدالرحمن بن الحارث کو سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حجر کو رہا کر دیں۔ ادھر سیدنا معاویہؓ نے معاملہ کی نوعیت اور شہادتوں کے مطالعہ کے بعد حکم صادر فرمایا کہ ان کو ”عذراء“ مصافات و مشق لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ جب سیدنا معاویہؓ کے پاس ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا حجر کی رہائی کے بارہ میں پیغام پہنچا تو انہوں نے فوراً ایک قاصد کو اُن کی رہائی کا حکم دے کر بھیجا لیکن اس قاصد کے منہ سے پہلے حجر اور اس کے چھ ساتھی قتل کئے جا چکے تھے تاہم باقیوں کو رہا کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۲۱۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۴)

طبری نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر سیدنا معاویہؓ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی ملاقات ہوئی۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:-

”معاویہؓ اتم حجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کرنے کے بارہ میں اللہ سے تہ ڈرے۔“

آپ نے ام المؤمنین کو جواب میں کہا:-

لست انا قتلتهم، انما قتلهم من شہد علیہم۔
میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اُن لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے جنہوں نے
اُن کے خلاف شہادت دی ہے۔

(طبری جلد ۴ ص ۲۰۸، استیعاب ترجمہ حجر بن عدی)

یہ تھی اصل حقیقت حال حجر بن عدی کے قتل کی جس کو سیدنا معاویہؓ کے مخالفین اچھالتے ہیں اور سیدنا معاویہؓ پر مختلف قسم کی الزام تراشیاں کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ”سیدنا معاویہؓ نے ایک صحابی رسول کو قتل کر دیا“ حالانکہ حجر بن عدی کے بارہ میں محدثین کی صحیح رائے یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں تھے۔ امام بخاریؒ، امام ابن ابی حاتمؒ، ابو حاتمؒ، خلیفہ بن خیاطؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے امام ابو احمد عسکریؒ کا قول نقل فرمایا ہے:-

اکثر المحدثین لا یصحون لہ ضابطہ۔

اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کو صحیح نہیں سمجھتے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۱۳)

لیکن بالفرض انہیں صحابی مان بھی لیا جائے تو کیا صحابی اگر کوئی جرم کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہ پر حد جاری نہیں فرمائی تھی؟ لہذا اگر معاویہؓ کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا جاسکتا ہے حالانکہ ان کے صحابی رسول ہونے میں درابھی شک و شبہ نہیں تو حجر بن عدی کو بغاوت کے جرم میں قتل کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ کیونکہ وہ اپنی سادگی کی وجہ سے سپاہیوں کے ہتھے چڑھ کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ملک میں بد نظمی پیدا کر کے اطاعت امیر کے اسلامی جذبے کو فنا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اگر اس جرم میں حکومت نے انہیں سزا دی تو حکومت کو مطلع کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ مزید یہ کہ سیدنا معاویہؓ اور امیر زیادؓ ان کو اس سے قبل کئی بار زبانی فہمائش کر چکے تھے۔

دوسرے حجر کا یہ فعل اگر انفرادی حیثیت میں ہوتا تو شاید اس کو برداشت کر لیا جاتا۔ لیکن وہ تو باقاعدہ سپاہیوں کے رئیس اور سرغنہ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور سیدنا معاویہؓ اور ان کی حکومت کے خلاف سازش کرتے تھے اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتے اور مشتعل کرتے تھے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۷) پھر جب امیر زیادؓ نے ان کو بلانے کے لیے سپاہیوں کو بھیجا تو انہوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ اُسے سپاہیوں اور کوتوال شہر

شہداء بن الہیثم پر پتھروں اور ڈنڈوں سے حملہ کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱) جو ایک قسم کی بغاوت اور امور مملکت میں فتنہ پیرا کرنا تھا۔ اور فتنے سے متعلق خود قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ - (سورۃ - آیت ۷۷)

اور فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور گورنر کوفہ امیر زیاد سیدنا علیؓ کو میسر پرست و شتم کیا کرتے تھے اور حجر اس فعل شنیع پر ان کو برسر عام ٹوکتے تھے۔ یہ شنی زیاد کو پسند نہ آئی اور اُس نے ان کو قتل کر دیا۔ اگر اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ ایک تو اس لیے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ایک صحابی رسولؐ ہونے کی حیثیت سے معاذ اللہ اس قدر گھٹیا اور پست اخلاق کے مالک نہیں تھے کہ داماد رسولؐ اور محب رسولؐ کو مسجد میں منبر پر بیٹھ کر سب و شتم کریں اور نہ ہی امیر زیاد جن کی اخلاقی تربیت سیدنا علیؓ جیسے معلم اخلاق کی آغوش میں ہوئی تھی، اس قسم کا ردیل فعل کر سکتے تھے۔ دوسرے جو گالیاں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں حضرت علیؓ کا نام تک نہیں اور نہ ہی وہ حقیقت میں گالیاں ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔

فلما کان اول خطبۃ خطبہا زیاد بالکوفۃ ذکرہا فی آخرہا فضل عثمان و ذم من قتلہ و اعان علی قتلہ فقام حجر۔

جب زیاد نے کوفہ میں اپنا پہلا خطاب دیا تو اس کے آخر میں سیدنا عثمانؓ کی فضیلت بیان کی اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جنہوں نے عثمانؓ کو قتل کیا یا ان کے قتل پر اعانت کی۔ پس حجر کھڑے ہو گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱) طبری نے نقل کیا ہے :-

ذکر عثمان واصحابہ فقرظہم و ذکر قتلہم و لعنہم فقال حجر۔

اُس نے سیدنا عثمانؓ اور ان کے اصحاب کا ذکر کیا اور ان کی تعریف کی اور ان

کے قاتلوں کا ذکر کیا اور اُن پر لعنت بھیجی تو حجر کھڑے ہو گئے۔ (طبری جلد ۳ ص ۱۹۰)
علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

وترحمہ علی عثمان ولعن قاتلیہ وقال حجر۔

اُس نے عثمانؓ پر رحمت بھیجی اور اُن کے قاتلوں پر لعنت۔ پس حجر نے کہا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۳۷)

اسی طرح کے الفاظ ابن اثیرؒ نے الکامل میں اور مروج الذهب میں مسعودی نے اور دیگر مؤرخین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ مقام غور ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی فضیلت بیان کرنا اور ان کے قاتلوں کی مذمت کرنا اور ان لوگوں کی مذمت کرنا جہنوں نے اس معاملہ میں قاتلوں کی امداد کی سب و شتم میں شمار ہوتا ہے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ گالیاں ہیں تو اس میں سیدنا علیؓ کا نام کہاں سے آگیا؟ کیا سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کے قاتل تھے؟ یا انہوں نے قتل عثمانؓ پر قاتلوں کی اعانت کی تھی یا اُن کے قتل میں اُن کا کوئی ہاتھ تھا؟ ہرگز نہیں اور اگر ایسی باتیں کرنا سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنا ہے تو پھر سیدنا علیؓ نے خود بھی اپنے آپ کو گالیاں دی ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص ۲۸۷، ابن عساکر جلد ۷ ص ۸۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب و شتم نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کلمات سیدنا علیؓ کو گالیاں دینا ہے وہ ایک تو خود سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنے والا سمجھتا ہے، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے۔

دوسرے سیدنا علیؓ کو قاتلان عثمانؓ یا اُن کے ساتھیوں میں سے سمجھتا ہے اور سیدنا علیؓ اس سے بھی بری ہیں۔

تیسرے اگر کسی مستحق لعنت پر لعنت کرنا سب و شتم کرنا ہے تو پھر معاذ اللہ اس سے ذات بتوت پر بھی حرف آتا ہے بلکہ ذات خداوندی بھی اس سے ملوث ہوتی ہے، کیونکہ قرآن اور احادیث نبویہ میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ نے لعنت کے مستحقین پر لعنت بھیجی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر اس چیز کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ

اور امیر زیاد اپنے خطبوں میں برسر منبر سیدنا علیؑ پر سب و شتم کرتے تھے تو اُن کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کا یہ کون سا اسلامی طریقہ ہے کہ مسجد میں کھڑے ہو کر ان کو ایسے نقطہ سنائی جائیں اور سب و شتم کیا جائے اور مزید برآں یہ کہ اُن پر کنکر مارے جائیں بلکہ اپنے حسنِ اخلاق اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ اُن کو اس فعلِ شنیع سے روکا جاتا ہے۔

پانچویں چیز اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مورخین نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حجر بن عدی اور اُن کے ساتھی سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کیا کرتے تھے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے نہ کہ سیدنا مغیرہؓ اور امیر زیادؓ سیدنا علیؑ پر سب و شتم کرتے تھے، چنانچہ ابن کثیرؒ حجر بن عدی اور اُن کے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

و یستون معاویة و یترؤن منه۔

وہ معاویہؓ کو سب و شتم کرتے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵)

علامہ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں:-

فبلغ ان حجراً یجتمع الیه شیعة علی و یظہرون لعن معاویة

والبدایة منه وانہم حصبوا عمرو بن حریث۔

امیر زیاد کو پتہ چلا کہ حجر کے پاس شیعیان علیؑ جمع ہوتے ہیں اور سیدنا معاویہؓ پر کھلم کھلا لعنت بھیجتے ہیں اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے

قائم مقام گورنر کوفہ عمرو بن حریث کو پتھر بھی مارے ہیں۔

قریباً یہی الفاظ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الاثم والملوک جلد ۴ ص ۱۹ اور

علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۸ پر اور ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵ پر نقل کئے ہیں:-

پھر کوئل شہر شہزاد بن الہثیم نے جب حسین بن عبداللہ الہمدانی کو چند آدمیوں کے

ساتھ حجر کو بلانے کے لیے بھیجا ہے تو طبری کے الفاظ ہیں کہ:-

فسبونا و شتمونا۔

حجر اور اُن کے ساتھیوں نے ہمیں سب و شتم کیا اور بُرا بھلا کہا۔
 چھٹی چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر واقعی حجر بن عدی مظلوم شہید کئے گئے تو اُن کے
 قتل کا الزام سیدنا معاویہؓ کو کیوں دیا جاتا ہے، الزام اگر دیتا ہے تو امیر زیاد کو دیا جائے
 یا اُن شتر گواہوں کو دیا جائے جنہوں نے گواہی دی کہ حجر اور اُن کے ساتھی باغی ہیں۔ اب
 اگر گواہوں نے غلط گواہی دی تو اس کا گناہ گواہوں پر ہے یا غلط گواہ بھیجنے والے پر ہے کہ
 قبضہ کر نیوالے پر چنانچہ حجر بن عدی کے قتل کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے
 جب سیدنا معاویہؓ سے فرمایا:-

یا معاویۃ! ما خشیت اللہ فی قتل حجر واصحابہ۔
 اے معاویہؓ! تمہیں حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتے وقت خدا کا
 خوف نہ آیا۔

تو جواب میں سیدنا معاویہؓ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت
 میں عرض کیا:-

لست انا قتلتمہم انما قتلہم من شہد علیہم۔
 میں نے اُنہیں قتل نہیں کیا بلکہ اُنہیں اُن لوگوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے
 اُن کے خلاف شہادت دی ہے۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۰۸)
 سیدنا معاویہؓ نے تو شتر شاہدوں کی شہادت پر جو امیر زیاد نے قلمبند کر کے اُنہیں
 بھیجی تھی جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ، عالی مرتبت تابعینؓ اور عظیم الشان صلحاؓ
 اُمت تھے، ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اب اگر گواہوں کی شہادتیں غلط اور خلاف حقیقت تھیں
 اس کا گناہ اُن پر ہے۔ سیدنا معاویہؓ تو اس سے بری الذمہ ہیں۔

ساتویں چیز یہ کہ اگر واقعی حجر بن عدی مظلوم شہید ہوئے اور سیدنا معاویہؓ نے اُن کو
 مظلوم شہید کیا تو قاتل اور مقتول دونوں اب حق تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہاں
 حق و باطل اور ظالم و مظلوم کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ ہمیں ان امور میں الجھنے کی

کیا ضرورت ہے اور صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کا کیا حق ہے؟ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ حجر بن عدیؓ کے قتل کے بعد ایک دفعہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے سیدنا معاویہؓ سے پوچھا کہ:-

این ذهب عنک حلمک یا معاویۃ حین قتلت حجرًا۔
اے معاویہؓ! جب تم نے حجر کو قتل کیا تو اُس وقت تمہارا حلم اور تمہاری بردباری کہاں گئی تھی؟

آپ نے ام المؤمنین سلام اللہ علیہا کے جواب میں کہا:-
”اماں! آپ کے ساتھ میرے سلوک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟“
سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:-
انک فی لبار۔

میرے ساتھ تو تم بہت اچھا سلوک کرنا چاہتے ہو اور میری اطاعت کرنا چاہتے ہو۔
سیدنا معاویہؓ نے کہا:-

یکفینی ہذا عند اللہ وغدالی ولحجر مؤقف بین یدی اللہ عزوجل۔
مجھے اللہ کے ہاں یہی کافی ہے۔ کل مجھے اور حجر کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

ایک اور روایت میں جواب کے الفاظ یوں مروی ہیں:-
قد عینی وحجراً حتی نلتقی عند ربنا۔

آپ میرے اور حجر کے معاملہ کو رہنے دیں یہاں تک کہ ہم دونوں بارگاہِ ایزدی میں ملیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۳، ۵۵، الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۶)
علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا معاویہؓ کا یہ جواب بھی نقل فرمایا ہے۔

یا ام المؤمنین انی رأیت فی قتالہم صلاحاً للامۃ وفی مقامہم فساداً للامۃ۔

اے اُم المؤمنین! میں نے اُس کے قتل میں اُمت محمدیہ کی بہتری اور اُس کے چھوڑنے میں اُمت کی خرابی دیکھی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۵۔)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! اِنِّى وَجَدْتُ قَتْلَ رَجُلٍ فِى صَلَاحِ النَّاسِ خَيْرٌ مِنْ اسْتِحْيَاؤِهِ فِى فِسَادِهِمْ۔

اُم المؤمنین! میں نے لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کا قتل اُس کی زندگی سے بہتر سمجھا جس سے لوگوں میں فتنہ اور فساد برپا ہو۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۵۔)

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک شخص جب فتنہ و فساد برپا کرتا ہے تو پھر اُس کے فتنہ و فساد کی وجہ سے بعض دفعہ لاکھوں انسان قتل ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں بیان فرمایا:-
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ۔

فتنہ و فساد قتل سے بھی شدید تر ہے۔
یہی وجہ تھی کہ جب سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے قاصد سیدنا عبدالرحمن بن حارث نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ کیا آپ نے حِز بن عدی کو قتل کر دیا تو جواب میں آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-
قَتَلْتُ احَبَّ اِلَىَّ مِنْ اَنْ اَقَاتِلَ مَعَهُ مِائَةَ اَلْفٍ۔

اُس کیلئے کا قتل میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے نسبت اس کے کہ میں (بعد میں) اُس کی وجہ سے ایک لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۴۷۔)

گویا کہ حِز بن عدی اور اُس کے چند ساتھیوں کو قتل کر کے سیدنا معاویہؓ نے اُمت کے کئی لاکھ انسانوں کو قتل سے بچا لیا۔ وگرنہ حِز اور اُس کے چند ساتھیوں کی سازش اگر

کامیاب ہو جاتی تو نہیں معلوم جمل و صفین کی طرح پھر کتنی زبردست جنگوں میں اُمت کو مبتلا ہونا پڑتا اور اُس کے نتیجہ میں کتنے لاکھ نفوس میدان جنگ میں کام آتے اور کتنے سالوں تک اُمت اطمینان کی حالت کو ترستی رہتی۔ ہم تو ابھی تک جمل اور صفین کی جنگوں کے پیدا کردہ فتنے کو فروغ نہیں کر سکے اگر خدا نخواستہ پھر فتنہ کھڑا ہو جاتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُمت کا اس میں کس قدر جسمانی اور روحانی نقصان ہوتا۔ سیدنا معاویہؓ کا اُمت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس طریقے سے اُمت کو فتنہ و فساد کی مہلک آگ سے بچا لیا۔

سیدنا علیؑ پر سب و شتم

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں ایک نہایت مکروہ بدعت شروع کی کہ وہ خود اور اُن کے تمام گورنر اپنے خطبوں میں برسرِ عام سیدنا علیؑ پر سب و شتم کرتے یہاں تک کہ مسیٰ نبویؐ کے منبر پر بھی آپ پر سب و شتم کی بوچھاڑ ہوتی۔ یہ اعتراض بھی ایسا ہے جو جعلی اور موضوع روایات پر مبنی ہے کیونکہ نبوۃ امیہ کے عمال اور سربراہان کے ایجنڈ (Image) کو خراب کرنے کے لیے دشمنانِ اسلام نے جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، اس قسم کی روایات وضع کی ہوئی ہیں، صحابہؓ جن کو حق تعالیٰ نے اپنی رضا کا ٹریفکیٹ دیا ہوا ہے اُن سے اس قسم کے اخلاق کا مظاہرہ محال و ناممکن ہے۔ پھر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا:-

وَلَكِنَّ اللَّهَ جَبَّارٌ عَلِيمٌ اَلَيْسَ الَّذِي فِي قُلُوبِكُمْ وَكِرَةً اِلَيْكُمْ
الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعِصْيَانُ اُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضَلَا
مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الحجرات آیت ۷)
اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان سے
تمہارے دلوں کو مزین کر دیا اور کفر، فسوق اور عصیان کو تمہارے لیے
مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں اللہ
تعالیٰ کے فضل اور اُس کے احسان سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے والا اور
حکمت والا ہے۔

اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:-

ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اُن تمام احکام کی محبت ہو (یعنی فرائض اور

اور مستقات دونوں کی محبت ہو، اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر کی ہو
گی۔ اور بعض مرتبہ صرف فسوق اور عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل
کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی
نفرت کرے۔ (کتاب الایمان ص ۱۰۰)

سب دشمن ان معنوں میں جن معنوں میں دشمنان صحابہؓ مراد لیتے ہیں فسق ہے کیونکہ
حدیث میں صاف الفاظ میں مرقوم ہے:-
سباب المسلم فسوق۔

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (بخاری)

اب اگر سب دشمن اپنے حقیقی معنوں میں ہے تو وہ تو "فسق" ہے اور قرآن صاف
الفاظ میں صحابہؓ سے "فسوق" کی نفی کر رہا ہے۔ اب یا تو قرآن کو صحیح مان لیں یا ان روایات کو
صحیح مان لیں جن کے راوی ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ جیسے کٹر شیعہ اور مشام بن الکلبی جیسے افسی
السان المیزان جلد ۴ ص ۱۶۹، المنتقی ص ۲۱ ہیں اور جنہوں نے صحابہؓ کی جو قرآن و حدیث کے
اولین راوی ہیں، پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ہزاروں جعلی روایتیں گھڑی ہیں اور
مورخین نے ان کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

سیدنا معاویہؓ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ سردار قریش سیدنا ابوسفیانؓ کے فرزند
ارجمند اور یزید بن ابی سفیانؓ اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے بھائی اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے والد کے
چشم و چراغ تھے جس کی سیادت سائے عرب میں مسلم تھی۔ اُس والدہ کے بیٹے تھے جس
نے فتح مکہ کے روز جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غورٹوں سے بیعت لی۔ اور
زمانہ کرنے کے متعلق فرمایا تو ہند والدہ سیدنا معاویہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا
شریف عورت زنا کر سکتی ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر کہ کسی پرہیزگار
نہ لگانا ہندہؓ نے عرض کیا:-

واللہ ان اتیان البهتان یقبح وما تأمرنا الا بالرشد

ومکارم الاخلاق -

خدا کی قسم کسی پریشان باندھنا نہایت ہی بُرا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور مکارم اخلاق کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتے۔

زرقانی جلد ۲ ص ۳۱۶، کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۹۶)

ایسی بلند ہمت اور اعلیٰ اخلاق کی مالکہ عورت کا ایک عظیم الشان بیٹا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خاص دعاؤں سے توارا ہو۔

ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۱، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۷۷)

کیا داماد رسول پرست و شتم کر سکتا ہے یا اپنے عمال کو سب و شتم کا حکم دے سکتا ہے؟ یہ صرف دشمنان صحابہؓ نے صحابہؓ کو بدنام کرنے کے لیے ایسی روایات گھڑی ہوئی ہیں حقیقت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔

بخاری میں ایک روایت ہے جس سے سب و شتم کا پتہ چلتا ہے جس کو یار لوگوں نے گور کے معنوں میں لیا ہے۔

اِنَّ رَجُلًا جَاءَ اَنَا سَهْلًا مِنْ قُفَالٍ هَذَا قُلَانٌ لَا مِيرَ الْمَدِينَةِ يَدْعُو عَلِيًّا عَنِّي اَمِيرًا قَالِ فَيَقُولُ مَاذَا قَالِ يَقُولُ لَهُ الْبُتْرَابُ فَضَحِكُ وَقَالَ اللَّهُ مَا سَمَاهُ الْاَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَمَا كَانَ لَهُ اسْمٌ رَحِبَ إِلَيْهِ مِنْهُ -

ایک شخص سیدنا سہلؓ کے پاس آیا اور بولا کہ امیر مدینہ منیر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ کو سب کرتا ہے۔ حضرت سہلؓ نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ انہیں "البتراب" کہتا ہے سیدنا سہلؓ ہنس پڑے اور فرمایا، خدا کی قسم اس نام سے تو انہیں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے زیادہ پیارا نام کوئی اور نہ تھا۔

بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا سہیل بن سعدؓ سے یہ کہا گیا کہ :-
ان امیرا لمدينة يد يدان بيعت اليك تسب عليا عند
المنبر، قال كيف اقول، قال تقول ابو تراب -

امیر مدینہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ سے سیدنا علیؓ پر برسر منبر سب کر دینا
چاہتا ہے۔ آپ نے کہا کیا کہوں؟ کہا کہ آپ انہیں ابو تراب کہیں۔
سیدنا سہیل بن سعدؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ بخدا یہ نام تو آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے رکھا ہوا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے پیارا اور کوئی نام ہی نہیں تھا۔
(الاستیعاب جلد ۳ ص ۵۵، فتح الباری جلد ۷ ص ۵۸)

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی سیدنا علیؓ کو ان کے اس لقب سے
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھا، پکارتا تو سبائی جن کی ایک اچھی
خاصی تعداد شہادت عثمانؓ کے بعد سیدنا علیؓ کے گرد جمع ہو گئی تھی اور بظاہر دوست و سببا ملن
دشمن کے روپ میں ان کے خلاف ابھی نہ سر پھیل رہی تھی، اس شخص کو بدنام کرنا شروع کر دیتے
کہ دیکھو فلاں شخص سیدنا علیؓ کو سب و شتم کر رہا ہے۔ اور سب و شتم کی حقیقت صرف
اتنی تھی کہ ان کو اس لقب سے یاد کیا جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ
محبوب تھا یعنی ”ابو تراب“ آپ تاریخ کی کتابوں کنکال جائیے آپ کو سب و شتم کی اس
کے علاوہ اور کوئی حقیقت نظر نہیں آئے گی۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ابن الکلبی اور ان
کے متبعین یہ تو نقل کریں گے کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے گورنر سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرتے
لیکن جب ان سے سب و شتم کی حقیقت پوچھی جاتی ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ان کو خطبوں
میں ”ابو تراب“ کہا جاتا۔ اصل میں ”ابو تراب“ کہنے والا سیدنا علیؓ کو سب و شتم نہیں کر رہا بلکہ
”ابو تراب“ کو سب و شتم سمجھنے والا دراصل سیدنا علیؓ کو سب و شتم کر رہا ہے۔

بعض حضرات اپنے موقف کی تائید میں صحیح مسلم کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ
عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ :-

امیر معاویہ بن ابی سفیان سعداً فقال ما منعك ان تسب

ابا تراب، فقال اما ما ذكرت ثلاثا قالهن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلن استبه... الخ

سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا، پھر کتاب کو کس شی نے روکا ہے کہ آپ ابو تراب (سیدنا علیؓ) پر "سب" کریں انہوں نے جواباً کہا کہ جب میں ان تین ارشادات کو یاد کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علیؓ کے متعلق فرماتے تھے تو میں ہرگز ان پر "سب" نہیں کر سکتا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

اس روایت کے محدثین نے کئی جوابات دیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۷) لیکن اس حدیث میں "سب" کا مطلب گالی نہیں بلکہ اختلاف رائے اور غلطی پر لوگنا ہے کیونکہ "سب" کے معنی ہر جگہ گالی دینا نہیں ہوتا۔ اگرچہ برا بھلا کہنے اور گالی دینے کو بھی عربی زبان میں "سب" کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے سفر میں صحابہؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو تو،

فلا یمس من مائها شیئاً حتی اتی۔

میرے پہنچنے سے پہلے اُس کے پانی کو کوئی نہ چھوئے۔

اتفاقاً دو رفقاء قافلے سے آگے نکل کر چشمہ پر پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے پانی پی لیا۔

آپ کو ان کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو استعمال کیا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

فسیّهما النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو "سب" فرمایا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو گالی گکوت کیا یا ان پر سب و شکم کی بوچھاڑ کر دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ آپ نے اُن دونوں کی غلطی پر اُن کو ٹوکا یا ان کے اس کام سے اختلاف فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب کا ہر جگہ معنی گالی ہی نہیں ہوتا بلکہ اختلاف رائے کرنا اور غلطی پر لوگنا بھی ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اور دوسرے اکابر بنو امیہ کو بدنام کرنے کی خاطر ایسی روایتیں وضع کی گئیں مگر سیدنا معاویہؓ تو سیدنا علیؓ کے مخالف اور دشمن تھے کہ ان پر سب و شتم کرتے اور نہ کم ظرف تھے کہ سیدنا علیؓ کے فضائل اور مناقب کا اعتراف نہ کرتے۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں تمام لوگوں کے سامنے سیدنا علیؓ کے اپنے سے افضل اور بہتر ہونے کا اعتراف فرمایا:-

لن یاتیکم من بعدی الا من انا خیر منه کما ان من
قبلی کان خیر منی۔

میرے بعد تمہارے پاس جو خلیفہ بھی آئے گا میں اُس سے بہتر ہوں گا جس طرح مجھ سے پہلے جتنے خلفاء تھے۔ مجھ سے بہتر تھے۔ (ابن اثیر جلد ۴ ص ۲)۔
روایات میں آتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کا اکثر ذکر کر کے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدائی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علیؓ کی یاد آئی۔ فرمایا ضرار! سیدنا علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا، کیونکہ وہ تمہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب و محترم کی یاد میں اپنے قلب کو غمناک کریں، لیکن سیدنا معاویہؓ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سُنتے کا اشتیاق تھا، لہذا آپ نے اصرار فرمایا۔ آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو شہید فی ہے۔ کہا:-

”حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے۔ نبیؐ ملی بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ سراپا علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ چھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موجزن تھا۔ دنیا اور اُس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ متنصر تھا۔ رات کی نیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا۔ آخرت کے لیے بہت فکر مند بلکہ ہر

وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے
 یک قلم خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا ہم ہی کی طرح رہتے تھے۔ کچھ امتیاز نہیں
 تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ باوجودیکہ وہ
 ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم اُن سے، وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور
 خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب داب
 اور آپ کی ہیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ
 ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے۔ متدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب
 میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بتاتے تھے، اُن کے سامنے طاقتور ناحق
 ہیں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس
 نہیں ہو سکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کاروانِ شب
 رختِ سفر باندھنے کو ہے۔ چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی
 جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغِ سحر کی طرح اپنے آخری
 سانسوں پر ہیں اور زہدانِ شب زندہ دار دعاۓ نیم شبی کے لیے اپنے نرم و
 نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیے مار گزیدہ
 اور عاشقِ خواب، تاویدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے
 فرما رہے ہیں۔ اے دنیا! اے قریب دینے والی دنیا! یہ قریب کسی اور کو دے،
 تو مجھ سے اپنی چاہت اور اسیبت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق
 سے میری جانب لپک رہی ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں
 اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ میں کبھی بھی تیری طرف
 آنے کا نہیں۔ تیری عقلِ قلیل اور تیرا مقصدِ ذلیل، لیکن راستہ اور سفر طویل اور زار و
 بالکل حقیر و قصیر ہے۔

یہ سننا تھا اور دیکھتے والوں نے دیکھا کہ سیدنا معاویہؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں
 کی ندیاں رواں تھیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

رحمہ اللہ ابا الحسن، کان واللہ کذلک، کاذب واللہ
کذلک۔

اللہ تعالیٰ ابوالحسن (سیدنا علی رضی) پر رحم فرمائے۔ واللہ! وہ ایسے ہی تھے وہ ایسے
ہی تھے۔ (الاستیعاب جلد ۳ ص ۴۳۴، روضۃ النظرۃ جلد ۲ ص ۲۱۲)
سیدنا علی رضی کے سیاسی فکر سے اختلاف ہونے کے باوجود آپ اُن کے تقویٰ، فضل و
کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت اور علم و حکمت کے معترف تھے۔
چنانچہ جب آپ کو سیدنا علی رضی کی شہادت جانکاہ کی خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ محترمہ
سیدہ فاختہ بنت قریظہ رضی کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً اٹھ بیٹھے
اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس کے بعد رونا شروع کر دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا:۔
اُتبیکیہ وقد قاتلتہ۔

آپ اُن پر آنسو بہا رہے ہیں حالانکہ آپ اُن سے لڑ چکے ہیں۔
آپ نے فرمایا:۔

انک لا تدبرین ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم۔
تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و فضل اور رفقہ
میں فقیہ المثال تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۱)

سیدنا علی رضی پر معاویہ کا سب و شتم کرنا اور اپنے گورنروں کو اس کی تلقین کرنا کیسے ممکن
ہو سکتا ہے؟ جب کہ آپ کسی کے منہ سے سیدنا علی رضی کے خلاف کوئی بات بھی سننے کے لیے
تیار نہ تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بسر بن ارطاةؓ نے سیدنا معاویہؓ اور
سیدنا زید بن عمر الخطابؓ کی موجودگی میں سیدنا علی رضی کے بارہ میں کوئی نازیبا کلمہ کہہ دیا۔ سیدنا
معاویہؓ نے اس پر ابن ارطاةؓ کو زہر و تویخ کی اور فرمایا:۔

لشتم علیاً وھو جدُّہ۔

تم علیؓ کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ وہ ان کے نانا ہیں۔

(ابن اثیر جلد ۴ ص ۵، طبری جلد ۴ ص ۲۴۸)

اللہ زید بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہما سیدنا عمر امیر المومنینؓ کے صاحبزادے اور سیدنا علی رضی کے

یہ روایت اس بات کی بین دلیل ہے کہ سیدنا معاویہؓ نہ تو خود اور نہ ہی ان کے گورنر سیدنا علیؓ کو اپنے خطبات میں سب و شتم کرتے تھے، کیونکہ جب ایک خاص مجلس میں سیدنا

رَبِیْعِیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نو اسے تھے۔ کیونکہ سیدنا علیؓ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ جو سیدہ فاطمہؓ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں، سیدنا عمرؓ کے نکاح میں تھیں۔ اس لحاظ سے سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ بعض جاہل حضرات اپنے گروہی تعصب کی وجہ سے اس نکاح کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعہ سنی دونوں مذاہب کی معتبر کتابیں اس نکاح کی ناقابل تردید شہادت دیتی ہیں۔ اور کوئی صاحب علم اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ سیدنا عمرؓ کی سیدنا علیؓ سے اس رشتہ داری کا انکار کر سکے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے معتبر کتاب فروع کافی میں ہے کہ امام جعفر الصادقؑ سے کسی نے اس نکاح کے بارہ میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا :-

ان ذالک فرج غصبناہ -

یہ ایک رشتہ تھا جو ہم سے چھین لیا گیا۔ (فروع کافی جلد ۲ ص ۱۴۱)

۲۔ اسی کافی میں ایک اور مقام پر آتا ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ اپنی عدت کے ایام اپنے گھر میں گزارے یا جہاں چاہے گزار سکتی ہے۔ آپؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے۔ اس لیے کہ جب سیدنا عمرؓ فوت ہوئے تو سیدنا علیؓ اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گئے۔

(فروع کافی جلد ۲ ص ۱۴۱، تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۲۳۸، الاستبصار جلد ۳ ص ۱۸۶)

۳۔ سیدنا جعفر صادقؑ اپنے ابا سیدنا محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ ام کلثومؓ بنت علیؓ اور ان کا صاحبزادہ سیدنا زید بن عمرؓ بن الخطابؓ ایک ہی گھڑی میں فوت ہوئے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں پہلے کون فوت ہوا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث بن سکے اور ان دونوں پر نماز جنازہ اکٹھی پڑھی گئی۔ (تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۲۳۸)

۴۔ مولا باقرؑ مجلس جو شیعہ مذہب کے خاتم المحدثین کہے جاتے ہیں ایک مقام پر ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

معاویہؓ نے اپنے خاص رفیق سیدنا بسیر بن ارطاةؓ کو جب انہوں نے کسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی شان میں کوئی نازیبا سا لفظ کہا، ڈانٹ دیا اور سیدنا علیؓ کے نواسے اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے کے جذبات کا احترام فرمایا تو ایسا شخص برسرِ عام اس فعل کا کیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ام کلثومؓ فہی التي تزوجہا عمر بن الخطاب۔

یہ وہی ام کلثومؓ ہیں جن سے عمر بن الخطابؓ نے نکاح کیا تھا۔

(بحار الانوار ص ۶۲۱، باب احوال اولادہ وازدایہ وامنات اولادہ)

۵۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب میں محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

محمد بن جعفر بعد از موت عمر بن خطابؓ بشفی مصاہرت حضرت امیر المؤمنینؓ مشرف گشتہ ام کلثومؓ را کہ با عدم کفایت از روئے اکراہ در جبالہ عمر بود تزویج نمود۔

محمد بن جعفر نے سیدنا عمرؓ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ امیر المؤمنینؓ کے داماد ہونے کا ثمر حاصل کیا۔ ام کلثومؓ کو جو کفو کے نہ ہونے کی وجہ سے جبری طور پر حضرت عمرؓ کے جبالہ عقد میں تھیں نکاح کیا۔ (مجالس المؤمنین ص ۱۹۵)

۶۔ انہی ام کلثومؓ سے سیدنا عمرؓ کی ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی جس کا نام رقیہؓ تھا۔ ان رقیہ بنت عمرؓ کا نکاح ابراہیم بن نعیمؓ نحام عدوی سے ہوا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:-
ابراہیم بن نعیمؓ نحام عدوی کا نت عندہ رقیہ بنت عمرؓ و امہا ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب۔

ابراہیم بن نعیمؓ نحام عدوی اُن کے نکاح میں رقیہ بنت عمرؓ تھیں جن کی والدہ ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب تھیں۔ (کتاب المجر ص ۵۴)

(تفصیل کیلئے دیکھئے مجالس المؤمنین ص ۲۸۲، ۱۹۵، ص ۸۴، تہذیب الاحکام ص ۲۳۸، ہرۃ المعقول

ص ۴۸، ۱۹، اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ ص ۲۰۴، کتاب المجر ص ۴۴)

اہل السنۃ والجماعت کی حدیث اور تاریخ کی ہر کتاب میں اس نکاح کا تذکرہ مذکور ہے۔

از کتاب کرسکتا ہے اور تمام اہل بیت نبوت کے جذبات کو اس طرح کیسے مجروح کر سکتا ہے ؟
تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت بھی فراہم کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؓ
اور ان کے خاندان سے بہت محبت تھی اور آپؓ ان کی بہت تعظیم و توقیر فرمایا کرتے تھے
مختلف قسم کے ہدیے اور تحائف ان کی خدمت میں ارسال فرماتے اور وہ بصد خوشی و
مسرت ان ہدیوں کو قبول فرماتے۔

۱۔ آپ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارات
فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۱۷)

ب۔ آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو دیتے اور ان کے
بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو دیتے
اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ (جو سیدنا حسینؓ کے بہنوئی اور آپؓ کی بہن سیدہ
زینبؓ کے خاوند تھے) کو دیتے تھے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲۳)

ج۔ ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا حسینؓ کو دیتے
جو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷۱)

د۔ سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ
کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت
تحائف و غیرہ دیتے۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے
پاس جاتے اور وہ ان کو بہت عطیات و غیرہ دیتے اور وہ بہت عزت و تکریم
سے پیش آتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، ۱۵۲)

اب اندازہ فرمائیے کہ جو شخص سیدنا علیؓ کے صاحبزادوں اور ان کے قرابتداروں کی
اس قدر تعظیم و تکریم کرتا ہے اور ان کو مختلف عطیوں اور تحائف سے نوازتا ہے اس کے
متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود سیدنا علیؓ پر برسرِ منبرِ رسولؐ سب و شتم کرتا ہوگا ؟ اور
اگر بقول ان کذاب رپورٹروں کے سیدنا معاویہؓ ایسا کرتے تھے تو ان صاحبزادوں اور سیدنا علیؓ
کے دیگر قرابتداروں کی حمیت و غیرت کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ پھر بھی ان کے ہدیوں اور تحائف

کو قبول کرتے بلکہ خود یہ ہدیے اور تحائف لینے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق جاتے اصل بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اور اُن کے گورنر سب و شتم کے فعل قبیح کے مرتکب ہوتے تھے اور نہ ہی سیدنا علیؓ کے قرابت دار خیرت و حمیت سے عاری تھے۔ یہ دراصل سبائیوں کی بنائی ہوئی روایات ہیں جو بنو امیہ کو بدنام کرنے اور عوام کے دل سے اُن کی عزت و توقیر نکالنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔ اگر سبائی راویوں کی روایات پر ہی اعتماد کر کے صحابہؓ کو مطعون کرنا مقصود ہے تو اُن کے وضع کردہ روایات سے تو سیدنا علیؓ کا دامن بھی نہیں بچا۔ سیدنا معاویہؓ پر تو انہوں نے صرف یہی الزام عائد کیا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کو ”ابو تراب“ کہتے تھے اور یہ سب و شتم تھا۔ لیکن روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر سی اور حامی سیدنا معاویہؓ کو برا بھلا کہتے آپ نے اُن لوگوں کو اس فعل قبیح سے باز کرنے کے لیے ایک گشتی مراسلہ (Circular) تمام شہروں میں ارسال فرمایا جس سے لوگوں کو سیدنا معاویہؓ کے مقام سے آشنا فرمایا اور اُن کی دینی منقبت اور علم و مرتبت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ اُس گشتی مراسلہ کے الفاظ یہ ہیں:-

وكان بدارنا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر
ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام
واحدة ولا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق
برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه
من دم عثمان ونحن منه براد.

اور ابتداء ہمارے واقعات کی اس طرح ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا رب ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہمارا اور ان کی اسلام کے بارے میں دعوت بھی ایک نہ ہم ایمان یا اللہ اور تصدیق یا الرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ان باتوں میں ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور اُن کا معاملہ ایک ہے۔ اختلاف صرف شہادت عثمانؓ کے بارے میں ہے اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ (منہج البلاغت جلد ۲ ص ۱۱۸)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمرؓ اور
ابن العاصؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے بلکہ نمازوں میں
بھی ان پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حکیم کے فیصلے کے بعد ابن عباسؓ اور شریح بن ہانیؓ
سیدنا علیؑ کے پاس آ گئے۔ اب ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ نماز فجر میں یہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ
ابوالاعور السلمیؓ، حبیبؓ، عبد الرحمن بن خالدؓ بن ولیدؓ، ضحاک بن قیسؓ اور ولیدؓ پر نام لے کر
لعنتیں بھیجتے۔ (طبری جلد ۶ ص ۷۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۸۳،
ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۷)

طبری کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن
العاصؓ کو الفاجر بن الفاجر اور الکافر بن الکافر کہا۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۸)
ابو حنیفہ الدینوری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؑ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدیؓ
اور عمرو بن الحمق سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے اور دوسروں کو سب و شتم کرنے کی ترغیب
دیتے ہیں اور اہل شام پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو کہلا بھیجا کہ وہ ایسی باتوں سے
فوراً اپنی زبان کو روکیں۔ دونوں سیدنا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا امیر المؤمنین!
کیا ہم حق پر اور اہل شام باطل پر نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ رب کعبہ کی قسم، درست ہے
اتھوں نے کہا پھر آپ ہمیں انہیں گالیاں دیتے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔
آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ۔
بلکہ ایسا کہہ کر وہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خونریزی کو بند فرما اور ہمارے درمیان
صلح و آشتی اور الفت و محبت پیدا فرما اور ان کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستہ پر ڈال
حتیٰ کہ یہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔ (راخبار الطوال ص ۱۶۵)
علامہ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ صفین کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا:-
اللّٰهُمَّ الْعَن اَهْلَ الشَّامِ -

اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما۔
سیدنا علیؑ نے جب یہ سنا تو فرمایا:-

کالتبت اهل الشام فان بها الابدال فان بها الابدال فان
بها الابدال -

اہل شام کو سب و شتم مت کرو۔ کیوں وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے
ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲)
ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؑ نے صفین میں ایک خطبہ کے دوران
فرمایا:-

فان معاویۃ وعمر و ابن العاص و ابن ابی معیط و
حبیب بن مسلمہ و ابن ابی سرح والضحاك بن قیس
لیسوا باصحاب دین ولا قران وانا اعرف بهم منکم قد
صحبتہم اطفالاً وصحبتمہم رجالاً فکانوا شراطفال
وشر رجال -

یہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابن ابی معیطؓ، حبیب بن مسلمہؓ، ابن ابی سرحؓ،
ضحاك بن قیسؓ دین اور قرآن سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں۔ میں انہیں
تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں بچپن میں بھی ان کے ساتھ رہا اور جب یہ جوان
ہوئے اُس وقت بھی ان کے ساتھ رہا یہ بچے تھے تو بدترین تھے اور مرد تھے
تو بدترین تھے۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶، ابن ابی الحدید
جلد ۲ ص ۲۱۶، طبری جلد ۴ ص ۲۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۷۲)
طبری ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ کے ایک وفد
سے فرمایا:-

”معاویہؓ وہ ہیں جن کے لیے حق تعالیٰ نے دین میں کوئی فضیلت نہیں رکھی ہے
اور نہ اسلام میں ان کا کوئی قابل ستائش کارنامہ ہے۔ وہ خود بھی طلقاء میں
سے ہیں اور ان کے والد ابوسفیانؓ بھی طلقاء میں سے تھے۔ احزاب میں
سے ہیں (جو جنگ خندق میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرتے آئے تھے یہ اور ان کے والد

اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہمیشہ دشمن رہے۔ یہاں تک کہ اسلام کو بادلِ نخواستہ

قبول کیا۔ (طبری جلد ۳ ص ۷۷)

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ کوفہ سیدنا علیؓ کا دار الخلافہ رہ چکا تھا اور ان کے حامیوں کی تعداد یہاں کافی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:-

یَسْتَوْنَ مَعَاوِيَةَ وَيَتَبَرَّوْنَ مِنْهُ -

یہ لوگ سیدنا معاویہؓ پر سب و شتم کرتے تھے اور اُن سے اپنی برأت کا اظہار

کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۷۵)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ:-

جُبَّ سَيِّدَنَا عَلِيٌّ كَوْفَةً تَشْرِيفُ لَأَيُّ تَوَّانَ كَيْ حَامِيٍّ أَوْ سَائِقِيٍّ سَيِّدَنَا عُثْمَانُ
كِي بَدَّ كُوْنِي كَرْنِي لَكِي - بنو الارقم نے کہا کہ:-

لَا تَقِيْمُ بِيْلِدِي شَتْمَ قِيْلِهِ عُثْمَانَ -

ہم ایسے شہر میں نہیں رہ سکتے جہاں سیدنا عثمانؓ کو گالی گلوچ دی جاتی ہو۔
چنانچہ لکھا ہے کہ:-

فَخَرَجُوا إِلَى الْجَزِيرَةِ فَذَلُّوا الزَّهَّاءَ وَشَهِدُوا مَعَ
مَعَاوِيَةَ الصَّفِّينَ -

وہ جزیرہ کی طرف چلے گئے اور رہا کے مقام پر مقیم ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ
کے ساتھ جنگِ صفین میں سیدنا علیؓ کے مقابل صف آرا ہوئے۔

(المحجر ص ۲۹۵)

میں دہہ تھی کہ جنگِ صفین کے موقع پر بھی سیدنا علیؓ کے سپاہی سیدنا معاویہؓ اور اہل
شام کو سب و شتم کرتے۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپؓ نے اپنے ساتھیوں
اور لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:-

إِنِّي أَكْرَهُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا سَبَابِيْنَ -

میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم سب و شتم کرنے والے بنو۔

(منہج البلاغہ ص ۳۹۸)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب و شتم سیدنا معاویہؓ کی طرف سے شروع نہیں کی گئی تھی، بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ہوئی تھی اور سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے سب و شتم کی جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کچھ جو ابی کارروائی کے طور پر تھا۔ اور ثورخانہ نقطہ نظر سے بھی سیدنا علیؓ کی طرف سے ”تلاعن“ اور ”سب و شتم“ کی جو روایات مروی ہیں وہ ان روایات سے زیادہ قوی ہیں۔ جو سیدنا معاویہؓ سے مروی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کسی پر لعن طعن اور سب و شتم کرتے تھے۔ ہاں سیدنا علیؓ کے لشکر کے وہ لوگ جو سبائی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا مقصد زندگی ہی صحابہؓ کی مخالفت کرنا تھا۔ وہ ضرور اس فعل قبیح کے قریب ہوتے تھے، لیکن سیدنا علیؓ ان کو بار بار سمجھاتے اور اس فعل سے باز رکھتے جیسا کہ روایات میں آتا ہے، لیکن یہ دونوں جلیل القدر صحابہؓ اس ”تلاعن“ اور ”سب و شتم“ سے بالکل بری تھے۔ اور ان کی طرف اس فعل کی نسبت ان کی توہین ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہیں وہ کذب و افتراء کا پلندہ ہیں۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن عربیؒ ان جیسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

هذا كله كذب صراح، ما جرى منه حرف قط، وانما

هوشی اخبر عنه المبتدعة و وضعته التاريخة للملوك

فتوارنه اهل المجانة والجهالة معا صی الله والبدع۔

یہ سب صریح کذب ہے ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ ان واقعات کو صرف اہل بدعت نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے ان کو وضع کیا ہے جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنوں اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں اس قسم کی روایات کو نسلاً بعد نسل روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

والعوام من القوام ص ۱۷۱

علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ:-

ان هذه الآثار المروية في مساوئهم منها ما هو كذب و

ومنہا ما قد زید فیہ و نقص و غیر وجہہ۔

(اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ) جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی بُرائیاں ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے کچھ تو سراپا کذب ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان میں کمی اور زیادتی (دشمنانِ صحابہؓ نے) کر دی ہے۔

یہ روایات تو سراپا کذب اور موضوع ہیں اور لوط بن یحییٰ، ہشام اور حجاج بن سعید وغیرہ راویوں کی ٹکسال کی وضع کردہ ہیں کیونکہ ان لوگوں نے سیدنا معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، یزید، مروان اور دیگر بنو اُمیہ کے اکابر کے متعلق حدیث و تاریخ کی بے شمار روایات وضع کی ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین لکھتے ہیں کہ :-

ومن ذلك الاحاديث في ذم معاوية و ذم عمرو بن العاص و ذم بني أمية و مدح المنتصور و السفاح و كذا ذم يزيد و الوليد و مروان بن الحكم -

ان موضوعات میں سے وہ احادیث (بھی موضوع ہیں) جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنو اُمیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں احادیث مروی ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔ (موضوعات: یکم ص ۱۶۹)

لیکن اگر ان روایات کو جن میں سب و شتم کی نسبت سیدنا معاویہؓ کی طرف کی جاتی ہے صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اُن کی تاویل کرنا ہوگی اس وجہ سے کہ محدثین نے لکھا ہے :-

قال العلماء الاحاديث الواردة التي في ظاهرها دخل على صحابي يجب تاويلها، قالوا ولا يقع في روايات الثقات الا ما يمكن تاويله -

علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو، ان کی تاویل واجب ہے اور علماء کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکے۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

علمائے اہل سنت نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ کوئی شخص صحابہؓ کے بارہ میں کسی روایت کو کسی کتاب میں دیکھ یا سن لیتے سے اپنے دل میں اُن کے خلاف غلط قسم کے خیالات پیدا نہ کرے کیونکہ صحابہؓ کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جس کی تربیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی اور وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری دنیا سے افضل ہیں۔ دوسرے اُن کی شان میں جو آیات قرآنی وارد ہیں وہ قطعی ہیں اور جو احادیث صحیحہ وارد ہیں وہ اگر چہ قطعی ہیں لیکن ان کی اسانید نہایت قوی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر صحابہؓ کے بارہ میں بعض جہلہ کے کذب و افتراء کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فكذب ويُبْهت وافتراء عظيم يلزم منه خطأ كبير من
تخوين الصحابة وكل مؤمن بالله ورسوله يتحقق
ان دين الاسلام هو الحق يعلم بطلان هذا الافتراء
لان الصحابة كانوا خير الخلق بعد الانبياء وهم
خير القرون هذه الامة التي هي اشرف الامم بنص
القران واجماع السلف والخلف في الدنيا والاخرة
ولله الحمد -

یہ صریح جھوٹ، بہتان اور افتراء عظیم ہے اس سے ایک بہت بڑی خطا صحابہؓ کے کرامت کی خیانت کی لازم آتی ہے اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہر شخص حقانیت اسلام کا قائل ہے اور وہ اس افتراء کے باطل ہونے سے بخوبی آشناء ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور وہ اس اُمت کے خیر القرون ہیں جو قرآنی نص اور سلف و خلف کے اجماع سے دنیا و آخرت میں تمام اُمتوں سے اشرف اور بزرگ ہے۔

والحمد للہ - (ابعدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۲۴)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

فلاسفہ کے یہ اقوال تاریخ و سیرت وغیرہ کی مرسل، مقطوع روایات ہیں سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ جب ایسی چیز ہے تو صحابہؓ کے محاسن و فضائل جو کتاب و سنت اور تواتر سے ثابت ہیں، ان کا رد ایسی روایات، قطعاً جائز نہیں جن میں سے بعض منقطع ہیں، بعض تحریف ہیں اور بعض ایسی ہیں جن سے معلومات قطعہ پر جرح و قدح جائز نہیں کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کر سکتا اور ہم یقین کے ساتھ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے اور دلائل عقلیہ بھی ان منقولات، متواترہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ
فَلَا يَقْدَحُ فِي هَذَا أَمْرٌ مُشْكُوكٌ فِيهَا فَكَيْفَ إِذَا عُلِمَ
بِطِلَانِهَا -

اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اس لیے اُن کے بارہ میں مشکوک اور تحریف باتوں سے جرح قدح جائز نہیں چہ جائیکہ باطل روایات سے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۰۹)
اس کے متعلق ایک مثال ذہن میں رکھیے۔ صحیح مسلم (جس کا درجہ صحیح بخاری جو صحیح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے، کے بعد دوسرا ہے) میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عباسؓ کا اپنے بھتیجے سیدنا علیؓ سے کسی بات پر کچھ تنازعہ ہو گیا۔ آپ سیدنا علیؓ کو لے کر امیر المؤمنین عمر الفاروقؓ کے پاس تشریف لائے اور سیدنا علیؓ سے متعلق سیدنا عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا:-

اقض بيني وبين هذا الكاذب الاثم الغادر الخائن -
میرے اور اس جھوٹے مجرم، دھوکہ باز اور خیانت کرنے والے کے درمیان فیصلہ کیجئے۔
(مسلم جلد ۲ ص ۹)

اب جو لوگ سیدنا معاویہؓ پر سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنے کا الزام دیتے ہیں اُن کو چاہیے کہ وہ سیدنا معاویہؓ پر الزام دینے سے قبل سیدنا عباسؓ پر الزام دیں جنہوں نے ایک

ہی سانس میں سیدنا علیؑ کو چار غیر شایان شان القاب دیئے یعنی "الکاذب"، "الاثم"، "القادر" اور الخائن یہ سب و شتم سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؑ پر کیا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ نے تو صرف "ابو تراب" کہا تھا جس کو "گالی" کا نام دے دیا گیا۔ اب اگر حضرت معاویہؓ ملزم ہیں تو حضرت عباسؓ ان سے زیادہ ملزم ہیں لیکن ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؑ کے متعلق ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کی اور نہ ایسی زبان انہیں زیب ہی دیتی تھی۔ حضرت عباسؓ نہایت شستہ مزاج اور پاکیزہ زبان انسان تھے۔ وہ ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اگرچہ سیدنا علیؑ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے ان کے لیے بمنزلہ بیٹے کے تھے لیکن وہ سیدنا علیؑ کے بلند اور ارفع مقام سے بخوبی آشنا تھے۔ لہذا سیدنا علیؑ کی اعلیٰ مرتبت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ سیدنا عباسؓ ایسی زبان استعمال نہ کریں۔ لہذا اگرچہ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے لیکن ہم اس کی تاویل کریں گے اور اگر تاویل ممکن نہ ہوگی تو اس روایت کو محرف یا موضوع مانیں گے۔ کیونکہ صحابہؓ کی شان ایسی چیزوں سے بہت بلند ہے جن کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس خیال کی تائید میں علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :-

قال القاضي عياض قال المازري هذا اللفظ الذي وقع
لا يليق ظاهراً بالعباس وحاش لعلی ان يكون فيه بعض
هذه الاوصاف فضلاً عن كلها. لنا قطع بالعصمة
الا للنبي صلى الله عليه واله وسلم ولمن شهد له
بها لكتا ما مورون بحسن الظن بالصحابة رضي الله
تعالى عنهم اجمعين ونفى كل رديلة عنهم اذا انسدت
طرق تاويلها نسبنا الكذب الى رواتها — قال وقد
حمل هذا المعنى بعض الناس على ان ازال هذا
اللفظ من نسخته توسعاً عن اثبات مثل هذا ولعله

لوہم علی رواۃ -

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مازری کا قول یہ ہے کہ اس روایت میں جو الفاظ وارد ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ سیدنا عیاضؒ کی شان کے شایان نہیں اور سیدنا علیؒ بھی اس بات سے پاک اور میرا ہیں کہ ان میں ان اوصاف میں سے بعض ہی ہوں چہ جائیکہ وہ سارے اوصاف موجود ہوں جو اس روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ گو ہم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ہی کے قائل ہیں لیکن ہمیں اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور تمام اخلاق ردیہ کی ان سے نفی کریں لہذا جب اس حدیث کی تاویل کے سارے راستے مسدود ہو جائیں گے۔ تو پھر ہم اس کے راویوں کو کاذب قرار دیں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ اسی وجہ سے بعض محدثین نے اپنے نسخے سے یہ الفاظ نکال دیئے۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۹)

یہ تو ایک مثال پیش کی ہے وگرنہ آپ حدیث کی کتابوں کی ان سب روایات کے متعلق محدثین کی یہی رائے پائیں گے کہ قول تو انہوں نے ایسی حدیثوں کی تاویل کی لیکن جب کوئی تاویل نہ ہو سکی تو پھر انہوں نے ان احادیث کے راویوں کو کذاب کہا اور اس حدیث کو موضوع یا محرف قرار دیا۔ جب حدیث کی یہ حالت ہے تو تاریخ جس میں اکثر روایات تو بلا سند ہیں اس کے بارہ میں تو اور احتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ تو عام صحابہ کے متعلق ہے لیکن سیدنا معاویہؓ کے متعلق تو ایسی باتوں کے بارہ میں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کے متعلق تو ان کے زمانہ ہی میں سبائیوں نے غلط راہ پیگنڈہ شروع کر دیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد نمایاں ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:-

کیف لا ولا ازال اری راجلاً من العرب قائماً علی رأسی
یلقح لی کلاماً یلزمونی مجوابہ فان اصبحت لمرأیہ وات

اخطاُت سارت بہا الیرد -

کیوں نہ ہو؟ ہر وقت کوئی نہ کوئی عربی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں
گھڑتا رہتا ہے جس کا جواب دنیا مجھ پر لازم ہو جاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں
تو میری تعریف نہیں کی جاتی اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو اُسے اونٹنیاں
ساری دنیا میں لے اُڑتی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۱)

لہذا سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ہر وہ روایت جس میں اُن کی تنقیص کی ہوگی یا اُن کی
طرف کوئی ایسا فعل منسوب کیا ہوگا جو اُن کے شایان شان نہ ہو تو اول تو اُس کے راوی
کذاب ہوں گے اور وہ روایت موضوع ہوگی اور اگر وہ روایت ثقہ راویوں سے مروی
ہوگی تو اُس کی ایسی تاویل کی جائے گی جس سے اُن کی ذات پر کوئی حرف نہ آئے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

- ۱۔ سیدنا معاویہؓ پر سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنا اور اپنے گورنروں کو ایسا کرنے کا حکم دینا
سراسر غلط ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہیں اُن کے راوی کذاب اور دشمنان
صحابہؓ میں سے ہیں اور انہوں نے ایک شخص سازش کے تحت ایسی روایات کو وضع کیا ہے۔
- ۲۔ ان روایات میں سے اگر کوئی روایت ثقہ راویوں سے مروی ہے تو اُس میں ”سب“
سے مراد صرف یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے انہیں کسی پرائیویٹ مجلس میں ”الوتراب“ کے
لقب سے پکارا جس کو ”گالی“ سمجھ لیا گیا یا اگر کبھی اپنی رائے کے اختلاف کا اظہار
کیا تو اُس کو ”سب و شتم“ کا عنوان دے دیا گیا۔

- ۳۔ لیکن اگر کوئی شخص روایات کو بھی صحیح مانتا ہے اور اُن کی تاویل بھی نہیں کرتا تو پھر اُس کو
یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سب و شتم کی یہ رسم سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کی تھی بلکہ اس کی
ابتداء سیدنا علیؓ اور اُن کے ساتھیوں نے کی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مختلف
روایات سے واضح کیا گیا ہے۔ اور پھر صحیح مسلم کی اُس روایت کو بھی صحیح مانتا پڑے گا
جس میں سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو چار نازیبا کلمات سے نوازا جو کہ سب و شتم
کے نہایت مکروہ الفاظ ہیں۔

شہادتِ عمار بن یاسرؓ

بعض لوگ سیدنا معاویہؓ کو باطل پر ثابت کرنے کے لیے ایک حدیث کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

عن عكرمة ابن عباس قال له ولعلي بن عبد الله اثنتا
اباسعيد فاسمعنا من حديثه فاتيانه وهو واخوه في
حائط لهما ليستيانا فلما رانا جاء فاجتباى وجلس
فقال لنا منقل لبنة لبنة وكان عما ينقل لبنتين لبنتين
فمر به النبي صلى الله عليه واله وسلم ومسح عن رأسه
الغبار فقال ويح عمار تقتله الفئة الباغية عمار يدعوكم الى
الله ويدعونهم الى النار۔

سیدنا عکرمہؓ سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے اُن سے اور اپنے فرزند
سیدنا علی بن عبد اللہؓ سے فرمایا تم دونوں سیدنا ابی سعید الخدریؓ کے پاس
جاؤ اور اُن کی باتیں سُنو۔ ہم دونوں اُن کے پاس گئے۔ اُس وقت وہ اور
اُن کے بھائی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ تشریف لے
آئے اور ٹانگوں کے گرد کپڑا پیٹ کر بیٹھ گئے۔ پھر گفتگو فرماتے ہوئے
ارشاد فرمایا (مسجد نبویؐ کے لیے) ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور سیدنا
عمارؓ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ اتنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
و سلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اُن کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا اعمار
کے کیا کہنے اس کو باغیوں کی ایک ٹولی قتل کرے گی۔ عمار تو انہیں اللہ کی

طرف بلارہا ہوگا اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دیتی ہوگی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۹۴، ۳۹۵)

مسند احمد میں بھی یہ حدیث کئی مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد

جلد ۹ حدیث نمبر ۶۴۹۹ - ۶۵۰۰، جلد ۱۰ حدیث نمبر ۶۵۳۸

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ”فتنہ باغیہ“ اور اہل باطل میں سے تھے۔ حالانکہ احادیث و تاریخ سے اُن کا یہ دعوے غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نہ تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمار کو قتل کیا تھا اور نہ ہی وہ باغی گروہ میں سے تھے۔ یہ سب نتائج بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث نہ تو روایتاً صحیح ہے۔ (مسند رک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷، تطہیر الجنان ص ۳۵)

اور نہ ہی درایتاً۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً:- اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ صحابہؓ جو اُس وقت خیر جاندار تھے یا سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صفین میں شامل تھے۔ فوراً سیدنا علیؓ کے ساتھ مل جاتے۔ کیونکہ صحابہؓ رسولؐ کی جماعت ایسی جماعت نہیں تھی جس طرح کہ آج کل کی جماعتیں ہوتی ہیں جن میں دھڑے بندیاں اور تعصب کی بڑی بڑی خلیجیں حائل ہوتی ہیں اور ان میں سے اگر ایک جماعت خواہ کیسی ہی حق بات کہے دوسری جماعت اپنی جانبدارانہ پالیسی سے سرموا انحراف نہیں کرتی بلکہ صحابہؓ کی جماعت ایک ایسی پاکیزہ اور حق پرست جماعت تھی جو ہر وقت حق کی متلاشی رہتی اور جو نہی کسی معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اُن کے کانوں میں پہنچتا وہ فوراً اُس کو قبول کرتی خواہ دنیوی طور پر اُنہیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑتا۔ حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، لیکن ایک چھوٹی سی مثال سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ

کَرِیْمٌ ۝ (سورۃ الحديد آیت ۷۱)

کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اُس کے لیے بہترین اجر ہے۔

تو سیدنا ابوالدھراحؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا حق تعالیٰ ہم سے قرض چاہتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، اسے ابوالدھراحؓ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے اپنے ہاتھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ لے کر کہا کہ میں نے آپؐ کو اپنا باغ قرض دے دیا۔ سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اُس باغ میں چھ سو درخت تھے۔ اسی میں اُن کا گھر بھی تھا اور وہیں اُن کے بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا: وحداح کی ماں! نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولیں، آپؐ نے نفع اور نائدے کا سودا کیا ہے، وحداح کے ابا! اور اُسی وقت اپنا سامان اور بچے لے کر باغ سے نکل گئیں۔ (ابن ابی حاتم ص ۲۲۶)

جو لوگ اسلام کی ایک ایک بات کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے یہ بھلا کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے سیدنا عمارؓ بن یاسرؓ کو سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل دیکھیں اور پھر انہیں صفین کی جنگ میں شہید ہوتے بھی دیکھیں لیکن اس کے باوجود وہ سیدنا معاویہؓ کا ساتھ چھوڑ کر سیدنا علیؓ کا ساتھ نہ دیں۔ اور اُن پر حق ظاہر نہ ہو۔ اور وہ برابر غیر جانبداری کی زندگی بسر کریں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھی اور کئی جلیل القدر صحابیؓ غیر جانبداری کی زندگی گزار رہے تھے۔ چنانچہ علامہ تودئیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی آپس کی جنگوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات ان پر مشتبہ تھے اور اُن کی اشتباہت کی وجہ سے ان کا اجتہاد بھی مختلف تھا۔ لہذا اُن کی تین قسمیں ہو گئیں۔ قسم اول وہ صحابہؓ تھے جن کو اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ

علم ہوا کہ حق اس طرف ہے اور ان کا مخالف باغی ہے۔ لہذا ان پر حق والی جانب کی نصرت و امداد ضروری ہے اور ان کے باغی سے قتال واجب دوسری قسم اس کے برعکس تھی:-

وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية وتحيروا فيها
ولم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين فاعتزلوا
الفرقتين وكان هذا الاعتزال هو الواجب في
حقهم لانه لا يحل الاقدام على قتال مسلم حتى
يظهر انه مستحق لذلك ولو ظهر لهؤلاء رجحان
احد الطرفين وان الحق معه لما جاز لهم التأخر
عن نصرته في قتال البغاة عليه فكلهم معذورون
رضي الله عنهم -

اور تیسری قسم ان صحابہ کرامؓ کی تھی جن پر حق مشتبہ تھا اور وہ اس بارہ میں
متحیر تھے کہ کیا کیا جائے اور ان پر دونوں طرفوں میں سے کسی طرف کی ترجیح ظاہر
نہیں ہوئی تھی لہذا وہ دونوں فریقوں سے الگ اور علیحدہ رہے اور ان کا
دونوں سے الگ رہنا ان کے لیے ضروری تھا کیونکہ ان کے لیے کسی مسلمان
کے قتال کا اقدام جائز نہیں تھا جب تک کہ ان پر اس کا مستحق ہونا ظاہر
ہو جائے۔ اگر ان پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ حق اس طرف ہے تو ان کے لیے اس کے
باغیوں کے خلاف قتال میں نصرت و امداد سے اعراض پر تنا جائز نہ تھا
پس وہ سب معذور ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ (نووی جلد ۲ ص ۲۷۲)

اسی شی کو علامہ نوویؒ نے ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-
كانت القضايا مشتبهة حتى ان الجماعة من الصحابة
تحيروا فيها فاعتزلوا الطائفتين ولم يقاتلوا ولو تيقنوا
الصواب لم يتأخروا عن مساعدته -

حق ان پر مشتبہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس معاملہ میں حیران تھی

لہذا وہ دونوں گروہوں (سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ) سے الگ رہے اور وہ اس قتال میں شریک نہ ہوئے۔ اگر وہ (سیدنا علیؑ کی طرف) حق و صواب یقین کرتے تو ان کی نصرت اور امداد سے ہرگز سچھے نہ رہتے۔

(نودی شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۰)

نہ صرف وہ لوگ جو ان دونوں فریقوں سے الگ تھے۔ اس قسم کے خیال کے حامل تھے بلکہ سیدنا علیؑ کے ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کا یہ خیال تھا کہ اس معاملہ میں راہ صواب واضح اور صاف نہیں ہے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا یہ قول نہایت جلی حروف میں مرقوم ہے۔

”ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے مابین جو معاملہ درپیش ہے اس میں جانب ترجیح واضح نہیں بلکہ مشتبہ ہے۔ خدا کی قسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طریقہ کو اختیار فرماتے تھے اس کی صداقت اور اس کے حق ہونے کا انہیں علم ہوتا تھا، یہاں تک کہ یہ معاملہ پیش آگیا۔ اس میں ان کی قوت فیصلہ جواب دے گئی اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس معاملہ میں انہیں پیش قدمی کرنی چاہیے یا سچھے رہنا چاہیے۔“

وہ غیر صحابی جو سیدنا علیؑ کے لشکر میں شامل ہو کر قرنی مخالف سے لڑ رہے تھے ان پر بھی راہ حق مشتبہ اور غیر واضح تھی۔ وہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ سیدنا علیؑ حق پر ہیں یا سیدنا معاویہؓ؟ اور ایک کشمکش میں تھے۔ اور سیدنا علیؑ کا ساتھ دینے کے باوجود جنگ میں نہایت بد دل تھے۔ چنانچہ جنگ کے دوران سیدنا علیؑ کے لشکر کا ایک آدمی جس کے ہاتھ میں ایک قبیلے کا علم بھی تھا، وہ یہ کہتا تھا:-

”اے اللہ! تو نے ہمیں جہالت اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کی صراطِ مستقیم نصیب فرمائی، لیکن آج ہم پھر ابتلاء اور آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہیں۔“

اور ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ حق کیا ہے، ہم ریب اور شک میں مبتلا ہیں۔“

(کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۳۶)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام پر حق ظاہر نہیں تھا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا عمار بن یاسرؓ کو میدان جنگ میں سیدنا علیؓ کے لشکر میں دیکھ کر ہی تمام صحابہؓ اُن کے ساتھ تعاون کرتے اور سیدنا معاویہؓ یکہ و تنہا رہ جاتے بلکہ خود سیدنا معاویہؓ بھی اپنے موقف سے دستبردار ہو کر سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا عمران بن حصینؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا ابوامامہ الباہلیؓ، سیدنا ابومسعودؓ وغیرہم جلیل القدر صحابہؓ کبھی بھی سیدنا علیؓ سے تعاون کرنے سے پیچھے نہ رہتے۔

ثانیاً: قتل عثمانؓ کے بعد حمل اور صفین کی جنگوں کے موقع پر متعدد مرتبہ جاتہیں کے نمائندے صلح کے لیے آپس میں ملے لیکن کسی نے بھی فریق مخالف کو یہ بات بطور دلیل اور حجت کے پیش نہ کی کہ سیدنا علیؓ راہ حق پر ہیں اور اُن کا موقف بالکل صحیح ہے کیوں کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ اُن کے لشکر میں شامل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس جنگ میں شہید ہو جائیں۔ تاریخ کی کتابیں ایسی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ثالثاً: اگر واقعی یہ حدیث صحابہ کرام میں مشہور و معروف تھی اور سیدنا عمار بن یاسرؓ کا قتل اس بات کی یقین اور واضح دلیل تھا کہ جس گروہ میں وہ شامل ہو کر جام شہادت نوش فرمائیں گے وہ گروہ حق پر ہوگا اور دوسرا باغی تو اس نص صریح کے ہوتے ہوئے سیدنا علیؓ نے جنگ بندی قبول کر کے قرآن حکیم کا خلاف کیوں کیا؟ کیونکہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المحجرات: ۹)

اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرادو۔ پس اگر ایک دوسرے

پر زیادتی کرتا ہے یعنی ایک دوسرے پر چڑھا چلا جاتا ہے تو تم سب لڑو
اُس گروہ سے جو چڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف
رجوع کرے۔ پھر اگر وہ پھر آیا تو ملاپ کرادوان دونوں میں برابر اور انصاف
کو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیدنا علیؓ کا جنگ بندی پر رضا مند ہو جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ
سیدنا معاویہؓ کو باطل پر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ ان کو باغی اور باطل سمجھتے تو وہ کبھی بھی
جنگ بندی کو قبول نہ فرماتے۔

تاریخ کی کتابوں میں بعض موضوع روایات میں آتا ہے سیدنا علیؓ نے جنگ بندی
کی مخالفت کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو سختی سے روکا تھا کہ وہ جنگ بند نہ کریں؟ لیکن
دیکھنا یہ ہے کہ وہ مخالفت اس آیت کریمہ کے تحت کی تھی یا اس کی وجہ کچھ اور تھی؟ اور
اس وقت جب سیدنا معاویہؓ کے لشکر نے قرآن حکیم کو نیروں پر اٹھایا تھا تو کیا انہوں
نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہم نے اپنی بغاوت سے رجوع کر لیا ہے۔ لہذا تم اب ہمارے
ساتھ صلح کرو۔

طبری، مسعودی اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچ سو قرآن
نیروں پر اٹھائے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس شے کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپؐ
لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو۔ یہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ یہ عمرو بن العاصؓ
یہ ابن ابی معیطؓ، یہ حبیب بن مسلمہؓ، یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاک بن قیسؓ۔

یسوا باصحاب دین ولا قرآن انا اعرف بہم منکم و
صحبتہم اطفالاً ورجالاً فکانوا شر اطفال وشر رجال
و یحکم واللہ! ما رفعوها انہم یقرأوها ولا
یعلمون بما فیہا وما رفعوها الا خدیعة
ودھا ومکیدۃ۔

ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انہیں تم سب سے زیادہ

جاتا ہوں۔ میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گزاری اور یہ بدترین بچے اور
بدترین جوان ہیں۔ واسطے تم پر۔ بخدا انہوں نے (صدق دل سے) ان
کو نہیں اٹھایا۔ یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں
اور اب جو انہوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے یہ محض
دھوکہ دہی، مکاری اور عیاری کے لیے ہے۔

(مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸، ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۶۱، ابن ابی الحدید

جلد ۲ ص ۲۱۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۲)

اس روایت اور ان جیسی دوسری موضوع روایات میں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے
کہ سیدنا علیؑ جنگ بندی پر بالکل راضی نہیں تھے، کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ اب تو ان لوگوں
کا باغی ہوتا ظاہر و باہر ہے لہذا جنگ بندی اُس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ یہ اپنے
موقف سے بالکل رجوع نہ کر لیں۔ پھر آپ کا حکم کو مان لینا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ سیدنا
علیؑ اپنے کو یقینی طور پر حق پر نہیں سمجھتے تھے؟ اگر وہ اپنے کو یقینی طور پر حق پر سمجھتے تو اس
ثالثی کو کبھی بھی قبول نہ کرتے کیونکہ ثالثی صرف اور صرف اسی وقت قبول کی جاتی ہے جب
آپس میں دو دست و گریبان جماعتوں کے پاس ایسے دلائل موجود ہوں جن سے قطعی اور
یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوتا ہو کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون؟ اور دونوں گروہ اپنے
اپنے دلائل کی رُو سے اپنے آپ کو حق اور صواب پر سمجھتے ہوں۔ سیدنا علیؑ کا ثالثوں کو
قبول کر لینا ہی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خود سیدنا علیؑ اور دوسرے سب صحابہؓ اس
معاملہ میں حیران و سرگردان تھے کہ کس کو حق پر سمجھا جائے اور انہوں نے اپنے اپنے دلائل کی رُو
سے جس گروہ کو حق پر سمجھا اُس کا ساتھ دیا اور جو صحابہؓ دونوں طرف کے قوی دلائل کی رُو
سے ترجیح کی کسی جانب کا فیصلہ نہ کر سکے وہ بالکل غیر جانبدار رہے اور اپنے کو جنگ قتال
کی دھول سے ملوث نہ ہونے دیا اور مختلف علاقوں میں کئی سال تک اپنی غیر جانبداری
زندگی کے دن گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے ہمیں سیدنا معاویہؓ مسند خلافت پر متمکن
ہوئے اور ساری اُمت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان صحابہؓ نے بھی اُن کی بیعت فرمائی۔

(جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے) اور وہ سال ”عام الجماعة“ کے نام سے موسوم ہوا۔

رابعاً سیدنا حسنؑ کا سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانا ہمارے دعویٰ کی مزید تائید کرتا ہے، کیونکہ اگر سیدنا عمارؓ کی شہادت نے حق و باطل کو واضح کر دیا تھا تو صاف ظاہر تھا کہ سیدنا معاویہؓ اپنے موقف کے لحاظ سے باطل پر تھے اور سیدنا حسنؑ کا باطل کے حق میں دستبردار ہونا خود باطل ہے۔ پھر اس بارہ میں کسی شخص نے سیدنا حسنؑ کو یہ نہ کہا کہ سیدنا عمارؓ کی شہادت سے چونکہ حق واضح ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہؓ باطل پر ہیں لہذا آپ کو ان کے حق میں خلافت جیسے پاکیزہ منصب سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی مکمل شہادت دیتے ہیں کہ کسی شخص نے سیدنا عمارؓ کی شہادت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا۔ تاریخ میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا حسینؑ اور چند لوگوں نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبرداری پر سیدنا حسنؑ کی مخالفت کی لیکن اس مخالفت کے اسباب اور تھے۔ شہادت عمارؓ کا سبب اور وجہ ان میں سے کسی نے پیش نہیں کی تھی۔

(ملاحظہ ہو طبری، ابن اثیر، اختیار الطوال، تاریخ الخلفاء، ابن ابی الحدید وغیرہم) لطف کی بات یہ ہے کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن اصحاب سے مروی ہے ان میں چار حضرات (سیدنا عثمانؓ، سیدنا حذیفہؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا ابورافعؓ) تو جنگ صفین سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ چار حضرات سیدنا ابوبہرہؓ، سیدنا ابوسعید خدریؓ، سیدنا ابوالیوب انصاریؓ، سیدہ ام سلمہؓ سلام اللہ علیہا جنگ صفین کے موقع پر زندہ تو تھے لیکن غیر جانبدار رہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ کبھی بھی غیر جانبدار رہتے بلکہ ضرور سیدنا علیؓ کا ساتھ دیتے کیونکہ یہ محال اور ناممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ حق و باطل کی جنگ میں حق کا ساتھ نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں۔ باقی پانچ حضرات میں سے تین سیدنا ختمیہ بن ثابتؓ، سیدنا ابو قتادہؓ اور سیدنا ابوالیسرؓ جنگ صفین کے موقع پر یقیناً سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے اور باقی دو حضرات عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ وہ تین صحابہ جنہوں نے سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا تھا، کسی صحیح

حدیث میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس حدیث کو مدار بنا کر آپ کا ساتھ دیا ہو۔ یا انہوں نے شہادت عمار کے بعد اس حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے صحابہ میں پرچار کیا ہو کہ سیدنا علیؑ حدیث شہادت عمار کی رو سے چونکہ حق پر ہیں لہذا تم اُن کا ساتھ دو یا انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا معاویہؓ یا اُن کے گروہ کو ”القیۃ الباغیہ“ (باغی گروہ) کہا ہو۔

۱۔ صحیح حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات حق پر تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتُلَ فُتْنَانِ عَظِيمَتَانِ يَقْتُلُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ وَدَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ۔

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں لڑائی نہ ہو، ان کے مابین سخت جنگ و قتال ہوگا اور ان دونوں جماعتوں کا ”دعویٰ“ ایک ہوگا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۵، ص ۱۰۵۴)

حق و باطل کا مدار دعویٰ اور دعوت پر ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک تھا تو پھر ہمارا ذہن یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان میں ایک جماعت حق پر ہو اور دوسری صریحاً باطل پر اس حدیث کی مزید تائید سیدنا علیؑ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو منہج البلاغہ میں ان الفاظ سے درج ہے اور اس خط کو آپ نے اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں لکھ کر بھیجا اور جو کچھ اہل صفین اور اُن کے درمیان پیش آیا اُس کو اس الفاظ میں بیان فرمایا:-

وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا أَنَا التَّقِيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرِ
أَنْ رَيْنَا وَاحِدٌ وَنَبِيْنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتُنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ
وَلَا نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالتَّصَدِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا
يَسْتَزِيدُونَنَا، أَلَا مَرَّ وَاحِدٌ أَلَا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ
دَمِ عَثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بِرَاءٌ۔

اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر

اگر اس حدیث کو سند اور متن یا روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس حدیث کا معنی وہ نہیں ہے جو مخالفین صحابہ بیان کرتے ہیں کیونکہ اگر اس کا یہ معنی بیان کیا جائے تو نہ صرف سیدنا معاویہؓ پر اس حدیث کی زد پڑتی ہے بلکہ سیدنا علیؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عقیلؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا سعد بن

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہمارا اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک۔ نہ ہم ایمان یا اللہ اور تصدیق بالرسالہ میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خون عثمانؓ کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے برمی ہیں۔

(منہج البلاغہ ص ۵۳۳)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کی دعوت فی الاسلام ایک ہی تھی لہذا دونوں حق پر تھے، کسی ایک کا باطل پر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شاید یہی وجہ تھی کہ متقدمین کے نزدیک سیدنا علیؓ کو حق پر سمجھنا اور ان کے مخالف سیدنا معاویہؓ کو خطا پر سمجھنا تشیع کہلاتا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان
وان علیاً کان مصیباً فی حروبہ وان مخالفت مخطی مع
تقدیم الشیخین وتفضیلہما۔

متقدمین کے نزدیک سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کو تفضیلت دینا اور جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق و صواب پر ہونے اور آپ کے مخالف کے خطا پر ہونے کا اعتقاد رکھنا تشیع ہے باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۴)

معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ کو حق پر اور سیدنا معاویہؓ کو خطا پر سمجھنا بعد کے دور کی ذہنی ایجاد ہے جب اہل سنت والجماعت کے ذہن شیعی پراپیگنڈہ سے متاثر ہوئے۔

ابن وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم جلیل القدر صحابہؓ کے دامن بھی داغدار ہوتے ہیں۔
لہذا اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے ہمیں "الفتنۃ الباغیہ" (باغی گروہ) کا تشخص کرنا
پڑے گا کہ وہ کون سا گروہ تھا۔ اور تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ
وہ باغی گروہ سیدنا معاویہؓ کا گروہ نہ تھا بلکہ سیدنا علیؓ کی فوج میں شامل شدہ وہ خاص
افراد تھے جنہوں نے پہلے۔

۱۔ سلطنت اسلامیہ میں ایک خاص یہودی اور ایرانی سازش کے تحت خلیفۃ المسلمین
کے خلاف غلط پراپیگنڈہ کیا۔

۲۔ پھر دن دھاڑے امیر المومنینؓ کو مدینہ طیبہ میں شہید کیا۔

۳۔ پھر جلد ہی غیر اسلامی طریقے سے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنی پناہ کی
ایک راہ ڈھونڈ لی۔ حالانکہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو ایسی
بیعت سے روکا تھا۔

۱۔ تاریخ میں مرقوم ہے کہ شہادت عثمانؓ کے تیسرے روز سبائی سیدنا علیؓ کے پاس آئے
اور کہا کہ ہاتھ بڑھا ئیے ہم آپؓ کی بیعت کرتے ہیں حالاں کہ آپؓ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک
بازار میں تھے۔ آپؓ نے فرمایا جلدی نہ کرو، عمر الفاروقؓ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے
مشورہ کی وصیت فرمائی تھی لہذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو، وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے
یہ بات سن کر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علیؓ کے پاس آئے۔ اس وقت مالک الاشتر بھی ان کے
ساتھ تھا۔ اُس نے آتے ہی آپؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں
نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۳ ص ۵۵۵)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشتر (جو سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے
آپؓ کی بیعت کرنا چاہی تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو بڑی سختی سے منع کیا اور کہا
کہ آپؓ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ

فانک واللہ ان تہضت مع هؤلاء الیوم لیحملنک الناس

۴۔ پھر اُن کو سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عائشہؓ ام المؤمنین سلام اللہ علیہا کے مقابلہ میں لے آئے۔

۵۔ پھر جب سیدنا قنقاع بن عمروؓ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر تیار ہو گئے تو انہوں نے صبح ہونے سے قبل ہی اندھیرے منہ دونوں لشکروں پر حملہ کر دیا جو جنگ جمل کی صورت میں نمودار ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دم عثمان غدا۔

بخدا! اگر آج آپ ان رہا غیوں کے ساتھ (خلافت کے لیے) اُٹھ کھڑے ہوئے تو

کل لوگ آپ پر قتل عثمان کا الزام لگا دیں گے۔

لیکن سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہؓ بن عباسؓ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

(طبری جلد ۳ ص ۴۶۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۱)

بعض روایات میں سیدنا حسنؓ بن علیؓ کا منع کرنا بھی آتا ہے، لیکن آپ نے اُن کی بات بھی نہ مانی تھی اور جلدی میں باغیوں سے اپنی خلافت کی بیعت لے لی جس کا آپ کو ساری عمر افسوس رہا۔

(ملاحظہ ہو ابداً و النہایۃ جلد ۱ ص ۱۹۳، ص ۲۳۴)

۱۔ جنگ جمل میں جب دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے تھیں تو آپس میں صلح کی گفتگو جاری ہوئی سیدنا قنقاعؓ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ:

وعولوا جميعاً على الصلح وياتوا بخير ليلتنا لم يبيتوا بمثلها

للعاقبة ويات الذين اثاروا امر عثمان بشر ليلة باتوها قط۔

سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسی پین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسی اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے، لیکن وہ لوگ جنہوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی اور اُن کو شہید کیا تھا، انہوں نے اس سے بدترین رات پہلے کبھی نہیں گزاری تھی۔

(ابداً و النہایۃ جلد ۱ ص ۲۳۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳، طبری جلد ۳ ص ۴۸۸)

۶۔ پھر انہوں نے سیدنا علیؑ سے مدینۃ الرسول ایسا چھڑوایا کہ پھر اب تک وہ اسلامی دار الخلافہ بن سکا۔

ریقہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صلح کی اس صورت کو دیکھ کر سیاٹی پریشان ہو گئے اور کہنے لگے۔
رأى الناس فينا والله واحداً وان يصطلحوا مع علي فعلى دماننا۔
بمخدا ابہم لوگوں کے بارہ میں ان سب کی رائے ایک ہے ان میں اگر باہم صلح ہو گئی تو وہ ہمارے
خون ہی پر ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تجویز سوچی کہ،
اذا التقي الناس غداً فاتشيو القتال ولا تفرعوهم للنظر۔
کل جب دونوں آپس میں ملیں تو چپکے سے جنگ کی آگ بھڑکا دی جائے اور انہیں
غور و فکر کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۳۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)

اس طریقہ سے اُس ثمر پسند اور دین دشمن گروہ نے ان دونوں طالبان حق کو آپس میں لڑوایا حالانکہ
وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑنے پر راضی نہ تھے۔

۷۔ سیدنا علیؑ جب مدینہ طیبہ کو اس سیاٹیوں کی مجبوری کی وجہ سے چھوڑنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن
سلامؓ نے آپ کی اس بارہ میں سخت مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا،

یا امیر المؤمنین! لا یخرج منها فواللہ لئن خرجت منها لا ترجع
الیہا ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابداً۔

اے امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلیں۔ بخدا! اگر آپ مدینہ کو چھوڑ گئے تو پھر
نہ تو آپ کبھی اس کی طرف لوٹیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کی حکومت پھر کبھی مدینہ میں آئے گی۔
اس پر سیاٹیوں نے سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کو سب و شتم کیا، لیکن سیدنا علیؑ نے فرمایا،
ان کو چھوڑ دو یہ اصحاب رسول ہیں سے بہت اچھے آدمی ہیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۳۳، طبری جلد ۳ ص ۴۴۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)

۷۔ پھر سیدنا علیؑ سے بنو اُمیہ کے تمام گورنروں کو بغیر چارج شیڈ کے یکفلہ معزول کر دیا تاکہ ان کو مملکت کے ہر صوبہ میں اسلام دشمن کارروائیوں کی کھلی چھٹی مل جائے اور کوئی اُن کے راستہ میں حائل انداز نہ ہو۔

۸۔ پھر سیدنا علیؑ کو سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ میں صفین کے میدان میں لے آئے اور نہ صرف عمار بن یاسرؓ بلکہ دوسرے کئی ایک مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ بعد ازیں سیدنا علیؑ کو شہید کیا اور کوفہ میں سیدنا حسینؓ کو بلا کر میدان کر بلا میں شہید کیا۔ یہ لوگ نہ صرف سیدنا عمار بن یاسرؓ کے قاتل تھے بلکہ سیدنا عثمانؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا علیؓ اور

اے سیدنا علیؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سیدنا عثمانؓ کے مقرر کردہ قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے زیادہ تر اپنے خاندان کے اور کچھ سبائوں میں سے گورنر مقرر فرما دیے مین میں عبید اللہ بن عباسؓ مدینہ طیبہ پر ثمامہ بن عباسؓ، مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ، عراق پر عبید اللہ بن عباسؓ خراسان پر اپنے بھائی اور داماد جعد بن ہبیرہؓ مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ اور قریج کا سپریم کمانڈر اور چیف آف سٹاف اپنے حقیقی فرزند ارجمند محمد بن الحنفیہؓ کو مقرر فرمایا۔ یہ سب نوجوان تھے اور ناتجربہ کالہ بھی۔

رملہ خطہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۲، ص ۱۷۷، اخبار

الطوال ص ۱۵۳، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۷۵، ۱۷۷، ص ۱۸۷، ۱۸۹

عثمانی گورنروں کی تبدیلی اور اپنے قریبی لوگوں کو گورنر بنانے کی تجویز انہی دہنوں کی پیداوار تھی اور اس سے سیدنا علیؑ کی حکومت کا اندرونی نظم و نسق بہت جلد ہی خراب ہو گیا جو سیدنا علیؑ کی خلافت کے زوال پذیر ہونے کا ایک خاص سبب بنا۔ پھر مالک الاشرار جو سبائی سرغنہ تھا، کو بھی مصر کا گورنر بنا دیا گیا اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اُس نے سیدنا علیؑ کو سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ پر لاکھ صفین کے میدان میں کھڑا کر دیا جس میں کافی لوگوں کی قیمتی جائیں ضائع ہوئیں جن میں ایک سیدنا عمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ گویا کہ ان سب پاکیزہ حضرات کو میدان جنگ میں لانے والے یہی سبائی، پھر ان کو شہید کرنے والے بھی یہی ناہنجار تھے۔

آخر میں سیدنا حسینؑ بھی انہی دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:-

الَّذِينَ قَامُوا عَلَى عَثْمَانَ وَانْكُرُوا عَلَيْهِ اَشْيَاءَ اعْتَذَرَ عَنْ فَعْلِهَا ثُمَّ كَانُوا
مَعَ عَلِيٍّ ثُمَّ خَرَجُوا بَعْدَ ذَلِكَ عَلَى عَلِيٍّ -

یہ (سبائی) وہ لوگ ہیں جو سیدنا عثمانؓ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور
اُن کے ذمہ وہ گناہ تھوپ دیئے جن کا آپ کو علم بھی نہیں تھا رہا اُن کی
شہادت کے بعد سیدنا علیؓ کے ساتھ مل گئے۔ آخر کار اُن سے بھی خروج کیا۔
(فتح الباری جلد ۳ ص ۴۳۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان الفاظ میں اس دین دشمن عناصر کو عریاں کیا ہے فرماتے ہیں:-
اختلفوا کاذیب وابتدعوا آراء فاسدة لیفسدوا بها دین
الاسلام ویستزلوا بها من یسوا باولی الاحلام
فسعوا فی قتل عثمان وهو اول الفتن ثم اتروا الی علی
لاحیا فیہ ولا فی اهل البیت لکن لیقیہ واسلوق الفتنه
بین المسلمین ثم هؤلوا الذین سعوا معه منهم من کفر
بعد ذلك وقاتله كما فعلت الخوارج وسیفهم راوّل سیف
سلّ علی الجماعة ومنهم من اظهر الطعن علی الخلفاء الثلاثة
كما فعلت الرافضة -

انہوں نے غلط سلط اور جھوٹی روایتیں گھڑیں اور فاسد خیالات ایجاد کئے
تاکہ ان سے دین اسلام میں فتنہ و فساد برپا کریں اور جن کی عقل ماری گئی ہے
اُن کو صراطِ مستقیم سے بھٹکائیں۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کے قتل میں بھڑپ
کوشش اور سعی کی اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا۔ پھر یہ لوگ سیدنا علیؓ کے
پاس جمع ہو گئے اس وجہ سے نہیں کہ انہیں سیدنا علیؓ یا اُن کے اہل بیت سے
کوئی محبت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ کی شاہراہ کھولیں

پھر انہیں لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر جدوجہد کی اور جبل اور صفین کی جنگیں بھی لڑیں، پھر اس کے بعد انہی میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تکفیر کی اور آپ سے جنگ و جدل کیا جیسا کہ خوارج نے کیا اور ان کی تلوار سب سے پہلی تلوار تھی جو مسلمانوں کی جماعت پر بے نیام ہوئی اور ان ہی میں سے کچھ لوگوں نے خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) پر زبان طعن دراز کی جیسا کہ روافض نے کیا۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۴۳)

تاریخ کی روایات اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ سباٹیوں کی اچھی خاصی تعداد آپ کے لشکر میں موجود تھی اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اور بعد میں جنگ جبل میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کو شہید کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جنگ صفین میں جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا علیؓ نے سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کو قاصد بنا کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا تاکہ فریقین کے درمیان صلح کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ سیدنا جریرؓ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشترؒ نے جو سیاٹی گروہ کا سرغنہ تھا اعتراض کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:۔

لے جریر بن عبد اللہ البجلیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قریباً پانچ چھ ماہ قبل مسلمان ہوئے۔ روایات میں ہے کہ جب یہ اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا جریر! کیسے آنا ہوا۔ عرض کیا کہ اسلام قبول کرتے کے لیے۔ آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی پیادہ مبارک بچھا دی اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔
اذا جاء کریم قوم فاکرموه۔

جب کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت و تکریم کرو۔

(اصابہ جلد ۱ ص ۲۴۲)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرض نمازوں کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی مسلمانوں کی خیر خواہی، انسانوں پر رحم کرنا اور حق تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنے کی تاکید فرمائی۔
(مسند احمد جلد ۳ ص ۳۵۸)

لا تفعل فان هواه مع معاويةؓ۔

ان کو نہ بھیجیں کیونکہ ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔

لیکن سیدنا علیؓ نے اشتراکِ بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کو خط لے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ چونکہ ہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی

(یقیناً حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اور لوگوں کو خاموش کرنے کی خدمت آپ کے سپرد تھی (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۵۸) بعد ازاں ذوالحلیفہ کے منہم کردہ کو منہم کرنے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ جس کو آپ نے پورا کیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۲۴) حضورؐ کے انتقال کے وقت آپ یمن میں تھے۔ اور کئی دن بعد آپ کو اطلاع ملی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۲۵)۔

عہد صدیقی میں اپنی زندگی خاموشی سے گزاری۔ البتہ عہد فاروقی میں عراق کی فوج کشی میں واقعہ جسر میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس کے بعد جنگ یرموک اور دوسری کئی ایک اہم جنگوں میں حصہ لیا اور دشمن سے اپنی بہادری کا لوہا منوایا۔ (اتحیاء السطوال ص ۱۱۹)۔

عہد عثمانی میں آپ ہمدان کے گورنر تھے۔ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں بہت کوشش کی کہ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا علیؓ کی کشیدگی ختم ہو جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جنگ جمل اور صفین میں سے کسی میں شرکت نہ کی اور اپنی زندگی قرقریہ کے گوشہ عافیت میں گزاری۔ آخر ۳۵ھ میں وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۷۳)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی بڑی پذیرائی تھی۔ آپ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے پیش آتے۔ بلکہ بعض مرتبہ ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔ (تہذیب الکمال ص ۱۰۰) غائبانہ ان کا نہایت اچھے طریقے سے ذکر فرماتے۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا۔ تو مدینہ سے باہر سواری بیٹھا کر کپڑا رکھنے کا تھیلا کھولا اور حلقہ پہن کر داخل ہوا۔ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے میری طرف اشارہ کیا۔ سیدنا عبد اللہؓ کے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ آپ نے دوران خطبہ فرمایا تھا کہ اس دروازہ سے تمہارے پاس یمن کا ایک بہترین شخص داخل ہوگا جس کے چہرہ پر بادشاہی کے آثار ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی اس عزت افزائی پر میں

ہے۔ لہذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق روسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لئے بلایا اور ان کو وہ خط سنا کر مشورہ طلب کیا۔ ان سب نے جو جواب دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ ہی نے اُس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قَالُوا اَنْ يَبِيعُوا حَتَّى يَقْتُلَ قَتْلَةَ عِثْمَانَ اَوْ اَنْ يَسْلَمَ اِلَيْهِمْ قَتْلَةَ عِثْمَانَ -

انہوں نے اُس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد کر دیا جائے رتا کہ اگر سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہیں کر سکتے تو وہ خود قتل کریں) سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے دیکھا کہ لوگ امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ زائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قمیص کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے یں گے اس وقت تک نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے۔

”سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے شام میں جو کچھ دیکھا اُس کی پوری رپورٹ سیدنا علیؓ کو پیش کر دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے بارہ ہیں معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ سیدنا عثمانؓ کی مطلوبانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۲) اللہ تعالیٰ نے البیہاقی جمیل بنایا تھا کہ سیدنا عمر الفاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اُمت اسلامیہ کے یوسف ہیں۔ (تہذیب الکمال ص ۶) نیز ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائیں تم زمانہ جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہوؤ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۷۳)

شہادت میں ہاتھ ہے۔ اور انہوں نے اُن کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔“
 سیدنا جریر بن عبداللہؓ کے منہ سے یہ واقعات سُن کر مالک الاشتر لال پیلا ہو گیا اور سیدنا
 علیؓ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں اگر آپ مجھ کو
 قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی۔ لیکن
 سیدنا جریرؓ نے کہا۔ ”بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ
 بھیجتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلانِ عثمانؓ میں سے ہو“ اس پر مالک الاشتر نے کچھ اُلٹا سا جواب
 دیا جس پر سیدنا جریرؓ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قرطیس میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ
 کو اپنی اس بات چیت سے متعلق مطلع کر دیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۵۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۱، ۱۴۲)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک ایسا عنصر شامل تھا جس
 کا قاتلانِ عثمانؓ سے تعلق تھا یا وہ خود قاتلانِ عثمانؓ تھے۔ اور وہ ہر معاملہ میں اپنی سرٹوڈ کوشش
 کرتے کہ دونوں فریقوں میں کہیں صلح نہ ہو جائے کیونکہ صلح کی صورت میں اُن کی خیر نہیں تھی۔
 اس روایت سے زیادہ واضح ایک اور روایت ابن کثیرؒ ہی نے نقل کی ہے کہ جنگ صفین
 موقع پر اصحاب رسولؐ کی یہ خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ باہمی جنگ و قتال ختم ہو جائے
 چنانچہ دو درددل رکھنے والے صحابہؓ سیدنا ابودرداءؓ اور سیدنا ابوامامہؓ نے سیدنا معاویہؓ سے
 مل کر کہا۔

اے سیدنا ابوالدرداءؓ کا اصلی نام عویمر تھا۔ کنیت ابودرداءؓ تھی آپ انصار قبیلہ خزرج کے خاندان عدی
 بن کعب سے تعلق رکھتے تھے۔ ۳۰ سنہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ غزوہ بدر میں چونکہ مسلمان نہ ہوئے
 تھے لہذا شرکت نہ فرمائی۔ غزوہ اُرد میں شرکت فرمائی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ جناب رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا ”عویمر کس قدر اچھے شاہسوار ہیں“ اُحد کے بعد پھر ہر غزوہ میں شرکت
 ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد مدینہ کو چھوڑ دیا اور شام کے دار الخلافہ دمشق

» معاویہؓ! آپ سیدنا علیؓ سے کس بناء پر لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم وہ آپؓ زیادہ
قدیم الاسلام اور اقرب الی الرسول ہیں اور خلافت کے بھی آپؓ سے زیادہ

رہتیہ واثیہ صفحہ گزشتہ میں سکونت اختیار کر لی کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے سنا تھا کہ ”فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا۔ (مسند احمد جلد ۵ ص ۱۹۹) دمشق
میں آپؓ کا وقت زیادہ تر درس و تدریس میں گزرتا سیدنا عمرؓ نے شام کے سفر میں یزید بن ابی سفیانؓ،
عمر بن العاصؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکانوں پر جا کر دیکھا تو شام کی خصوصیات اور تطلعات کا رنگ و غن
چڑھا ہوا تھا۔ لیکن جب ان کے در دولت پر گئے تو اس کشور دین و ملت کے تاجدار کو بغیر زینہ و
آرائش کے ایک تنگ و تاریک مکان میں کبیل اوڑھے ہوئے پایا۔ سیدنا عمرؓ کی آنکھوں میں ان کو دیکھ
کر آنسو آ گئے۔ پوچھا، ابوالدرداءؓ! اس قدر عسرت کی زندگی گزارنے کا کیا مطلب؟ آپؓ نے جواب
میں فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ہم کو اس قدر ساز و سامان رکھنا
چاہیے جس قدر ایک مسافر کے لیے درکار ہے، لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا سے کیا ہو
گئے۔ اس جملہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۷۸)

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں سیدنا معاویہؓ نے خود فرمائش کر کے ان کو دمشق کا قاضی مقرر
کر دیا اور سیدنا معاویہؓ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو ان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے جاتے
(الاستیعاب صفحہ ۳۲) آخر ۳۲ھ میں اس عدم ہستی تمام سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔
علم و فضل میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا
تھا کہ ”زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے آپؓ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔“ قرآن و سنت کے بہت بڑے عالم اور
تفسیر قرآن کے بہت بڑے ماہر تھے۔ آپؓ کی روایات کی تعداد ۹۷۰ ہے جن میں سے ۳ بخاری میں اور
آٹھ مسلم میں مندرج ہیں۔

۷۲ سیدنا ابو امامہ الباہلیؓ ان لوگوں میں سے تھے جن کو بیعت رضوان میں حق تعالیٰ کی رضا کا متمتع ملا تھا
اور اسی موقع پر آپؓ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”مجھ سے ہو اور میں تم میں سے ہوں۔“ (اصابہ جلد ۳ ص ۲۴۱)
ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کے اپنے قبیلہ میں دعوت

مستحق ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں تو سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے لڑ رہا ہوں اور انہوں نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے آپ دونوں حضرات سیدنا علیؓ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیں۔

ثُمَّ اَنَا اَوَّلُ مَنْ بَايَعَهُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ۔

پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص ہوں گا جو آپ کی بیعت کروں گا۔
وہ دونوں سیدنا علیؓ کے پاس گئے اور سیدنا معاویہؓ کی یہ بات سنائی۔ علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ :-

فخرج خلق كثير فقالوا كلنا قتلة عثمان۔

اُن کے لشکر سے بہت لوگ باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ ہم سب قاتلانِ عثمانؓ ہیں۔

دبقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (اسلام کے لیے بھیجا۔ اہل قبیلہ ان کی دعوتِ اسلام سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ بڑی تکلیفیں دیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور حق تعالیٰ نے ان کی شبانہ روز کوششوں کو بار آور کیا اور سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۶۴۲، اصابہ جلد ۳ ص ۲۴۱)۔

عمرِ علمی میں پہلے سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جنگِ صفین میں بھی سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا پھر شام میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی اور ۴۸ھ میں ۱۰۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس زمانے میں عبدالملک بن ہردان سریرِ آرائے خلافت تھے۔

اللہ تعالیٰ نے علم و فضل سے نوازا تھا۔ جہاں کہیں دوچار آدمی مل جلتے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سناتے گویا احادیثِ نبویؐ کی تبلیغ و اشاعت ان کا خاص مشغلہ تھا لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دین کے جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچے تم لوگ ہم سے سن کر انہیں دوسروں تک پہنچاؤ۔ (ابن سعد جلد ۱ ص ۱۳۲) ان کی روایتوں کی تعداد ۲۵۰ ہے ان میں سے ۵ بخاری میں اور ۴ مسلم میں ہیں۔

(تمہذیب الکمال ص ۱۴۷)

جن کا جی چاہے وہ ہم سے جنگ کرے۔ سیدنا علیؑ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا۔
هؤلاء الذين تريان۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔

اس پر یہ دونوں حضرات نا اُمید اور مایوس ہو گئے اور انہوں نے اس جنگ میں کوئی
حصہ نہ لیا بلکہ غیر جانبدار رہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۹۵۔)

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد
ان لوگوں کی تھی جو قاتلانِ عثمانؓ تھے۔ کیونکہ وہ ایک نہایت گہری سازش کے تحت دائرہ
اسلام میں داخل ہوئے تھے اور دوست کے روپ میں دشمن کا پارٹ ادا کر رہے تھے۔

رتفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد اول

ابو حنیفہ الدینوری نے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک عابد و شب زندہ
دار بزرگ سیدنا ابومسلم الخولانیؓ فیچند مسلمانوں کی معیت میں سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ ہم
ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علیؑ سے برسرِ پیکار ہوتا چاہتے ہیں۔ آپ کو ان
سے برابری کی کیسے جرأت ہوئی؟ حالانکہ آپ اسلام لانے میں ان سے بعد کے
لوگوں میں سے ہیں۔

آپ نے جواب دیا کہ

”میں فضیلت میں ان کی برابری کا ہرگز دعویٰ نہ نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے
کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں
کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اور اگر سیدنا علیؑ قصاص لینے پر قدرت
نہیں رکھتے تو قاتلوں کو ہماری حوالہ کر دیں۔ ہم ان سے قصاص لے لیں گے اور
پھر ان کی خلافت کو تسلیم کر دیں گے۔“

ابومسلم الخولانیؓ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور اُمت کے لیے ایک درد تھا وہ اس
معاملہ کو خونریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے، لہذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ سب
مطالبات مجھے لکھ دیں میں خود سیدنا علیؑ کے پاس جانا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے

آپ کے یہ مطالبات متوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو مسلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو مسلم الخولانیؒ کے ہاتھ سیدنا علیؒ کو روانہ کیا۔ آپ نے لکھا :-

اما بعد! سیدنا عثمانؓ امیر المومنین مدنیہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کئے گئے۔ آپ اُن کے گھر کا شور و غل اور آہ و بکا سنتے رہے لیکن اپنے قول و عمل سے اُس کا کوئی مداوانہ کیا۔ میں بقسم کھتا ہوں کہ آپ اگر اخلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو اُن کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے پاہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں۔ ہمارے کاتوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتل عثمانؓ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو قاتلان عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے، اور اے علیؓ! آپ یقین رکھتے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی ہم بھر دیر سے قاتلان عثمانؓ کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیں گے۔

ابو مسلم الخولانیؒ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ متصیب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں کیوں کہ وہ مظلوم شہید کئے گئے ہیں لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ اور آپ کے مخالفین کے

ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور احوال و انصار بن کر لڑیں گے۔
 آپ نے ابو مسلم الخولانیؓ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سُنیں۔ آپ نے اس روز تو
 ابو مسلمؓ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دیں گے۔ دوسرے روز ابو مسلمؓ جامع
 مسجد کو قہ میں جب آپ سے ملنے کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح آدمی یہ نعرے
 لگا رہے ہیں۔

کلنا قتلة عثمان -

ہم سب قاتلان عثمانؓ ہیں۔

یہ دیکھ کر ابو مسلمؓ نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے
 اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔ بعد ازیں سیدنا علیؓ نے
 زبانی ابو مسلمؓ سے کہا کہ قاتلوں کو آپ لوگوں کے حوالے کرنا میرے امکان سے یاہر ہے،
 لہذا میں مجبور ہوں۔ (اختیار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴ ملخصاً)

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد
 سپاہیوں اور قاتلان عثمانؓ کی تھی۔ جنہوں نے اُن کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ اور ان کو اپنی
 مرضی اور خواہش کے مطابق چلاتے تھے۔ چنانچہ ایک شیعہ محقق ملا عبد الرزاق لاہجی نے
 صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ :-

«خلافت او بعد از ثلاثہ خلافت نہ بود کہ در آن خلافت عمل بہ مقتضائے علم
 او خواہد کرد»

اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے بعد اُن کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں

وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے۔ (گوہر مراد ص ۱۲۵)

یہاں تک بات بڑھ گئی تھی کہ جب کبھی آپ ان کی مرضی کے خلاف رائے دیتے
 تو یہ دشمنان اسلام آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیتے۔ چنانچہ جب سیدنا علیؓ نے مملکت
 اسلامیہ میں اپنے عزیز و اقارب کو گورنر مقرر فرمایا۔ تو ان سپاہیوں نے اس چیز کو اپنے لیے
 خطرہ کا باعث سمجھا اور مالک الاشتر جو اس گروہ کا سردار تھا، سیدنا علیؓ سے عرضیناک

ہو کر کہنے لگا۔

علی ما قتلنا الشیخ اذن۔

پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا تھا؟

(طبری جلد ۵ ص ۱۹۴)

پھر ہر مشکل وقت میں ان لوگوں نے آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جب سیدنا علیؓ کو ان کی ضرورت پڑتی یہ کوئی نہ کوئی عذر رنگ تراش کر پہلو تھپی کر جاتے۔ چنانچہ خوارج کی جنگ کے فوراً بعد آپؐ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس کندی نے سیدنا علیؓ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ:-

”ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی اٹیاں خراب ہو گئی ہیں، لہذا آپؐ ہمیں اب گھر جانے دیجئے“

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار الطوال ص ۲۱۱)

یعنی امیر المؤمنینؓ کو فوج کی مدد کی ضرورت ہے اور فوج یہاں نے تراش کر رخصت پر جانا چاہتی ہے۔ اس سے زیادہ اور بے وفائی کیا ہوگی؟ ان لوگوں کی اسی طرح کی بیوفائیوں اور فتنہ انگیزوں سے تنگ آ کر آپؐ نے ایک دفعہ منبر پر حلفیہ بیان فرمایا:-

”بھدا سو گند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھالے۔ پھر فرمایا خداوند! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں۔ خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اُس شخص کے ہاتھ مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔“

(جللاء العیون از ملا باقر مجلسی باب ۳ فصل ۲ ص ۲۳۹)

۱۔ تاریخ روضۃ السفاک مؤلف لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنینؓ کی یہ دعا آخر قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوا۔

۲۔ ازربہ کو فیاں رسید آنچہ رسید

اور اُس سے کو فیوں کو جو منرا علی وہ ملی۔

تاریخ میں حجاج کے ذمہ جو قتل لگاے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ان ہی کو فیوں اور دشمنان اسلام کے ہیں جنہوں نے دوستی کے روپ میں دشمنی کا کام انجام دیا۔

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارہ میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا :-
 ”اگر موسم گرما میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو کہ بڑی سخت
 گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو
 تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکیوں اور عورتوں کی مانند عقل
 نہ رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور
 میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری
 رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔“

(ہلیہ المشتقین ملا باقر مجلسی باب ۴۴ فصل ۱۲ ص ۳۶۲)

چنانچہ جب ان لوگوں نے آپ کو زیادہ تنگ کیا تو ایک روز آپ کے منہ سے یہ الفاظ
 بھی نکل گئے۔ فرمایا :-

قاتلکم اللہ لقد ملاء قلبی قہماً و شحنتم صدری
 غیظاً۔

اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے
 سینہ کو غصہ سے۔ (نہج البلاغہ ص ۷۷)

ایک روز آپ بہت بکسیدہ خاطر تھے اور اپنے ان ساتھیوں اور لشکریوں کا جنہوں نے
 پہلے تو جنگ جمل اور جنگ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی
 سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، ان الفاظ میں شکوہ فرمایا :-
 وقد زعمت قریش ان ابن ابی طالب شجاع ولكن لا علم
 له بالحروب، تربت ایديهم وهل فيهم اشد مراساً
 لها متی؟ لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين وها
 انا ذاق دار بیت علی نیت وستين ولكن لا راى
 لمن لا يطاع۔

قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی علوم و فنون سے نا آشنا

اور نایلد ہے۔ خاک آلود ہوں اُن کے ہاتھ، کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟
 میں تو جنگوں میں اُس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور
 اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ
 کرے اُس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۶۲،
 اخبار الطوال ص ۲۱۲، کتاب الاغانی جلد ۵ ص ۴۳، حلیۃ المتقین باب ۱۴، فصل ۲ ص ۳۶۲)
 مورخین اسلام نے ان کے خصائص کے کچھ واقعات اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک
 خصلت اُن کی یہ تھی کہ :-

”سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو قاصد
 کے آنے جلنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کیا آتا ہے اور کب
 جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا۔ شام کا کوئی شخص اس سے اس بارہ
 کچھ نہ دریافت کرتا۔ لیکن جب سیدنا علیؓ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ
 سیدنا ابن عباسؓ (جو سیدنا علیؓ کے معتمد خاص تھے) کے پاس جاتے اور دربارِ
 کرتے کہ امیر المومنین سیدنا علیؓ نے آپ کو کیا لکھا ہے؟ اگر آپ اُن سے خط کے
 مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی اٹکل پچوڑ لٹا دیتے کہ ہماری رائے میں امیر المومنینؓ
 نے فلاں فلاں بات لکھی ہوگی۔ اس پر سیدنا عبداللہؓ اُن سے فرمایا کرتے تھیں کبھی
 عقل بھی آئے گی؟ لیکن کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا معاویہؓ کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر
 نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا۔ نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی
 شور و غوغا سنائی دیتا ہے۔ مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اٹکل پچوڑ مارا کرتے ہو؟“
 (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۷، اخبار الطوال ص ۱۹۷، محاضرات تاریخ الائم الاسلامیہ

جلد ۲ ص ۷۱)

ان کی یہ باتیں جب سیدنا علیؓ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ
 ان کو اچھی طرح ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے
 خطبہ میں ارشاد فرمایا :-

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ لبرٹین (ارطاة) اب یمن پہنچ گئے ہیں۔ واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آجائیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو، اور وہ اپنے امام کے تابع اور فرماں بردار ہیں۔ تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ اہلین ہیں۔ تم زمین میں فساد برپا کرتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں؟ تمہیں نے فلاں کو بھیجا۔ اُس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا۔ فلاں کو بھیجا۔ اُس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہ کو بھیج دیا۔ میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پیالے پر اہلین بناؤں تو وہ اُسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔“

پھر بڑے دلگیر اور پژمردہ ہو کر ان لوگوں کے بارہ میں حق تعالیٰ سے یوں دعا کرتے :-
 اللّٰهُمَّ سَتِّمْهُمْ وَسُتِّمْوْنِیْ وَکَرِّهْتَهُمْ وَکَرِّهُوْنِیْ اللّٰهُمَّ
 فَارْحَمْهُمْ مَتِّیْ وَارْحَنِیْ مِنْهُمْ۔

اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں۔ اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۲، ص ۳۲۵)

بعض اوقات اپنے شیعوں اور نام نہاد ساتھیوں کی انہیں غداروں اور فتنہ انگیزوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے :-

واللّٰہ! ان معاویۃ صار فنی بکرم صرف الدینار بالدہم فاخذ
 مَتِّیْ عَشْرًا مِنْکُمْ وَاعْطَانِیْ رَجُلًا مِنْهُمْ۔

بخدا! میری دلی آرزو ہے کہ معاویہ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کئے جاتے ہیں، مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی دیدیں۔

(منہج البلاغت جلد ۲، ص ۳۵۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی سیدنا علیؑ کے گروہ کے ان ساتھیوں کے بارہ میں ایسا ہی

لکھا ہے اور سیدنا علیؑ کی ان کے مقابلہ میں یہی لفظ ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں :-
 وَكَانَ عَلِيًّا عَاجِزًا عَنْ قَهْرِ الظَّالِمَةِ مِنَ الْعَسْكَرِينَ وَلَوْ تَكُنْ
 اَعْوَانَهُ يُوَافِقُونَهُ عَلَى مَا يَأْمُرُ بِهِ وَاَعْوَانُ
 مُعَاوِيَةَ يُوَافِقُونَهُ -

سیدنا علیؑ اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز اور مجبور تھے اور ان کے ساتھی
 ان کے ساتھ کسی کام میں موافقت اور تعاون نہیں کرتے تھے۔ اور اس کے
 مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھی ان کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔
 (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۲)

ان سب حوالجات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے لشکر کی اچھی خاصی تعداد ان
 لوگوں کی تھی جو قاتلان عثمانؓ میں سے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد و حید ہی اسلام میں رشتہ
 اندازی اور فتنہ انگیزی تھا اور جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو تاخت و تاراج اور اہل
 اسلام سے اپنی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہی جنگِ جمل میں مسلمانوں
 کے دو گروہوں کو آپس میں لڑایا تھا کیونکہ ان دونوں کو لڑا کر ہی وہ اپنے آپ کا تحفظ کر
 سکتے تھے۔

رَأَى النَّاسَ فِتْنًا وَاللَّهُ وَاحِدٌ وَإِنْ يَصْطَلِحُوا مَعَ
 عَلِيٍّ فَعَلَى دِمَائِنَا -

ہم لوگوں کے بارہ میں ان کی رائے ایک ہے۔ ان میں اگر آپس میں صلح ہوئی
 تو وہ ہمارے خون پر ہوگی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۲۳۶، طبری جلد ۴ ص ۴۸۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)
 بعض علماء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں
 یہ الفاظ بھی منقول ہیں :-

يَا عُمَارُ! لَا يَقْتُلُكَ أَصْحَابِي تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ -
 اے عمار! تم کو میرے اصحابی قتل نہ کریں گے بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔
 (روفا الوقاء)

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی اور جماعت تھی اور سیدنا معاویہؓ کا صحابی ہونا قطعی اور یقینی ہے لہذا ان کو قاتل عمارؓ کہنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ سیدنا علیؓ کو قاتل عثمانؓ کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اُس وقت بالاتفاق وہ بلوائی اور سبائی تھے جو سیدنا عثمانؓ کے قاتل تھے (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) پس وہی گروہ قاتل عمارؓ تھا۔

(برآة عثمان مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۶۲)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمارؓ نے جنگ صفین میں شرکت ہی نہیں فرمائی بلکہ وہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انکوائری کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے تھے اُس وقت انہیں سبائی گروہ نے شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ :-

وَاسْتَبْطَأَ النَّاسَ عَمَّا لَا حَتَّى ظَنُّوا قَدْ اغْتِيلَ -

عمارؓ کو لوگوں نے روک لیا تھا یہاں تک کہ راہل مدینہ نے یقین کر لیا کہ وہ دھوکہ سے قتل کر دیئے گئے ہیں۔

(طبری جلد ۳ ص ۳۷۹، التمهید والبيان في مقتل الشهير عثمان لمحمد بن يحيى ص ۸۹)

بہر حال سیدنا عمارؓ بن یاسرؓ مصر میں شہید کئے گئے ہوں یا صفین میں۔ سیدنا معاویہؓ کا ان کی شہادت میں کوئی دخل نہیں تھا، کیونکہ وہ باغی نہ تھے وہ سیدنا عثمانؓ کے ناحق خون

کے قصاص کے طالب تھے جن کے بارہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ آیت قرآنی

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُودًا۔ (

اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اُس کے وارث کے لیے مضبوط حق

رکھا ہے۔ پس وہ (وارث) مارنے میں (یعنی بدلہ لیتے وقت) زیادتی نہ

کرے۔ بلا شک وہی منظور و منصور ہے گا۔

کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر سیدنا علیؓ نے قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہ لیا تو اُن

کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ مظفر و منصور ہوں گے۔

رازالہ الخفاء جلد ۱ ص ۴۳۴، برأۃ عثمان ص ۶۳

المختصر ان کو قتل کرنے والے وہ سیائی اور باغی تھے جنہوں نے حلیفہ برحق سیدنا عثمانؓ بن عفان کو شہید کر کے اُمت میں فتنہ برپا کیا تھا اور مسلمانوں کے خون سے جمل اور صفین میں اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ وہ تھے ”الفتنۃ الیاعنیۃ“ اور سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی تو ”فتنۃ عظیمۃ“ تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا۔
 اِنَّا ابْنِیْ هَذَا سَیِّدًا وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّصْلَحَ بَیْنَ بَیْنِیْ وَبَیْنِکُمْ فِیْئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

میرا یہ بیٹا سیدنا حسنؓ، سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔

بخاری جلد ۳ ص ۳۴۳، جلد ۲ ص ۵۳۰، ص ۵۴۰-۱، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۱،

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۴، ۲۶، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۱، ۲۱۲

یہ مصالحت سیدنا حسنؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے گروہوں میں کروائی تھی۔ جیسا کہ محدثین نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ لہذا اس حدیث کا مصداق سیدنا معاویہؓ کو کسی صورت میں بتایا جاسکتا اور نہ اس حدیث کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ پر تریان طعن دراز کی جاسکتی ہے۔



یزید کی ولی عہدی

سیدنا معاویہؓ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو اصحاب رسولؐ میں تہایت بلند مقام کے حامل تھے۔ یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنینؓ اپنی حیات مستعاضیٰ ہی میں ولی عہدی کا انتظام فرما جائیں، کیونکہ حالات کی کروٹیں یہ بتا رہی تھیں کہ آسمانِ خلافت پر بڑے گہرے بادل چھانے والے ہیں۔ چنانچہ ولی عہدی کی تحریک پیش کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی امیر یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ امیر المومنینؓ! شہادت عثمانؓ کے بعد کی خونریزی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، لہذا امیری رٹے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تاکہ آپ کے آنکھیں بند کرنے کے بعد اہل اسلام کے پاس ایک سہارا موجود ہو اور امت اختلاف اور فتنہ و فساد کی آگ کی لپیٹ میں نہ آئے۔

سیدنا معاویہؓ کا تب و جی اور محبوب رسولؐ ہونے کے ساتھ حالات کا بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کرنیوالے تھے۔ وہ ایک صاف بصیرت بزرگ اور سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے۔ اس لیے وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے اہل اسلام متفق و متحد نہ ہوں وہ اگرچہ سمجھ رہے تھے کہ سیدنا مغیرہؓ کی تجویز بالکل صحیح ہے اور حالات کی کروٹیں بھی یہی بتلا رہی ہیں کہ امت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، لیکن وہ سب کچھ اَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا مغیرہؓ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک تمام ولایتوں اور صوبوں کے نمائندے اور ارباب حل و عقد مل کر کوئی فیصلہ کریں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ یہ جواب سُن کر واپس کو فہ تشریف لے گئے۔

یہ بیان بعض مؤرخین کا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے معز ولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولی عہدی

کی تجویز پیش کی تھی، انہوں نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں ایک واقعہ بتانے کے لیے نقل تو کر دیا، لیکن یہ نہ سوچا کہ سیدنا مغیرہ کی وفات تو ۵۶ھ میں ہو چکی تھی اور زید کی ولیمہ ۵۶ھ میں پیش آیا۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ ص ۲۲۴) وہ اپنی وفات کے ۲ سال بعد یعنی ۵۶ھ میں اپنی معزول سے بچنے کے لیے یہ تجویز سیدنا معاویہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے کیسے تشریف لائے تھے؟ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں ۵۶ھ کے واقعات میں اُن کی وفات کا ذکر بایں الفاظ میں کیا ہے :-

فلما نزل اميرها حتى مات في هذه السنة على المشهور
قال محمد بن سعد وغيره وقال الخطيب اجمع
الناس على ذلك -

یعنی آپ کوفہ کے آخر وقت تک امیر رہے یہاں تک کہ ۵۶ھ میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہو گئی۔ محمد بن سعد وغیرہ کا یہی قول ہے اور خطیب نے کہا ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۴۸)
علامہ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے سن وفات کے بارہ میں یوں لکھتے ہیں :-

قال ابو عبيد القاسم بن سلام توفي سنة تسع و
اربعين وهو اميرها وقال ابن سعد والوحسان الزياتي
وغير واحد مات سنة خمسين ونقل الخطيب الاجماع
من اهل العلم على ذلك وقال ابن عبد البر مات
سنة احدى وخمسين، قلت انما حكى ابن عبد البر
ذلك بصيغة التمریض بعد ان جزم في موضعين
من ترجمته انه مات سنة خمسين -

ابو عبيد القاسم بن سلام کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی جب وہ کوفہ

کے امیر تھے اور ابن سعد اور ابو حسان الزبیدی اور دوسرے بے شمار حضرات فرماتے ہیں کہ وہ سنہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ اور خطیب نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ انہوں نے سنہ ۵۸ھ میں انتقال فرمایا میں ابن حجر عسقلانی کہتا ہوں کہ ابن عبد البر نے اس کو تمریض کے صیغہ سے ذکر کیا ہے جب کہ انہوں نے ان کے ترجمہ میں دو دفعہ قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ سنہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۶۳، طبری جلد ۴ ص ۱۷۴) علامہ ابن قتیبہ نے ان کا سن وفات سنہ ۵۸ھ نقل کیا ہے۔

(کتاب المعارف ص ۲۵۹)

اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی تب بھی آپ پر یہ الزام بالکل غلط ہے کہ آپ نے اپنی گورنری کو قائم رکھنے کیلئے یہ جیلہ اختیار کیا تھا۔ یا یہ کہنا کہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ سمر اپنا اتہام اور خلاف حقیقت بات ہے، کیونکہ تاریخ صفحات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا مغیرہؓ خود اپنے آخری ایام میں گورنری کے باردوش سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ مصر تھے کہ ان کی خدمات سے

۱۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو بعض جاہل اور نادان یزید کی ولی عہدی میں مورد الزام گردانتے ہیں اس مرتبہ کے انسان تھے۔ اکثر لوگ اس سے نا آشنا ہیں۔ اور بعض جاہل لوگ ان غلط سلط روایات کو بتا پر ان کی شان میں تاریخ بقا قسم کے الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے بعض نام نہاد مفکرین بھی ان کی شان میں دریدہ دہن ہو گئے ہیں۔ لہذا اجمالی طور پر ان کے بعض محامد و فضائل و رج ذیل کئے جاتے ہیں۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سنہ ۵۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹)

سنہ ۶۰ھ میں غزوہ حدیبیہ میں شرکت فرمائی۔ اور بیعت رضوان میں شرکت کے سبب

فائدہ اٹھایا جائے۔ اس لیے ان کا استعفیٰ منظور نہ کیا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے امیر المومنین معاویہؓ کی خدمت میں لکھا کہ :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رضی اللہ عنہ "کے سند قضیلت حاصل کی۔ کیونکہ اس بیعت کے شرکاء کے لیے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ
فَتْحًا قَرِيبًا (الفتح : ۱۸)

اللہ راضی ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی عطا فرمادی۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا :-
قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ -
اللہ تعالیٰ نے اس کے اگلے اور پیچھے گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۰)

صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کا نمائندہ عروہ بن مسعود ثقفی گنتگو کے لیے آیا تو عرب کے عام قاعد کے مطابق وہ گنتگو کے دوران جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اس وقت تلوار سونٹے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر ہانے کھڑے تھے۔

كَانَ وَقْفًا يَوْمَ الصُّلْحِ عَلَى رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَالْأَهْلِ وَسَلَّمَ بِالسَّيْفِ صُلَاتًا -

صلح حدیبیہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر ہانے تلوار سونٹے کھڑے تھے۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۷۹)

اما بعد! فاتی قد کبرت سستی و دق عظمی و شنفت
لی قریش فان رأیت ان تعزلنی فاعزلنی -

میری عمر بڑی ہو چکی ہے۔ ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہیں۔ قریش مجھ سے بغض رکھنے
لگے ہیں۔ اگر آپ مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجئے۔

(طبری جلد ۵ ص ۳۳۱)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ کو عروہ بن مسعود ثقفی کا یہ ایک انداز گفتگو بہت ناگوار گذرنا تھا۔ اور جب وہ
ریش مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتا تو یہ غصہ سے اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ کی طرف لے جاتے آخر ضبط
ہو سکا تو عروہ ثقفی کو ڈانٹ کر فرمایا: اپنا ہاتھ قابو میں رکھو۔

طائف کے صتم خانہ کو منہدم کرنے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوسفیان
کو بھیجا تو سیدنا مغیرہؓ کو بھی اُن کی معاونت کے لیے ساتھ بھیجا۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۴۷
آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے موقع پر موجود تھے۔ جب صحابہ کرام
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر میں اتار کر باہر نکلے تو آپ نے جان بوجھ کر اپنی آنکھوں
قبر مبارک میں گرا دی۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ خود قبر میں اتر کر آنکھوں کی نکال لیجئے۔ چنانچہ یہ قبر مبارک میں اترے
آپ کے مبارک قدموں کو چھوا اور کہا مٹی گراؤ۔ جب تھوڑی مٹی ڈالی جا چکی تھی تو باہر نکلے اور ذات نبویؐ
سے سب سے آخر میں جدا ہونے کا شرف حاصل کیا۔ فخر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب میں جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۶۷)

سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مختلف لوگوں کے پاس سفیرین کر گئے چنانچہ جنگ قادسیہ میں
مستم ایرانی کے پاس اور جنگ نہاوند میں مروان شاہ کے پاس سفیرین کر گئے اور اسلامی لشکر کے مطالبات
کو بڑے بہترین انداز میں پیش کیا گیا جس سے اسلام اور مسلمانوں کی ہیبت ایرانیوں کے دلوں میں بیٹھ
گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے بصرہ کا اور پھر کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں بھی بڑے کارہائے
نمایاں سرانجام دیئے۔

سیدنا مغیرہؓ عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عرب کے مدبر ترین اور ”دھاقہ“ میں

معلوم ہوا کہ تاریخ کی یہ روایت دو وجہ سے غلط ہے۔

اول۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا انتقال ۵۰ھ میں یا ۵۱ھ میں ہو گیا تھا۔ جب کہ یزید کی ولی عہدی کی تحریک ۵۶ھ میں ہوئی۔

دوم۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یزید کی تحریک ولی عہدی کے وقت سیدنا مغیرہؓ زندہ تھے اور انہوں نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا تو یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ نہ تو سیدنا معاویہؓ سیدنا مغیرہؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی سیدنا مغیرہؓ اپنی معزولی سے ڈرتے تھے بلکہ انہوں نے خود استعفیٰ پیش کیا تھا جس کو منظور نہ کیا گیا۔

بہر حال ولی عہدی کی تجویز سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے پیش کی یا کسی اور نے یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی۔ واقعات کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ آپ ماضی میں امت مسلمہ کی باہمی خانہ جنگی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ وہ اپنے انتقال سے قبل کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جملہ صفین کی طرح امت کی تلواریں پھر بے پیام نہ ہوں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) شمار ہوتے تھے۔ اپنی اس غیر معمولی بصیرت اور عقل و رائے کی وجہ سے ”مغیرۃ الرائے“ کہلاتے تھے۔ راجعاً تہذکرہ مغیرہ بن شعبہؓ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے قبصہ بن جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا۔ وہ ندیر و سیاست کے آدمی تھے۔ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاکی کے گزرنا مشکل ہو تو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ آٹھوں دروازوں سے گزر جاتے ہیں (تہذیب التہذیب، جلد ۱ ص ۲۰۲)۔

آپ صرف سیاسی شخصیت ہی نہ تھے بلکہ علمی حیثیت سے بھی آپ کا ایک اہم مقام تھا۔ آپ کی ۱۳۳ احادیث، نبویہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں ۹ بخاری و مسلم دونوں میں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال ص ۳۸۵) آپ کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے۔

۱۷۔ آپ نے ایک مرتبہ سیدنا عبداللہؓ بن عمرؓ سے کہا تھا۔

انی خفت ان اذ الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ

گویا یہ آپ کی امت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی، لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے امت کے ارباب حل و عقد کے سپرد یہ معاملہ کرنا چاہیے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا، کیوں کہ اب ارباب حل و عقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب کہ مدینہ طیبہ مرکز خلافت تھا، خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے ارباب حل و عقد کے ذمہ تھی۔ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں جب مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو مرکز خلافت بنایا گیا۔ تو نصب امام کی تمام تر ذمہ داری کوفہ کے اہل الحل و العقد پر تھی۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ کو کوفہ کے ارباب حل و عقد ہی نے خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور بعد میں دوسرے صوبوں کے ارباب حل و عقد نے بیعت کی۔ اب جب کہ سیدنا معاویہؓ کے عہد میں دمشق مرکز خلافت بنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے ارباب حل و عقد کی رائے ہی سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہؓ نے بڑی وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب تک تمام صوبوں اور ولایتوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اُس وقت تک میں اُسے نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکت اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفد مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو سبائی تحریک کا مرکز تھا، وہاں سے بھی احنف بن قیسؓ کی زیر قیادت ایک وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا (مروج الذهب جلد ۳ ص ۳۶) اہل عراق ہی نے یزید ابن معاویہؓ کا نام تجویز کیا تھا۔ مخالف اور موافق دونوں قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالف موافق دلائل پیش کئے۔ لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے کان میں کہیں سے بھنک پڑی تھی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالف ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیس لہا راع۔

مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر چلا جاؤں جس کا

کوئی چہرہ دانا نہ ہو۔ (البدایۃ والنتہایۃ جلد ۸ ص ۸)

کے باشندے بھی متفق نہ ہوں، میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اُس کے لیے آپ نے سید نامردان گورنر مدینہ کو لکھا کہ :-

”اب ضعیفی و ناتوانی نے مجھے آلیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد پھر امت تشتت و افتراق اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے۔ لہذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں ارباب حل و عقد کے مشورے سے کسی کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کر جاؤں۔ اس معاملہ میں آپ کا مشورہ ضروری ہے۔ اس بات کو مدینہ طیبہ کے ارباب حل و عقد پر پیش کرو۔ یاہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھیں۔“

سید نامردان نے مدینہ طیبہ کے اکابر کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا۔ پورے اجتماع میں سے صرف سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کوئی چمکتی ہوئی بات کہی۔ جس سے سید نامردان کو غصہ آگیا۔ اور سیدنا عبدالرحمنؓ اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے

۱۔ بخاری نے تو جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی وہ بات نقل نہیں کی جو انہوں نے اس اجتماع میں فرمائی، لیکن خضریٰ، مسعودی اور طبری وغیرہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مروان کی یہ بات سُن کر سیدنا عبدالرحمنؓ نے کہا تھا کہ یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہؓ دتیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس اجتماع میں معمولی قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ اگر سیدنا معاویہؓ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تھے تو اجتماع میں موجود سب حضرات سیدنا عبدالرحمنؓ کی تائید کرتے، لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سے سوائے سیدنا عبدالرحمنؓ کے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا یزید کی ولی عہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی۔ اور اگر تھی تو عشرہ مبشرہ کے صحابہؓ اصحاب بدر اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی۔ بلکہ اللہ یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً

گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۵۱) باقی خضریٰ، مسعودی، طبری اور ابن اثیر وغیرہم نے جو باتیں لکھی ہیں وہ روایت اور درایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

رحاشیہ صفحہ گذشتہ، نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمنؓ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز تمہیں کہہ سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور چھپتی ہوئی بات کہی تھی جس سے سیدنا مروان کو غصہ آگیا۔

ہمارے خیال میں بخاری کی اس روایت میں بھی راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ سیدنا عبدالرحمنؓ کی طرف جو بیان منسوب ہے کہ انہوں نے اٹھ کر سیدنا مروانؓ کی تجویز پر اعتراض کیا۔ غلط ہے کیونکہ روایات بتاتی ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا طبری جلد ۴ ص ۲۲۳، بلکہ مسعودی نے تو ۵۹ھ لکھا ہے (مروج الذهب جلد ۳ ص ۳۶، ۳۷) اور سیدنا عبدالرحمنؓ ابن ابی بکرؓ ۵۳ھ میں اس دار فانی سے انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں۔

مات فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل بقر بمكة۔
سیدنا عبدالرحمنؓ کی ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک وفات ہو گئی۔

(المعارف ص ۲۶)

امام ابو عبد اللہ محمد الیشاپوری صاحب ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
مات عبد الرحمن بن ابی بکر فجاءة وكنيته ابو عبد الله
ومات سنة ثلاث وخمسين۔

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہو گئے۔ ان کی کنیت، ابو عبد اللہ تھی اور سن وفات ۵۳ھ تھا۔ (مستدرک جلد ۳ ص ۴۵)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سیدنا عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ کے سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
توفي عبد الرحمن بحشي وهوائتي عشرين ميلًا من مكة
فحمل الى مكة فدفن بها وقال ابن سعد وغير واحد
كان ذلك سنة ثلاث وخمسين۔

سیدنا معاویہؓ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا۔ لہذا آپؓ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذاتِ خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں آپؓ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہؓ نے خود اس معاملہ کو اس کے سارے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالات حاضرہ اور مصالح اُمت کے پیش نظر اس تجویز کو منظور کر لیا۔ غرض اس طرح باہمی گفت و شنید اور مشاورت سے یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے لینے نامزدگی ہوئی اور پوری اُمت اور سب اربابِ حل و عقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے اُن کے سامنے پیش کی تھی۔ اور اس معاملہ میں یزید بن معاویہؓ کو یہ شرف

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سیدنا عبدالرحمنؓ کی وفات حشی کے مقام پر جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے ہوئی۔ اُن کی لاش کو مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور بہت سے دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُن کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۷۷۱)

لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا عبدالرحمنؓ نے اعتراض کیا تھا وہ اعتراض وہ تھا۔ جس کو سیدنا عبدالرحمنؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابن اثیر وغیرہ اور ان کی اتباع میں موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین نے یہاں بڑی بے سرو پا باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا۔ (۱) عبدالرحمن بن ابی بکرؓ (۲) عبداللہ بن عمرؓ (۳) عبداللہ بن عباسؓ (۴) سیدنا حسین بن علیؓ (۵) عبداللہ بن زبیرؓ۔ سیدنا معاویہؓ نے جب خود مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ پانچوں حضرات مدینہ سے باہر امیر المؤمنینؓ سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ یہ سارے حضرات مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ امیر المؤمنین وہاں ان کے پیچھے مکہ پہنچے پہلے ان سب کو حسنِ خلق، خاطر و مدارات اور طرح طرح کی نوازش سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ جب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مخالفت کی تو تلواروں

خاص حاصل ہے کہ جیسا استصواب رائے ان کی خلافت پر ہوا۔ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سختی سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب ایک ہی دھمکی سے خاموش ہو گئے۔ اندرون سائنہ ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر آ کر یہ اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے یہ سنتے ہی سب نے بیعت کر لی۔ بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی (ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۵۱، ۲۵۲) قاضی ابو جبر ابن العربی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم ص ۲۱۹، ۲۲۵ پر اور علامہ محب الدین الخطیب نے اس کتاب کے حواشی میں ان سب روایت پر برطی عالمائے تنقید کی ہے اور ان کا غلط ہونا واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کئے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہؓ کے کیر بکیر طبری پر حملہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے بزرگوں کی ”برأت ایمانی“ اور ”سختی کوئی“ کا سارا تانا بانا بھی امت کے سامنے بکھیر دیا کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھمکی ہی سے ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہو گئے۔ اور رضامند کا اظہار کر دیا۔

لَمْ يَتَكَلَّمُوا شَيْئًا حَذَرَ الْقَتْلِ -

(الامامت والسياسة جلد ۱ ص ۲)

انہوں نے موت کے ڈر سے کوئی بات نہ کی۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگ ایسے پست ہمت تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ ایسے بد اخلاق تھے یہ سارے واقعات دراصل دشمنانِ صحابہ اور دشمنانِ اسلام نے وضع کر کے مسلمانوں کے قلوب میں صحابہ کرام کی عزت و ناموس اور محبت و عقیدت کو کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور آج کل کے بعض جاہل مجتہد اور نادان مفکرانِ میں روایات کو پیش کر کے خلافت و ملوکیت پر کتابیں لکھ مارتے ہیں۔

بلکہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

فالتفت البيعة ليزيد في سائر البلاد ووقدت

الوقود من سائر الاقاليم الى يزيد..... الخ

حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے

یہ اجتماعات جو یزید کی ول عہدی کے سلسلہ میں ہوئے ایک ایسی تاریخی حقیقت ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور بعض جاہل اور دین دشمن لوگ ان اجتماعات میں کیڑے نکالتے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) گوشے گوشے سے ربیعہ کے لیے) یزید کے پاس دُخود آئے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸)

گو یزید بن معاویہ کی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے کی اور اس اہتمام سے یہ بیعت منعقد ہوئی کہ کسی ماقبل خلیفہ کی بیعت آج تک اس اہتمام سے نہیں ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اس لیے تھا کہ سیدنا معاویہ نے یزید کو خلوص نیت، مسلمانوں کی خیر خواہی، اس کی اہلیت اور حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا ول عہد بنایا تھا۔ صرف محبت پدری کے تحت یہ سب کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اس دعا سے ملتا ہے جو آپ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت کے خاتمہ پر مانگی تھی۔ آپ نے کہا تھا۔
اللہم ان کنت عہدت لیزید لما رأیت من فضله قبل غه
ما املت واعنه وان کنت انما حملنی حب الوالد لولد
وانہ لیس لما صنعت به اہلاً فاقبضہ قبل ان
یبلغ لذلک۔

اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اُس کے فضل و کمال کی وجہ سے اپنا ول عہد بنایا ہے تو
اُسے اُس عظیم مرتبہ اور مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے اُس کے لیے امید کی ہے اور
اُس کی (اپنے فضل و کرم سے) امداد و اعانت فرما اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے
آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور درحقیقت اس منصب
جلیلہ کا اہل نہیں ہے تو اس کے اس منصب خلافت تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی
موت دے دے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۲۶۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے آپ کی اس دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

اللہم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما ارادہ اہل لذلک
فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تممم

ہیں۔ کہیں پر کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کر کے یہ رائے لی گئی تھی۔ اگر سختی اور درستی ہی سے لوگوں کو ساتھ لگانا تھا تو اجتماعات کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جاسکتا تھا۔ یہ اجتماعات منعقد کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا فائدہ؟ پھر وہ لوگ جن کو امت مسلمہ صحابہؓ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھمکی سے کلمہ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آکر باطل کو حق اور حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدر و حنین کے حجاب اور احد و احزاب کے شاہنشاہان، وہ عشرہ مبشرہ کے سفید فاقے اور بیعت رضوان کے تمغہ یافتہ کیا معاذ اللہ سیدنا معاویہؓ کی صرف ایک دھمکی سے ڈر جانے والے تھے۔ اور کیا یہ اتنے بزدل اور ڈر لوگ ہو چکے تھے کہ سیدنا معاویہؓ منبر پر بیٹھ کر ان کی موجودگی میں کہہ دیں کہ یہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، یہ عبداللہ بن عباسؓ، یہ عبداللہ بن عمرؓ، یہ عبداللہ بن زبیرؓ اور یہ حسین بن علیؓ متفقہ طور پر یزید کی ولی عہدی کے حق میں ہیں بلکہ بیعت کر چکے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ ما و لیستہ -

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی اور خلافت کو پاؤں تکمیل تک پہنچانا اور اگر میں نے صرف محبت پدری کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پاؤں تکمیل تک نہ پہنچانا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸)

اے عبداللہ بن زبیرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی بھائی سیدنا زبیر بن العوامؓ کے صاحبزادے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زبیرؓ کو حواری رسول کا خطاب مرحمت فرمایا تھا بخاری جلد ۱ ص ۵۲۷) سیدنا عبداللہؓ کی والدہ ماجدہ سیدہ اسماءؓ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا کی حقیقی بہن اور سیدنا ابو بکرؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ ۲ سنہ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں مہاجرین کے ہاں پیدا ہونے والے یہ سب سے پہلے بچے تھے زہد و تقویٰ جلد ۵ ص ۲۱۳) ۱۱ سال کی عمر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی (مسند حاکم جلد ۳ ص ۵۶۷) اپنے والد ماجد کی طرح بچپن ہی سے بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ چنانچہ سن شعور کے بعد

اور یہ سب موت کے ڈر سے دم بخود بیٹھے رہیں اور اتنی بات بھی اپنی زبان سے نہ کہہ سکیں کہ امیر المومنینؑ
یہ بات غلط ہے اور تم اس سے متفق نہیں ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مختلف مہمات میں شریک ہوئے۔ طرابلس وغیرہ انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵

ص ۲۱۲) جنگ یرموک میں شرکت فرمائی اور اس خطبہ میں بھی شامل تھے جو سیدنا امیر المومنینؑ عمر القاروقیؓ نے

جانبہ کے مقام پر دیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳)

جنگ جمل میں آپ سیدنا علیؑ کے خلاف اپنی خالہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور

بقول ابن حجر اس قدر بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے۔

(اصابہ جلد ۴ ص ۷۷)

۶۳ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ اگرچہ آپ پہلے ہی

یزید کی خلافت سے خوش نہ تھے اور آپ امت مسلمہ میں تنہا شخصیت ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴) حالانکہ سیدنا حسین بن علیؑ نے بھی یزید کی بیعت پر راضی تھے۔

الابدائیۃ والتمایۃ جلد ۱ کتاب الشافی از شریف المرتضیٰ الشیعی ص ۷۷) یزید بن معاویہؓ

کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں، کیونکہ امت یزید کی خلافت پر مجتمع تھی،

لیکن اُس کی وفات کے بعد جب آپ نے دعویٰ خلافت کیا تو اُس وقت کے اساطین امت نے ان کی

خلافت کو یاز سچے اطفال سے زیادہ حیثیت نہ دی۔ چنانچہ سیدنا محمد بن الحنفیہ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ نے باوجود ان کے اصرار کے ان کی بیعت نہ کی۔

۶۳ھ میں عبد الملک بن مروان کے جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شکست کھائی اور

شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۵۲ سال تھی۔ مدت خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک

۹ برس۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳)

اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ کو ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا لیکن پھر بھی اس

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات ان لوگوں کی وضع کردہ ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور صحابہ رسولؐ کی ذرہ برابر بھی محبت اور عقیدت نہیں تھی۔ انہوں نے صرف اسلام دشمنی کے لیے ان روایتوں کو گھڑا ہے۔ ورنہ ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کو عادل قرار دینا اور دوسری طرف ان کے کیریکٹر اور اخلاق میں کیڑے نکالنا تضاد بیانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور قرآن و حدیث کی نصوص صحیحہ پر تاریخ کی غلط، خلاف حقیقت اور دہریہ تباہی روایات سے خطا تیغ کھینچنا ہے جو کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث کی نصوص صحیحہ صحابہ کرامؓ کو اللہ رب العزت کی رضا کا سریفکیٹ عطا کرتی ہیں اور مرضی اللہ عنہم ورضو عنہم (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) کے القابات سے سرفراز کرتی ہیں، اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی اور اپنی خواہشات کی پیروی میں کرتے تھے، ان کے دامن

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) عرصہ میں آپؐ نے خانہ کعبہ کو بنیاد ابراہیمی پر تعمیر کروایا اور حطیم کا حصہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کھلا تھا اُس کو بھی عمارت میں شامل کر دیا۔ اور مین کے بادشاہ ابراہیم ثرم کے کبیرہ کو توڑ کر اُس کے پتھر اور عمارتی سامان کو بیت اللہ کی تعمیر میں صرف کیا۔ (مروج الذهب جلد ۱ ص ۵۹) آپؐ زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ نہ بالکل ایسی پڑھتے جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۹) رکوع و سجود میں ایک عجیب و غریب کیفیت اور استعراق ہوتا تھا۔ (اصحابہ جلد ۴ ص ۱۵۷) اسراف الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۲) قیام میں ایک بے جان ستون معلوم ہوتے تھے (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۸۹) سنت کے بڑی سختی سے پابند تھے اور جزأت و حق گوئی کی اپنی مثال آپ تھے۔

حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد اپنی خالہ سیدہ عائشہؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ سے مستفید ہوئے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی ۳۳ روایات مروی ہیں۔ تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳) فقہ میں مدینہ کے صاحب علم و افتاء صحابیہ میں سے شمار ہوتے تھے اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۲) سیدنا ابن عباسؓ ان کی قرأت کے معترف تھے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۴۳)

عفت و رضا کو جھوٹے الزامات سے داغدار کرنا ہے۔ اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و سنت کی ان تصویص سے ٹکرائے گی، ناقابل اعتبار ٹھہرائی جائے گی اور ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربیؒ ان تاریخی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں :-

والناس اذا لم يجدوا عيباً لاحد و غلبهم الحسد عليه
وعداوتهم له احدثوا له عيوباً فاقبلوا الوصية ولا
تلتفتوا الا الى ما صنع من الاخبار واجتنبوا
كما ذكرت لكم — اهل التواريخ، فانهم ذكروا
عن السلف اخباراً صحيحة يسيرة ليتوسلوا
بذلك الى رواية الا باطل، فيقذفوا — كما قدمنا
— في قلوب الناس ما لا يرضاه و ليتحسروا
السلف و يهونوا الدين، وهو اعز من ذلك و هم اكرم
منا فرضى الله عن جميعهم -

لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں پاتے اور ان کو اس پر حسد اور عداوت ہوتی
ہے تو اُس کے بارہ میں طرح طرح کے عیوب تراشتے رہتے ہیں۔ لہذا تم اس وصیت
کو قبول کرو اور سوائے صحیح روایات کے اور کسی طرف توجہ نہ کرو۔ جیسا کہ میں نے
تمہیں کہا ہے کہ اہل تاریخ سے کچھ کیوں کہ اُن کا شیوہ ہے کہ وہ سلف کے بارہ
میں پہلے چند صحیح روایات ذکر کرتے ہیں تاکہ اُن کی آڑ میں باطل اور غلط روایات
کو فروغ دے سکیں۔ یہ مؤرخین لوگوں کے قلوب میں ایسی باتیں ڈالنے کی کوشش
کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اسلاف کی تذلیل و تحقیر اور دین
کی توہین کرتے ہیں حالانکہ دین اس سے بہت زیادہ عزت والا اور اسلاف اس
سے کہیں زیادہ قابل احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔

العوام من القوام ص ۲۴۴

قاضی ابوبکرؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

انما ذكرت لكم هذا التحذروا من الخلق وخاصة من
المفسرين والمؤرخين واهل الادب بانهم اهل جهالة
بحرمات الدين او على بدعة مصرين، فلا تبالوا بما رويوا
ولا تقبلوا روايته الا عن ائمة الحديث -

یہ باتیں میں نے اس لیے ذکر کی ہیں تاکہ تم لوگوں سے اعتراض کرو، بالخصوص مفسرین
مؤرخین اور اہل ادب سے۔ یہ لوگ دین کی حرمتوں سے نا آشنا اور بدعات پر
اصرار کرنے والے ہیں۔ لہذا ان کی بیان کردہ روایات کی بالکل پرواہ نہ کرو اور
ائمہ حدیث کے سوا اور کسی شخص کی روایات کو سرگز قبول نہ کرو۔

(ایضاً ص ۲۴۷، ۲۴۸)

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:-

قال العلماء الاحادیث الواردة في ظاهرها دخل على
صحابي يجب تأويلها قالوا ولا يقع في روايات الثقات
الا ما يمكن تأويله -

علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو اُس کی تاویل واجب
اور ضروری ہے اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود
نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ بعض مصنفین کی کتابوں پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-
ان لوگوں کی بیان کردہ روایات تاریخ و سیر کی روایات کی قبیل اور جنس سے ہیں جن میں
مرسل و مقطوع اور صحیح و ضعیف ہر طرح کی روایات ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے تو صحابہ
کرامؓ کے محامد و محاسن اور فضائل و مناقب جو کتاب و سنت اور روایات متواترہ
سے ثابت ہیں، ان کا رد منقطع، محرف اور ایسی روایات سے جن سے یقینی اور قطعی
روایات پر جرح و قدرح نہیں ہو سکتی، نہیں ہو سکتا کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں
ہو سکتا، ہمارا یقین ہے ان چیزوں پر جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع

سلف سے ثابت ہیں۔ نیز ان منقولات متواترہ کی دلائل عقلیہ سے بھی تائید و تصدیق
اس طرح ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین مخلوق
ہیں۔ لہذا ان کے بارہ میں مشکوک باتوں سے جرح و فہرج نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ
باطل اور سراپا کذب روایات سے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۰۹)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تاریخ کی اسی قسم کی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں۔
”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ
ان کے متعلق وارد ہیں ان کی اسناد اس قدر قوی ہیں کہ تاریخ کی روایات ان
کے سامنے بیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور احادیث صحیحہ میں
تعارض واقع ہوگا۔ تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی
شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا دعا فرمانا: اللہم اجعلہ ہادیاً مہدیاً۔

راے اللہ! تو معاویہؓ کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے) یا حضرت ابن عباسؓ
کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے
خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط کی جائے گی۔ ہم قرط عقیقت
اہل بیت میں آکر ان کے مقامات اور اس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہو
جاتے ہیں، مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۲)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام مؤرخین کی روایات کا تار و پود ان الفاظ میں بکھیرتے ہیں۔
”یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی
توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر
بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و ثنیں
سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہو یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید
ہوں یا ابن سعد۔

”ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماؤل قرار دی جاتیں یہ جاشیکہ روایات تاریخ“

رکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۶

علامہ ابن کثیرؒ اس بارہ میں کتاب وسنت سے ثابت شدہ حقائق کے خلاف تاریخ کی روایت قابل قبول نہیں ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے جو مجہول راویوں سے صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف جو روایات نقل کی ہیں، وہ ناقلین کے منہ پر ماری جائیں گی۔ صحابہؓ سے حسن ظن اس بات کا مقتضی ہے کہ ان روافض اور بغی الذہن قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے، جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف مستقیم اور سقیم اور کمزور اور مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں“

(البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۴۷)

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی ہر بات ہدایت پر مبنی اور موجب نجات اور حجت قاطعہ ہے اور سیدنا معاویہؓ چونکہ خلیفہ راشد ہیں، اس وجہ سے ان کا یہ فعل خلاف شریعت نہیں بلکہ شریعت کے عین مطابق اور امت کے لیے حجت ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفائے راشدین کی اطاعت و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

من یعیش منکم بعدی فسیروی اختلافاً کثیراً فعلیکم
لیسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا
وعصوا علیہا بالتواخذ۔

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔

ترمذی جلد ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۹، مسند احمد

جلد ۲ ص ۲، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۵۔

سیدنا معاویہؓ سے قبل پانچ خلفائے راشدین گزرے تھے، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان ذوالنورینؓ، سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا حسنؓ ابن علیؓ۔ ان پانچوں خلفاء کے تقرر میں الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا۔ قریش کہہ رہے تھے :-

منا امیر ومنکم امیر۔

ایک امیر ہم میں سے ہوا اور ایک آپ میں سے۔

بخاری جلد ۱ ص ۱، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱، العوام من القواہم ص ۴۴ تعلیقہ

اسی ہنگامے میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ سنا تھا کہ پورے اجتماع نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو سیدنا ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا۔ چنانچہ اپنے وصیت نامہ میں لکھا :-
انی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب۔

میں عمر بن الخطابؓ کو تم پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۹، العوام من القواہم ص ۵۱

سیدنا عمرؓ جب زخمی ہوئے تو آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرما جائیں جس طرح صدیق اکبرؓ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :-
کس کو جانشینی کے لیے منتخب کروں؟ اگر آج ابوعبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو ان کو جانشین مقرر کر جاتا۔ اگر میرا رب مجھ کو اس بارہ میں پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے رسول کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ ابوعبیدہؓ اس امت کے امین ہیں، یا اگر ابوحذیفہؓ کے مولیٰ سالمؓ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ نامزد کر جاتا۔ اگر میرا رب اس بارہ میں مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی کو فرماتے سنا تھا کہ

”سالم حق تعالیٰ سے بہت محبت رکھنے والے ہیں“ کسی نے کہا کہ اپنے فرزند عبد اللہ بن عمرؓ کو نامزد کر جائیں۔ فرمایا کہ میں ایسے شخص کو کیسے خلیفہ نامزد کر جاؤں جو اپنی عورت کو طلاق دینے میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، ہمیں تمہارے معاملات کی کوئی خواہش نہیں۔ میں نے اس کو کچھ اچھا نہیں پایا کہ اپنے گھر میں سے کسی اور کے لیے بھی اس کی تمنا اور خواہش کروں۔ اگر یہ حکومت کوئی اچھی چیز تھی تو اس کا مزہ ہم نے چکھ لیا اور اگر یہ کوئی بُری چیز تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کل کو حق تعالیٰ کے سامنے صرف ایک ہی آدمی سے حساب لیا جائے۔ رطری جلد ۳ ص ۲۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۵، الامامة والسياسة جلد ۱

ص ۲۳، منهاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۴۲، ۱۴۸

بعض روایات میں آپؐ نے معاذ بن جبلؓ اور خالد بن ولیدؓ کا بھی نام لیا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر جاتا۔ لیکن چونکہ آج وہ حضرات زندہ نہیں ہیں۔ لہذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر نامزد کر کے جاتا ہوں جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاتے وقت راضی تھے۔

- | | |
|---------------------------|-----------------------------|
| ۱۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ | ۲۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ |
| ۳۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ | ۴۔ سیدنا طلحہ بن عبد اللہؓ |
| ۵۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ | ۶۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوفؓ |

آپؐ نے فرمایا کہ خلیفہ ان چھ ہی میں سے ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے ناجائز نہ تھی بلکہ آپؐ اسے اچھا سمجھتے تھے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ آج اگر فلاں فلاں حضرات میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اُسے نامزد کر جاتا۔ اگر خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے ناجائز ہوتی تو سیدنا عمر فاروقؓ جیسا انسان صاف اور واضح طور پر یہ کہہ دیتا کہ میں خلیفہ کیسے نامزد کر کے جاؤں جبکہ نامزدگی اسلام میں جائز ہی نہیں۔ لیکن آپؐ نے ایسا جواب نہیں دیا۔ بلکہ چھ آدمیوں کی ایک کو نسل بنادی جو کہ دوسرے لفظوں میں ایک قسم کی نامزدگی ہی تھی، کیونکہ آپؐ نے شرط یہ لگا دی تھی کہ خلیفہ

چنانچہ انہی چھ میں سے سیدنا عثمانؓ کو اس کو نسل نے خلیفہ مقرر کیا جس کو سیدنا عمرؓ نامزد کر گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ بھی سیدنا عمرؓ کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔ سیدنا عثمانؓ کی مطلوبانہ شہادت کے بعد باغیوں کے گروہ کے لیڈر اشتر نخعی نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۲۲۶) گو یا سیدنا علیؓ کی خلافت بھی درحقیقت ایک قسم کی نامزد خلافت تھی۔ کیونکہ اس میں نہ تو ارباب حل و عقد سے کوئی مشورہ کیا گیا اور نہ ہی ارباب حل و عقد نے آپ سے بیعت کی۔

اے سیدنا علیؓ کی بیعت کے سلسلہ میں بہت لوگوں کو غلط فہمی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ شاید سیدنا علیؓ کی بیعت خلافت ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ سے ہوئی تھی۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ارباب حل و عقد سے اس بارہ میں کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ باغیوں نے خود آپس ہی میں پلان بنا کر سیدنا علیؓ کو خلیفہ نامزد کر لیا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے المٹاک حادثہ کے بعد مسلمان تو اسی فکر میں تھے کہ اس ساری سازش کے پس منظر اور منظر میں کون کون سے عناصر کام کر رہے ہیں۔ پورے شہر کے نظم و نسق پر عافقی بن حرب باغیوں کے سرخیل کا قبضہ تھا۔ باغی اس سے قبل کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوں اور امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی مطلوبانہ شہادت کا انہیں مزہ چکھائیں۔ یہ چاہتے تھے کہ اپنی مرضی کے مطابق کسی شخص کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ باغیوں میں مصر، کوفہ اور بصرہ کے لوگ شامل تھے اور تیہوں گروہ امر خلافت میں مختلف تھے۔ مصر کے باغی سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے پر بضد تھے، کوفہ کے شریک سیدنا زبیر بن العوامؓ کو اور بصرہ کے باغی عناصر سیدنا طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، لیکن ان تینوں حضرات نے ان حالات میں خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے بھی خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ ان سب حضرات کے انکار سے یہ لوگ بیحد پریشان ہوئے۔ یہ اس کام کو نامکمل اور ادھورا چھوڑ کر واپس نہیں جانا چاہتے تھے، کیونکہ اس میں ان کو اپنی عاقبت اور خیریت معلوم نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ سب پھر سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ وہ منصب خلافت کو قبول فرمائیں۔ آپ انکار کر رہے تھے کہ باغیوں کے سرگروہ اشتر نخعی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت خلافت کر لی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔

البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۲۲۶

سیدنا علیؑ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؑ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ جلد ۷ صفحہ ۳۲۳، جلد ۸ صفحہ ۱۲۹، بہیقی جلد ۸ صفحہ ۱۲۹) لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؑ کو خلیفہ بنانا۔ اب زمام خلافت سیدنا حسنؑ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؑ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا ہے۔ اور شیعہ حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطا سے مبرا ہوتا ہے۔ اب سیدنا حسنؑ نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (حالانکہ آپ کے تمام ماننے والوں اور اعوان و انصار نے اس بارہ میں آپ کی شدید مخالفت کی۔ خود آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؑ بن علیؑ نے بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۹۶ تا ۳۰۴) لیکن آپ نے کسی کی نہ سنی اور خود خلافت سے دست بردار ہو کر سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔ یہ بھی دراصل نامزدگی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نامزدگی جائز بلکہ مستحسن ہے۔

ان پانچ خلفائے راشدین کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ اہل الحل والعقد کی باہمی مشاورت سے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سلسلہ میں شوریٰ نہیں ہوئی اور نہ ہی ارباب حل و عقد نے کوئی فیصلہ کیا چنانچہ اشتر نجفی اور اس کے ساتھی سیدنا علیؑ کی بیعت کر کے سیدنا طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے سیدنا علیؑ کی بیعت کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا شوریٰ نے جمع ہو کر سیدنا علیؑ کی بیعت کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا یہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہی وجہ تھی سیدنا علیؑ کی خلافت کی ایسی حیثیت آخر وقت تک زیر بحث رہی۔ اور مملکت اسلامیہ کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے سیدنا علیؑ کی بیعت نہ کی۔ اور بقول علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ صرف ایک شہر کے دس ہزار افراد نے سیدنا علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۱۳)

شام کے پورے صوبے نے آپ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔

۲۔ خلیفہ کی نامزدگی سے۔

اور ان دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ سے منتخب شدہ خلیفہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں۔ اور سیدنا حسن کے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے پوری اُمت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے یزید کو صحیح خلیفہ نہیں مانا جاتا بلکہ سیدنا معاویہؓ کو بھی اعتراضات و اہمیت کا مدفع بنایا جاتا ہے لیکن اسلام کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو بالکل نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام صوبوں سے ارباب حل و عقد کے یا بھی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر فرمایا۔ ہو سکتا ہے ایک دو تے مخالفت بھی کی ہو (حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی) لیکن اگر سیدنا علیؓ اہل الحل و العقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کے باوجود یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے۔ معاویہؓ اہل تھے اور یزید اہل نہیں تھا۔ یہ اعتراض بھی سراسر غلط ہے۔ آخر اہلیت ہے کیا چیز؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اُس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے مابین عدل و انصاف اور ان کی مصالح پر نگاہ رکھنے کا۔ اُن کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاق عالم میں ان کی دعوت کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں۔ بہادری میں ”فتی العرب“ عرب کا بہادر، کالقب حاصل کیا ہوا تھا (ہشتری آف عربز از پر فی سر ہٹی ص ۲۰۱) علم و فضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا۔ جو ان کی ذات میں نہ ہو۔ نیکو کاری اتنی کہ سیدنا عید الشہد بن عباسؓ بھی معترف ہیں۔ چنانچہ عامر بن مسعودؓ

۱۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب قاصد سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ہم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گئے وہ بھی اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان بچھ چکا تھا، لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔

فقلنا لہ یا ابن عباس جاء البرید بموت معاویة
فوجہ طویلاً ثم قال اللہم اوسع لمعاویة اما واللہ
ماکان مثل من قبلہ ولا یأتی بعدہ مثله وان ابنہ
یزید لمن صالح اہلہ فالزموا مجالسکم واعطوا
طاعتکم و بیعتکم۔

ہم نے ان سے کہا، اے ابن عباسؓ! قاصد معاویہؓ کے انتقال کی خبر لے کر آیا ہے اس پر وہ کافی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا، اے اللہ! معاویہؓ کے لیے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے، بخدا وہ پہلوں کی طرح نہیں تھے اور ان کے بعد ان جیسا کوئی نہیں آئے گا۔ اور بلاشبہ یزید ان کے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔ لہذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت اُسے دے دو۔

رالنساب الاشراف لبلاذری الجزء الرابع قسم ثانی ص ۲۱۳
صاحب الامامة والسیاستہ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں

نے اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو یزید کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں تھا تبھی تو وہ لوگوں سے بھی کہتے تھے کہ تم یزید کی بیعت کر لو اور اس کی اطاعت سے اپنے دامن کو نہ کھینچو۔ اور وہ یزید کی صالحیت اور قابلیت بلکہ اہلیت کے بھی معترف تھے اور شاید اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ نے خود بھی ان کی بیعت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ ص ۲۵۴، ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۰۰، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۸) حالانکہ یہی ابن عباسؓ ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا تو چونکہ حجاز و عراق میں ان کے منقرضین کی ایک کثیر تعداد تھی، اس لیے عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلادینے کی دھمکی دی لیکن آپ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۹۵)

نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر سُن کر حسب ذیل الفاظ میں اظہارِ افسوس فرمایا :-
 جبل تزعزع ثم مال بكل كلة اما والله ما كان كمن كان
 قبله ولما يكن بعده مثله والله ان ابنه لخير اهلہ -
 وہ ایک پہاڑ تھا جو ہلا پھر سینے کے بل آ رہا۔ کیا واقعی ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے
 پہلوں جیسا نہیں تھا اور اب تک ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی نہیں ہوا۔
 بخدا! ان کا بیٹا (یزید) اُن کے گھرانے میں سب سے بہتر ہے۔

(الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۲۱۳)

علم و فضل میں یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سیدنا حسنؓ
 بن علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور اس مجلس میں یزید بن معاویہؓ بھی آ
 کر بیٹھ گئے۔ جب یزید اُٹھ کر چلے گئے تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-

اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس -
 جب بنو حرب اُٹھ گئے تو لوگوں کے صاحبِ علم اُٹھ جائیں گے۔
 (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۲۸)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سنہ ۴۰ھ میں سیدنا علیؓ کے پاس ان کی شکایت کی گئی کہ انہوں نے بیت المال میں کچھ روپیہ
 خرد برد کیا ہے۔ آپ اس زمانہ میں سیدنا علیؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔ سیدنا علیؓ نے اس شکایت
 کو نپوالے کی شکایت پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا عبداللہؓ سے جواب طلبی کی اور لکھا کہ :-

”مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے“
 آپ کو اس بات پر بہت غصہ آیا کہ امیر المومنینؓ نے میری دیانت اور امانت کو مشکوک سمجھا
 ہے۔ چنانچہ آپ نے بصرہ کی گورنری سے استعفیٰ دیدیا اور مکہ المکرمہ تشریف لے گئے۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۲۲)

گویا ایسے غلط آدمی کا یزید کی بیعت کرنے کی لوگوں کو ترغیب دینا یزید کی اہلیت کے لیے ایک
 حجت قاطعہ ہے۔

اتباع سنت اور نیکی کی لگن اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسینؑ کے بھائی اور
سیدنا علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؑ کی گواہی کافی ہے۔ جب عبداللہ بن الزبیرؓ
کے داعی عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہؑ کی خدمت میں آئے

اے محمد بن حنفیہؑ سیدنا علیؑ کے صاحبزادے تھے اور سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کے سوتیلے بھائی
تھے۔ ان کی والدہ کا نام تولد تھا جو نبی حنیفہؐ کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت
کے آخر میں پیدا ہوئے یعنی ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۵۰) آپ نہایت بہادر
اور شجاع تھے، چنانچہ جنگ جمل میں جب کہ اُن کی عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ غلوی فوج کے علمبردار تھے
اور جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ جس سے سیدنا علیؑ نہایت متاثر ہوئے۔ جنگ صفین
میں بھی آپ شروع سے لے کر آخر تک اپنے والد محترم کے ساتھ تھے۔ اور کئی نازک موقعوں پر سیدنا علیؑ
کی حفاظت کی۔ (اخبار الطوال ص ۱۸۴)

سیدنا علیؑ نے اپنی شہادت کے وقت اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کو ان کے بارہ
میں خاص وصیت فرمائی کہ وہ تمہارے حقیقی بھائی کی مانند ہیں اور تمہارے والد کے بیٹے ہیں۔ لہذا ان
کو ہمیشہ یاد رکھنا کیونکہ تمہارے باپ ان سے محبت کرتے تھے۔ اسی طرح کی وصیت ان کو بھی فرمائی کہ
ان دونوں بھائیوں کی عزت و توقیر کرنا ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۹)
سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ نے باپ کی اس وصیت پر پورا پورا عمل فرمایا اور ہر موقع پر محمد بن حنفیہؑ
سے شفقت آمیز سلوک کیا۔ سیدنا حسنؑ نے اپنے انتقال کے موقع پر سیدنا حسینؑ سے فرمایا کہ میں تمہیں
محمد بن حنفیہؑ کے بارہ میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑے
کی طرح عزیز ہیں پھر سیدنا محمد بن حنفیہؑ سے فرمایا کہ تم کو بھی میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت
اپنے بھائی حسینؑ کی مدد کرنا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۵)

سیدنا محمد بن حنفیہؑ نے سیدنا علیؑ اور سیدنا حسنؑ کی ان وصیتوں پر دل و جان سے عمل کیا اور ہر
نازک موقع پر ایک مخلص اور غمگسار بھائی کی طرح اُن کی مدد بھی کی اور مفید مشورے بھی دیے۔ سیدنا
معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بھی آپ نے سیدنا حسینؑ کو بڑے مفید

اور ان کو یزید کی بیعت توڑنے کو کہا تو سیدنا محمد بن الحنفیہؓ نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ حضرت آپ اس کی بیعت کیوں نہیں توڑتے، حالانکہ یزید

در حاشیہ صفحہ گذشتہ مشورے دیئے۔ کچھ مشوروں پر سیدنا حسینؓ نے عمل بھی کیا، لیکن کوفہ جانے کے معاملہ میں محمد بن الحنفیہؓ نے اپنے بھائی سے اختلاف کیا۔ اس معاملہ میں آپ اکیلے نہ تھے بلکہ سیدنا علیؓ کے پتدرہ صاحبزادوں میں سے جو اس وقت زندہ تھے گیارہ نے آپ کے ساتھ کوفہ جانے سے انکار کر دیا۔ ان میں ایک محمد بن الحنفیہؓ بھی تھے۔ سیدنا حسینؓ ان کے علم و فضل اور شجاعت و بہادری کے بہت قائل تھے۔ لہذا آپ نے ان پر ساتھ چلنے کے لیے بہت زور ڈالا اور یہاں تک کہا کہ اگر آپ ساتھ نہیں چلتے تو اپنے بچوں ہی کو میرے ساتھ چلنے کی اجازت دیں، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا و معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا حسینؓ کے اس موقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۶۵)۔

امیر یزید کے عہد خلافت میں آپ نے ان کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی ہوئی تھی جس طرح عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے کی تھی۔ اور سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد جب عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے لوگوں کو یزید کے خلاف بغاوت پر اکسایا تو انہوں نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے محمد بن حنفیہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کو اپنی بیعت کے بارے میں بہت زور دیا لیکن تینوں حضرات نے ان کی بیعت نہ کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کے بعد جب عبدالملک بن مروانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حجاج بن یوسف کے ہاتھ پر اُن کی بیعت کی اور عبدالملک کو ایک خط اس بارہ میں تحریر فرمایا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم : محمد بن علیؓ کی جانب سے عبدالملک بن مروان خدا کے بندے کی طرف :-

اما بعد ! اس وقت جب امت میں خلیفہ کے بارہ میں اختلاف رونما تھا تو میں لوگوں سے کنارہ کش رہا اب جب کہ خلافت آپ کو مل گئی ہے اور تمام مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے تو میں بھی اس جماعت میں شامل ہوتا ہوں اور اس بھلائی اور نیکی کے کام میں جس میں سب مسلمان داخل ہوئے ہیں میں بھی داخل ہوتا ہوں میں نے حجاج کے ہاتھوں پر آپ کی بیعت کر لی ہے اور اب یہ تحریر بیعت آپ کو بھیج رہا ہوں کیوں کہ

شراب پیتا ہے۔ نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا حسینؑ کے بھائی اور سیدنا علیؑ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہؑ نے فرمایا:-

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۲)

اس کے جواب میں عبدالملک نے بہت محبت آمیز خط لکھا اور یقین دلایا کہ جب تک زندہ رہوں گا آپ کی عزت داری کا پورا لحاظ رکھوں گا اور آپ کی اعانت و امداد سے کبھی دست کش نہیں ہوں گا۔ چند سالوں کے بعد آپ امیر المومنین عبدالملک کے پاس گئے۔ عبدالملک نے نہایت تپاک اور خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا اور اُن کی بہت پذیرائی کی۔ آپ نے وہاں ایک ماہ سے زیادہ قیام فرمایا۔ ایک دن خلوت میں عبدالملک سے اپنے قرض کا تذکرہ کیا۔ عبدالملک نے ادائیگی کا وعدہ کیا۔ بعد میں آپ نے اپنی کچھ اور ضروریات بھی پیش کیں اور ان کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے خواص اور اپنے غلاموں کے دطائف مقرر کئے جانے کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ بعد میں آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۳) یہاں سنہ ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ علم و فضل میں ایک بلند مقام کے مالک تھے۔ علامہ ابن حبان خرماتے میں کہ وہ اپنے خاندان میں قاضی ترین آدمی تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۵۵)۔ علامہ خیر الدین زرکلی نے ان کا اپنا ایک قول نقل کیا ہے کہ:-

الحسن والحسين افضل مني وانا اعلم منهما۔

حسنؑ اور حسینؑ مجھ سے افضل ہیں لیکن علم میں میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔

(الاعلام جلد ۷ ص ۱۸۲)

صاحب عمدہ المطالب فرماتے ہیں:-

كان محمد بن الحنفية احداً رجال الدهر في العلم والزهد والعبادة والشجاعة وهو افضل ولد علي بن

مَا رَأَيْتَ مِنْهُ مَا تَذَكُّرُونَ وَقَدْ حَضَرْتَهُ وَاقِفَتِ
عِنْدَهُ فَرَأَيْتَهُ مُوَظَّابًا عَلَى الصَّلَاةِ مُتَحَرِّيًا لِلْخَيْرِ، لَيْسَ
عَنِ الْفَقْهِ مَلَانًا لِلْسُنَّةِ -

جو کچھ تم کہتے ہو وہ باتیں ہیں یزید میں نہیں دیکھتا۔ میں وہاں اقامت پذیر رہا
ہوں۔ میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، دینی مسائل پر
گفتگو کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر پابندی سے
عمل کرنے والا دیکھا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۳۲، ۲۳۳)

عبداللہ بن مطیع اور اُن کے ساتھی کہنے لگے، حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے
کے لیے کرتا ہو گا۔ آپ نے فرمایا۔ اُسے مجھ سے کیا خوف اور لالچ تھا جو میرے سامنے اس طرح
کرتا تم جو اُس کی شراب نوشی کی بات کرتے ہو کیا اُس نے تمہیں دکھا کر پی تھی۔ اگر تمہیں دیکھا کر
پی تو تم بھی اس گناہ میں اُس کے ساتھ شریک ہو۔ اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تھی تو جس شے کا تمہیں
علم نہیں اُس کے متعلق تمہیں شہادت دینی جائز نہیں۔ وہ بولے حضرت! اگرچہ ہم نے اس

حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابی طالب بعد الحسن والحسین -

محمد بن الحنفیہؓ علم زہد، عبادت اور شجاعت و بہادری میں اپنے زمانے میں ایک بلند
ترین شخصیت تھی اور سیدنا علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے حسنؓ اور حسینؓ کے بعد
سب سے افضل تھے۔ (عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۵۲)

اسی طرح کے تعریفی کلمات قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھے ہیں۔

علم حدیث میں سیدنا علیؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عمارؓ
بن یامرؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ وغیرہم سے استفادہ کیا تھا۔ بعض محدثین کے
نزدیک سیدنا علیؓ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۵۴)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا صحیح مسلم جیسی معتبر کتاب میں درج ہے۔

۱۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا عمر بن الخطابؓ کے صاحبزادے تھے۔ غزوہ اُحد میں جو ۳۰ سالہ
میں پیش آیا ان کی عمر ۳۱ برس کی تھی۔ جب سیدنا عمرؓ مشرف یا سلام ہوئے اُس وقت سیدنا عبداللہؓ
کی عمر ۵ سال کی تھی۔ گویا بچپن ہی سے اسلامی ماحول میں پرورش پائی۔ سب سے پہلے جنگ خندق
میں شریک جہاد ہونے کی اجازت ملی کیونکہ اس وقت ان کی عمر ۵ سال کی تھی۔ غزوہ بدر اور غزوہ اُحد
میں کم سن ہونے کی وجہ سے شرکت کی اجازت بارگاہ رسالت سے نہ مل سکی۔ بیعتِ اوضوان اور فتح مکہ میں بھی
شرکت کا شرف حاصل ہوا اور فتح مکہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے
پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰) غزوہ حنین، محاصرہ
طائف، حجة الوداع، غزوہ تبوک غرضیکہ ہر معرکہ میں شرکت فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے ساتھ پابرجا رہے۔ عہد فاروقی میں بھی کافی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ
خلافت میں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد بعض
لوگوں نے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں لیکن آپ نے
صاف انکار کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۱۱۱) سیدنا علیؓ کی خلافت میں آپ نے ان
کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے
اُس وقت تک اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتی چلایے (فتح الباری جلد ۵ ص ۱۰۱) سیدنا معاویہؓ
جب ائمہ میں خلیفہ ہوئے تو سیدنا عبداللہؓ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی کیونکہ سب لوگوں نے
بلا اختلاف اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ بعد میں یزید کی خلافت کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ
نے اُن کے ہاتھ پر بھی بیعت فرمائی، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا:-

ان اجمع الناس علی بیعتہ بالیعتہ۔

اگر لوگ اُس کی بیعت پر اکٹھے ہو جائیں گے تو میں بھی اُس (یزید) کی بیعت کر لوں گا

(الفلق شندی جلد ۱ ص ۱۱۱)

چنانچہ جب جمہور نے یزید کی بیعت کر لی تو آپ نے بھی بیعت کر لی۔ یزید کی وفات کے

کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ یزید بن معاویہ کی بیعت میں کس قدر مخلص اور اس کی بیعت توڑنے والوں کے کس قدر مخالف تھے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مطیع اور عبداللہ بن حنظلہ یزید کے خلاف بغاوت کرتے والوں کی قیادت کر رہے تھے۔ سیدنا عبداللہؓ کو جب اس بات کا پتہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ عراق، حجاز اور یمن کے لوگوں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ان کے دعوائے خلافت کو باز نہ چھوڑا اطفال سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ طبقات ابن سعد قسم اول تذکرہ ابن عمرؓ مروان کے بعد جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اُن کے پاس تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۶۹) آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاص عقیدت اور محبت تھی۔ فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت اور دین کیلئے خود ان کی اپنی کدو کاوش نے اُن کو قرآن، حدیث، تفسیر و فقہ میں بحر بے پایاں بنا دیا تھا۔ آپ علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵)۔

سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ کچھ بدل گیا، مگر عمرؓ اور ان کے فرزند ارجمند عبداللہؓ ذرہ برابر نہیں بدلے۔ چنانچہ آپ کے خادم اور شاگرد نافع فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس زمانہ میں عبداللہ بن عمرؓ ہوتے تو ان کو آثار نبوی کی اس شدت پیروی اور اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم سہی کہتے کہ یہ مجنون ہیں (ابن سعد جلد ۴ ص ۱۰۶)۔

۷۴ھ میں ۸ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ مختلف روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کا سبب حجاج بن یوسف بنا لیکن یہ سب روایتیں پایہ ثقافت سے گری ہوئی ہیں۔ آپ کو مدینہ طیبہ میں وفات پانے کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ جب آپ کی حالت خراب ہو گئی تو دعا فرماتے تھے کہ خدا یا! مجھ کو مکہ میں نہ موت دے۔ (ابن سعد جلد ۴ ص ۱۳۶) اور اپنے صاحبزادہ سالم کو وصیت کی کہ اگر میں مکہ ہی میں انتقال کر جاؤں تو مجھے حدود حرم سے باہر دفن کرنا کیونکہ جس ہرزین سے ہجرت کی ہے پھر اسی میں دفن ہوتے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ چند روز کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ ”حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی اور ”فخ“ کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

رضی اللہ عنہ۔

چلا تو آپ فوراً بعد اللہ بن مطیع کے پاس گئے وہ انہیں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے
 ابو عبد الرحمن (سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی کنیت ہر کے لیے مسند بچھاؤ۔ آپ نے فرمایا میں آپ کے
 پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ایک حدیث سنانے کے لیے آیا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے یہ کہہ کر آپ نے وہ حدیث بیان فرمائی :-

يَقُولُ مَنْ خَلَعَ يَدَهُ مِنْ طَاعَةِ لِقَى اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَاحِجَةً لَهُ وَمَنْ
 مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص عہد طاعت کو
 توڑ دے، وہ قیامت کے روز اللہ رب العزت سے اس حال میں ملے گا کہ اُس
 کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اُس کی گردن میں
 کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا“

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۳۶)

صحیح بخاری میں بھی اسی قسم کی ایک روایت سیدنا بعد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارہ میں مروی
 ہے کہ بعد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر جب مدینہ کے لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ
 دی تو اس وقت سیدنا بعد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے اس اقدام
 کی شدید مخالفت کی اور آپ نے اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :-

يَنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَانْأَقْدَبَا يَعْنَاهُ هَذَا
 الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَكْبَرَ مِنْ
 أَنْ يَبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يَنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ
 وَاتَّقُوا لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا تَابِعٍ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا
 كَانَتْ الْفِيصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ۔

قیامت کے روز ہر عہد توڑنے والے کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے
 گا۔ ہم نے اس شخص (یزید بن معاویہ) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے

نام پر کی ہے اور میں اس سے زیادہ بد عہدی اور کوئی نہیں سمجھتا کہ ایک شخص اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کسی کی بیعت کرے اور پھر اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ اور سنا اگر مجھے تم میں سے کسی کے بارہ میں بیہوش چلا کہ اُس نے اس (یزید) کی بیعت توڑ دی ہے یا بیعت توڑنے والوں کے پیچھے لگ گیا ہے تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳)

اُس زمانہ میں یہ معاملہ صرف بعد اللہ بن عمرؓ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ اہل بیت النبوة کے تمام لوگ یزید کی بیعت پر قائم رہے اور بیعت توڑنے والوں کی برابر مخالفت کرتے رہے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

كان عبد الله بن عمر بن الخطاب وجماعات اهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع احداً بعد بيعته ليزيد..... ولم يخرج احد من آل ابي طالب ولا بني عبد المطلب ايام الحرة -

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور اہل بیت نبوتؐ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت کو نہیں توڑا تھا اور نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت کی۔ آل ابی طالب (سیدنا علیؓ کا خاندان) اور بنو عبد المطلب میں سے کسی نے ایام حرہ میں یزید کے خلاف خروج کیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۳۲، ۲۳۳)

۱۔ ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے یزید کی بیعت کی ہوئی تھی اور یہ بیعت جبری بیعت نہیں تھی بلکہ یزید کو صحیح معنوں میں امیر المؤمنین سمجھ کر بیعت کی گئی تھی یہی وجہ تھی کہ جب ایام حرہ میں کچھ لوگوں نے عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ بیعت کے ورغلانے پر یزید کی بیعت توڑی تو سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور خاندان ابی طالب، بنو عبد المطلب اور خاندان نبوت کے دوسرے افراد نے لوگوں کی بیعت توڑنے سے روکا بھی اور خود بھی اس بیعت پر قائم رہے حالانکہ اُس

ان روایات کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ہر قابل تعریف خصلت یزید میں پائی جاتی تھی، شجاعت، جانبازی، حسن المعاشرت، نظم مملکت میں صاحب الرائے غرض کہ علم و عمل کی ہر خوبی اس کی ذات میں پائی جاتی تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۹۳)

اگر یہ سب صفات و خصائل پائے جانے کے باوجود بھی یزید اہلیت سے محروم تھا تو پھر میں کہوں گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہ تھی۔ لیکن صحیح اور درست بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں یزید سے زیادہ کاروبار حکومت چلانے کی اہلیت ہو اس لیے کہ اس وقت صحابہؓ یا ان کی اولاد میں جتنے لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبار مملکت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید بن معاویہؓ ماہر تھے۔ مورخین کے بیان کے مطابق متواتر سات سال تک باز لطیفی حکومت کے خلاف بحری و بری سرگرمیوں میں آپ نے کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ کریم النفس، حلیم الطبع، انتظامی امور میں فکری اور ذہنی خوبیوں کے حامل غرضیکہ ایک حکومت کو چلانے کے لیے ایک شخص میں جس قدر خوبیاں اور صفات ہوتی چاہئیں وہ سب یزید بن معاویہؓ میں موجود تھیں۔ خاندانی نجابت، ذہنی اور عملی شرافت

حاشیہ صفحہ گزشتہ) وقت اُن کے لیے بیعت توڑنے کا سنہری موقع تھا۔ لیکن انہوں نے دلی خلوص سے چوک بیعت کی ہوئی تھی لہذا شدت سے لوگوں کو یزید کی بیعت توڑنے سے روکا خود سیدنا حسینؑ بھی یزید کی بیعت کرنے پر رخصتا مند ہو گئے تھے جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اور شیعی عالم علامہ شریف المرتضیٰؒ نے لکھا ہے کہ میدان کربلا میں سیدنا حسینؑ نے عمرو بن سعد کے سامنے جو تین شرائط پیش کی تھیں اُن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ:-

اوان اضع یدی علی ید یزید فہو ابن عمی لیری فی رایہ۔

یا میری یہ شرط قبول کر لو کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیتا ہوں جبکہ وہ میرا چچا زاد

بھائی ہے وہ میرے بارہ میں اپنی رائے خود قائم کر لے گا۔ (کتاب الشاقی ص ۷۷)

ان واقعات کی تفصیل کے لیے میری کتاب ”واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل“ کا مطالعہ کریں۔

آپ کی خاص صفات میں سے تھیں وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چھپے لے پیدا ہوئے
آنکھ کھولی ہی تھی تو باپ کو شام جیسے سرحدی اور متمدن صوبے کا والی اور گورنر پایا۔ خود
باپ میں سیادت اور قیادت کی صفات سیدنا عمر الفاروقؓ سے بھی زیادہ تھیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵)

باپ نے حسن تربیت سے وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں لیکن اور صحابہؓ اور ان کے
صاحبزادے جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ ان میں سیادت اور قیادت کی اس قدر خوبیاں
جمع نہیں تھیں۔ حکومت کے لیے زہد و اتقاء کی اتنی ضرورت نہیں راگرچہ خلیفہ وقت
میں زہد و اتقاء کا پایا جاتا بھی ضروری ہے، جتنی انتظامیہ امور میں صلاحیت اور عزم و شجاعت
دانائی و حکمت کی ضرورت اور اہلیت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ امت میں سیدنا عمر الفاروقؓ
سے زیادہ تر ہدایں شب زندہ دار، صائم الدہر اور سنت نبویؐ کے متبع موجود تھے، لیکن
کاروبار حکومت چلانے کے لیے جو خوبیاں اشدر بن العزت نے ان میں ودیعت فرمائی
تھیں، وہ نہ تو ابوذر غفاریؓ جیسے زاهد شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمرؓ جیسے متبع
سنت میں، نہ ابن عباسؓ جیسے ترجمان القرآن میں اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں پڑھنے
والے ابی بن کعبؓ میں۔ نہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے امین الامۃ اور خالد بن ولیدؓ جیسے
”سیف من سیوف اللہ“ میں تھیں۔ کاروبار حکومت میں ”اشدر فی امر اللہ“ کی ضرورت
ہے۔ خود سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ افضل صحابہؓ موجود تھے، لیکن کاروبار
حکومت چلانے کے لیے جن صفات کی ضرورت تھی وہ اور کسی میں نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ
جب سیدنا حسنؓ نے کاروبار حکومت ان کے سپرد کیا تو تمام صحابہؓ نے جن میں عشرہ مبشرہ
کے لوگ بھی شامل تھے اور بیعت عقبہ اور بیعت رضوان کے سند یافتہ بھی بے چون چران
ان کی بیعت فرمائی، اور کسی نے ان پر معمولی سا اعتراض بھی نہ کیا۔ خود سیدنا معاویہؓ نے اپنی
اس حیثیت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ دوسرے لفظوں میں آپ نے خلیفہ کی صفات
ضروریہ کا اظہار فرمایا آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا أَنَا بِخَيْرِكُمْ وَأَنْتُمْ لِمَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي

عبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عمرو وغیرہما من
الافاضل ولكن عسى ان اكون انفعلك ولايته وانك اكرم
في عدوكم وادراكم حلياً۔

اسے لوگو! میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبداللہ بن عمرؓ اور
عبداللہ بن عمرؓ جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں، لیکن امید ہے کہ میں حکومت
چلانے کے اعتبار سے ان سب سے زیادہ تمہارے لیے سودمند ثابت ہوں گا اور
تمہارے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے زیادہ نفع بخش
ثابت ہوں گا۔ (البدایۃ والہتایۃ جلد ۸ ص ۱۳۴)

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات میں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صابر
تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ کا زہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام
ہے کہ خود جناب رسالتؐ علیہ افضل الصلوات والتحيات ارشاد فرماتے ہیں کہ ”میری امت
میں ابوذر غفاریؓ میں عیسیٰ ابن مریمؑ جیسا ترہ ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۸ ص ۱۸۷) اور یہ زہد کوئی
چند روزہ نہیں تھا بلکہ شروع سے اخیر تک ایک ہی طرح کا رہا (اصابہ جلد ۷ ص ۶۲) نہ
جاہلیت ہی میں بتوں کی پوجا سے بیزار تھے، خدا پرست تھے، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب
پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی اطلاع دی اُن کے الفاظ یہ تھے کہ
”ابوذر! مکہ میں ایک شخص تمہاری طرح لا اِلهَ اِلَّا اللہ کہتا ہے۔“

(طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۶۳)

علم کا یہ حال ہے کہ سیدنا علیؓ جیسے علم و عمل کے مجمع البحرین آپ کے بارہ میں فرمایا
کرتے تھے کہ ”ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے
اور اس ہتھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہو۔“

(استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵)

سیدنا عمرؓ جیسے اشد فی امر اللہؐ آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ ”ابوذرؓ کا علم عبداللہ
بن مسعودؓ کے برابر ہے۔“ (تذکرۃ الحفاظ دہلی جلد ۱ ص ۱۵)

اور وہ خود اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ”میں ہر شی کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کتکری کے متعلق بھی پوچھتا تھا“

(مسند احمد جلد ۵ ص ۱۶۳)

لیکن یہی ابوذرؓ ایک مرتبہ امارت کی خواہش کرتے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں ”ابوذر! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس بار کے متحمل نہیں ہو سکتے جس سے قیامت کے روز سوائے ندامت اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا“

(طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۷۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا ”ابوذرؓ! اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا“

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ یزید اگر چہ زہد و اتقا میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ، سیدنا حسینؓ ابن علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم سے کم تھا، لیکن حکمرانی اور جہان بینی کے کمالات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھے۔ کیونکہ بچپن ہی سے امارت اور قیادت کے سائے میں تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں بھی سرگرم عمل رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اس کو قبول کر لیا۔ اور صحابہؓ کی کثیر تعداد نے جو حجاز، شام، بصرہ اور کوفہ میں تھی نہ از خود یزید کے خلاف خروج کیا اور نہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ حالانکہ اس زمانہ میں اور صحابہؓ کو چھوڑ کر خود اہل بیت نبوتؑ کے گھر کے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت کی تھی، لیکن سیدنا

حضرت یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے بالاتفاق منعقد ہونے کے بارہ میں علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:-

”یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ تھے

اور اجماع اور اتفاق کے مقابلہ میں شاید وہ اختلاف کو کوئی وقعت نہیں ہوتی“

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

حسینؑ کا کسی نے ساتھ نہ دیا نہ ہی آپ کے چچا عبداللہ بن عباسؓ نے اور نہ ہی آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہؓ نے اور نہ ہی دیگر دس بھائیوں نے چنانچہ اتمام الوقائع فی سیرۃ الخلفاء میں لکھا ہے۔
وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصعابة بالحجاز
والشام والبصرة والكوفة ومصر وکلهم لم یخرج علی
یزید ولا وخذة ولا مع الحسین۔

اس زمانہ میں کثیر التعداد صحابہؓ، حجاز، کوفہ، بصرہ اور مصر میں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی یزید بن معاویہؓ کے خلاف خروج نہ کیا نہ تو از خود اور نہ سیدنا حسینؓ کی معیت میں۔ (اتمام الوقائع فی سیرۃ الخلفاء ص ۷۸)

ہاں اس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو جہاننابی اور امور مملکت کے اصولوں سے بخوبی واقف اور آشنا تھے۔ وہ تھے فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، لیکن وہ ان دنوں

۱۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے جس کا اقرار کئی دفعہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱) اسلام میں قریباً آٹھویں مسلمان ہیں ابتداء اسلام میں جب کہ وہ چند صحابہؓ کے ساتھ ایک گھاٹی میں مصروف عبادت تھے، ایک کافر نے اسلام کا مذاق اڑایا۔ آپ کو جوش آگیا اور اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اُس بے ایمان کے سر پر ماری اور اُس کا سر پھاڑ دیا۔ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱) غزوہ بدر سے لے کر فتح مکہ تک تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوہ احد میں جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے زرعہ میں آگئے تو آپ اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر سیدنا سعدؓ کو دیتے اور فرماتے ”یا سعد ارم فداک ابی واتی“ (اے سعد! تیر چلا میرے مال باپ تجھ پر قربان ہوں) فتح مکہ کے بعد غزوہ طائف اور تبوک میں بھی شرکت فرمائی۔ حجة الوداع کے موقع پر مکہ میں بیمار ہو گئے۔ آپ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دیکھا کہ رورہے ہیں۔ پوچھا سعدؓ! کیوں روتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس سرزمین کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں چھوڑا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی۔ آپ نے صحت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی

اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ لہذا ان کی نامزدگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

(عاشیہ صفحہ گزشتہ) بشارت کے طور پر فرمایا اے سعدؓ اتم اس وقت تک ہرگز تمہیں مروئے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچے (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ) یہ پیش گوئی آپ کے حق میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ عجمی اقوام کو آپ کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچا اور ملت اسلام مستفید ہوئی۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں وہ دہ کارنامے دکھائے کہ آج تک دنیا انگشت بدندان ہے ایک قلیل مدت میں کسریٰ کی ساری سلطنت کو اسلامی حکومت میں مدغم کر لیا اور اس کی فوج کو قادیسہ اور دیگر جنگوں میں ایسی شکست فاش دی کہ ایرانی سلطنت تھس تھس ہو کر رہ گئی۔ کسریٰ کے پاؤں تخت مدائن پر قبضہ کر لیا اور تمام مال و اسباب مال غنیمت بنا کر مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے ان کی خدمات جلیلہ کی وجہ سے ان کو مفتوحہ علاقہ کا گورنر بنا دیا۔ آپ نے اس منصب کو بھی اچھے طریقے سے نبھایا۔ اسی اثنا میں آپ نے سیدنا عمرؓ کے فرمان کے مطابق کوفہ کو آباد کیا۔ آپ نے فوج اور دیگر انتظامی امور میں گراں قدر اصلاحات کیں۔

سیدنا عمرؓ نے وفات کے وقت خلافت کے لیے جن چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا۔ ان میں ایک سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے اور فرمایا تھا کہ اگر یہ خلیفہ منتخب نہ ہو سکیں پھر بھی ان کی خدمات سے قائدہ اٹھایا جائے۔

سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں بھی کوفہ کے والی مقرر ہوئے لیکن ۳ سال کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے معزول ہو گئے۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں میں آپ نے بالکل کسی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ گوشہ نشین رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب کہ آپ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آپ کے صاحبزادے عمر بن سعدؓ نے آپ سے کہا، ”کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ حکومت کے لیے اپنی اپنی قیمت آزمائیں۔“ آپ نے فرمایا۔ خاموش! میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے

اس سلسلہ میں ایک سوال اور پیدا گیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ولی عہدی اور نامزدگی نہیں اور اگر ہے تو کیا بیٹے کو ولی عہدی یا خلافت کے لیے نامزد کیا جاسکتا ہے ؟ اس سوال کے پہلے حصے کے

”اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں“

کا جواب مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے ”مقدمہ“ میں دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُسی کو نقل کر دیا جائے اور وہ یہ ہے۔

”امام ولی اُمت ہوتا ہے اور اُس کا امین بھی جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آتیوالے ہوتے ہیں اس کا انتظام بھی حسب طاقت زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً اُمت کی تخریب و پرداخت کے لیے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر اُمت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اُس پر تھا اور شریعت میں اجماع اُمت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہؓ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے چھپے صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کر لیں۔ ان صحابہؓ نے مسئلہ انتخاب کو

حاشیہ صفحہ گزشتہ: کہ اللہ تعالیٰ مستغنی اور پرہیزگار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱)

۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔ وصیت کے مطابق کفن میں وہی اونی کپڑا استعمال کیا گیا جو غزوہ بدر کے

روز جسم پر تھا۔

علم و فضل میں ایک خاص مقام حاصل تھا اور تحصیل علم میں حجاب یا شرم وامن گیر نہیں ہوتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے پیار اور محبت سے ان کی تشفی فرماتے تھے۔

ایک دوسرے پر ٹالا۔ آخر اس انتخاب کا سہرا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے سر بندھا۔ آپ نے غور و فکر کر کے مسلمانوں کی دلی متشا معلوم کی تو سب کا دل حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی طرف جھکا ہوا پایا۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی خود حضرت عثمانؓ کے پیش آمدہ معاملات میں اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر اتباعِ شیخین کو لازم سمجھتے تھے لہذا حضرت عثمانؓ کی خلافت سب کو تسلیم ہوئی اور وہ خلیفہ مان لیے گئے۔ اور ان کی اطاعت واجب سمجھ لی گئی۔ اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہؓ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ دلی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی جانتے تھے۔ اور یہ بات معلوم ہو رہی گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لیے حجت مانا گیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴)

علامہ قاضی ابویعلیٰ الحنبلیؒ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں ۱۔

خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے اس معاملہ (ولی عہدی) میں ارباب حل و عقد کی موجودگی ضروری نہیں، اس لیے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور سیدنا عمرؓ نے چھ صحابہؓ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل و عقد کی موجودگی کو ضروری سمجھا۔ اس کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ولی عہد بنانے کا مطلب اس کو خلیفہ بنانا نہیں، ورنہ ایک ہی وقت میں دو خلفاء کا اجتماع لازم آئے گا جو کسی صورت جائز نہیں۔ اور جب یہ خلافت کا عہد نہیں ہے تو ارباب حل و عقد کی موجودگی کوئی ضروری نہیں۔ ہاں جس نے ولی عہد بنایا ہے اس کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۹)

علامہ ابن حزمؒ نے تو صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ نصبِ خلافت کے لیے

اسلام میں سب سے بہترین طریقہ نامزدگی یہی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت ساری خرابیوں کا قلع
قمع ہو جاتا ہے۔ علامہ قرماتے ہیں :-

فوجدنا عندنا عقد الامامة يصح بوجوه اولها واصحابها
بعهد الامام الميث الى الانسان يختاره اما ما بعد موته وسواء
فعل ذلك في صحته او في مرضه او عند موته اذ لا نص
ولا اجماع على المنع من عهد هذه الوجوه كما فعل
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بابي بكر وكما فعل
ابو بكر وعمر وكما فعل سليمان بن عبد الملك بعمر
بن عبد العزيز وهذا هو الوجه الذي نختاره ونكره غيره
لما في هذا الوجه من اتصال الامامة وانتظام امر الاسلام
واهلها ورفع ما يتخوف من الاختلاف والشغب مما يتوقع
في غيره من بقاء الامة فوضي ومن انتشار الامر وارتفاع
النفوس وحدوث الاطماع -

پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے ہو سکتا ہے
ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ صحیح صورت یہ
ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے
اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی
بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کرتے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے
لحاظ سے اس کی کسی صورت میں بھی عدم جواز اور منع نہیں ہے اور اسی طریقے
سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تھا اور ابو بکر
نے عمر بن الخطاب کو اور سلیمان بن عبد الملك نے عمر بن عبد العزیز کو نامزد
کیا تھا اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں اور اس کے سوا دوسری
صورتوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں خلافت کا

اتصال اور اسلام اور اہل اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے، لیکن اس کے برعکس دوسری تمام صورتوں میں اختلاف اور شور و شغب کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے اور انارکی، امور شرعیہ میں انتشار لوگوں کے اٹھ جانے اور ان کے اندر خلافت کے لیے حرص و طمع کے جذبات پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔

(الفصل فی الملل والنحل جلد ۴ ص ۱۶۹)

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون المغربیؒ ہی سے سنیے۔ علامہ فرماتے ہیں ۱۔

”اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں اس کو متہم نہیں کر سکتے، کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد

کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہوا ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیئے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کو اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعثِ اتہام

ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دُور ہے۔ خصوصاً جب کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کہا گیا ہو تو ایسے وقت

تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بتایا تو ان کے اس فعل پر بنی اُمتیہ کے ارباب حل و عقد کا اتفاق

ان کے لیے کافی حجت تھا اور پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا اُمت میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیش نظر تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بنو اُمتیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر

متفق نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ اہل حل و عقد بنو اُمتیہ میں سے تھے اور بنو اُمتیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ قریش

اور تمام مسلمانوں کی عصیت اپنی پشت پناہی پر رکھتے تھے۔ خود بھی باشوکت تھے اور دوسروں پر بھی با اثر انہیں نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے ان بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضل کو مستحکومت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کی بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے ورنہ اس کے سوا حضرت معاویہؓ کے بارہ میں اور کیا کہا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبویؐ کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارہ میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید برآں اکابر صحابہؓ کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر بدظنی اور بدگمانی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جاسکتا، نہ تو صحابیہ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے نہ معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے۔ ان بزرگوں کی عدالت -

۱۔ مفضل کی امامت کے جواریں تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے۔ صرف یا حنظل نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن یا حنظل کا یہ اختلاف کچھ بھی مضر نہیں ہے۔ الاحکام السلطانیہ اتقا صی ابوالحسن الماوریؒ ص ۱۷۱ جہور فقہاء اور متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضل کی امامت بالکل جائز ہے۔ اور افضل کو اس کی بیعت کرنا صحیح ہے اور افضل کا وجود مفضل کی امامت کے مانع نہیں بشرطیکہ مفضل میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔

اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ابن حزم اندلسی کی کتاب "الامامۃ المفاضلہ" جو کہ ان کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" کی جلد چہارم میں درج ہے ص ۱۶۳، ۱۶۴، طبع مصر، نیز علامہ ابوبکر الباقلائیؒ کی کتاب "التمہید" ص ۲۳۱ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ نیز ملاحظہ ہو المسائرہ لایں الہمام ص ۱۳۴، ۱۳۵، الاحکام السلطانیہ

لابی علی ص ۱

ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالا ہے یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تھا تو وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے مگر اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں میں شاید و نادرا اختلاف کی ظاہر ہے کہ کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۱، ۱۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ سیدنا معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرمادیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصر خلافت ایک قلم منہدم ہو جاتا اس کے لیے ایک مرتبہ پھر علامہ ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

”اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی۔ کیونکہ بنو اُمیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو اُمیہ خود ان پر پلٹ پڑتے گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا، وگرنہ اس کے برعکس سدا معاویہؓ کے بارے میں کوئی اور خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرتا ہے۔“ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

چند صفحات کے بعد علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں :-

”لہذا اگر امیر معاویہؓ عصیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مستند خلافت پر لاتے تو ان کی خلافت کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ جس اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔“ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۱)

مشہور مؤرخ علامہ محمد النخعی اس بارہ میں اپنے خیالات ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

”یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنو اُمیہ میں محدود کر دینا اصلاح اُمت کے لیے ضروری اور ناگزیر تھا۔ تاکہ اُمت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے۔ کیونکہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے۔ اتنے ہی اُمیدوار بھی زیادہ

ہوتے ہیں اور جہاں اُمیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف ہونا ایک لازمی امر ہے۔ (محاضرات تاریخ الاہم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۵۰۲)

بات دراصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا پہلے یہ خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمرؓ کی طرح چھ اشخاص کو نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک شخص کو ارباب حل و عقد یا لوگوں کی اکثریت اپنی پستد سے منتخب کرے گی۔ اس کام کے لیے ان کے ذہن میں جو لوگ تھے اُن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

- ۱۔ سیدنا سعید بن العاصؓ
- ۲۔ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ
- ۳۔ سیدنا حسن بن علیؓ
- ۴۔ سیدنا مروان بن الحکمؓ
- ۵۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ
- ۶۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۵)

لیکن ابن کثیرؒ ہی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سے سیدنا حسن بن علیؓ کو اپنا ولی عہد بنانے کے لیے تھا، کیونکہ وہ ایک صلح پسند

۱۔ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ ۸۰ سالہ یا ۹۰ سالہ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۴۲) یہ سیدنا عثمان بن عفان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دُعا فرمائی اور فرمایا یہ ”مستقی“ یعنی سیراب کرنے والا ہوگا۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۹) سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں ۲۹ھ میں یہ ۲۵ سال کی عمر میں بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ اور کئی شہروں کو فتح کیا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۴۳، استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۴) جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور جنگ صفین میں ان کا کوئی نمایاں کردار تاریخ کی کتابوں میں نظر نہیں آتا لیکن تھے۔ سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے۔ اور فیصلہ تحکیم کے گواہوں میں سے تھے۔ سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے جو صلح کی تھی اس کی شرائط بھی انہوں نے ہی سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجی تھیں۔ جو منظور ہو گئیں (اختیار الطوال ص ۲۳) چنانچہ سیدنا معاویہؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو پھر تین سال کے لیے بصرہ اور عراق کے گورنر مقرر ہوئے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲)

اور امت مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے اور ملت اسلامیہ میں نظم و ضبط اور یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے خواہاں تھے۔ اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بابت فرمایا تھا:-

ان ابني هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔

بخاری جلد ۳، ص ۳۴۳، جلد ۲ ص ۵۳، ص ۱۰۵۶، ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۱، ابن

عساکر جلد ۳ ص ۲۱۱، ۲۱۲)

لیکن جب سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنو امیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیدنا معاویہؓ جیسے راشد بردبار حلیم الطبع، وسیع الخرف اور یراعظم افریقیہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بڑے صاحب ثروت اور متمول انسان تھے لیکن ساتھ اتنے ہی فیاض بھی تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:-

كان احدث الاجود الممدوحين۔

عرب کے مشہور ممدوح فیاضوں میں سے تھے۔ (راسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ ”مستی“ ہونے کی دُعا فرمائی تھی لہذا انہوں نے عرب کی خشک سرزمین میں بکثرت پانی رواں کر کے اُسے سرسبز و شاداب بنایا۔ حاجیوں کے لیے بڑے بڑے حوض بنوا کر ان میں نہروں کے ذریعے پانی اُتارا۔ (راسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲) چنانچہ لکھا ہے:-

وله ابار في الارض كثيرة۔

بہت سے حوض اور کنویں بنوائے۔ (مسند رک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۹)

۵۸ھ یا ۵۹ھ میں مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۴۴)

اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

كان معاوية لما صالح الحسن عهدا للحسن بالامهر من
بعد فلما مات الحسن قوى امر يزيد عند معاوية ورأى
انه لذلك اهلا وذاك من شدة محبة الوالد لولده
ولما كان يتوسم فيه من التجابة الدينية وسيما اولاد
الملوك ومعرفتهم بالحروب وترتيب الملك والقيام
بأبهمته وكان ظن ان لا يقوم احد من ابناء الصغابة
في هذا المعنى ولهذا قال لعبد الله بن عمر فيما خطبه
به اتي خفت ان اذم الرعية من بعدى كالفسخ المطيرة
ليس لها راع.

جب سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے مصالحت کی تو آپ نے سیدنا حسنؓ ہی کو
اپنا ولی عہد بنایا۔ لیکن جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ کا یزید کی
طرف رجحان قوی ہو گیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے، اور
رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس لیے بھی تھی کہ وہ یزید میں
دنیوی شرافت اور شاہنشاہوں کی سی خصوصیات، جنگی فنون سے آشنائی سلطنت
کا نظم و ضبط اور اس کی ذمہ داری کے بار دوش سے سیکر دوش ہونے کی اہلیت
دیکھتے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی اولاد میں سے کوئی اس بارہ میں
بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے
فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رعیت (سپیک) کو بکریوں کے ایک منتشر اور
پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی رچرہا نہ ہو۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸، ص ۱۰۰)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ولی عہد کے بارے میں جو کچھ کیا وہ
بالکل درست اور صحیح کیا اور مصلحت وقت اور ملکی حالات کا بھی یہی تقاضا تھا۔ اسی وجہ سے

علمائے اہل سنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست مانا ہے۔

رمنہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲، جہرۃ الانساب ص ۱۳۳

اور اس کو ان بارہ خلفاء میں سے مانا ہے جن کے زمانہ میں اسلام چہار دانگ عالم میں عربیہ
محرم رہا۔ رشرح فقہ اکبر از ملا علی قاری ص ۱۸۴، فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۲، شرح عقیدۃ
الطحاویہ ص ۵۵۳

اور یزید پر فسق و فجور کے اتہامات سراسر غلط ہیں، یہ سب چیزیں کچھ توسیاتی تحریک کے
درکروں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ بن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں
نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو کم کرنے کے لیے پھیلا میں جیسا کہ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے
محمد بن الحنفیہؓ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر بعد کے راویوں نے پہلے پر
دھلے کا کام کیا اور ایسی ایسی غلط باتیں مشہور کیں کہ شرافت و انسانیت منہ ڈھانکتی پھرتی ہے۔

ر ملاحظہ ہو کتاب الاغانی جلد ۱۳ ص ۶۱

لیکن کسی نے بھی ان کی ان برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں، کسی عینی شاہد سے بیان
نہیں کیا جیسا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے داعی عبداللہ بن مطیع وغیرہ امیر یزید پر شراب پینے کا الزام
لگایا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم کی بنا پر نہیں بلکہ سنی سنائی باتوں سے۔

ر ملاحظہ ہو انساب الاشراف جلد ۴ ص ۲، البدایۃ والتمایۃ جلد ۸ ص ۲۳۳

یزید کے نیک سیرت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جیسے
عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن کبیر المازنیؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عثیمک
انصاریؓ، مالک بن ربیعہؓ، ثابت بن ضحاکؓ، عبداللہ بن سعد بن خثیمہ انصاریؓ، البقاعہ انصاریؓ،
ابو امامہ الباریؓ، رافع بن خدیجؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، عثمان بن حنیف انصاریؓ، براء بن عازہؓ،
یزید بن ارقمؓ، ابوسعید الخدریؓ، سلمہ بن اکوعؓ، معقل بن یسارؓ، بریدہ بن الحصیب الاسلمیؓ، عبداللہ
بن ابی اوفی اسلمیؓ، نوفل بن معاویہؓ، عوف بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عدی بن حاتمؓ،
نعمان بن بشیرؓ، معاویہ بن خدیجؓ، مسور بن محرزؓ، عبداللہ بن حنظلہؓ، معقل بن سنانؓ، جابر
بن سمرہؓ، مالک بن حویرثؓ، عبدالمطلب بن ربیعہؓ، عقیب بن عامر الجہنیؓ، عبداللہ بن سائب المخزومیؓ

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، علی بن عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہم نے اُن کی بیعت کی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار یہی ہوتا جو تواریخ کے سیائی راویوں اور ان کی روایات سے ظاہر ہے، جو خود فسق و فجور اور کذب و افتراء کی زندگی بسر کرتے تھے تو جلیل القدر صحابہ کی اتنی کثیر تعداد کبھی بھی ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرتی اور کبھی بھی ان کو قرون مشہود لہا باخیر میں مسلمانوں کا امام اور خلیفہ نہ ہونے دیتی اور حبر الامت سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ اور سیدنا حسینؓ کے بھائی سیدنا محمد بن الحنفیہؓ کبھی بھی اُن کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی اتباع کرنے والا پابند صلوٰۃ اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۸، ص ۲۳۳، الامامۃ والسیاستہ

جلد ۱ ص ۲۱۳)

اور سیدنا حسینؓ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی اور سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر طیارؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بن جعفر طیارؓ اپنی صاحبزادی ام محمد کا نکاح کبھی بھی یزید بن معاویہؓ سے نہ کرتے۔ (جمہرۃ الانساب ص ۶)

اور خود سیدنا حسینؓ ان کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شمولیت نہ فرماتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱، ہسٹری آف دی سیرنزاز امیر علی ص ۴۸،

تاریخ زوال رومۃ الکبریٰ ص ۲۸۶)

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کے بہت سے اقوال سداً پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا:-

اذا مرض احدکم مرضاً فیشقی ثم تماثل فلینظر الی افضل

عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسواء عمل

عندہ فلیدعہ -

جب کوئی تم میں سے بیمار پڑے اور پھر صحت یاب ہو جائے تو اُسے غور کرنا

چاہیے کہ اُس نے کون سا عمل کیا ہے۔ چاہیے کہ وہ اُس کو لازم جانے اور یہی

دیکھے کہ اُس نے کون سا بُرا عمل کیا ہے پس اس کو چھوڑ دے۔

(العواصم من القواصم ص ۲۳۳)

کا جذبہ ہے یا ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کا۔ باپ کا یہ سوال سن کر بیٹے نے فوراً جواب دیا۔
 کنت واللہ یا ابتاعاملاً فیہم عمل عمر بن الخطاب۔
 ابا! خدا کی قسم میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے رملت اسلامیہ کے
 ساتھ کیا تھا۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا :-

سبحان اللہ یا یٰ بنی واللہ لقد جہدت علی سیرۃ عثمان بن
 عفان فما اطقہا، فلیف یک وسیرۃ عمر۔

اے میرے بیٹے! سبحان اللہ، تجھ میں نے عثمان بن عفانؓ کی اتباع کی کوشش کی
 مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، پس کہاں تم اور سیدنا عمرؓ کی سیرت کی اتباع اور
 پیروی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۲۹)

یہ جواب امیر یزید کی صفائی قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کی پروردگار پر
 کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے، امانہ پڑھنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے انتہا مات لگاتے ہیں۔
 اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے امیر یزید کو چاہا وہی عہد نامہ دیا
 وہ شریعت اسلامیہ کی رو سے بالکل صحیح اور درست تھا۔ اور جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ
 نہ صرف سیدنا معاویہؓ کی تغلیط کرتے ہیں بلکہ ان سب صحابہ کرامؓ پر بھی معترض ہیں جنہوں نے یزید کو
 اپنا امیر المومنین سمجھا اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ اور خود سیدنا حسینؓ کی بھی تکذیب
 کرتے ہیں جنہوں نے آخر وقت میں امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی رضامندی کا اظہار کیا۔

(ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص —)

اور یزید کے اخلاق و عادات و اطوار میں جو کچھ نکالے جاتے ہیں اور اس پر شراب
 نوشی اور فسق و فجور کے جو انتہا مات لگائے جاتے ہیں وہ از سر تا پا غلط ہیں۔



خلافتِ راشدہ

بعض حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت ایسی ہی تھی جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں بیان کی ہے تو پھر ان کی خلافت ”خلافت راشدہ“ ہونی چاہیے اور وہ خلیفہ راشد ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت واقعی ”خلافت راشدہ“ تھی اور وہ خود خلیفہ راشد تھے۔ اس دعوے کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اسلامی تاریخ سے دلائل موجود ہیں، باقی رہا یہ اعتراض کہ جمہور علماء نے انہیں خلفائے راشدین میں سے کیوں شمار نہیں کیا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ تدوین تاریخ کے وقت سے لے کر ان کی مقدس ذات کے بارہ میں اس قدر غلط پراپیگنڈہ کیا گیا اور عام ذہن کو ان کے محامد مناقب کو غلط اور جھوٹی روایات کے گرد و غبار کے نیچے دبا دیا گیا۔ ان کی خوبیوں کو برائیاں اور مناقب کو مثالب بنا کر تاریخ کے صفحات کے فریم میں آویزاں کیا گیا اور عوام کو یہ یاد کرانے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے پراسرار انداز میں خلافت راشدہ کے نظام کو ملوکیت اور جاہلیت کے نظام میں تبدیل کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کے فرزند ارجمند یزید کے دور خلافت میں شہادت حسینؓ کا جو جانگزا واقعہ کوفہ کے سبائیوں اور شیعان علیؓ کی وجہ سے پیش آیا اور اس کی تمام تر ذمہ داری ایک خاص پراپیگنڈہ کے تحت یزید بن معاویہؓ کے سر منڈھ دی گئی اس سے بھی سیدنا معاویہؓ کی شہرت اور نیک نامی، یدنامی کی دبیز تہوں کے نیچے دب گئی۔ بہر حال کتابوں سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح آج ہمارے ذہنوں میں یہ ٹھونسنا جاتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی چپقلش میں حق اور صواب سیدنا علیؓ کے ساتھ تھا اور سیدنا معاویہؓ راہِ خطا پر تھے، یہ عقیدہ متقدمین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں بزرگ راہِ صواب پر تھے۔ کیونکہ دونوں کا موقف اپنے اپنے مقام پر صحیح تھا۔ اور اس کے خلاف

اعتقاد رکھنا یعنی سیدنا علیؑ کو راہِ صواب پر اور سیدنا معاویہؓ کو راہِ خطا پر سمجھنا "تشیع" تھا۔
پہنا نچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں :-

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیؑ علی عثمان
وان علیاً کان مصیباً فی حروبه وان مخالفه مخطئ مع
تقدیم الشیخین وتفضیلہما۔

متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علیؑ سیدنا عثمانؓ سے افضل
تھے اور جنگوں میں سیدنا علیؑ راہِ صواب پر تھے اور آپ کے مخالفین (سیدنا
معاویہؓ اور ان کے ساتھی) راہِ خطا پر تھے، تشیع کہلاتا تھا۔ باوجود حضرات
شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۴)

آج اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ الفاظ آپ کو ملیں گے کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ
کی باہمی جنگوں اور تنازعات میں سیدنا علیؑ حق پر تھے اور جناب معاویہؓ خطا پر۔ اس کی وجہ
صرف اور صرف یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جب مسند اقتدار بنو عباس آلِ بویہ اور دوسرے
ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کا تعلق شیعیان علیؑ سے تھا تو انہوں نے تاریخ کی جھوٹی اور
سمر اپا کذب روایات کے زور پر یہ عقیدہ ایجاد کر دیا کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی
جنگوں میں اول الذکر راہِ حق پر تھے اور ثانی الذکر راہِ خطا پر۔ اس عقیدہ کی ترویج میں علامہ
تفتازانی، علامہ سیوطی جیسے کئی بزرگوں کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا
علیؑ کی خلافت اگر "راشدہ" ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت "راشدہ" نہ ہو
اور جو حضرات ان دونوں خلافتوں کے درمیان "راشدہ" اور "غیر راشدہ" کا فرق ظاہر کرتے
ہیں ان کے دلائل کسی معقول ذہن کو بالکل متاثر نہیں کر سکتے کیونکہ "خلافت غیر راشدہ" کا مارکہ
لگانے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقدس دامن پر جن دھیوں کو نمایاں

کیا جاتا ہے تاریخ کی خوردبین و بڑی دھبے سیدنا علیؑ کے دامن پر بھی بتاتی ہے پھر ذہن اس بات
کو قبول کرنے سے یکظم ابا کرتا ہے کہ ایک بزرگ صحابی کی خلافت کو "راشدہ" تسلیم کیا جائے

اور دوسرے بزرگ کی خلافت کو غیر راشدہ اور اس کے ساتھ ذہن فوراً اس بات کو اخذ کرتا ہے کہ اس قسم کے بے دلیل دعوے کے پیچھے ضرور کوئی سازشی ہاتھ ہے جس سے اُمت کے ساتھ اس قسم کی سازش ہوئی ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کے اسمائے گرامی کے ساتھ امامؑ بطور سابقہ اور علیہ السلامؑ بطور لاحقہ کے شیعہ ازم کا ایک ایسا پراپیگنڈہ ہے جس سے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں اور آج یہ لفظ اُن کی کتابوں میں جا بجا ملتا ہے۔ حالانکہ ”امامت“ کا یہ تصور جس کے تحت حضراتِ حسینؑ کو امامؑ کہا جاتا ہے خالص شیعہ تصور ہے اور اہل سنت کے ہاں ایسی امامت کا کوئی جواز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں ”امام ابو بکر رضی اللہ عنہ“ امام

لہ شیعہ حضرات کے نزدیک امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کے ہیں۔ چنانچہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں لکھا ہے۔

”ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کی ہیں۔ رسولوں کی طرح امام بھی بطین مادرہ سے امام پیدا ہوتا ہے“ (عقائد الشیعہ ص ۳۴، سید ظفر حسن)

شیعہ حضرات کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں :-

”اجماع علمائے امامیہ منعقد است بر آنکہ امام معصوم است از جمیع گناہاں صغیرہ و کبیرہ از اول عمر تا آخر عمر عمد انوار سہوا“۔

شیعہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام اول عمر سے آخر عمر تک صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ عمد انوار یا سہوا۔

(رحیات القلوب جلد ۲ ص ۱)

یہی ملا باقر مجلسی امامت کے بارہ میں یہاں تک لکھتے ہیں :-

مرتبہ امامت یا لا تر از مرتبہ پیغمبر است

امامت کا مرتبہ پیغمبری کے مرتبہ سے بلند اور اونچا ہے۔

(رحیات القلوب جلد ۲ ص ۱)

عمرہ وغیرہ کے الفاظ نہیں لکھتے دوسرے علیہ السلام کا لفظ اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے۔ انبیاء کی ذوات کے علاوہ غیر نبی کے لیے اس کا استعمال جائز

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک اور کتاب میں لکھا ہے ۔

”اکثر علمائے شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیرؑ و دیگر تمام ائمہ طاہرین جمیع انبیاء سے

افضل ہیں“ (حق الیقین ص ۸۵)

جمیع انبیاء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے ایک

روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؑ سے فرمایا :-

”تمہیں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں دی ہیں جو تجھے بھی نہیں دیں۔ اول یہ کہ جیسی تمہاری بیوی

فاطمہؑ ہے ویسی میری نہیں۔ دوم تمہارے نطفہ سے جیسے بیٹے ہیں ویسے میرے نطفہ سے

نہیں۔ سوم جیسی تمہاری ساس خدیجہؑ ہے ویسی میری نہیں۔ چہارم مجھ جیسا تمہارا خسر ہے

حالاتکہ میرا خسر نہیں ہے۔ (بحار الانوار جلد ۵ ص ۵۱۱)

پھر ائمہ کی جانب وہ وہ چیزیں منسوب کیں جو انبیاء علیہم السلام کو بھی تفویض نہیں کی گئیں

بلکہ خاصہ خداوندی ہیں مثلاً :-

”ائمہ جس شے کو چاہتے ہیں حلال کرتے اور جس شے کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں“

(اصول کافی ص ۲۷۸)

”ائمہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کو کب انتقال کرنا ہے“

(اصول کافی ص ۲۳۶)

”وہ ماکان و مایکون کا علم جانتے ہیں اور ان پر کوئی شے مخفی نہیں ہوتی“

(اصول کافی ص ۱۹۵)

”ان کے پاس اپنے شیعوں کے نام مع ولایت لکھے ہوتے ہیں“

(اصول کافی ص ۱۳۶)

”وہ اللہ کی آنکھیں، اس کا ہاتھ، اس کا دروازہ، اس کی زبان ہوتے ہیں“

(اصول کافی ص ۸۴)

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ جو ساری امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں اُن کے لیے بھی ”علیہ السلام“ کا لفظ اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اور تو اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ”افضل البشر بعد الانبیاء“ ہیں اہل سنت کی کتابوں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) شیعہ حضرات نے اپنے ایک ماہنامہ میں سیدنا علیؑ کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

”اگر جناب مولا علیؑ نہ ہوتے تو جناب رسول خدا پیدا نہ ہو سکتے، اور جناب رسول خدا پیدا نہ ہوتے تو ”لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتَ الْاَفْلاَکَ“ زمین و آسمان پیدا نہ ہوتے، لہذا علیؑ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔“

(ماہنامہ معارف اسلام، لاہور، بابت ستمبر ۱۹۷۱ء)

اسی رسالہ کی ایک اور اشاعت میں ملا باقر مجلسی کے حوالہ سے سیدنا علیؑ کا ایک فرمان نقل کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامت کے بارہ میں ان حضرات کا کیا عقیدہ ہے۔ سیدنا علیؑ فرماتے ہیں:-

”میں خدا کے اسمائے حسنی، امتثال علیا اور آیات کبریٰ ہوں اور میں ہی جنت کا اور دوزخ کا مالک ہوں۔ میں اہل جنت کو جنت میں داخل کروں گا اور اہل نار کو جہنم میں ڈالوں گا۔ میں ہی اہل جنت کی ترویج کروں گا اور میرے ہی ذمہ اہل جہنم کو عذاب کرنا ہے اور میری ہی طرف ساری مخلوق کی بازگشت ہوگی۔ اور میں ہی مرکز ہوں اور میری ہی طرف ہر ایک شئی بعد قضاۃ الہی رجوع کرتی ہے اور میرے ہی ذمہ ساری مخلوق کا حساب ہے۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت کے وقت احتجاج اور اتمام حجت کیا اور میں ہی روز قیامت ان کا شاہد ہوں۔ اور میں ہی وہ ہوں جس کے پاس کل مخلوق کی موت اور مصائب اور فیصلہ جات کا علم ہے اور جملہ آیات و معجزات و کتب انبیاء علیہم السلام میرے سپرد کی گئی ہیں۔ اور ان کا محافظ ہوں۔ اور میں لاٹھی والا اور نشان والا ہوں۔ اور میں ہی ہوں جس کے لیے بادل، گرج، بجلی، تاریکیاں، روشنیاں، ہوائیں، پہاڑ، سمندر، ستارے سورج اور چاند مسخر کر دیئے گئے ہیں اور میں ہی وہ ہوں جس کو خدا نے اپنا نام، اپنا

میں ان کے نام کے ساتھ بھی کبھی ”علیہ السلام“ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ یہ بات اس چیز کی غمازی کرتی ہے کہ شیعہ پر اپگنڈے نے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت کو غیر شعوری طور پر کچھ چیزوں کے بارہ میں متاثر کیا ہوا تھا۔ جن میں ایک چیز سیدنا معاویہ کی خلافت کا مسئلہ بھی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) کلمہ، اپنی حکمت، اپنی فہم عطائی فرمائی ہے۔

(ماہنامہ معارف اسلام بابت ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۲ء ص ۶۱، ۶۲)

ایک اور بزرگ سیدنا علیؑ کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :-
 قربان جائیں اس منظر العجائب والقرائب اسد اللہ الغالب کے کہ جب اُس نے تورات
 موسیٰ میں ظہور فرمایا تو خدا کا منہ اور خدا کا کلام بن گیا۔ جب وہ زبور میں جلوہ افروز ہوا
 تو تحمید و تمجید کا لباس اٹھ کر لحن داؤد بن گیا۔ جب اس کی تجلیات غزل الغزلات میں
 ظاہر ہوئیں تو تقدیس و عودیت کی دعاؤں میں سلیمانؑ کا لہجہ بن گیا۔ جب وہ انجیل عیسیٰؑ
 میں نور بار ہوا تو مددگار اور طفل معصوم بن گیا جب وہ صحیفہ یوحنا میں ضیا پوش ہوا تو
 اس پر سفید پر سوار ہو کر شیر کی آواز میں آیات حمد پڑھنے لگا۔ جب وہ قرآن مجید میں
 روشن ہوا تو جگہ جگہ اس کا ذکر، جگہ جگہ اس کی فضیلت، جگہ جگہ اس کی مدحت، جگہ جگہ
 اُس کی شجاعت، جگہ جگہ اس کی کرامت، کبھی وہ یَدُ اللہ کی صورت میں
 خدا کا ہاتھ، کبھی وہ لِسَانٌ صِدْقاً نَبِیًّا کی صورت میں رسولوں کی سچی زبان۔

(معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء ص ۹۱)

یہ بے مثال و بے نظیر امام اول زرتشت کے ترند و پاژند میں پہنچا تو شعلہ بوالہ کی صورت
 میں، جین مت میں گیا تو شانتی اور اپہنتاش کی صورت میں شاستروں میں سروپ دکھایا تو پریم
 آتما کی صورت میں، گیانوں میں قدم رکھا تو مہابی کی صورت میں۔ گیتا میں جلوہ ریز ہوا تو
 نارائن کی صورت میں۔ رامائن میں صوقشاں ہوا تو مہاتم کی صورت میں، اور دیوتاؤں کو نظر
 آیا تو سنگھ کی صورت میں۔ سنگھ۔ شیر۔ اسد۔ لائن۔ اسی شیر کی، اسی سنگھ کی، ہزار ہا سال
 سے مندروں، شوداروں میں پرستش کی جا رہی ہے۔ کوشن جی کو جب چودہ معصوموں کے

پھر تاریخ کی تدوین بنو عباس کے دور میں ہوئی جنہوں نے حکومت بنو امیہ سے چھینی تھی اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ایک گروہ جب کسی دوسرے گروہ سے حکومت چھینتا ہے تو وہ اپنے استحقاق کو (Genuine) ثابت کرنے کے لیے سابقہ حکومت میں کیڑے نکالتا ہے، اس کی خوبوں کو برائیوں میں، مناقب کو مثالب میں اور فضائل کو معائب میں ظاہر کرنے کے لیے اپنے پراپیگنڈہ کی پوری مشینری کو دن رات کام پر لگائے رکھتا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب کو اُن سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کر سکے اور اُن کی ہمدردیوں کا کاٹھا ادھر سے موڑ کر اپنی طرف کر سکے۔ چنانچہ بنو عباس نے حکومت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بنو امیہ کو قتل اور سولی سے نیست و نابود کیا وہاں علمی انداز میں اُن کے خلاف ایسا پراپیگنڈہ بھی کیا کہ آج تک عوام اور خواص کے قلوب میں بنو امیہ کے لیے ہمدردی اور رحم کا کوئی جذبہ اور گوشہ پیدائہ ہو سکا بلکہ ان کے متعلق نفرت اور حقارت کے جذبات کو تقویت ملتی رہی اور شاید آئندہ بھی ان کے متعلق ایسے ہی حقارت آمیز جذبات لوگوں کے سینوں میں پختے رہیں۔ چنانچہ مصر کے ایک فاضل اور محقق علامہ محب الدین الخطیبؒ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

ان التاریخ الاسلامی لم یبدأ تدوینہ الا بعد نزول
بنی امیۃ و قیام دول لا یسرر حالہا التحدت بمفاخر
ذلک الماضی و محاسن اہلہ فتولی تدوین تاریخ الاسلام
ثلاث طوائف -

طائفة كانت تشد العیش والجدة من التقرب الی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) چودہ صفائی روپ نظر آتے تھے تو ایک روپ میں سنگھ یعنی شیر بھی دکھائی دیتا تھا۔

(معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۹۲)

آپ ان عبارتوں سے اندازہ لگا لیں کہ امامت کے متعلق شیعہ حضرات کا کیا عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کے ہاں ان معنوں میں کسی کو امام کے لفظ سے نہیں پکارا جاتا مسئلہ امامت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب ”اسلام کا تصور نبوت“

میغضی بنی اُمیۃ بسا تکتہ وتولفہ -

تاریخ اسلامی کی تدوین بنو اُمیہ کے زوال کے بعد شروع ہوئی اور ان حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں ہوئی جن کا برسر اقتدار طبقہ اپنے اس ماضی کے مقابلہ اور اس وقت کے ادب و اقتدار کے محاسن سے خوش نہیں تھے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو اُمیہ کے بغض اور مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر ان کے دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔

العواصم من القواصم ص ۱۷۷ تعلیقہ

اسی طرح کے خیالات ندوہ کے فاضل شاہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمائے ہیں کہ :-
”بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی یہ سب بنو اُمیہ کے سخت دشمن تھے۔ اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو غرض سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہو گئیں، کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا امتیاز ہو سکے، مشکل تھی، گو بہت سی بے سرو پارو باتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہو گئیں لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے۔ حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے ان میں داخل ہو گئے۔“

رسیرۃ الصحابہ جلد ۶ ص ۹۲

اس سیاسی اور گروہی پراپیگنڈہ کا بنو اُمیہ پر جو اثر ہوا وہ عیاں ہے، ہر زمانہ کے لوگوں کے ذہن اس سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے۔ چنانچہ حضرات تاریخ الماۃ الاسلامیہ کے مولف کا یہ بیان بھی ہمارے اس دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے جو اس نے ۳۵۱ھ کا وہ واقعہ لکھا ہے جس کو پڑھ کر اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے :-

فقد كان اهل بغداد قبل الدولة البويهية على مذهب
 اهل السنة والجماعة ويفضلون الشيعيين ابابكر و
 عمر على سائرهم ولا يقدحون في معاوية ولا غير
 في سلف المسلمين فلما جارت هذه الدولة وهي
 متشعبة غالية لها مذهب الشيعة ببغداد ووجد له من
 قوة الحكومة انصافاً فقد كتب على مساجد بغداد
 ۳۵۵ هـ ما صورته:-

لعن الله معاوية بن ابي سفيان ولعن من غصب فاطمة
 رضي الله عنها فدكا ومن منع ان يدفن الحسن عند قبر
 جدّه عليه السلام ومن نفى ابا ذر الغفاري ومن
 اخرج العباس من الشورى-

آل بویہ کی حکومت کے قیام سے قبل بغداد کے لوگ مذہب اہل سنت والجماعت پر
 تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو سب صحابہؓ پر فضیلت دیتے تھے اور معاویہؓ کی شان
 میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی گزرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی
 برائی کرتے تھے لیکن جب یہ فرقہ پرست غالی حکومت آئی تو بغداد میں مذہب شیعہ
 پروان چڑھا اور اقتدار کے بل بوتے پر اس کے انصار و اعداؤں پیدا کئے گئے
 اور ۳۵۵ھ میں بغداد کی تمام مساجد پر عبارت لکھوائی گئی۔

خدا معاویہ بن ابی سفيان پر لعنت کرے۔

اور اس پر لعنت کرے جس نے فاطمہؓ کے ذک کا حصہ غصب کر لیا (مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ
 تھے) اور اس پر لعنت کرے جس نے حسنؓ کو اس کے نانا جان کے پاس دفن نہ
 ہونے دیا۔ (مراد ہمدان تھے)

اور اس پر لعنت کرے جس نے ابوذر غفاریؓ کو شہر بدر کیا۔ (مراد عثمان تھے)
 نیز اس پر لعنت ہو جس نے عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کر دیا۔ (مراد عمر رضی اللہ عنہ تھے)

یہ کس نے کیا؟ اور کس کے ایما پر ہوا۔ تاریخ اس کے نام کو چھپاتی نہیں۔ وہ معزالدولہ
تھا۔ جو امت کے ان پاکبازوں کی تنقیص اور رسوائی پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ جس کے مذہب

معزالدولہ وہ شخص تھا جس نے دسویں محرم کو سیدنا حسینؑ کا یوم شہادت منانے کی بدعت سیئہ
کی بنیاد رکھی اور اس بات کا حکم دیا کہ اس دن کو ماتم کا دن منانا چاہیے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

فی عاشر المحرم من هذه السنة امر معز الدولة بن
بويه قبحه الله ان تغلق الاسواق وان يلبس النساء
المسوح من الشعر وان يخرجن في الاسواق حاسرات عن
وجوههن، تاحسرات شعورهن يلبسن وجوههن ينحن
على الحسين بن علي بن ابي طالب۔

یعنی اس سال ۳۵۲ھ کے محرم کی دسویں تاریخ کو معزالدولہ بن بویہ نے حکم دیا کہ بازاروں
کو بند رکھا جائے اور عورتیں کھر درے بالوں کے کپڑے پہنیں اور بازاروں میں ننگے منہ،
بکھرے بال، منہ پر ٹھانچے مارتے ہوئے اور حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب کا توحہ کرتی ہوئی
نکلیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۴۳)

یہ چیز صرف ابن کثیرؒ ہی نے نہیں لکھی بلکہ شیعہ مؤرخ امیر علیؒ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے لکھا ہے:-
”معزالدولہ اگرچہ علم و ادب اور فنون کا مہر تھا اور سرپرست تھا لیکن اپنی قسوت کے لحاظ سے
نہایت ظالم تھا اور اسی نے ساتھ کر بلا کی یاد میں دسویں محرم کو ماتم کا دن منانا شروع کیا تھا۔“
(شارٹ ہسٹری آف سیرسز انگریزی ص ۲۰۳ لندن)

غیر مسلم مؤرخ پروفیسر ہٹی نے ہسٹری آف دی عربز انگریزی ص ۴۱ اور ڈاکٹر براؤن نے تاریخ
ادبیات ایران جلد ۴ ص ۵۵ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ گویا کہ اس نے حکومت کے بل بوتے
پر شیعہ مذہب کی آبیاری کی اور اپنے مذہب میں طرح طرح کی بدعات کو جنم دیا جس کی تفصیل
کا یہاں موقع نہیں ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب آل بویہ کا تسلط کم ہوا، تو علامہ ابو بکر ابن عربیؒ نے اپنی آنکھوں سے

نے اُس کے کوزہ ذہن میں یہ بات ڈالی تھی کہ اسلام کے ان محسنوں کے احسانات کے تصور کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کھرچ کر مٹا دو تاکہ کوئی ان کے لیے کلمہ خیر نہ کہہ سکے، لیکن بتایا جاتا ہے کہ صحابہؓ کے متوالوں نے رات کے وقت ان مکروہ اور غلیظ الفاظ کو کھرچ کر مٹا دیا۔

معز الدولہ دوبارہ بہ حرکت کر کے صحابہؓ کے بارہ میں اپنے خبیث باطن کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ اس کے وزیر ابو محمد المہلبی نے اُس کو مشورہ دیا کہ پہلی عبارت کا اعادہ نہ کیا جائے بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ لکھ دیئے جائیں، گویا زہر کو شکر چڑھا (Sugar Coated) کر اہل السنّت کو نگلوا یا جائے تاکہ اُن کو زہر کا احساس نہ ہو۔ وہ الفاظ یہ تھے :-

لعن اللہ الظالمین لذلّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر ظلم کر نیوالوں پر لعنت کرے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس مرتبہ جن پر لعنت کی گئی اُن کا نام تو ظاہر نہ کیا گیا لیکن

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیکھا کہ دار الخلافت بغداد میں عباسی حکومت نے صحابہ کرامؓ اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اپنے جذبات کا جو اظہار کیا وہ شنیدنی ہے علامہ ابن عربی لکھتے ہیں :-

وهذه مدينة السلام دار الخلافة بنی عباس وبنينهم و
 بین بنی اُمیّة ما لا یخفی علی الناس مکتوب علی ابواب
 مساجدها خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی ثم معاویة
 خال المؤمنین -

اور یہ مدینۃ السلام (بغداد) ہے بنو عباس کا دار الخلافۃ۔ اُن کے اور بنو اُمیہ کے مابین جو سیاسی چقیقلش ہے وہ لوگوں پر پوشیدہ نہیں۔ اُن کی مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہترین شخص ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ پھر مومنوں کے ماموں سیدنا معاویہؓ راموں اس لحاظ سے کہ آپ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ سلام اللہ علیہا کے سگے بھائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔

والعواصم من القواصم ص ۱۳۳

سیدنا معاویہؓ کا نام اب کی دفعہ بھی بغداد کی مسجدوں پر لعنت کے ساتھ لکھوا دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

ولا يذكر في اللعن الا معاوية -

اور لعنت میں کسی کا نام نہ ذکر کیا جائے مگر سیدنا معاویہؓ کا کیا گیا۔

یہ سب کچھ خلیفہ بغداد کے ہوتے ہوئے اُس کے ایک وزیر معز الدولہ الدیلمی نے کیا اور خلیفہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے مذہب کے اساطین کی توہین برداشت کرتا رہا کیونکہ والخليفة كان محكوماً عليه لا يقدر على المنع -

خلیفہ بغداد بے دست و پا تھا اور معز الدولہ کو اس حرکت شنیعہ سے روکنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔

معز الدولہ الدیلمی نے جب ظاہری طور پر سیدنا معاویہؓ کے خلاف اپنے بعض اور عدوت کا اس طرح اظہار کیا تو اُس نے زیر زمین اہل سنت کے مذہب کو برباد کرنے کا کیا کیا حربہ اختیار نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اہل تشیع نے اس قسم کی زیر زمین علمی سرگرمیاں اپنے مذہب کی تعمیر اور مذہب اہل سنت والجماعت کی تخریب کے لیے ہمیشہ جاری رکھی ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۱۳، ۱۴ پر ہم نے اس بارہ میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد ہمیشہ اس اس قسم کے ظالم لوگوں کی تیغ ستم کا تختہ مشق بنتے رہے۔ ظالموں نے ان کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کئی اقوال منسوب کر دیئے جن میں ان کی قدح اور برائی پائی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر دشمنان معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ایک قول منسوب کر دیا کہ آپؐ نے فرمایا :-

اذا رأيتم معاوية على منبري فاقتلوه۔

جب تم معاویہؓ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کر دو۔

۱۔ اس حدیث پر ابن حجر مکی نے بڑی اچھی بحث کی ہے اور امام ذہبیؒ کا قول نقل فرمایا ہے انہ کذب

چنانچہ علامہ حافظ مقدسی نے اس حدیث کو موضوع اور چھوٹی قرار دیتے ہوئے اس کے ایک راوی عباد بن یعقوب الرواحنی کے بارہ میں لکھا ہے :-

وهو من غلاة الترافض وترك الرواية عن عباد جماعة من الحفاظ -

وہ غالی رافضی تھا اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس سے روایت کرنا ترک کر دیا ہے۔

رتذکرۃ الموضوعات ص ۲۸، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۲۰۷
 درایت بھی بتاتی ہے کہ یہ حدیث رافضیوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اگر واقعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ کبھی بھی منیر رسولؐ پر کھڑے نہ ہو سکتے اور دنیا دہکتی کپلے ہی خطبہ میں معاویہؓ کا سرتن سے جدا ہو جاتا۔ اور اگر حضورؐ نے ایسا فرمایا ہوتا تو جناب علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حسن بن علیؓ کبھی بھی ان کے سپرد خلافت کی ذمہ داری کر کے خود گوشہ تنہائی میں نہ جا بیٹھتے۔ چنانچہ خود شیعی مؤرخ ملا یاقر مجلسی نے اعتراف کیا ہے کہ :-

صالحه علی ان یسلم علیہ ولایۃ امیر المسلمین علی
 ان یعمل فیہم بکتاب اللہ وسنة رسول اللہ وسیرۃ
 الخلفاء الصالحین -

سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے مصالحت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ

رحاشیہ صفحہ گزشتہ) موضوع لا اصل لہ۔ کہ یہ چھوٹی اور موضوع ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں) ملاحظہ ہو تطہیر الجنان ص ۱۹۔ یہ روایت دراصل یہ تھی جو سیدنا جابرؓ نے نقل کی ہے کہ :-

اذا راٰ یتیم معاویۃ علی منبری فاقبلوہ فانہ امین مأمون
 رواہ الخطیب والحاکم

اور خلفائے راشدین کی سنت کے مطابق امور مملکت کو چلائیں گے۔

ربحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۲۴، جلاء العیون ص ۳۱۵، فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳۔
 نہ صرف خلافت ہی سپرد کی بلکہ دونوں بھائیوں سیدنا حسینؑ اور سیدنا حسنؑ نے تمام
 لوگوں کے سامنے اس خلیفہ راشد کی بیعت بھی فرمائی۔ اس کا اعتراف بھی مشہور مؤرخ شیعی
 ملا باقر مجلسی نے کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا جعفر الصادقؑ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؑ اور
 سیدنا حسینؑ اور سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ الانصاریؑ جب شام تشریف لائے تو۔

فاذن لهم معاوية اعد لهم الخطباء فقال يا حسن قم فبایع
 ثم قال للحسين قم فبایع فقام فبایع۔

سیدنا معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت دی اور ان کی عزت افزائی میں خطیبوں
 کو بلایا اور سیدنا حسنؑ سے کہا کہ اٹھیے اور بیعت فرمائیے۔ وہ کھڑے ہوئے
 اور مجمع عام کے سامنے بیعت فرمائی۔ پھر سیدنا حسینؑ سے کہا کہ کھڑے ہو
 کر بیعت فرمائیے چنانچہ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر بیعت فرمائی۔

ربحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۲۴۔

یہ تو صرف ایک روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس
 قسم کی سینکڑوں روایات بنو امیہ خصوصاً طور پر سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے بار میں
 گھڑی گئیں۔ اور ان کی پوزیشن کو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نگاہ میں بھی متحد دش کیا گیا۔ یہی
 وجہ ہے کہ محققین نے نہایت غور و فکر کے بعد موضوعات کی فہرست میں ان تمام روایات
 کو درج کر دیا جن میں سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کے دوسرے خلفاء کی مذمت اور بُرائی
 پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مشہور محدث اور فقیہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں،۔

ومن ذلك الاحادیث في ذم معاوية وذم عمر بن العاص
 وذم بنی امیة ومدح المنصور والسفاح وكذا ذم یزید
 والولید ومروان بن الحکم۔

اور وہ احادیث بھی موضوعات میں سے ہیں جن میں معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور

دیگر بنو امیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح (عباسی خلفاء) کی تعریف پائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوعات میں سے ہیں۔

الموضوعات البکیر ص ۱۶۹، ۱۷۰ المنار المنیق فی الصحیح والضعیف لابن قیم م ۱

۱۔ سید نامروان بن الحکم خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ آمنہ بنت علقمہ بن صفوان الکنانی تھیں ان کی کنیت ام عثمان تھی۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۹۱) آپ کے والد فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ مروان اس وقت بچے تھے۔ کیونکہ سیدنا مروان ۲ سنہ میں پیدا ہوئے۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۹۱) اس لحاظ سے فتح مکہ کے وقت آپ کی عمر قریباً چھ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت ۸ سال۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا مروان کے والد حکم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض نشائستہ حرکت کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے نکال کر طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن یہ روایات روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ کیونکہ ایسے اہم واقعہ کو کسی صحابی رسولؐ نے نقل نہیں کیا اور نہ ہی معتبر تاریخ میں اس کا کوئی آنا پتا ملتا ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو استیعاب) اور علامہ بلاذری نے جو سند اس واقعہ کی نقل کی ہے۔ اس میں کذاب اور جمہول راوی ہیں اور ایسے راوی بھی ہیں جنہوں نے بنو امیہ کی مخالفت میں ادھار کھایا ہوا ہے (ملاحظہ ہو انساب الاشراف جلد ۵ ص ۲) اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس واقعہ کے بارہ میں لکھتے ہیں :-

« اکثر اہل علم نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کی سند بھی کوئی نہیں »

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

محققین نے لکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے طائف گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جلا وطن نہیں کیا تھا۔ بنو امیہ اور ان کے افراد کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے ایسی روایتیں گھڑی ہیں، وگرنہ بنو امیہ کا مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تنہا بیت اعلیٰ وارفع تھا۔ (ملاحظہ ہو

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ بنو عباسؓ کے خلفاء کی مدح اور تعریف میں اور ان سے سابق
خلفاء بنی امیہ کی مذمت اور قدح میں احادیث وضع کرنے کے لیے دشمنان صحابہؓ اور وصایا میں کا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار جلد ۱ ص ۱۰۰

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا مروانؓ کے والد
حکم کے لیے بددعا کی تھی لیکن شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی بھی تردید کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے
ابن السکن کے حوالہ سے لکھا ہے :-

انه لم يثبت دعاء النبي عليه السلام على المحكم -

حکم پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا ثابت نہیں ہے۔ (اصالیہ)

سیدنا مروانؓ صغار صحابہؓ میں سے تھے اور صحابہؓ کے اُس زمرہ میں شامل تھے جس میں سیدنا عبداللہ
بن زبیرؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، سیدنا مسور بن حزمہؓ اور سیدنا عبداللہ
بن عامرؓ شامل تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :-

وهو صحابي عند طائفة كثيرة لانه ولد في حياة النبي
صلى الله عليه وسلم -

اکثر لوگوں کے نزدیک وہ صحابی ہیں کیونکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے
میں پیدا ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۷)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو صحابہؓ کی اس قسم میں ثابت کیا ہے جنہیں سماع کا شرف تو حاصل نہیں
البتہ روایت کا شرف حاصل ہے (ردہی الساری مقدمۃ فتح الباری ص ۴۳) علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھا ہے
کہ ان کی روایت کی نفی ممکن نہیں ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

جنگ جمل اور جنگ صفین میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اور سیدنا معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ بعض لوگوں
نے لکھا ہے کہ جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ انہی کے تیرے شہید ہوئے۔ لیکن یہ بات پائے ثبوت کو نہیں
پہنچتی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۴۱)

سیدنا مروانؓ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں :-

کا ایک ادارہ (Institution) قائم کیا گیا تھا جو عباسی خلفاء کی تعریفیں اور بنو امیہ کی مذمت کر کے عباسیوں کی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے۔ تاریخ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) وکان مروان من سادات قریش وفضلائہا۔
مروان قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۷)

شاید اسی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ اس منصب پر کئی سال تک فائز رہے۔ اس زمانہ میں آپ کے خاندان نبوت سے بڑے اچھے تعلقات رہے، چنانچہ آپ کے دو صاحبزادے عبد الملک بن مروان اور معاویہ بن مروان سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۶۹، جمہورۃ الانساب ص ۸) اس عرصہ میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ آپ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔

ان الحسن والحسین کان یصلیان خلف مروان ولا یعیدانہا
و یعتدان بہا۔

بے شک سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے انہیں لوٹتے
نہیں تھے بلکہ صحیح سمجھتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۸، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۳۱۵)

خاندان نبوت کے مابین باہمی محبت اور مودت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا علیؓ
ترین العابدینؓ کے بارہ میں لکھا ہے :-

واحیہم الی مروان وابنہ عبد الملک۔

وہ مروان اور ان کے بیٹے عبد الملک کے ہاں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۶)

ایک مرتبہ سیدنا ترین العابدینؓ نے سیدنا مروانؓ سے ایک لاکھ کی رقم بطور قرض حسنہ لی جو وہ ادا نہ
کر سکے۔ چنانچہ سیدنا مروانؓ نے اپنے بیٹے عبد الملک کو وصیت فرمائی کہ وہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۷)

اسلامی کی تدوین بھی چونکہ اسی دور میں ہوئی لہذا جان بوجھ کر بنو امتیہ کے محاسن کو معائب میں اور ان کے فضائل کو رد اُسل بنا کر ظاہر کیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کی ان کتابوں کی روشنی میں لوگوں کی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ تمام پیش آمدہ مسائل میں صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور ان کی متفقہ رائے پر عمل فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۹)

سیدنا معاویہؓ کو ان کے زہد و تقویٰ، پابندی شریعت اور تفقہ فی الدین پر بہت اعتماد تھا چنانچہ شروع میں آپ سیدنا عمرؓ کی طرح چھ آدھیوں کی ایک کونسل مقرر کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ ان کی وفات کے بعد ارباب حل و عقد ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۵) ان میں ایک سیدنا مروانؓ بھی تھے اور آپ کے رعیار کس ان کے بارہ میں یہ تھے۔

المقاری للکتاب اللہ، الفقیہ فی دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ۔

یہ کتاب اللہ کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود کے قائم کرنے میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۵، سیر اعلام النبلا جلد ۳ ص ۳۱۵)

آپ کا خود اپنا دعویٰ تھا کہ میں نے کبھی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ (انساب الاشراف جلد ۵ ص ۱۲۵)

ان کے اس دعویٰ کو کبھی کسی نے چیلنج نہیں کیا۔

آپ نے سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عبدالرحمن بن الاسود اور سیدہ لیسۃ بنت صفوان سے احادیث روایت کی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی آپ کی کچھ روایتیں احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں لیکن محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا سماع ثابت نہیں۔ آپ سے آپ کے بیٹے عبدالملک، بہل بن سعد الساعدی، سعید بن المسیب، علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ)، عروہ بن زبیر، ابو بکر بن عبدالرحمن بن الحارث، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ مجاہد، ابوسفیان وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ (تمذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۱)

علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے۔

رائے سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے بارہ میں اچھی نہ رہی اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اہل سنت والجماعت کا وہی عقیدہ ہو گیا جس کا ذکر ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب جلد ۱

ر حاشیہ صفحہ گزشتہ) اخرج اهل الصحاح عدّة احادیث من مروان
وله قول مع اهل الفتيا۔

اہل صحاح نے اُن کی کئی احادیث کی تخریج کی ہے اور وہ اہل فتویٰ میں سے ہیں۔

(العواصم من القواصم ص ۱۱۱ حاشیہ)

امام مالکؒ نے ان کے کئی فیصلے اور فتاویٰ اپنے مؤطا میں نقل فرمائے ہیں جو ان کی جلالت علمی اور

ثقافت پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ کی انہی علمی اور فکری قابلیتوں کی وجہ سے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ بن عفان نے اپنے دور خلافت میں انہیں اپنا پرسنل اسسٹنٹ مقرر فرمایا۔ یہ سیدنا عثمانؓ کے داماد بھی تھے اور چچا زاد بھائی بھی، لیکن ہمارے ارباب تواریخ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سبکدوشی شپ کے زمانہ میں سیدنا عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کیا۔ حالانکہ یہ بات از سر تا پا غلط ہے۔ سیدنا عثمانؓ اکثر خود فیصلے کرتے تھے اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے صرف سیدنا مروان کو املا کر دیتے تھے۔ سیدنا مروان پالیسی بنانے والے نہیں تھے۔ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں آپ پر فتنہ برپا کرنے کا سب سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے والی مصر کے نام خط میں لکھا تھا کہ جب حامل خط آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قتل کر دیں۔ حالانکہ آپ نے لکھا تھا کہ ”جب وقت حامل مکتوب ہذا آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قبول کیجیو“ اس کو ”قبول کیجیو“ کے مفہوم کو انہوں نے فاقبلوه کے لفظ سے تعبیر کیا تھا لیکن فتنہ پردازوں نے اس کو فاقتلوه یعنی قتل کر دیجیو بنا دیا۔ اور جان بوجھ کر اس کو فتنہ کا نکتہ آغاز بنا دیا۔ ملاحظہ ہوں تہذیب الراوی ص ۱۵۱) حالانکہ وہ ایک سازش تھی جو صرف سیدنا عثمانؓ کے خلاف تھی بلکہ پورے دین اسلام کے خلاف تھی۔ سیدنا مروان کو بھی اس سازش کا مدف بنایا گیا اور آج تک بنایا جا رہا ہے۔ آپ کے خلاف اور بھی بہت سی غلط روایتیں نقل کی جاتی ہیں، لیکن محققین کے نزدیک وہ پایۂ ثقافت سے گری ہوئی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ نے اہل بیت نبویؐ کو ایذا دینے، سیدنا علیؓ کو ہر جمعہ منبر مدینہ پر کھڑے ہو کر سب و شتم کرنے

۹۲۔ میں کیا ہے جس کا حوالہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اس عقیدے کی آبیاری اُن لوگوں نے بھی کی جنہوں نے جعلی طور پر اہل سنت والجماعت کا لبادہ اوڑھ کر مختلف کتابیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی اعانت کے بارہ روایات کے متعلق صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے۔

لم یصح عنه شی من ذلك كما ستعلمه مما سأذكره
ان كل ما فيه نحو ذلك في سنده علة ولهذا روى له البخاری
وغیره ولم یخرجه المحدثون ولو صح عنه شی من ذلك
لنقله الحفاظ وتكلموا علیه۔

ان میں سے کوئی شی بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمہیں پتہ چلے گا۔ اور جن روایات میں ایسی باتیں مرقوم ہیں ان کی سند معلول ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ اپنی صحیح میں ان کی روایات نقل کی ہیں۔ اور محدثین نے ایسی روایات کی تخریج نہیں کی۔ اور یہ روایات صحیح ہوتیں تو حفاظ حدیث ان کو نقل کرتے اور ان پر کلام کرتے۔ (تطہیر الجنان ص ۲۶)

قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے سیدنا مروان کے بارہ میں اپنی جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ شنیدنی ہے۔ خرماتے ہیں:-
مروان رجل عدل من كبار الامة عند الصحابة والتابعين
وفقهاء المسلمين۔

مروان ایک عادل انسان تھا اور صحابہؓ، تابعینؓ اور فقہائے مسلمین کے نزدیک امت کے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ (العواصم من القواصم ص ۹۹)

الخرص مروان علم وعمل، زہد وتقویٰ میں یکتا ہے روزگار تھے اور ان پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ اگر وہ صحیح ہوتے تو اس زمانہ کے اہل علم و فضل اور کبار صحابہ اور تابعین ضرور اس کا تذکرہ کرتے بلکہ سیدنا مروان کے خلاف ہر ملا لوگوں میں پرچار کرتے، لیکن ایسا تمہیں ہے۔

آپ کی وفات رمضان المبارک ۶۷۲ھ میں واقع ہوئی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۳ سال

تھی اور مدت خلاف ۹ ماہ۔

لکھیں جن میں سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کے دوسرے خلفاء کے بارہ میں مسلمانوں کے اعتقاد کو
محدوش کرنے کے لیے یہی موضوعات گھسیڑ دیں اور اس انداز میں ان کو بیان کیا کہ اچھے اچھے
لوگوں نے اُن کی کتابوں کو بنیاد بنا کر بنو امیہ کے بارہ میں اپنے اعتقاد کی عمارت تعمیر کی۔ مثال
کے طور پر محمد بن جریر الطبری جو کہ بنو عباس کے دور حکومت کی پیداوار ہے۔ یہ تاریخ، حدیث
اور تفسیر میں یکتائی روزگار تھا لیکن تھا رافضی۔ اُس نے قرآن حکیم کی تفسیر اور تاریخ اسلام پر دو
صغیم و لحیم کتابیں لکھیں۔ اور ان میں زیادہ تر مسائل تو اہل سنت والجماعت کے نقطہ نظر کے مطابق
لکھے لیکن درمیان میں اہل سنت کے اذہان کو زہر آلود (Poisoned) کرنے کے لیے کچھ
ایسی باتیں بھی لکھ دیں تاکہ غیر شعوری پر مسلمان قبول کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اہل سنت و
الجماعت کے علماء کی آراء ابن جریر الطبری کے بارہ میں مختلف ہو گئیں بعض علماء اسے اکابر اہل سنت
میں سے شمار کر کے اس کی ہر بات کو بطور دلیل پیش کرنے لگے اور یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ

لا تسمعوا لثورخ کلاماً الا للطبری۔

طبری کے سوا اور کسی مؤرخ کی بات نہ سُنو۔ (العواہم من القواہم ص ۲۳۸)
لیکن محققین اور تہمت تک پہنچنے والے بزرگوں نے اُس کی کتابوں کا مطالعہ کر کے فوراً کہہ دیا۔

کان یضع للروافض۔

وہ رافضیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۳۸)
اگرچہ بعض حضرات نے محدث احمد بن علی سلیمانیؒ کے اس قول کو ابن جریر الطبری کے بارہ میں
بدگمانی پر محمول کیا، لیکن پھر خود اقرار کرنا پڑا کہ

ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا۔

(لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۳۸، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۵)

ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ،

ابو جعفر الطبریؒ وہو امام من الاثمة الامامیة۔

ابو جعفر الطبریؒ امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے۔

(لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۳۸)

اب اندازہ فرمائیں کہ جو شخص خم غدیرہ جیسے خالص شیعہ واقعہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کرے
 وضو میں جو اندر مسجرجلین (پاؤں پر مسح کرتے) کا قائل ہو اور ان کا دھونا واجب اور ضروری نہ
 سمجھتا ہو اور اپنی تاریخ الامم والملوک جلد ۳ کے صفحہ ۲۴ کی سطر ۲۵ پر سیدنا معاویہؓ پر لعنت بھیجے
 پھر اسی جلد کے صفحہ ۲۹ سطر ۱ پر معاویہ بن ابی سفیانؓ اور یزید بن معاویہؓ دونوں پر لعنت بھیجے۔ وہ
 شخص اہل سنت و جماعت کا امام ہو سکتا ہے؟ اہل سنت تو سیدنا معاویہؓ کو صحابی رسولؐ اور
 ایک جلیل القدر خلیفہ رسول تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابن جریر الطبری کی زندگی ہی میں اکثر لوگ
 اس کے شیعہ فکر کی وجہ سے مخالف ہو گئے اور اُس کے رفض ہی کی وجہ سے وفات کے وقت اُس
 کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اُس کو گھر کی چار دیواری ہی میں دفن
 کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۱ ص ۱۴۶)

اس کے علاوہ اُس نے اپنی کتاب میں قریباً ۹۰ فیصد روایات کتاب اور رافضی راویوں
 کی درج کیں تاکہ لوگوں کے جذبات کو صحابہ رسولؐ کے خلاف برا بھلا سمجھتے کیا جائے۔ ان راویوں میں
 ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات سب سے زیادہ تعداد میں ہیں جس کے متعلق محدثین کا متفقہ فیصلہ
 ہے کہ وہ کفر شیعہ تھا، کذاب تھا اور اُس کی روایات قابل اعتماد نہیں۔

ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶، لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۹۲، میزان الاعتدال
 جلد ۲ ص ۳۶، تاج العروس شرح القاموس جزء ۶ فصل ۵ ص ۱۰۵)

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے علاوہ محمد بن السائب الکلبی اور اس کے بیٹے ہشام کی روایات بھی
 کثرت سے اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں جن میں صحابہ رسولؐ کو ہرق طعن و تنقید بنایا گیا ہے۔ حالانکہ
 ان دونوں راویوں کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ وہ کذاب تھے اور ناقابل اعتماد۔

ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۹۶، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۵۶)

۱۔ علامہ ابن کثیر نقل فرماتے ہیں۔

”ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ طیبہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے
 جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتال کرنے پر اکسایا گیا تھا۔“
 (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۰۵)

یہ تو صرف ایک بطری کا ذکر ہے لیکن تاریخ الاسلام میں ایسے کئی لوگ ہیں جنہوں نے اندرون خانہ مذہب اہل سنت کے عقائد کے خلاف رخص اور تشیع کے عقائد کی تشہیر کی اور بزرگ اور سادہ لوح اکابر نے اُن کو اپنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

ایسی روایتیں جن سے صحابہ کی ذوات محدوش ہوتی تھیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ بعد والے مؤرخین اُن کو اپنی کتابوں میں درج نہ کرتے بلکہ اُن پر تنقید کے تیر چلا کر ان کو مجروح کرتے لیکن یہ نظریہ کہ چونکہ فلاں بڑے نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لہذا ہم بھی اُس کو نقل کر دیتے ہیں، اسی طرح متاخر متقدمین کی قریباً سب روایتوں کو بغیر تنقید کی چھلتی ہیں چھانے اسی طرح اپنی کتابوں میں نقل کرتے آئے اور آج تک نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور پھر انہی روایتوں پر اپنے عقائد کا استنباط کرتے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ باوجود اپنی محدثانہ شان کے صرف اس اکابر پرستی کی وجہ سے اپنی کتاب کو ایسی روایتوں سے پاک نہ رکھ سکے چنانچہ خود لکھتے ہیں :-

وللشيعة والرافضة في صفة مصرع الحسين كذب
كثير واخبار باطله وقيما ذكرنا كفاية وفي بعض
اورادنا نظر ولو كان ابن جرير وغيره من الحفاظ
والائمة ذكره ماسمته واكثره من رواية ابى مخنف
لوط بن يحيى وقد كان شيعياً وهو ضعيف الحديث
عند الاثمة -

سیدنا حسینؑ کی شہادت کے بارہ میں شیعہ اور رافضیوں کی بہت زیادہ جھوٹی اور

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

هذا كذب على الصحابة -

یہ صحابہؓ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔

اس طرح کی بے شمار روایات نقل کر کے صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اکسایا گیا ہے۔ جو کہ

خالص اہل رخص کا کام ہے۔

باطل خبریں ہیں ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور ان میں سے بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر این پیری طبری اور دوسرے ائمہ و حفاظ اُس کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی اُس کو ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر روایات ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعہ ہے اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۰۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ سمجھتے بوجھتے کہ فلاں روایت غلط ہے پھر بھی اُس کو صرف اس وجہ سے نقل کر دینا کہ فلاں امام اور بزرگ نے نقل کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے اور اسی چیز کا سہارا لے کر آج کئی نام نہاد مفکر مختلف مضامین اور کتابیں لکھ کر صحابہ کرام کے متعلق اُمت کے صحیح اعتقادات میں کتر و بیونت کی کوشش کر رہے ہیں۔ غلط چیز غلط ہی ہے خواہ اس کو کتنا بڑا امام یا محدث نقل کرے اور صحیح چیز صحیح ہی ہے خواہ وہ کسی چھوٹی سی کتاب ہی میں کیوں نہ ہو۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا معاویہ کی خلافت کے بارہ میں اگر قرآن و سنت اور تاریخ اسلام کی صحیح روایات کی روشنی میں کوئی نتیجہ نکالا جائے تو وہ یہی نکلتا ہے کہ ان کی خلافت "خلافت راشدہ" تھی، لیکن اگر وہ مخصوص شرطیں ہی لگائی جائیں جو کہ ہمارے بعض لوگوں نے سیدنا معاویہ کی خلافت کو "غیر راشدہ" ثابت کرنے کے لیے لگائی ہیں تو پھر خلافت راشدہ خلفائے اربعہ میں مخصوص ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ پھر "خلافت راشدہ" کا دور سیدنا عثمان کی شہادت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حکیم الامت شاہ ولی اللہ کو یہ لکھنا پڑا کہ

بموت حضرت عثمان خلافت خاصہ منقطع گشت و اکثر احادیث یہیں مضمون وارد شدہ

سیدنا عثمان کی وفات سے خلافت خاصہ منقطع ہو گئی اور اکثر حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔

(ازالۃ الخفاء مقصد اول ص ۶)

یعنی اس لحاظ سے سیدنا علیؑ کی خلافت بھی "خلافت راشدہ" نہیں رہتی۔ اور اگر وہ شرائط ذرا ڈھیلی کر دی جائیں تو پھر سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؑ دونوں کی خلافتیں "خلافت راشدہ" شمار

ہو سکتی ہیں۔ لہذا قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ چار خلفاء میں محصور نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کریں تو بیسیوں آیات صحابہؓ کے تقدس اور ان کے رشد و ہدایت کے مینار ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے ہم چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ صحابہ کرامؓ کا علم و مرتبت اور ان کی عظمت معلوم ہو سکے کیونکہ خلافت راشدہ کا تعلق خلیفہ کے راشد ہونے پر موقوف ہے۔ خلیفہ اگر راشد ہے تو اس کی خلافت ”خلافت راشدہ“ ہے اور خلیفہ اگر خود راشد نہیں تو اس کی خلافت بھی ”خلافت راشدہ“ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن حکیم میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے اس لیے بھیجی گئی ہو تاکہ انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔

(آل عمران: ۱۱۰)

تمام محدثین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کا صحیح مصداق صحابہ کرامؓ نہیں کیونکہ انہیں کے بارہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں حضرات صحابہؓ کو تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور افضل قرار دیا۔ لہذا جب اصحاب رسولؐ ساری امت سے افضل و اعلیٰ ہیں تو ان کا دور اور ان کی حکومت بھی ان کے بعد آتی والوں کی حکومتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَرَّضُوا عَنْهُمْ
أَعْدَاءَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور جو ہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سب سے پہلے اور مقدم ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی

ہوا اور وہ سب اُس اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بارخ

مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ (التوبہ: ۱۰۰)

• اس آیت میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ پھر صحابہ کرامؓ کے دو طبقے بیان فرمائے ایک طبقہ "السابقون الاولون" کا اور دوسرا بعد میں ایمان لانے والوں کا۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا اور جنت کی عطا کا وعدہ کیا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

"السابقون الاولون" سے کون صحابہؓ مراد ہیں اس بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ہمارے خیال میں سب سے زیادہ صحیح قول اس بارہ میں یہ ہے کہ جو لوگ بیعت رضوان میں جو ۳۰ سنہ میں ہوئی، شامل تھے وہ "السابقون الاولون" میں شامل ہیں اور جو لوگ بیعت رضوان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے وہ "والذین اتبعوہم باحسان" میں شامل ہیں۔ اس آیت میں صاف لفظوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہؓ کی جماعت میں داخل ہو گیا اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ مل گیا اور اللہ رب العزت اس کو آخرت میں جنت کی دوائی زندگی عطا فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا خاتمہ اور انجام نیک اور بخیر ہوا، کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے علم ازل کے تحت انہیں رضا کا مشردہ سنایا۔ اور اللہ کی رضا اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ لوگ اپنے انجام کے لحاظ سے حالت صالحہ پر تھے کیونکہ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے پھر اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ:-

من راضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ أبدًا انشاء اللہ تعالیٰ

جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے پھر انشاء اللہ تعالیٰ اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوں

گے۔ (الاستیعاب جلد ۱ ص ۱۰۰)

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے مقام عظمت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ أَجْرٌ كَبِيرٌ
وَكَمْ أَلْيَسَ لَكُمْ الْفُسُوقُ وَالْعِصْيَانُ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ

لیکن اللہ جل شانہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا اور اس کو تمہارے دلوں
میں مزین بنا دیا، اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ
بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت سے اور اللہ
تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (المحجرات: ۱)

یہ خوش خبری حق تعالیٰ نے چند صحابہ کرام کو نہیں دی بلکہ بلا استثناء سب صحابہ کو دی اور
اس آیت میں تمام صحابہ کے لیے تین باتیں بیان فرمائیں :-
۱۔ ایمان کو ان کے لیے محبوب بنا دیا۔

۲۔ ایمان کو ان کے دلوں میں مزین فرما دیا۔

۳۔ کفر، فسوق اور عصیان کو ان کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک بڑے پتے کی بات ارشاد فرمائی ہے
فرمایا :-

یہاں ایمان میں فرائض، مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی اور اس کے
مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ
بلا تفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو۔ اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہو
گی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری
ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت رکھے۔ یہ تین انفاطال
لیے رکھے گئے ہیں کہ ہر فسق و عصیان کفر نہیں اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔

(کتاب الایمان ص ۱۷)

اس آیت کے آخر میں تمام صحابہؓ کے متعلق فرمایا کہ :-

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

یہی لوگ راشدین رہدایت یافتہ ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ کہاں کی منطق اور کہاں کی سوچ ہے کہ حق تعالیٰ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو ”راشدین“ کہہ رہے ہیں اور ”راشد“ اس کو کہتے ہیں جو رشد و ہدایت سے مالا مال ہو اور ہم بعض صحابہ کو غیر راشد ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ بخاری میں ابن عباسؓ نے سیدنا معاویہؓ کے متعلق ایک شکایت کے سلسلہ میں فرمایا کہ :-

انہ قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔

(لہذا ان پر یہ اعتراض غلط ہے)

(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، الاصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲)

اور قرآن کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہؓ ”راشدین“ ہیں سے ہیں لیکن ہم ایک ہی بات کی سٹ لگا رہے ہیں کہ سیدنا علیؓ تک تو تمام صحابہؓ ”راشدین“ تھے اس وجہ سے ان کی خلافت بھی ”خلافت راشدہ“ تھی لیکن سیدنا علیؓ کے بعد والے لوگ صحابی ہونے کے باوجود راشد نہ تھے لہذا ان کی خلافت بھی ”خلافت راشدہ“ نہ ہوئی؟

سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو ”خلافت راشدہ“ نہ سمجھنے والوں کی بات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ سب صحابہؓ کو راشد نہیں سمجھتے، حالانکہ قرآن حکیم انہیں صاف لفظوں میں ”راشدین“ کہہ رہا ہے لیکن ہم قرآن کے خلاف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی سمجھتے ہوئے غیر راشد بھی سمجھتے ہیں اور فسوق و عصیان میں ملوث بھی۔ یہ قرآن حکیم کے معانی کے ساتھ زیادتی ہے۔

قرآن حکیم کے بعد اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر نگاہ ڈالیں تو بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا اور پھر اس کے بعد تابعین کا زمانہ اور پھر اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیریت کی خبر دی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم

ثم یحیی اقوام تسبق شہادۃ احدہم یمینہ

ویمینہ شہادتہ -

بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، بعد ازیں وہ ان کے بعد آئیں گے، پھر جو ان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی -

(مسلم جلد ۲ ص ۳۰۹، تفسیر جلد ۲ ص ۴۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا -
ای الناس خیر، قال القرن الذی انا فیہ - ثم الثانی
ثم الثالث -

سب سے اچھے لوگ کون سے ہیں؟ فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر
تیسرے کے - (مسلم جلد ۲ ص ۳۱)

ان تین زمانوں کے بارہ میں محدثین میں کچھ اختلاف ہے، لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ
نووی نے فرمائی ہے -

والصحيح ان قرنته صلى الله عليه وآله وسلم والصحابه
والثاني التابعون والثالث تابعوهم -

صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور صحابہ کا زمانہ ہے - دوسرا
تابعین کا اور تیسرا تبع تابعین کا - (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۹)

شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ -

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرن سے مراد صحابہ کا زمانہ ہے -

فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴

صحابہؓ کے زمانہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں سب سے بہتر زمانہ
قرار دیا - اس کی وجہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں -

وخير القرون الذين شاهدوه مؤمنين به وبما
يقولون اذ كانوا اعرف الناس بالفرق بين الحق الذي

جاء به و بين ما يخالفه واعظم محبته لما جاء به و بغضاً
لما خالفه واعظم جهاداً عليه فكانوا افضل ممن بعدهم
في العلم والدين والجهاد اكمل علماً بالحق وبالباطل
واعظم محبة للحق و بغضاً للباطل واصبر على متاعلة
الحق واحتمال الاذى فيه۔

ان تینوں دوروں میں بہترین دوران لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جمالِ جہاں
آرا کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے۔ یہی لوگ حق و باطل میں فرق کو سب سے اچھا
جانتے والے، حق کے سب سے زیادہ ماننے والے، حق کے سب سے زیادہ
شید اور فریقہ، باطل کے سب سے زیادہ پیری اور دشمن، حق کی خاطر سب
سے زیادہ جان کھپانے والے ہیں۔ بعد میں آنے والوں کے مقابلہ میں علم و
دیانت، سرفروشی و حق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال
میں سب سے پیش پیش ہیں۔“ (النبوات ص ۸۵)

نواب صدیق حسن خاںؒ نے لکھا ہے کہ

”یہی صدر اول اور سلف صالح ہیں۔ ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا
سکتا ہے، ان ہی پر دین کی زندگی میں اعتماد کیا جاسکتا ہے، دینی زندگی کے سارے
اقوال، اعمال، اخلاق اور احکام میں یہی لوگ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔
والحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۲۳“

۱۔ امام بخاریؒ نے صحابی کی تعریف یہ کی ہے کہ :-

من صعب النبي صلى الله عليه وآله وسلم امرأة من
المسلمين فهو من اصحابه۔

جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت یا دید کا شرف بحالت ایمان
حاصل کیا وہ صحابی ہے۔

علامہ ابن حجر مثنویؒ نے بھی "قرن" سے مراد یہی لیا ہے۔ فرماتے ہیں :-
 واعدل الاقوال قول صاحب المحکم هو القدر المتوسط
 من اعمار اهل كل زمن، والمراد بقرنه صلى الله عليه وآله
 وسلم في هذا الحديث الصحابة واخر من مات منهم
 على الاطلاق بلا اختلاف ابو الطفيل عامر بن واثلة
 اللیثی كما جزم به مسلم في صحیحہ وكان موته
 سنة مائة على الصحيح -

ان سب اقوال میں سب سے معتدل قول صاحب المحکم کا ہے کہ قرن سے مراد
 ہر زمانے کی عمریں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرن سے مراد
 اس حدیث میں صحابہ کا زمانہ ہے۔ اور صحابہ میں سے بلا اختلاف سب سے آخر میں
 جس کا انتقال ہوا وہ ابو الطفیل عامر بن واثلة اللیثی صحابی رسول ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم
 میں جزم اور یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق ان کی وفات متانہ
 میں ہوئی ہے۔ (الصواعق المحرقة ص ۲۱۲)

اس حدیث کی رو سے صحابہ کرام کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں صحیح روایت ثلاثہ کی ہے اور اس کی تائید ایک حدیث نبویؐ سے بھی
 ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا
 تھا :-

على رأس مائة سنة لا يبقى على وجه الارض من هو
 عليها اليوم احد -

جو لوگ آج زمین پر رہے ہیں (یعنی آپ کے صحابہؓ) ان میں سے سو سال کے بعد
 کوئی زمین پر زندہ نہ رہے گا۔

(الصواعق المحرقة ص ۲۱۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۰)

نے اس کو اپنا زمانہ قرار دیا ہے اور صحابہؓ میں سب سے آخری صحابی ابو الطغیٰ نے جو جنگ اُحد کے روز پیدا ہوئے۔

مات سنة عشر ومائة۔

سنہ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

(تقریب التذیب ص ۱۸۷)

اس لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد پورے سو سال تک کا دور صحابہؓ کا دور تھا جو کہ سب سے بہتر اور سب سے افضل دور تھا۔ اسی دور میں یعنی سنہ ۱۰ھ میں سیدنا معاویہؓ نے خلافت پر متمکن ہوئے اور تمام امت جن میں صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد شامل تھی، بلکہ ان میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا ارقم بن ابی ارقمؓ، جابر بن عبد اللہ انصاریؓ، کعب بن عمرو انصاریؓ، سیدنا ربیعہ بن عباد الدلیؓ، سیدنا اسلمہ بن زیدؓ، سیدنا انس بن مالکؓ، سیدنا جابر بن عتیکؓ، انصاریؓ، سیدنا مالک بن ربیعہؓ، سیدنا فضالہ بن عقیلؓ، انصاریؓ، سیدنا ابو قتادہؓ، سیدنا ربیعہ بن کعبؓ، سلمیؓ، سیدنا قیس بن سعدؓ، عبادہؓ، سیدنا عثمان بن حنیفؓ، سیدنا ابوسعید خدریؓ، سیدنا براء بن عازبؓ، سیدنا زید بن ارقمؓ، سیدنا سلمہ بن اکوعؓ، سیدنا معقل بن یسارؓ، سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، سیدنا عوف بن مالکؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ، سیدنا عدی ابن حاتمؓ، سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، سیدنا حسن بن علیؓ، سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا ابوبہرہؓ، سیدنا عبد اللہ بن جعفرؓ، سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پوری ملت اسلامیہ نے ۵-۶ سال کے تفرقہ اور تشدد کے بعد آپ کی خلافت پر اجماع کیا۔ اسی وجہ سے اس سال کو "عام الجماعة" کا نام دیا گیا ہے۔

رہ ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱ ص ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱، ۲۲، اسد الغابہ

جلد ۴ ص ۳۸۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے شخص کی خلافت صحیح اور راشدہ نہیں؟ کیا سیدنا معاویہؓ بقول قرآن حکم اولیٰکَ حکم الراشدون۔ خود راشد نہیں؟ کیا ان کے دستِ حق

پرست پر بیعت کرنے والے راشد نہیں تھے؟ جب وہ خود بھی راشد تھے اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر میوے لے بھی راشدین کی جماعت کے لوگ تھے۔ جنہوں نے ان کی خلافت میں گورنری تک کے عہدے بھی حاصل کئے تو پھر ان کی خلافت کو ”خلافت راشدہ“ کیوں نہیں کہا جاتا ہے؟ جن سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہؓ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی کیا انہوں نے سیدنا معاویہؓ کی حکومت کو ملک عضو ”سمجھ کر بیعت کی تھی؟ اور اگر انہوں نے اُن کی خلافت راشدہ کو غیر راشدہ سمجھ کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو انہوں نے کسی ایک موقع پر اس بات کا سیدنا معاویہؓ سے اظہار کیوں نہ کیا؟ کہ جناب آپ خلیفہ نہیں بلکہ آپ تو ایک غیر راشد بادشاہ ہیں اور ہم آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم نہیں کریں گے۔

تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ان صحابہؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی تھی جس طرح سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ اور یہ لوگ اُن کے احکام کی اسی طرح تعمیل کرتے تھے جس طرح اُن حضرات کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ انہوں نے تو ان سب خلافتوں میں کوئی فرق نہیں کیا، لیکن بعد والوں نے اتنا فرق کیا کہ بغیر دلیل کے خلافت راشدہ کو کفر کے احتتام کے ساتھ ہی ختم کر دیا اور ائمہ سے ملوکیت کا دور شروع کر دیا۔ کیا یہ صحابہؓ کے ساتھ زیادتی اور اُن کے عمل سے انحراف نہیں ہے؟ کیا اچھا فرمایا سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہ:-

مَنْ كَانَ مُتَاسِيًا فَلْيَتَّسِ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَاتَّبِعُوا بِرُحْزَةِ الْأَقَّةِ قُلُوبًا وَاعْمَقَهَا عِلْمًا وَقَلْبًا تَكَلَّفًا وَقَوْمَهَا هَدْيًا وَاحْسِنُهَا حَالًا، قَوْمَ اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لَصَحْبَةِ نَبِيِّهِ وَامَامَةِ دِينِهِ فَاعْرِفُوا لَهُمُ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوا آثَارَهُمْ فَاتَّبِعُوا كَمَا تَوَاعَى الْهَدَى الْمُسْتَقِيمُ -

جو شخص اقتداء کرنی چاہتا ہے اُسے اصحاب رسول کی اقتداء کرنی چاہیے، کیونکہ یہ حضرات ساری امت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، علم کے لحاظ سے

گہرے تکلف سے الگ تھلک عادات کے لحاظ سے معتدل اور حالات کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں یہ وہ قوم ہیں کہ اللہ جل و علا شانہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا۔ لہذا تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے قدموں کی اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔

(شرح عقیدہ سفارینیہ جلد ۳ ص ۲۸، اعلام المؤمنین جلد ۴ ص ۱۳۹)

ان لوگوں کی بزرگی اور مرتبت کو عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا سعید بن زیدؓ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ :-

واللہ ! لم شہد سرجل منهم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر فیہ وجہہ خیر من عمل احدکم ولو عمر

عمر نوح

بمخدا! صحابہ کرامؓ میں سے کسی شخص کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہونا جس میں اُس کا چہرہ عیار آلود ہو جائے، غیر صحابہؓ سے ہر شخص کی ساری عمر کی عبادت اور عمل سے بہتر ہے اگرچہ اُس کو عمر نوح عطا ہو جائے۔

(جمع الفوائد جلد ۲ ص ۴۹۲)

اس بارہ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی بڑے پیارے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں کہ :-

فارض لنفسك ما رضى ابي القوم لانفسهم فانهم على علم وقفوا وبيصير ناقد كفووا وهم على كاشف الامور كانوا اقوى وبفضل ما كانوا فيه اولیٰ۔

اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو قوم (صحابہ کرامؓ) نے پسند فرمایا، اس لیے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس سے لوگوں کو روکا۔ ایک دُور بین نگاہ کی بنا پر روکا۔ بلاشبہ وہ دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کو کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔

(البداء جلد ۱ ص ۱۰۰)

اب جو لوگ اپنی طہارت قلب اور گہرائی علم کے لحاظ سے ساری دنیا بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک روشنی کا مینار ہوں وہ کسی ایسے شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پوری اتباع اور اطاعت نہ کرتا ہو، کس طرح اپنا امام اور خلیفہ بنا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ خلیفہ کی حیثیت سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے تو وہ یقیناً بلا شک و شبہ صحیح طور پر خلیفہ رسول ہوگا۔ اور اس کی خلافت "خلافت راشدہ" بلکہ "مرشدہ" ہوگی۔

راہنہ الیقیم نے اعلام الموقعین جلد ۴ ص ۱۲۸ تا ص ۱۵۳ پر بڑی نفیس بحث کی ہے (



ایک حدیث اور اُس کا جواب

بات دراصل یہ ہے کہ اکثر حضرات کو ایک حدیث سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت غیر راشدہ ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ سیدنا سفینہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

الخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك ثم قال لي سفينة امسك خلافة ابی بکر ثم قال وخلافة عمرو وخلافة عثمان ثم قال امسك خلافة علي فوجدناها ثلاثين سنة ، قال سعيد فقلت له ان ابی أمية يزعمون ان الخلافة فيهم قال كذبوا يتوالزمرقاء بل هم ملوك من شر الملوك -

خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ پھر سیدنا سفینہؓ نے مجھے فرمایا کہ آپ خلافت ابو بکرؓ، خلافت عمرؓ، خلافت عثمانؓ، اور خلافت علیؓ کا حساب کر لیں۔ ہم نے جب حساب کیا تو وہ تیس سال بنتے تھے سعید (راوی حدیث) نے کہا کہ میں نے سیدنا سفینہؓ سے کہا کہ بنو امیہ یہ گمان کتے ہیں کہ ان میں بھی خلافت ہے سیدنا سفینہؓ نے فرمایا وہ جھوٹ کتے ہیں بلکہ وہ بُرے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۴۵)

یہ وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو چار خلفاء میں محصور و محدود کیا جاتا ہے۔ پتا نہ چس نے بھی سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو راشدہ شمار نہیں کیا اُس نے اسی حدیث کو اپنے اس غلط فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے غیر راشدہ ہونے پر صرف اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے حالانکہ یہ حدیث روایت اور درایت کے لحاظ سے غیر صحیح بلکہ موضوع ہے

اور اس کو کسی صورت بھی اس اہم فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔
روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے پر مشہور محدث قاضی ابوبکر ابن عربیؒ
نے لکھا ہے :-

هذه احادیث لا یصح۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۲۱)

مشہور فاضل علامہ محبت الدین الخطیبؒ نے اس حدیث کی سند پر بحث فرما کر یہ ثابت
کیا ہے کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو جو غیر صحیح کہا ہے وہ درست ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

لا تروا ویہ عن سفینۃ سعید بن جبہ ان ، قد
اختلفوا فیہ قال بعضهم لا بأس بہ ووثقہ بعضهم وقال
فیہ الامام ابو حاتم ، شیخ "لا یجتج بہ" ، وفی سندہ
حشر ج بن نیاتہ الواسطی وثقہ بعضهم ، وقال فیہ
النسائی لیس بالقوی وعبد اللہ بن احمد بن حنبل یروی
هذه الخبر عن سوید الطحان ، قال فیہ الحافظ ابن حجر
فی تقریب التہذیب : لین الحدیث۔

کیونکہ سفینۃ سعید سے اس کے راوی سعید بن جبہ ان ہیں۔ ان کے بارہ میں محدثین
کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے
توثیق کی ہے۔ اور شیخ ابو حاتم فرماتے ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی
اس کی سند میں حشر ج بن نیاتہ ایک راوی ہیں ان کی بھی بعض نے توثیق کی ہے لیکن
امام نسائی فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل یہ حدیث
سوید الطحان سے روایت کرتے ہیں جن کے بارہ میں حافظ ابن حجر تقریب التہذیب
میں فرماتے ہیں "لین الحدیث" یعنی حدیث میں کمزور ہے۔ (ایضاً)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے سعید بن جبہ ان کے بارہ میں ایک خاص انکشاف فرمایا ہے کہ :-
قال ابن معین یروی عن سفینۃ احادیث لا یرویہا غیرہ۔

حدیث یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا سفینہؓ سے بعض احادیث ایسی روایت کی ہیں جو ان کے سوا کسی اور نے نہیں کہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۴۷)
ابن حجرؒ نے اس کے بارہ میں امام بخاریؒ کا بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ ۱۔

قال البخاری فی حدیثہ عجائب۔

اس کی حدیث میں بڑی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

ان عجیب و غریب باتوں میں سے اور ان مخصوص احادیث میں سے جن کو سوائے اس راوی کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے روایت نہیں کیا ایک یہ حدیث خلافت کو بیس سال میں مقید کرنے کی بھی ہے جس کو سوائے سعید بن جبہؒ ان کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے نقل نہیں کیا۔ یہ خبر جس کو سیدنا سفینہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے بلکہ ایک نہایت اہم خبر ہے جس سے امت مرحومہ کا مستقبل وابستہ ہے لیکن تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا سفینہؓ کے سوا کسی اور صحابیؓ نے آپ سے اس کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی سعید بن جبہؒ ان کے سوا کسی اور شخص نے سیدنا سفینہؓ سے اس کو نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نہیں ہے بلکہ بعد کے کسی ذہن کی اختراش ہے اور سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کی خلافتوں کی مدت کو جمع کر کے اس حدیث کے الفاظ بناٹے گئے ہیں۔ حالانکہ ان چاروں خلفاء کی خلافت میں جب تک سیدنا حسنؓ بن علیؓ کی خلافت کے چھ ماہ درج نہ کئے جائیں اس وقت تک تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لیکن حدیث کے الفاظ میں ان کی خلافت کو تیس سال میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ سیدنا علیؓ کی خلافت پر ہی تیس سال پورے کر دیے ہیں جو کہ خلاف واقعہ ہیں۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ سعید بن جبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا سفینہؓ

۱۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا سفینہؓ کا انتقال ۳۸ھ میں ہوا۔ اور سعید بن جبہؒ ان کا انتقال ۱۲۶ھ میں۔ پھر اول الذکر مدینہ میں رہے اور ثانی الذکر بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ملاقات بھی آپس میں ثابت نہیں۔

سے پوچھا کہ بنو امیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میں بھی خلافت ہے تو جواب میں سیدنا سفینہؓ نے فرمایا:-

ہم ملوک من شر الملوک -

وہ بُرے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔

اگر سیدنا سفینہؓ کی رائے بنو امیہ کے بارہ میں یہی ہوتی جس کا اظہار انہوں نے اس حدیث میں فرمایا ہے تو وہ کبھی بھی سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے ہاتھوں پر بیعت نہ فرماتے ان کا ان دونوں کے ہاتھوں پر غیر مشروط بیعت فرمالینا اس بات کی تین دلیل ہے کہ وہ ان دونوں کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے۔

اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ متعدد صحیح احادیث کے مخالف اور معارض ہے۔ ان میں سے ایک صحیح ترین حدیث وہ ہے جس کو امام بخاریؒ اور مسلم اور دیگر کئی ایک محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث سیدنا جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوا تو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:-

ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیہم اثنا عشر خلیفۃ
قال ثم تکلم بکلام حتی علی قال فقلت لابی قال قال
اکلہم من قریش -

اسلامی حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اس میں بارہ خلفائے ہوں۔
جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ آواز سے
کوئی بات کہی جس کو میں نہ سُن سکا۔ لہذا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپؐ نے
کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔
ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:-

لا یزال هذا الامر عزیزاً الی اثني عشرۃ خلیفۃ قال ثم
تکلم بشیء لم افہمہ فقلت لابی ما قال فقال کلہم
من قریش -

اسلام بارہ خلفاء کے زمانہ تک برابر عزت والا رہے گا۔ سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے پھر کچھ اور بھی ارشاد فرمایا جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپؐ نے کیا فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ بارہ خلفاء سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۱۹ بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۱۴۹) ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:-

لا يزال امر امتی صالحاً۔ میری امت کے معاملہ بہتر رہیں گے۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۸۸)

اسی قسم کی ایک روایت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے کہ اُن سے ایک شخص نے پوچھا:-

يا ابا عبد الرحمن! هل سألتهم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
كرميلك هذه الامّة من خليفة؟ فقال عبد الله بن مسعود ما سألني
عنها احد منذ قدمت العراق قبلك ثم قال نعم، ولقد سألتنا
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال اثنا عشر كعدة
نقباء بني اسرائيل۔

اے ابو عبد الرحمن! کیا تم لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ اس امت پر کتنے خلیفہ حکومت کریں گے؟ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ جب سے میں عراق آیا ہوں تجھ سے پہلے کسی نے یہ سوال مجھ سے نہیں کیا پھر آپؐ نے فرمایا۔ ہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ بارہ خلیفہ، بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر۔

رمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۹ مسند ابی داؤد طیالسی حدیث نمبر ۹۶۷، ۱۲۷۸،

مسند احمد میں بھی کئی مقامات پر یہ حدیث مرقوم ہے، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲،

فتح الباری جلد ۱ ص ۸۱

سنن ابی داؤد میں جابر بن سمرہؓ کی اس روایت میں اُن بارہ خلفاء کی ایک صفت منقول ہے کہ:-
كلهم تجتمع عليه الامّة۔

اُن سب پر اُمت جمع ہوگی۔

(سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۴ ص ۱۷۱)

اب تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیے تو پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد اُمت تشتت و افتراق کا شکار ہوئی اور بجائے دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے مسلمان خود آپس میں جدال و قتال کرنے لگے اور جبل اور صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون پانی کی طرح بہا اور اسلام کی ترقی کا ستارہ مغرب ہونے لگا۔ آخر ۵-۶ سال کی بد نظمی اور افتراقی کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں تمام اُمت نے ایک خلیفہ کے ہمدرد پر بیعت کی اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد شروع کیا اور اسلام کی ترقی کا وہی دور شروع ہوا جو سیدنا عثمانؓ بن عفان کے دور خلافت اور اُن سے پہلی خلافتوں کے دور میں تھا۔ چنانچہ اس سال کو تاریخ میں ”عام الجماعة“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

(فتح الباری جلد ۱ ص ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۷)

مشہور محدث علامہ شمس الحقؒ ”عظیم آبادی“ فرماتے ہیں:-

ففي سنة خمس وثلاثين من ابتداء الجهاد وقعت
حادثة قتل ذي النورين وتفرق المسلمين وايضا
في سنة ست وثلاثين وقعت الجمل والصفين وفي
هذه الحوادث لما ظهر الفساد والتقاتل فيما بين
المسلمين وجعل جهادا لكفار متروكا ومهجورا
الى حين علم نظرا الى القرائن الظاهرة ان الاسلام
قد وهن واضمحل وكوكبه قد احل ولكن الله
تعالى بعد ذلك جعل امرا لخلافة منتظما وامضى الى ظهور
بنی العباس وتلاشي دولة بني أمية۔

۳۵ھ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوا
اور ۳۶ھ میں جنگ جبل اور جنگ صفین کے حادثات رونما ہوئے ان حادثات

میں اسلامی سلطنت میں فساد اور افترا تفری پیدا ہو گئی اور مسلمانوں کے مابین جنگ و جدال شروع ہو گیا۔ کفار سے کچھ مدت تک جہاد بالکل متروک ہو گیا اور ظاہری نگاہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کمزور اور مضحل ہو گیا ہے اور اس کا کوئی ترقی غروب ہونے کو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس تشتت و افتراق کے دور کے بعد، خلافت کے کام کو منتظم فرمایا اور بنو عباس کی خلافت کے ظہور تک جہاد کا سلسلہ پھر جاری رہا۔

(عنون المعبود جلد ۴ ص ۱۷۱)

گویا کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد کفار سے جہاد اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تعطل واقع ہو گیا تھا۔ اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح اکٹھے ہو گئے جس طرح سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ چنانچہ غیر مسلم مؤرخین کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہؓ دولت اسلامیہ کے دوسرے ”موسس کبیر“ ہیں سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴۔

اس کے مقابلہ میں سیدنا علیؓ کی بیعت سے اکثر صحابہؓ نے گریز کیا۔

(مخطوط الشام جلد ۱ ص ۱۳۶)

جن میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا قنبلہ بن مظعونؓ، سیدنا صہیبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا مسلم بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیر بن عوامؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن جلیدؓ، سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۶، المحاضرات للنخضری جلد ۲ ص ۳۳۷ و طبری وغیرہ)

سیدنا جابر بن سمرہؓ کی بارہ خلفاء کے بارہ میں جو روایتیں اور یہ نقل کی ہیں، ان میں ان خلفاء کی تعداد بتائی گئی ہے جن کے زمانہ میں کلمہ اسلام عزت والا اور مستحکم ہو گا اور اسلام کا نور گہرا زمین کو منور کرے گا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور قرآن حکیم کی عظمت کا پھر پرا

زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے گا۔ اُن خلفاء کا دور دراصل خلافت راشدہ کا دور ہوگا اور اس دور میں اسلام کو دن گنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اسی وجہ سے علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:-

ومعنى هذا الحديث البشارة بوجود اثنا عشر خليفة صالحاً
يقيم الحق ويعدل فيهم۔

اس حدیث کے معنی میں بارہ نیک اور صالح خلفاء کی بشارت مضمون ہے جو کہ حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل و انصاف برپا کریں گے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲)

اب یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دور حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا اور اُن کا نظام حکومت قرآن و سنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جانب رشد و ہدایت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا، وہ ہیں کون؟ ملا علی قاریؒ جو ایک مشہور محدث اور فقیہ ہیں، اس حدیث کے بارہ خلفاء کی تعیین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فالاثنا عشر هم الخلفاء الراشدون الاسبعة ومعاوية وابنه
يزيد وعبد الملك بن مروان واولاد الاسبعة وبينهم عمر
بن عبد العزيز۔

بارہ خلفاء سے مراد سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا معاویہؓ، یزید بن معاویہؓ، سیدنا عبد الملکؓ بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک اور عمر بن عبد العزیزؒ ہیں۔

(شرح فقہ الکبریٰ ص ۱۸۲، شرح عقیدۃ السیاحۃ ص ۵۵۳، فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۲)

ملا علی قاریؒ کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلافت راشدہ صرف چار خلفاء میں محدود نہیں بلکہ بہت سے خلفاء میں جن کی تعداد بارہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے:-

اس بات کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

كانت يتواسر ائيل تسوسهم الا نبيا، كلما هلك بنى خلفه نبي
وانه لا نبي بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون قالوا ما تأمرنا
قال قوا ببيعة الاول فالاول

بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہو
جاتی تو اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو اس کے بعد بھیجتے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں
البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اُن کے بارہ
میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو۔

(بخاری جلد ۱ ص ۴۹۱، مسلم جلد ۲ ص ۱۲۶، مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۷)

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "یکثرون" کا لفظ استعمال فرما
کر یہ واضح کیا کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ اس
سے بھی معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کو چار میں محدود کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کثیر ہے جس
کو دوسری حدیث میں ۱۲ کے عدد سے واضح کیا گیا ہے۔ انہیں خلفاء کو ایک اور روایت میں
خلفائے راشدین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

فانه من يعيش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا
فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها
وعضوا عليها بالانواجذوا يا كرم ومحدثات الامور فان كل
محدثه بدعة وكل بدعة ضلالة -

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پر لازم ہے
کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو
اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔ اور تم نئی نئی چیزوں
سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۶۹، مستدرک جلد ۱ ص ۹۵،
مسند دارمی ص ۲۶، مسند احمد جلد ۱ ص ۲۷)

وہ خلفاء جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "راشدین اور مہدین" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان میں سیدنا معاویہؓ بھی شامل ہیں کیونکہ اُن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اللہم اجعلہ ہادیًا مہدیًا و اہد یہ"۔

یعنی اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔

ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۶، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶، تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۸

جن کو آپؐ نے ہادی اور مہدی فرمایا ہو۔ اگر وہ "راشدین اور مہدین" میں شامل نہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اور اس زمرہ میں کون شامل ہے۔ یہ صرف تعصب یا شیعہ پراپیگنڈہ کا اثر ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو "راشدین مہدین" میں سے شمار نہیں کیا جاتا۔

معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے والی حدیث روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہے، اس کے علاوہ کئی ایسی روایات بھی ہیں جو اس روایت کی تردید کرتی ہیں اُن میں ایک روایت تو ۱۲/ خلفاء والی ہے جس کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے جس میں صحیح حقیقتِ حال کو واضح کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان ریحی الاسلام ستونزل بعد خمس وثلاثین اوسبت وثلاثین اوسبع وثلاثین سنۃ فان یہلکوا فسیل من قد ہلک وان یقم ہم دینہم یقم سبعین سنۃ قال عمرؓ یا نبی اللہ! بما مضی او بما بقی قال لا بل بما بقی۔

"اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہو تو اُن کا بھی وہی راستہ ہے جو اور ہلاک ہونے والوں کا ہے اور اگر اُن کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو ستر برس تک قائم رہے گا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گزشتہ زمانہ ملا کر ستر برس یا صرف آئندہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف آئندہ کے۔

ازالۃ الخفاء جلد ۲۶۴، فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۱

اس حدیث کے بارہ میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-
و مضمون این حدیث در خارج ظہور یافت زیرا کہ در سن
خمس ثلاثین حضرت عثمان مقتول شد و امر جہاد
برہم خورد و باز در زمان معاویہ بن ابی سفیان
امر جہاد قائم گشت و از آن تاریخ بعد ہفتاد سال
دولت بنو امیہ متلاشی شد -

اس حدیث کا مضمون خارج میں ظاہر ہوا کیونکہ ۳۵ سنہ میں حضرت عثمان شہید
ہوئے اور جہاد کا انتظام بگڑ گیا۔ پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ میں
جہاد کا انتظام قائم ہوا اور اس تاریخ سے متبرک برس کے بعد امیہ کی سلطنت زائل
ہو گئی۔
ازالۃ الخفاء جلد ۲۶۴

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خلافت راشدہ کا ایک
دور تیسرے عثمان کی شہادت پر ختم ہوا اور دوسرا دور خلفائے بنو امیہ پر ختم ہوا لہذا جس طرح کی خلافت
راشدہ پہلے دور کی تھی دوسرا دور خلافت راشدہ کا اس طرح کا نہیں تھا جس کی کئی وجوہات ہیں۔
جن کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-

ینقل متواتر کہ در شرعیات نقلی معتد تر از ان یافتہ نمی
شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمع
اشارہ ساختہ اند و آن را بتفصیل کہ زیادہ از آن در شرائع
یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ
اند در میان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ
دریں وقت خلافت علی منہاج النبوة منقطع شود و
ملک عضو پدید آید و معنی لفظ عضو دلالت

می کنند بر حروب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے
در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلقے ثلاثہ
را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر
سہ بزرگ فی مرتبہ من المراتب متفق اند و غیر ایشان در آیت
مرتبہ شریک ایشان نیست و در بعض احادیث لفظے کہ مشعر
بانتطاع خلافت باشد ارشاد فرمودند -

نقل متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے یہ امر ثابت ہو
چکا ہے کہ جو فتنہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے قریب پیدا ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی جانب ارشاد کیا اور ایسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس
زیادہ تفصیل دوسرے احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپؐ نے سیدنا عثمانؓ کی
شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان میں حد فاضل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ
بعد شہادت عثمانؓ کے خلافت علیؓ منہاج النبوة نہ رہے گی اور کاٹنے والی سلطنت
ظاہر ہوگی کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب و قتال کا پیش آنا اور ایک
کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی
معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ پہلی خلافتیں بر طریق نبوت تھیں اور فتنہ سے
محفوظ تھیں، اکثر احادیث میں خلفائے ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا ہے یہاں تک کہ
ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے
بر طریق نبوت ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے میں) برابر ہیں اور ان کے ساتھ
اس مرتبہ میں اُن کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
بعض احادیث میں صاف صاف الفاظ فرمادیے جن سے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے
بعد خلافت علیؓ منہاج النبوة ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔ (ازالہ الحقائق جلد ۱ ص ۳۰۶)
شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے ہیں -

۱۔ خلافت علیؓ منہاج النبوة سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہو گئی تھی اُس کے بعد والی خلافتیں

اُس پایہ کی نہ تھیں جس پایہ کی یہ پہلی تین خلافتیں تھیں۔

۲۔ ملک عضوض رکاٹنے والی سلطنت سے مراد مسلمانوں کی باہمی چٹقلش اور آویزش ہے جس کا آغاز سیدنا علیؓ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔

۳۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی خلافتیں دونوں باہم برابر تھیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت خلافت راشدہ نہ تھی تو سیدنا علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ نہ تھی۔

شاہ صاحبؒ نے اپنی اسی کتاب میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں حل کیا ہے۔ آپ حدیث
 ”المخلافۃ بعدی ثلاثون سنة“ (خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی)
 پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ سیدنا علیؓ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ ان کا زمانہ شامل کئے بغیر تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لہذا اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو۔ بات راصل یہ ہے کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔

پہلا وصف خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔ دوسرا وصف اُس کے تصرف یعنی احکام کا

جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق و متحد ہو جانا“ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۰۷)

اس بحث کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت خاصہ کے ان دو اوصاف

میں سے پہلا وصف سیدنا علیؓ میں پایا جاتا تھا۔ اور دوسرا ان میں مفقود تھا اور سیدنا معاویہؓ

میں دوسرا وصف پایا جاتا تھا اور پہلا مفقود تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ

کی خلافت بالکل سیدنا علیؓ کی خلافت کی طرح تھی۔ اور سیدنا علیؓ کی خلافت کو چونکہ راشدہ

۱۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین ایک خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے

بعد ان کے فرزند ارجمند سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد خلافت سیدنا معاویہؓ کے خاندان میں چلی گئی

اور سیدنا معاویہؓ کے انتقال کے بعد بھی ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوئے۔ اور ان کے بعد خلافت دوسرے خاندان

یعنی سیدنا مروان کے پاس چلی گئی۔ لہذا سیدنا معاویہؓ پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے خلافت کو موروثی بنایا اور

مانا جاتا ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی راشدہ کہنا ناجائز ہے۔
شاہ ولی اللہؒ کے جلیل القدر لکھتے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے بھی خلافت راشدہ کی دو قسمیں
بیان فرمائی ہیں :-

(۱) خلافت منظمہ (۲) خلافت غیر منظمہ

پہلی خلافت کا اختتام سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ہو گیا۔ لیکن دوسری خلافت غیر منظمہ میں
صرف سیدنا علیؓ کی مثال دی ہے لیکن اسی خلافت راشدہ غیر منظمہ میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی
آتی ہے کیونکہ شاہ اسماعیل شہیدؒ جس کو خلافت غیر منظمہ کا نام دیتے ہیں۔ وہ وہی خلافت ہے جس
کو شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت کے دو صفوف میں سے ایک وصف
اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور خلافت کے دو وصف یہ ہیں :-

۱۔ خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔

۲۔ اس کا تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا سیدنا علیؓ
میں وہ تمام صفات پوری طرح موجود تھیں جو خلافت خاصہ (خلافت راشدہ) کے لیے شرط اول ہیں
لیکن اجتماع کلمہ مسلمین اور انتظام مملکت کی وہ دوسری شرط نہیں پائی جاتی تھی جو اس کے لیے ضروری
ہے کیونکہ ان کے دور میں مسلمانوں میں باہمی افتراق و انتشار رہا۔ اور ان کا تصرف اقطار ارض میں
نافذ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اہل حل و عقد کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی
اللہؒ فرماتے ہیں :-

خلافت برائے مرتضیٰ قائر نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) غلط ہے کیونکہ ان کی نسل میں تو صرف یہ یہ تک خلافت رہی اُس کے بعد تو دوسرے
خاندان کے پاس خلافت چلی گئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سیدنا مروانؓ بھی تو بنو امیہ میں سے تھے تو اُس کا جواب
یہ ہے کہ بنو امیہ ایک بہت بڑا خاندان تھا۔ سیدنا مروانؓ سیدنا عثمانؓ کو سیدنا معاویہؓ سے زیادہ قریبی
تھے۔ سیدنا معاویہؓ سے اُن کا دور کا تعلق تھا۔ اور اس لحاظ سے تو بنو امیہ اور بنو ہاشم بھی آپس میں
ملتے ہیں۔

عن اجتہاد ونصیحة للمسلمین بیعت نہ کردہ -
سیدنا علیؑ کی خلافت قائم نہ ہوئی تھی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد اور مسلمانوں
کی نصیحت کے لیے اُن سے بیعت نہیں کی تھی -

(ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۴۹)

ایک اور مقام پر حکیم الامتؒ فرماتے ہیں :-
آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در بسیارے اذا
حدیث متواترہ مرویہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ
أمت بر حضرت مرتضیٰ نشود -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث
متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ اُمت سیدنا علیؑ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی -

(ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۴۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سیدنا علیؑ کی بیعت کے بارہ میں فرماتے ہیں :-
فان اکثر من المسلمین اما النصف واما قتل او اکثر لم
یبایعوه ولهربا یعو اسعد ابن ابی وقاص ولا ابن عمر
ولا غیرہما -

مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے (سیدنا علیؑ)
کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی دوسرے
جلیل القدر صحابہؓ نے اُن کی بیعت کی - (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۳۷)
پتنا نچہ میں وجہ تھی کہ جنگ صفین کے لیے جب آپؐ نے فوج تیار کی تو اہل مدینہ نے آپؐ
کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا - تواریخ میں ہے کہ :-

فتدب اهل المدينة للمسيرهم فتشاقلوا -
اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے آپؐ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا -

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۵، طبری جلد ۵ ص ۱۶۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کیا ہے کہ :-
وكان على لما عزم على قتال اهل الشام قد ندب اهل
المدينة الى الخروج معه فابوا عليه -

سیدنا علیؑ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کا عزم کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو ساتھ
چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا - (البدایۃ والنہایۃ جلد ۲، ص ۲۳)
اور تو اور خود سیدنا علیؑ کے بڑے حقیقی بھائی عقیلؑ بن ابی طالب نے بھی آپ کو چھوڑ دیا
اور وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس شام چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مل کر صفین کی جنگ لڑی
چنانچہ شیعہ مؤرخ لکھتا ہے :-

وقارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ
وحرب الی معاویۃ وشہد صفین معہ -

اور عقیلؑ اپنے بھائی علیؑ امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے
اور معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر انہوں نے (علیؑ سے)
صفین کی جنگ لڑی - (عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۵)

اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے دور میں خلیفہ خاص کی صفات اگرچہ دینی نہ تھیں -
جیسی سیدنا علیؑ میں تھیں کیونکہ سیدنا علیؑ بہر حال سیدنا معاویہؓ سے افضل اور سابق فی الاسلام
تھے، دوسری شرط اُن کے دور میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی - اُن کے زمانہ میں تمام لوگ ایک خلیفہ
پر مجتمع ہو گئے تھے اور امت میں انتشار و افتراق یکھلم ختم ہو گیا تھا یہاں تک کہ اُس سال ہی
کو "عام الحجۃ" کہا جاتا ہے - (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸

ص ۱۳۱، ۱۳۲، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۷)

داخلی انتشار ختم ہوتے ہی دشمنان اسلام نے جہاد جو سیدنا علیؑ کی خلافت کے دوران
بند ہو گیا تھا، پھر سے شروع ہو گیا اور پوری سلطنت میں کامرانی اور شادمانی کا پھر یہاں ہر آنے
لگا - چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :-

الجهاد فی بلاد عدو قائم و کلمۃ اللہ عالیۃ والغنائم ترد الیہ من

اطراف الارض والمسلمون معه في راحة وعدل
وصفح وعفو۔

(سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا
اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر
آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور
راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

الہدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۹

گویا کہ ہر جانب مرقہ حالی کا دورِ دورہ تھا۔ سلطنت کی پہنائیوں میں ہر جانب اضافہ
ہو رہا تھا۔ سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھر رہا ہر آنے لگا۔ رعیت کی گرویدگی اور شینفگی
آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسن سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے
دل کو موہ لیا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

کانت سیرۃ معاویۃ مع رعیتہ من بخیار امیر الولاۃ وکان
دعیۃ یحبونہ وقد ثبت فی الصعیحین عن النبی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم انہ قال خیاراً تمکرو الذین تحبونہم
ویحبونکم وتصلون علیہم ویصلون علیکم وشرار
اُمتکم الذین تیغضونہم بیغضونکم وتلعنونہم
ویلعنونکم۔

سیدنا معاویہؓ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا
کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن
سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم اُن کے لیے دعائیں کرو۔ اور
وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض
رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم اُن پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

ہمارے اس نظریہ کی تائید مشہور مؤرخ بلکہ فلسفہ تاریخ اور عمرانیات کے امام علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :-

وقد كان ينبغي ان تلحق دولة معاوية واخباذة بدول الخلفاء
واخبارهم فهو تأليفهم في الفصل والعدالة والصحة ولا ينظر
في ذلك الى حديث "الخلافة بعدى ثلاثون" فانه لم يصح
والحق ان معاوية في عداد الخلفاء وانما اخذوا المؤرخون في
التأليف عنهم لامر يت -

چاہیے یہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ کی حکومت اور ان کے حالات و واقعات کو ان سے
پہلے خلفاء (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کی)
حکومت اور حالات و واقعات کے ساتھ ذکر کئے جاتے کیونکہ آپ عظمت و
فضیلت، عدالت اور شرف صحابیت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور اس بارہ میں
حدیث الخلافة بعدی ثلاثون (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) کی
طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث (روایت و درایت
کے لحاظ سے) صحیح نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اپنے پہلے خلفاء کے زمرہ
میں شامل ہیں اور مؤرخین نے انہیں جو اپنی کتابوں اور تالیفات میں الگ اور بعد
میں ذکر کیا ہے اُس کے دو سبب ہیں :-

۱۔ پہلا سبب یہ کہ ان کے زمانہ خلافت میں مغالبت کی صورت پیدا ہو گئی تھی حالانکہ اس سے
پہلے وہ ایک اختیاری اور اجتماعی چیز تھی۔ چنانچہ مؤرخین اسلام نے اسی دونوں حالتوں
میں فرق کر دیا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ ان خلفاء میں سے سمجھے جانے لگے جن
میں مغالبت اور عصبیت کا پہلو شامل ہے۔ اس شی کو اہل الاہواءؓ ملوکیت سے تعبیر
کرتے ہیں لیکن سیدنا معاویہؓ کو ان لوگوں کے ساتھ کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں
ہے۔ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ اسی طرح ان کے بعد والے خلفاء کا حال ہے۔
اس معاملہ میں قانون شرعی یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال کو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ

روشنی میں دیکھا جائے پس جس کے افعال و اعمال اس کے مطابق ہو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح خلیفہ راشد ہے اور جس کے افعال و اعمال احادیث صحیحہ اور قرآن حکیم کے مطابق نہیں تو وہ "بادشاہ" ہے اگرچہ اس کو مجازی طور پر لوگ "خلیفہ" ہی کہیں نہ کہیں۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۴ ملخصاً)

علامہ ابن خلدون نے دوسرا سبب جس کی وجہ سے مؤرخین نے ان کا ذکر خلفاء راشدین کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کے خلیفہ راشد ہونے میں غلط فہمی ہو گئی ہے، یہ بیان کیا ہے کہ ۱۔

۲۔ فی ذکر معاویۃ مع خلفاء بنی امیۃ دون الخلفاء الاربعۃ فانہم کانوا اهل نسب واحد، عظیمہم معاویۃ فجعل مع اهل نسبه۔ والخلفاء الاولون مختلفوا الانساب فجعلوا فی نمط واحد۔ والحق بہم عثمان وان کان من اهل هذا النسب للحوقۃ بہم قریباً فی الفصل۔ واللہ تحشرنا فی زمرتہم ویرحمنا بالاقترار بہم۔

دوسرا سبب جس کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو خلفائے اربعہ کی بجائے خلفائے بنو امیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا یہ ہے کہ بنو امیہ کے خلفاء سب ایک ہی سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان سب میں عظیم اور بڑے سیدنا معاویہؓ تھے اس وجہ سے ان کو اہل نسب ہی کے ساتھ (تاریخ کی کتابوں میں) ملا دیا گیا۔ اور ان سے پہلے چاروں خلفاء مختلف سلسلہ ہائے نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا انہیں ایک ہی سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور سیدنا عثمانؓ اگرچہ بنو امیہ میں سے تھے لیکن انہیں پہلے خلفاء کے ساتھ شرف و فضل میں قرابت کی وجہ سے ملا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے زمرے میں سے اٹھائے اور ان کی اقتداء پر ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۴)

علامہ ابن خلدون کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت اسی درجہ کی خلافت تھی جس درجہ کی خلافت سیدنا علیؓ اور دوسرے خلفائے راشدین کی خلافت تھی۔ اور ان دونوں خلافتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان خلافتوں میں حکومت کی کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرامؓ فائز تھے اور ملک میں کتاب و سنت کا قانون جاری و ساری تھا اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں بھی حکومت کے عہدوں اور کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرامؓ ہی تھے اور تمام مملکت اسلامیہ میں شریعت اسلامیہ کا قانون نافذ تھا۔ اور ہر طرف رشد و ہدایت کا دور دورہ تھا۔ بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کے بعد بھی وہ خلفاء جنہوں نے اپنی حکومت کو قرآن و سنت کے مطابق چلایا وہ خلیفہ راشد تھے۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود و مقید کرنے کی بھی پُر زور تردید کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ حدیث جس کی رو سے خلافت راشدہ کو تیس سالوں میں محدود کیا جاتا ہے روایت وراثت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے علاوہ خلافت کو تیس سال میں محدود کر نبیوں کے پاس اور کوئی دلیل نہیں اگر ہے تو پیش کریں اس حدیث پر تفصیلی بحث ہم نے گزشتہ صفحات میں کر دی ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور دور تھے ایک دور تو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہو گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ذکر فرمایا ہے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۳۰۱ اور دوسرا دور سیدنا علیؓ کی خلافت سے شروع ہوا اور ان کے بعد کئی سال تک رہا۔ کیونکہ جوں جوں زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا خلافت کے خصائص و اوصاف میں بھی تغیر آتا گیا زمانہ صدیق اکبرؓ میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی خلافت کے دوران نہ تھیں اور سیدنا فاروقؓ امیر المؤمنین کے دور خلافت میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں نہ تھیں۔ اور سیدنا علیؓ کا زمانہ تو فتنہ و آشوب کا زمانہ تھا۔ اس میں تو اور بھی خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کمی واقع ہو گئی۔ اسی طرح سیدنا معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں کچھ اور زیادہ کمی آئی لیکن جس طرح سیدنا علیؓ کی خلافت ”خلافت راشدہ کی خصوصیات“ کی کمی کے باعث خلافت راشدہ ہی رہی حالانکہ اکثریت نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہی تھی اگرچہ زمانہ نبوت سے مزید

بعد کے باعث اس میں خلافت راشدہ کی خصوصیات ہیں کچھ کمی تھی۔ لیکن وہ روح باقی تھی جو خلافت راشدہ کی جان ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے سیدنا عثمانؓ تک کی خلافت راشدہ کے مقام اور اس کے بعد کی خلافتوں کے مقام میں کچھ فرق کیا ہے۔ چنانچہ امام اہل مدینہ سیدنا مالک بن انسؒ، سیدنا علیؒ کی سنت کو وہ مقام نہیں دیتے تھے جو سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنت کو دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے :-

احمد بن حنبل وکثیر من العلماء يتبعون عليًا فيما سنه كما يتبعون عمر وعثمان فيما سناه واخرون من العلماء كما لا يتبعون عليًا فيما سنه وكلهم متفقون على اتباع عمر وعثمان فيما سناه .

امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء سیدنا علیؒ کی سنت کی اُسی طرح اتباع کرتے ہیں۔ جس طرح سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنن کی اتباع کرتے ہیں اور دوسرے علماء جیسے امام مالکؒ وغیرہ سیدنا علیؒ کی سنت کی اُسی طرح اتباع نہیں کرتے ہیں، لیکن سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنن کی اتباع میں وہ سب متفق و متحد ہیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۱۷۱، انہاء السکن ص ۱۱۱ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

اس سلسلہ میں کہ ہر خلیفہ راشد سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی طرح ہو مصر کے مشہور فاضل شیخ محبت الدین الخطیبؒ نے کیا بات ارشاد فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں :-

ان كان مقياس الاهلية لذلك ان يبلغ مبلغ ابى بكر و عمر في مجموع سجايهما، فهذا الم يبلغه خليفة في تاريخ الاسلام ولا عمر بن عبد العزيز وان طمعتا بالمستحيل وقدسنا امكن ظهور ابى بكر اخر وعمر اخر فلن تتاح له بيئة كالبيئة التي اتاحها الله لابى بكر وعمر وان كان مقياس الاهلية الاستقامت في السيرة، والقيام بحرمة الشريعة والعمل باحكامها والعدل في الناس

والتنظر فی مصالحهم، والجهاد فی عدوهم وتوسیع الآفاق
لدعوتهم والرفق بافرادهم وجماعاتهم فان یزید یوم تمحص
اخباره و یقف الناس علی حقیقہ حالہ کما کان فی حیاتہ
تبین من ذلک انہ لم یکن دون کثیرین ممن تغنی
التاریخ بمعامدہم واجزل الثناء علیہم۔

اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس یہ ہے کہ خلیفہ اپنی مجموعی سیرۃ کے لحاظ سے سیدنا
ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مانند ہو تو پھر اسلام کی تاریخ میں اس طرح کا کوئی خلیفہ
آپ کو ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو سب خلیفہ
راشد کہتے ہیں، بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر ہم کسی ناممکن اور محال شئی کی اس
لگائے بیٹھے رہیں اور ہم ایک اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک اور عمر رضی اللہ عنہ کے ظہور کا امکان تسلیم
کر لیں۔ تب بھی وہ، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ کیونکہ
جس معاشرہ اور ماحول کی پیداوار تھے وہ ہی اب سرے سے مفقود ہے لہذا ابوبکر رضی اللہ عنہ
اور عمر رضی اللہ عنہ جیسا ہونا ناممکن اور محال ہے، اور اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس سیرت و کردار
میں راست روی اور استقامت، حرمت شریعت کی پاسداری اور احترام، احکام
شریعت پر عمل اور اتباع، لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کے مصالح کا خیال
دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد اور اسلامی دعوت کی اس کرۂ عالم میں توسیع اور نشر و
اشاعت، تمام افراد اور جماعتوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک تو جس روز لوگ
صحیح تاریخ اور حقیقت حال سے واقف ہوں گے، اُن پر یہ بات روز روشن
کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یزید بھی ان بہت سے افراد و اشخاص سے کسی طرح
کم نہیں جن کے قابل تعریف کارناموں اور خدمات و فضائل سے اسلامی تاریخ کے
اوراق بھرے پڑے ہیں۔ (العوام من القوام ص ۲۱۴ تعلیقہ)

خلاصہ یہ کہ اگر ہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معیار پر جانچنا شروع
کر دیں گے تو پھر تو واقعی ان کی خلافت اس معیار کی ثابت نہیں ہو سکتی جس معیار کی خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ

اور عمرہ کی خلافت تھی۔ یہاں تک کہ سیدنا علیؑ کی خلافت بھی اُس معیار پر پوری نہ اترے گی۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم گزشتہ سطور میں نقل کر چکے ہیں یعنی زمانہ نبوت سے بعد، کیونکہ زمانہ نبوت میں معاشرہ اور ماحول میں نورانیت تھی وہ آپؐ کے انتقال کے بعد تدریج کم ہوتی گئی۔ اسی چیز کو سیدنا انسؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:-

لما كان اليوم الذي قدم فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم
المدينة واضاء منها كل شيء فلما كان اليوم الذي مات
فيه اظلم منها كل شيء -

جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپؐ کی تشریف آوری سے مدینہ کی ہر شے روشن اور منور ہو گئی اور جس روز آپؐ کا انتقال ہوا اُس روز مدینہ کی ہر شے تاریک ہو گئی۔ (العواصم ص ۲۷ تعلیقہ)

جوں جوں زمانہ نبوت سے دوری ہوتی گئی معاشرہ اور مسلم سوسائٹی میں برکات کی محرومی اور بدعات و فتن کا ظہور ہوتا گیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلامؒ فرماتے ہیں:-

”نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات و فتن کے ظہور اور احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی۔ کالجیہ عوداً عوداً، جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے شروع ہوئی اور جس قدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت اور خلافت کبریٰ کے معاملے میں ہی نہیں ہوئی بلکہ قوام و نظام امت کے میادیات اور اساسات سے لے کر حیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی اور عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔ (مسئلہ خلافت ص ۱۷)

معلوم ہوا کہ ارباب اقتدار معاشرے ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اور جب معاشرہ میں... بگاڑ پیدا ہو تو یقینی بات ہے کہ ارباب حکومت کی زندگیاں بھی اُس سے متاثر ہوں گی اور معاشرے کے اچھے اور بُرے اثرات، اخلاقیات، معاملات، عبادات، دیانات، اقتصادیات، معیشت اور معاشرت سب متاثر ہوں گے اور زندگی کا کوئی شعبہ اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علیؑ سے پوچھا کہ آپ کے عہدِ خلافت میں وہ رنگ نظر نہیں آتا جو آپ سے قبل سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں کے دور میں تھا۔ آپ کے عہدِ خلافت میں تشدد و افتراق پیدا ہو گیا ہے جب کہ ان کے زمانہ میں امت کے تمام افراد میں اجتماع و اتلاف تھا تو آپ نے اُس شخص کو جو جواب دیا وہ ہمارے اس خیال کی پرزور تائید کرتا ہے آپ نے فرمایا:-

”ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عہد کی رعایا مجھ جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تم جیسے لوگوں پر مشتمل ہے“ (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۴)

ہماری اس بات کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ ابن حجر مکیؒ نے درج فرمائی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا فاروقؓ اعظمؓ کے پوتے سیدنا سالمؓ کو ایک خط لکھا کہ آپ مجھے سیدنا عمرؓ کی ایک سیرت لکھ بھیجیں تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔ سیدنا سالمؓ نے انہیں جواب میں لکھا کہ اگر آپ سیدنا عمرؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ سیدنا عمرؓ سے افضل اور بہتر ہیں کیونکہ:-

زَمَانُكَ لَيْسَ كَزَمَانِ عُمَرَ وَلَا رَجَالُكَ كَرَجَالِ عُمَرَ۔

نہ تو آپ کا زمانہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ جیسا ہے اور نہ آپ کے ساتھی سیدنا عمرؓ کے ساتھیوں جیسے ہیں۔ (الصواعق المحرقة ص ۲۱)

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس زمانہ کے سب علماء اور فقہاء کو یہ بات لکھی تو سب نے وہی جواب دیا جو سیدنا سالم بن عبداللہؓ نے دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے بعد چونکہ معاشرہ کے ہر گوشہ میں بگاڑ کے اثرات پیدا ہو گئے تھے لہذا نظامِ حکومت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لیکن تمام خلفاء جو عہدِ خلافت پر متمکن ہوئے اُن کا نظریہ یہی تھا کہ حفظِ دین و سیاست دنیا کی غرض سے امت کا سیاسی نظام شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہو کیونکہ خلافتِ اسلامیہ کی غرض و غایت جو قرآن حکیم نے بیان کی ہے وہ یہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوُا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَارِضٌ
الْأُمُورِ . (الحج: ۴۱)

وہ لوگ کہ ہم اُن کو زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور رنظام،
زکوٰۃ قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ
ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کیونکہ خلافت کی تعریف ہی یہ ہے:-

هي الرئاسة العامة في التصدي لاقامة الدين باحياء العلوم
الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به
من ترميم الجيوش والقروض للمقاتلة واعطاءهم من الفئ
والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر
بالمعروف ونهي عن المنكر نيابة عن النبي صلى الله
عليه وسلم -

خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو (بذریعہ) علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور (بذریعہ)
ارکان اسلام کے قائم کر کے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے
کے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کو اُن پر
تقسیم کرنا اور (بذریعہ) عہدہ قضا کے فرائض انجام دینے اور حدود کو قائم کرنے
اور مظالم کو دور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے اور بُرے کاموں سے
منع کرنے کے، بحیثیت نائب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالفعل حاصل ہوئی ہو۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۹)

خلافت کی یہ تعریف سیدنا معاویہؓ کی خلافت پر ہر لحاظ سے صادق آتی ہے۔ کیونکہ ان
کا عہد گورنری اور عہد خلافت دونوں صرف اور صرف دین اسلام کی سر بلندی کے لیے تھے اور
خلافت سے ان کی کوئی ذاتی غرض یا ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا، پھر ایک صحابی رسول سے اس بات
کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ دنیا کو دین سے ترجیح دے گا۔ صحابہؓ کی پوری زندگی اس بات کی

بین دلیل ہے کہ دین و دنیا میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی جب بھی کوئی صورت پیدا ہوئی۔
انہوں نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دنیا کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ بھی
اپنے متعلق خود بیان فرماتے ہیں:-

مَا كُنْتُ لَأَخِي رِبِّنَ اللَّهِ وَغَيْرِهِ إِلَّا اخْتَرْتُ اللَّهَ عَلَى غَيْرِهِ
مما سواہ -

حق تعالیٰ کی رضا اور دوسرے دنیوی مفادات میں جب بھی کوئی ٹکراؤ پیدا ہوا تو
میں نے دوسرے تمام مفادات کو یکدم ٹھکرا کر اللہ کی رضا کو اپنے لیے پسند کر لیا۔
البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۳، الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۵، منهاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۳
پھر مختلف احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے خلیفہ ہونے
کے بارے میں بشارت بھی دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:-

یا معاویۃ! انت ولیت امرًا فائق الله واعدل -
اے معاویہؓ! اگر تجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام
لینا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۳، تطہیر الجنان ص ۱۵)
سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ:-

ما نزلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول الله صلی
الله علیہ وآلہ وسلم حتی ولیت -
مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ میں ضرور حکومت کے کاموں میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں
خلیفہ ہو گیا۔ (تطہیر الجنان ص ۱۵)

اسی طرح کی ایک اور حدیث امام ابو بکر بن شیبہ نے نقل کی ہے کہ سیدنا معاویہؓ فرماتے
ہیں کہ مجھے اس وقت سے یقین تھا کہ مجھے خلافت ضرور ملے گی جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ:-

اذا مملکت فاحسن -

معاویہؓ تجھے خلافت حاصل ہو تو اچھے طریقے سے حکومت کرنا۔

(الصواعق المحرقة ص ۲۱۶)

ان روایات پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں :-

وتأمل انه صلى الله عليه وآله وسلم أخبر معاوية
بانه يملك وامره بالاحسان تجد في الحديث اشارة
الى صحة خلافته واتمها حق بعد تمامها له ينزل
الحسن له عنها فان امرة بالاحسان المترتب على الملك يدل
على حقيقة ملكه وخلافته وصحة تصرفه ونفوذا فعالة
من حيث صحة الخلافة لا من حيث التغلب لان
المتغلب فاسق معاقب لا يستحق ان يشر ولا ان
يؤمر بالاحسان فيما تغلب عليه بل انما يستحق الزجر
والمقت والاعلام بقبيح افعاله وفساد احواله فلو كان معاوية
متغلباً لاشار له صلى الله عليه وسلم الى ذلك او صرح
له به فلما لم يشر له فضلاً عن ان يصرح الا بما يدل
على حقيقة ما هو عليه علمنا ان الله بعد نزول الحسن له
خليقة حق وامام صدق -

”غور فرمائیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاویہؓ کو اس بات کی خبر دی
کہ اُس کو حکومت حاصل ہوگی اور اس کے ساتھ نیک سلوک اور عفو و درگزر
سے کام لینے کی بھی تلقین فرمائی۔ یہ حدیث سیدنا معاویہؓ کی صحت خلافت پر دلالت
کرتی ہے اور یہ کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور سیدنا معاویہؓ کی
بیعت ہو جانے کے بعد اُن کی خلافت صحیح اور برحق ہے اس لیے کہ جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمانا جو حکومت کے حصول

کے بعد ممکن تھا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی خلافت برحق اور ان کے افعال اور تصرفات اسی طرح صحیح تھے جس طرح خلافت صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد کسی خلیفہ کے ہوتے ہیں نہ کہ غلبہ اور استیلاء سے کرسی حکومت پر متمکن ہونے والے کے۔ کیونکہ غلبہ اور استیلاء سے خلافت حاصل کرنے والا شخص تو فاسق اور سزاوار عقوبت ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی بشارت کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا کہ اس کو حسن سلوک اور عفو و درگزر کی تلقین کی جائے۔ ہاں زجر و توبیخ کا وہ ضرور مستحق ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اس کو اس کے برے اعمال اور فساد احوال کی اطلاع دی جائے۔ سیدنا معاویہؓ بھی اگر غلبہ و استیلاء سے مستند خلافت پر قابض ہوئے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور صراحت کے ساتھ یا کم از کم اشارتاً بیان فرما دیتے۔ جب آپ نے ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ ایسے امور کی خبر دی ہے جو ان کی خلافت کے برحق اور صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہؓ خلیفہ برحق اور صحیح اور سچے امام تھے۔

(الصواعق المحرقة فی الروایة اہل البدع والزندقۃ ص ۲۱۷)

ایک اور مقام پر علامہ ابن حجر مکیؒ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے صحیح اور حق ہونے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو امور خلافت سپرد کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ صحیح معنوں میں خلیفہ ہو گئے تھے اور وہ خلیفہ حق اور امام صادق تھے۔ علامہ کے الفاظ ہیں:-

فالحق ثبوت الخلافة لمعاوية من حينئذ وانه بعد

بعد ذلك خليفة حق وامام صدق -

صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی صلح کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح معنوں میں ثابت ہے اور اس صلح کے بعد وہ خلیفہ حق اور امام صادق ہیں۔

(الصواعق المحرقة ص ۲۱۷)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافت انہی معنوں میں خلافت راشدہ تھی جن معنوں میں سیدنا علیؓ اور دوسرے خلفاء کی خلافت راشدہ تھی۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ سوائے ایک حدیث کے جس کے روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہونے کو ہم نے بدلائل واضح ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دلیل "خلافت راشدہ" کو تیس سال میں مقید اور محدود کرنے کی نہیں ہے۔ اب صرف ایک غیر صحیح حدیث پر "خلافت راشدہ" کو محدود کرنے کا نظریہ قائم کرنا ہمارے نزدیک نہ صرف صحیح نہیں بلکہ قرآن و سنت کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر اس حدیث کو کسی صورت میں صحیح بھی مان لیا جائے تو سیدنا حسنؓ کی خلافت بھی راشدہ ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ خود سیدنا سفینہؓ نے مدت شمار کرنے میں ان کی خلافت کو نکال دیا۔ اور اگر ان کی خلافت کو بھی "خلافت راشدہ" میں شامل کر لیا جائے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض بزرگوں نے کس دلیل سے سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ کو بھی خلفاء راشدین میں شمار کر لیا ہے حالانکہ عمر بن عبد العزیزؓ کا سیدنا معاویہؓ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اول الذکر ایک تابعی ہیں حالانکہ آخر الذکر ایک فقیہ و مجتہد صحابی رسولؐ، ایک کاتب وحی اللہ کی وحی کے امین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی اور خال المومنینؓ، سیاست میں نالغہ روزگار ہادی اور مہدی۔ چنانچہ عبد اللہ بن مبارکؓ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ معاویہؓ اور عمر بن عبد العزیزؓ دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ :-

واللہ! ان الغیار الذی دخل فی الف فرس معاویہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر بالف مرۃ۔ صلی معاویہ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ۔ فقال معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ربنا لك الحمد فما بعد هذا الشرف الاعظم۔

خدا کی قسم! وہ غبار اور مٹی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سیدنا معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں آکر جم گئی وہ عمر بن عبد العزیزؓ سے

ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ جب آپؐ کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ" تو معاویہؓ کہتے تھے "ربناک الحمد" اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے۔

(تطہیر الجنان ص ۱۱۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ قاضی عیاضؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے معاذ بن عمروؓ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہؓ کے سامنے عمر بن عبد العزیزؓ کا کیا مقام ہے؟

فغضب غضباً شديداً وقال لا يقاس بأصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم أحد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وامينه على وحي الله۔

آپ کو یہ سوال سُن کر سخت غصہ آیا اور فرمایا! اصحاب رسولؐ کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی آپ کے برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔ (تطہیر الجنان ص ۱۱۱)

اگر سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ کی خلافت "خلافت راشدہ" ہو سکتی ہے تو سیدنا معاویہؓ کی خلافت کیوں راشد نہیں ہو سکتی؟

قرآن حکیم نے ایک بڑی بنیادی بات مسئلہ خلافت کے بارہ میں بیان فرمائی ہے کہ

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنا دے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے، ان کے لیے اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں

پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی حالت خوف کو حالت امن سے بدل دے گا۔ پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (النور: ۵۵)

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے صحابہ کرامؓ سے بلا واسطہ اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بلا واسطہ ”خلافت“ کا وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے لیے دو شرائط ذکر کیں اور دو ثمرات بیان فرمائے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مومن ہو۔ ————— اور

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل صالح کا حامل ہو۔

جب یہ دو شرطیں پائی جائیں تو اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ انہیں ”استخلاف فی الارض“ زمین میں خلافت عطا فرمائیں گے۔ اور اُس کے نتیجے میں دو ثمرات انہیں حاصل ہوں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا۔

۲۔ ان کی حالت خوف کو حالت امن میں بدل دے گا۔

اب یہاں دو باتیں اور ذہن میں رکھیے۔

۱۔ اس آیت میں خلافت سے مراد ایسی حکومت ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر شرعی کے مطابق

اس کی نیابت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں سید

مودودی لکھتے ہیں:-

”اب جو شخص بھی یہاں اس سیاق و سباق میں آیت استخلاف کو پڑھے گا وہ ایک

لمحہ کے لیے بھی اس امر میں شک نہیں کر سکتا کہ اس جگہ خلافت کا لفظ اُس حکومت

کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اللہ کے امر شرعی کے مطابق رہنے کے محض قوانین

فطرت کے مطابق) اس کی نیابت کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والی ہو۔ اسی

لیے کفار تو درکنار اسلام کا دعویٰ کرنے والے منافقوں تک کو اس وعدے میں

شریک کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے مستحق

صرف ایمان اور عمل صالح کی صفات سے متصف لوگ ہیں۔“

(تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۴۱۸)

۲۔ دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ یہ وعدہ بعد کے مسلمانوں کو بالواسطہ پہنچتا ہے

بلا واسطہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد

میں موجود تھے۔ (تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۴۱۹)

یہ ساری باتیں ذہن میں رکھنے کے بعد اب دیکھئے کہ کیا سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود نہیں تھے؟ یقیناً تھے۔ اور آپ کاتب وحی اور ایک فقیہ

صحابی تھے۔ (بخاری جلد ۵۳۱، اصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲، ابن ابی الحدید جلد ۱

ص ۲۳۸، کنز العمال جلد ۲ ص ۲۴۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸)

ایمان اور عمل صالح میں روشنی کا مینار تھے کہ سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ جیسا خلیفہ راشد

اُن کے گھوڑے کے نتھنوں میں جبی ہوئی مٹی کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

(تطہیر الجنان ص ۱)

عمرۃ القضاء کے روزہ ایمان لائے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے خود ان کی ربانی نقل فرمایا

ہے کہ :-

اسلمت یوم عمرۃ القضاء والکتی کتمت اسلامی من ابی

الی یوم الفتح۔

میں عمرۃ القضاء کے روزہ ایمان لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈسے اپنے ایمان

کو فتح مکہ تک چھپائے رکھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸، ۱۲۱)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی لکھا ہے :-

معاویۃ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلحہ قبل الفتح و

کتب الوحی۔

معاویہؓ بن ابی سفیان صحابی اور خلیفہ راشد ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف یا سلام

ہوئے اور آپ کاتب وحی بھی تھے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۵)

گویا کہ آپ میں ایمان اور عمل صالح کی دونوں شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں ان شرائط کے ساتھ خلافت راشدہ کے دونوں ثمرات بھی ان کے زمانہ خلافت میں مرتب ہوئے۔

پہلا ثمرہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین یعنی اسلام ان کے زمانہ میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسلامی فتوحات کا سلسلہ یکھلم بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں ایک شہر بھی اسلامی قلمرو میں داخل نہ ہوا۔ آپ نے اپنے زمانے میں جس قدر جنگیں بھی لڑیں وہ اسلام کی خاطر نہیں تھیں بلکہ صرف طلب خلافت کے لیے تھیں۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے :-

مقاتلات و من رضى الله عنه برائى طلب خلافت بوجه
بجہت الاسلام۔

سیدنا علیؓ کی لڑائیاں صرف اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۷۷)

فتوحات کا وہ سلسلہ جو سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں بند ہوا۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کو دوبارہ جاری کیا اور اپنے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافعؓ کے توسط سے ۴۰ھ میں شمالی افریقہ کے ایک وسیع علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا اور آپ کے جنرل مہلب بن ابی صفرؓ نے ۴۴ھ میں سندھ اور ترکستان کے علاقے پر اسلامی پرچم لہرایا۔ پھر اپنے صاحبزادے یزید بن معاویہؓ کی زیر قیادت قسطنطنیہ پر حملہ کروایا۔ ۵۳ھ میں بحری لڑائی کے ذریعہ آپ کے جنرل جناد بن امیہؓ نے روم کو فتح کیا۔ پھر ۵۴ھ میں قسطنطنیہ کے قریب ایک جزیرے ارود کو اسلامی حکومت میں داخل کیا۔ چنانچہ علامہ خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے :-

هو اول مسلم راكب بحر الروم للغزو وفي ايامه فتح كثير
من جزائر يونان والدر دنیل۔

آپ (سیدنا معاویہؓ) سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم کو اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بے شمار جزیرے اور درہ دانیال

وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔

(الاعلام جلد ۸ ص ۱۷۳، الفتوحات الاسلامیہ جلد ۲ ص ۹۸)

آپ نے آخری وقت میں یہ وصیت فرمائی۔

شد خناق التروم۔

روم کا کلا گھونٹ دو۔ (النجوم الزاہرہ جلد ۱ ص ۱۳۴)

کئی نئے شہر بھی تعمیر کئے، نظم مملکت کو سیدنا فاروق اعظمؓ کی بنیادوں پر قائم کیا ملک میں رعایا کی خوشحالی اور آرام کے لیے مختلف اصلاحات کیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے ان سب چیزوں کو ان الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ:-

الجهاد في بلاد عدو قاتل وكلمة الله عالية والفنائم ترد
اليه من اطراف الارض والمسلمون معه في راحت
وعديل وصفح وعفو۔

آپ کے زمانہ میں دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں۔ اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۸)

آپ کی اسی اسلام دوستی اور رعیت پروری کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانے کے سارے لوگ جو صحابہ کرامؓ اور تابعین پر مشتمل تھے آپ پر دل و جان سے فدا تھا۔ اور دل کا اتھاہ گمراہیوں سے آپ سے محبت کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا کہ:-

كانت سيرة معاوية مع رعيتہ من خيار امير الولاة وكان
رعيتہ يحبونہ۔۔۔ الخ

سیدنا معاویہؓ کا اپنی رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کا تھا اور آپ کی رعایا آپ کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ (محتاج المستنہ جلد ۳ ص ۱۸۹)

الغرض آپ کی خلافت سے وہ ثمرہ بھی مرتب ہوا جس کا حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا تھا۔ اور دوسرا ثمرہ بھی مرتب ہوا کہ جب اسلام کا قانون دور دور تک رائج ہوا اور سلطنت اسلامی کی پہنائیوں میں دور دور تک اضافہ ہوا اور ہر جانب مرقہ حالی کا دور دورہ ہو گیا تو۔

مسلمانوں کی حالت خوف پہلے سے زیادہ حالت امن میں تبدیل ہوئی اور مسلمان ایک غالب قوم کی صورت میں دنیا میں ابھرے اور اس جاہلیت کی تہذیب اور تمدن سے ہندوب قومیں سرنگوں ہو کر اہل اسلام کی رعایا بنیں ان میں اسلام کو روشناس کرایا گیا یہاں تک کہ اہل اسلام کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ ہر شخص کی جان، مال اور عزت کو تحفظ نصیب ہوا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کی حالت خوف حالت امن میں بدل گئی بلکہ تمام اقوام عالم ہر قسم کی زیارتوں اور تعذیوں سے محفوظ و مہشون ہو گئیں۔

چنانچہ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کو راشدہ ثابت کرتی ہے اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی راشدہ ثابت کرتی ہے اب قرآن حکیم کے اتنے واضح ثبوت کے بعد صرف ایک مخدوش حدیث کی بنا پر خلافت راشدہ کو صرف چار صحابہؓ میں محدود کر دینا اور ان کی خلافت کے بارہ ہیں دور از کار تاویلیں کرنا ہماری نگاہ میں صحیح نہیں۔ بلکہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں غلط ہے۔

سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے ادوار خلافت تو بالاتفاق خلافت راشدہ کے دور تھے۔ ان دونوں خلافتوں میں سیدنا معاویہؓ دمشق کے اہم صوبہ پر گورنری کے جلیل القدر عہدہ پر قریباً ۲۰ سال تک قائل رہے ان دونوں خلافتوں میں تو وہ خلافت راشدہ کے کل پرزہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے پھر کیا وجہ ہے کہ جب ان کا دور خلافت آیا تو یکا یک ان کی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی حالانکہ انہوں نے اپنی خلافت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے طریق سے ہٹ کر ہو۔ اور آج جو اعتراضات ان کی خلافت کو غیر راشدہ یا ملوکیت ثابت کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں وہ سب بعد کے ذہنوں کی پیداوار

ہیں۔ خود اُن کے زمانہ خلافت میں یا اُن کی خلافت کے کئی سو سال بعد تک اُن پر اس قسم کے کوئی اعتراضات نہیں ہوئے۔ خود ان کا اپنا دور خلافت صحابہ کرام کا دور تھا جس کھ حدیث نبوی میں ”خیر القرون“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اُن کی خلافت میں کئی ایک صحابہ جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے۔ اس کا یہ معنی ہوا کہ عہد معاویہ اگر خلافت راشدہ کا دور نہیں تھا بلکہ ملوکیت کا دور تھا تو وہ سارے صحابہ ملوکیت کی مشین کے لیے پُزدوں کے طور پر کام کرتے رہے اور انہوں نے اس نظام حکومت کو پروان چڑھایا جس سے اللہ اور اس کا رسول قطعاً راضی نہ تھے اور یہ بات محالات میں سے ہے۔ کیونکہ صحابہ جاہلیت اور باطل کے نظام کو دنیا میں کبھی فروغ دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے جیسا کہ گذشتہ سطور میں دلائل واضح سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ کی خلافت پر غیر راشدہ کا اعتراض جلیل القدر صحابہ پر اعتراض ہے بلکہ اُس وقت کے پورے معاشرہ پر اعتراض ہے جو ان کی خلافت کو صحیح اور راشدہ سمجھ کر اُن کے حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔

اس سلسلہ میں سیدہ ام حرام کی حدیث بھی غور کے قابل ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے کہ :-

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز کھانا تناول فرما کر اُن کے ہاں استراحت کے لیے لیٹ گئے اور سیدہ ام حرام نے ان کا سر دیکھنا شروع کر دیا آپ کو نیند آگئی۔ تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرام نے دیکھا کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتحيات مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدہ ام حرام نے مسکراتے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ سیدہ ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور انہی الفاظ کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرام نے پھر اپنی شرکت کی دعا کی درخواست کی۔ آپ نے

فرمایا ”تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو“

بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، ص ۴۰۳، ص ۴۰۵، ص ۴۰۹، ص ۴۱۰، جلد ۲ ص ۹۳۰-۹۳۹،

صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۴۲، زرقانی جلد ۱ ص ۶۶، اصالبہ جلد ۸ ص ۲۲۲۔

امام بخاریؒ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا۔

میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اُس پر جنت واجب ہو گئی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

لیکن دوسری پیش گوئی کے بارے میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں :-

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرٍ مَغْفُورٌ لَهُمْ

میری اُمت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا۔ اُس کے لیے

در بار الہی سے (معفرت) کا پروانہ ہے (بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسے پہلا بحری لشکر جس نے ۱۸۰۰ء میں سمندر

کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص (Cyprus) پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے

اسلامی علم بلند کیا وہ ذات والا صنات سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ چنانچہ

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ :-

وَكَانَ امِيرُ ذَلِكَ الْجَيْشِ مَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ فِي خِلَافَةِ عَثْمَانَ

وَمَعَهُ الْبُؤْزُ وَالْبُؤْدُورُ وَغَيْرُهُمَا مِنَ الْمَتَعَانِيَةِ۔

خلافت عثمانی میں جب یہ حملہ ہوا تو اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

تھے اور ان کے ساتھ البؤز اور البؤدور داء جیسے کئی اور دوسرے صحابہؓ تھے

راشد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵۔

والپی پر سیدہ ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال

فرما گئیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، جلد ۲ ص ۹۲۹، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵،

عمدة القاری جلد ۱ ص ۱۹۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴)

چنانچہ لکھا ہے کہ :-

قبراً تم حرام بنت ملحان بقبرس وہم یقولون ہذا قبر
المرأة الصالحة -

ام حرام بنت ملحان کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک
نیک اور پاکیزہ عورت کی قبر ہے -

رصفة الصفوة جلد ۲ ص ۳۸، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵

قبرص کی یہ فتح ۲۸ سنہ میں سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔ اس لڑائی میں سیدنا
معاویہؓ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ”قَدْ أُوجِبُوا“ (جنت ان پر واجب
ہو گئی) کے تحت اہل جنت میں شامل ہو گئے۔ یہ فضیلت کوئی معمول فضیلت نہیں بلکہ جس طرح
عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری مل گئی تھی اسی طرح ان صحابہ کو بھی جنت ہی کی بشارت
دے دی گئی تھی جنہوں نے قبرص کے اس معرکے میں شمولیت فرمائی تھی -

پیش گوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہؓ کے دور امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ
کے دور خلافت میں پائے تکمیل کو پہنچا جب آپ کے فرزند ارجمند یزید کی زیر قیادت ایک
عظیم الشان لشکر نے جس میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ
بن زبیرؓ اور میزبان رسولؐ سیدنا ابوالتوب انصاریؓ بھی شامل تھے، مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر
حملہ کیا۔ رعمدة القاری جلد ۱ ص ۱۹۹، فتح الباری جلد ۶ ص ۷۷، ارشاد الساری

جلد ۵ ص ۱۰۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۷

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :-

فناس معه خلق كثير من كبار الصحابة -

جلیل القدر صحابہ کی بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی -

البدایة والنهاية جلد ۸ ص ۱۲۷، ۱۲۸

بلکہ سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے بھی امیر یزید کی زیر قیادت ایک سپاہی کی حیثیت سے اس

لشکر میں شمولیت فرمائی -

(البدایة والنهاية جلد ۸ ص ۱۵۱، مسطری آف سیرنر انگریزی ص ۸۴)

اسی وجہ سے مشہور حدیث مہلب فرماتے ہیں :-
 فی ہذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ لانتہ اول من غزا البحر و
 منقبۃ لولدہ یزید لانتہ اول من غزا مدینۃ قیصر -

اس حدیث میں معاویہ کی منقبت بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے بحری
 جنگ لڑی تھی اور اس حدیث میں اُن کے بیٹے یزید کی بھی منقبت ہے کیونکہ انہوں نے
 سب سے پہلے مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۷۷)
 اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ جس شخصیت کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے اس قدر پیش گوئیاں فرمائی ہوں اور جس نے ملت اسلامیہ کا چارواں ملک عالم میں شہرت کا
 ڈنکا بجایا ہو کیا اُس کی خلافت غیر راشدہ ہو سکتی ہے؟ اور وہ دنیا میں ایسا نظام برپا کر سکتا ہے کہ جو
 اسلام کے خلاف ہو۔ کیونکہ اسلام کے نظریات و افکار کے مطابق معاشرہ کی داغ بیل ڈالتا عین
 رشد و ہدایت ہے اور غیر راشدہ ہر وہ فعل ہے جو اسلام کے نظام سے لگانہ کھاتا ہو۔ خلافت راشدہ
 کو صرف چار پانچ خلفاء میں محدود کر کے ان کے علاوہ سب خلفاء کو عام سطحی بادشاہوں کا درجہ
 دینا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین کی توہین ہے۔

یہ تھے وہ دلائل جن کی رو سے ہمارا دعویٰ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت اسی قسم کی خلافت
 راشدہ تھی جس قسم کی سیدنا علیؓ کی خلافت راشدہ تھی۔ اور اگر کوئی شخص ان کو کاتب وحی، صحابی
 رسول مانتے ہوئے خلیفہ راشد نہیں مانتا تو اس کو صحابی رسول کے بارہ میں اپنے اُس عقیدہ پر
 پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو علمائے اہل سنت کا متفقہ ہے۔ بہر حال اگر کسی کو آپ کی خلافت کے
 راشد ہونے میں اختلاف ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ دلائل دے اور دلائل قرآن و سنت سے
 ہوں۔ اور صحیح اور صریح ہوں اور اگر دلائل نہ دے سکیں تو پھر خلافت راشدہ کو تیس سال میں
 محدود و مقید کرنے کے نظریہ پر نظر ثانی کریں اور اس مظلوم صحابی رسولؐ کے بارہ میں اپنے عقیدے
 کے اُن جراثیم کو ختم کریں جو رفض و تشیع کے مسلسل پراپیگنڈے کی وجہ سے عام مسلمانوں کے ذہنوں
 میں نسلاً بعد نسل پل رہے اور موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین اسلام نے بھی اپنی متعدد

کتابوں اور مضامین کے ذریعہ ان کی مسلسل آبیاری کی ہے۔
 سیدنا معاویہؓ پر ان اعتراضات کے علاوہ کچھ اور اعتراضات بھی کئے ہیں کہ :-

- ۱۔ انہوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں تبدیلی کی۔
 - ۲۔ انہوں نے انسانی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔
- لیکن ان اعتراضات کی حقیقت وہی ہے جو ان اعتراضات کی جن کے تفصیلی جوابات ہم نے اس کتاب میں دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اس لحاظ سے ایک نہایت مظلوم شخصیت ہیں کہ ان کے بارہ میں صدیوں سے پراپیگنڈہ کیا گیا اور ہر وہ حربہ اختیار کیا گیا جس کی وجہ سے ان کی پاکیزہ اور بے داغ شخصیت کو داغدار بنایا جائے۔ اس بارہ میں خطیب بغدادیؒ نے کیا اچھی بات فرمائی اس کو ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، لیکن بات اتنی ٹکٹہ رس ہے کہ ہم اس کتاب کے اختتام پر بھی اس کو ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں :-

معاویۃ ستر لا صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف
الرجل المستر اجترأ علی ما وراہ -

معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کے لیے ایک پردہ ہیں جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی ان کی ہمتیں اور جراتیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۹)

یہی بات یہ ہے کہ جو لوگ سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر اعتراضات کر کے صحابہؓ کے اس پردہ کو کھولنا چاہتے ہیں وہ دراصل سیدنا معاویہؓ سے پہلی شخصیتوں یعنی سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کو اپنی تنقید کا ہدف بنانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے قلم سے سیدنا معاویہؓ کے خلاف کچھ لکھا گیا ان کے قلموں کی روشنائی ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ جیسے لوگوں پر بھی خشک نہ ہوئی اور انہوں نے بلا جھجک ان کی شخصیتوں اور ملکی پالیسیوں میں بھی کیڑے نکالنا شروع کر دیئے اور اپنی صحابہؓ دشمنی کا پورا پورا ثبوت دیا۔

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



مصنف کی دیگر کتب

سیدنا علیؑ

سیدنا عثمانؑ

خلفائے راشدینؑ

سیرت اُمّہات المؤمنینؑ

نور الصُّدُور فی احوال الموتیٰ والقبور

